بچھو
ایم اے راحت

ایک پُراسرار، پُرہیبت اور دہشت ناک، رونگٹے کھڑے کردینے والا ناول

ایم اے راحت

ناشر
علی میاں پبلی کیشنز
۲۰-عزیز مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔فون ۷۲۴۷۴۱۴

حضرت غوث اعظم دستگیر رحمتہ اللہ علیہ کی نیازِ پاک تھی۔ امی ایسے معاملات میں بہت دلچسپی لیتی تھیں۔ بزرگانِ دین کی بے پناہ عقیدت مند' حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ' جناب خواجہ معین الدین چشتیؒ' صابر کلیریؒ' خواجہ سلیم الدین چشتیؒ' حضرت داتا گنج بخشؒ' بابا فرید گنج شکرؒ' جناب ابراہیم شاہ جلیسریؒ' ہر ایک کی نیاز دلاتی تھیں۔ اپنے ہاتھوں سے کچھ نہ کچھ پکاتی تھیں اور پڑوس کے بچوں میں تقسیم کرتی تھیں۔ یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس دن بھی میں گھر کے دروازے پر پہنچا تو دروازہ کھلا ہوا تھا اور امی شیرینی تقسیم کر رہی تھیں۔ بچے ان سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ امی ان میں اتنی مصروف تھیں کہ ان کی نگاہیں کھلے دروازے پر نہ پڑیں' میں بھی شرارتاً خاموشی سے اندر داخل ہو گیا اور بچوں کے درمیان ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ امی گردن جھکائے مصروف تھیں۔ ایک ایک بچہ ان کے سامنے سے گزر رہا تھا اور وہ نیاز کی شیرینی کی پڑیا اس کے ہاتھوں پر رکھ رہی تھیں۔ میری باری آگئی۔ انہوں نے اوپر نگاہ اٹھائے بغیر شیرینی کی پڑیا میرے ہاتھوں پر رکھنا چاہی لیکن اچانک وہ اچھل پڑیں۔ ان کے ہاتھ پیچھے ہو گئے' انہوں نے وحشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے انہیں چکر آگیا ہو۔ وہ گرنے لگیں تو میں نے آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا۔

"ارے۔ ارے امی۔ کیا ہوا' کیا بات ہے؟"

"تمہارے ہاتھ' تمہارے.......... ہاتھ.........."

"آپ خود کو سنبھالئے.......... کیا ہوا میرے ہاتھوں کو؟ دیکھئے! بالکل ٹھیک ہیں۔" میں نے دونوں ہاتھ سامنے کئے تو انہوں نے وحشت زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

"نہیں نہیں۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" پھر انہوں نے بچوں کی طرف دیکھ کر کمزور آواز میں کہا۔ "بچو.......... جن بچوں کو شیرینی نہیں ملی ہے وہ فوراً اپنا اپنا حصہ لے لیں۔ میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔ دیکھو بے ایمانی نہ ہو۔" پھر وہ مجھ سے بولیں۔ "آؤ مجھے سہارا دے کر اندر لے چلو۔"

"آیئے..........." میں نے بچوں جیسے انداز میں کہا۔ صرف ایک منٹ پہلے امی بالکل ٹھیک تھیں اور بڑے انہماک اور اطمینان سے بچوں میں شیرینی تقسیم کر رہی تھیں۔ ان کا چہرہ اسی طرح مطمئن اور شگفتہ نظر آرہا تھا جیسا ہوا کرتا تھا۔ لیکن ایک منٹ کے اندر اندر ان کے چہرے پر پیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ ہونٹ خشک ہوگئے تھے اور آنکھیں اس طرح چڑھی چڑھی نظر آرہی تھیں جیسے ایک دم سے بیمار ہوگئی ہوں۔ میں انہیں سہارا دے کر اندر لے جانے لگا لیکن میرے ذہن کے اندر ایک دم ایک عجیب سی لہر بیدار ہوگئی۔ غالباً یہ تیسرا یا چوتھا موقع تھا۔ پرانی بات تو خیر مجھے یاد نہیں۔ تھوڑے دن پہلے میرے ہاتھوں میں خارش ہو رہی تھی۔ امی بیٹھی ہوئی ترکاری کاٹ رہی تھیں۔ میں نے دونوں ہاتھ ان کے سامنے کئے اور بولا۔

"دیکھیں امی! کیسی خشکی ہو رہی ہے اور شاید میرے ہاتھوں کی کھال اتر رہی ہے۔" امی نے بے اختیار میرے ہاتھوں پر نگاہ ڈالی اور پھر ایک دم ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ انہوں نے بڑی مشکل سے کہا۔

"ہاں خشکی ہو رہی ہے.......... موسم خراب ہے۔ ہاتھوں پر کریم لگالو۔" میری سمجھ میں بات نہیں آسکی تھی۔ اس سے پہلے بھی کئی بار امی نے میرے ہاتھوں سے نگاہیں چرائی تھیں۔ میں نے اس بات کو صرف اتفاق سمجھا تھا لیکن آج پھر یہی کیفیت ہوئی تھی اور آج میری کیفیت بھی کچھ خراب سی ہوگئی۔ میں نے امی کو اندر لے جاکر بیڈ پر بٹھایا پھر جلدی سے پانی لاکر انہیں پلایا۔ وہ عجیب سے انداز میں ہانپ رہی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ باہر سے بچوں کا شور ابھر رہا تھا۔ جو تھوڑی دیر کے بعد خودبخود ختم ہوگیا کیونکہ شیرینی بھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ سب باہر نکل گئے۔ میں گہری نگاہوں سے امی کو دیکھ رہا تھا۔ امی نے مجھ سے نگاہیں ملائیں اور اس طرح ہٹالیں جیسے وہ کسی خاص احساس کا شکار ہوں۔ پانی پینے کے بعد ہنسنے لگی پھر بولیں۔

"کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے حالانکہ یہ کوئی بیماری نہیں ہے۔ بس دوران خون میں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔"

"امی..........! بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں نظرانداز کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ یہ آج پہلا موقع نہیں ہے۔ کتنی ہی بار میرے ہاتھوں کو دیکھ کر آپ کی طبیعت خراب ہو چکی ہے۔ صرف ایک بات بتا دیجئے مجھے' صرف ایک بات۔ کیا بات ہے میرے ہاتھوں میں' ایسی کون سی بات ہے؟"

"لعنت بھیجتی ہوں تمام چیزوں پر' میں تو خود ان باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔ بس میری ایک دوست تھی۔ امریکہ چلی گئی ہے۔ پامسٹ تھی' ہاتھوں کی لکیریں دیکھتی تھی اور زندگی کے تمام راز کھول دیتی تھی حالانکہ ہم نہیں مانتے کہ لکیروں میں زندگی تحریر ہوتی ہے۔ بس ایک مشاہدہ ہے جو عمل کرتا ہے اور جتنے ہاتھ دیکھنے والے ہیں وہ اسی مشاہدے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کم بخت نے زبردستی مجھے لکیروں کی شناخت بتائی اور تم یقین کرو میں نے بہت سے ہاتھ دیکھے۔ کبھی کبھی ان کے بارے میں کچھ بتایا بھی۔ میری تین ساتھی اسکول ٹیچر ہیں۔ جنہیں میں نے ان کے مستقبل کے بارے میں ان کی لکیروں کی مدد سے بتایا۔ بدبختوں کے لئے جو باتیں بتائی تھیں۔ ساری کی ساری سچ نکلیں۔ بس اس سے خوفزدہ ہوگئی ہوں۔"

"میرے ہاتھوں میں کون سی ایسی لکیریں ہیں؟ بتا دیجئے امی!"

"چھوڑو یار! جانے دو ان باتوں کو کیا رکھا ہے۔ جب میں خود تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں ان باتوں پر یقین نہیں کرتی۔"

"اگر آپ ان باتوں پر یقین نہیں کرتیں تو پھر آپ کی طبیعت اس طرح خراب کیوں ہوجاتی ہے؟"

"انسان تو انسان ہے نا۔ دوسرے کے ہاتھوں کو دیکھو تو کچھ بھی بک بک کر سکتی ہوں۔ جب تمہارے ہاتھ دیکھتی ہوں تو مجھے ان کم بخت لکیروں کی شناخت یاد آجاتی ہے۔"

"بہت اچھی دوست ہیں آپ میری امی' سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کے سوا اس کائنات میں میرا کوئی اور دوست تو ہے بھی نہیں۔ بتا دیجئے کیا خوف چھپا ہے میرے ہاتھوں کی لکیروں میں؟"

"تمہارے ہاتھ میں قتل کی لکیر ہے۔ تم قتل کرو گے کسی کو' سمجھے؟ لکیروں کے حوالے سے' لیکن لعنت ہے ایسی قیافہ شناسی پر اور خواہ مخواہ کی فضول باتیں۔ بالکل ایسا نہیں ہوگا۔ قطعی نہیں ایسا ہوگا۔ میں بس اس لکیر کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی ہوں۔ میں نے کہا نا انسان ہوں۔" امی کے اندر یہ خوبی تھی یا تو سختی سے منع کر دیتی تھیں کہ دیکھو فضول باتیں مت کرو اور اس کے بعد وہ کسی سوال کا جواب نہیں دیتی تھیں اور اگر کبھی دل چاہتا تو اتنی سچائی سے ساری بات بتا دیتیں کہ اس میں کوئی فریب نہ رہے۔ میں چند لمحات غور کرتا رہا اور پھر میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دوستی! ہے نا ہماری۔ ماں بیٹے تو ہم ہیں لیکن ہمارے ڈبل ڈبل رشتے ہیں یعنی دوستی کا رشتہ بھی ہے۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

"بالکل۔"

"تو پھر آپ سن لیجئے۔ کبھی کسی کو قتل نہیں کروں گا۔ ہاں بقر عید پر قربانی کروں گا۔ گھر میں بلی دودھ پی گئی تو ہو سکتا ہے غصے میں اسے قتل کردوں۔ مچھروں نے اگر کاٹا تو انہیں بھی مار دوں گا۔ بس یہی قتل ہو سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ میرے ہاتھوں سے۔ باقی میرا اپنے دوست سے وعدہ ہے کہ کسی انسان کی زندگی نہیں لوں گا۔" امی نے جلدی سے میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور ان کی ہتھیلیوں کو چوم لیا۔ ہمارا یہ چھوٹا سا کنبہ انہی دو افراد پر مشتمل تھا۔ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس وقت میرا میٹرک کا رزلٹ نکلنے والا تھا اور والد صاحب کو نمونیہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بہت ہی دکھ بھرے لمحات تھے یہ ہمارے لئے لیکن بہرحال زندگی سے ہر حال میں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ پھر جب میرا میٹرک کا رزلٹ نکلا تھا اور میں بہت اچھے گریڈ میں پاس ہوا تھا تو امی بلک بلک کر رو پڑیں تھیں۔ انہوں نے مجھے مبارک باد دی تھی اور کہا تھا۔

"تو نے میرے ارمانوں کی تکمیل کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا ہے بابر! مجھے امید ہو گئی ہے کہ تو میرے خوابوں کو ضرور پورا کرے گا۔" میں نے ماحول بدلنے کے لئے مسکراتی نگاہوں سے امی کو دیکھا اور کہا۔

"اچھا جناب! اس کا مطلب ہے کہ آپ بھی خواب دیکھتی ہیں۔" امی نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولیں۔

"بھی سے کیا مطلب؟ خواب کون نہیں دیکھتا۔ مگر تیرے بھی کا لفظ استعمال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تو بھی خواب دیکھتا ہے۔"

"ہاں! ظاہر ہے جب معدے میں خرابی ہوتی ہے تو انسان اور کیا کرے۔" امی مسکرا دیں اور بولیں۔

"اچھا یہ بتا کیا خواب دیکھتا ہے تو؟"

"یقین کریں امی! بہت ورائٹی ہے میرے خوابوں میں' ان میں سیاہی ہے' سفیدی ہے' شفق ہے' ابر باراں ہے۔"

"خوب! بڑا کلر فل خواب دیکھتے ہو۔" امی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ تو دیکھنا چاہئے۔ آپ کا کیا خیال ہے زندگی میں سب خواب بدنما تو نہیں ہونے

چاہئیں اور پھر سچ بتاؤں آپ کو یہ بلیک اینڈ وائٹ خواب مجھے بالکل پسند نہیں۔ میں ہمیشہ کلر خواب دیکھتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے' اچھی بات ہے چلو ٹھیک ہے۔" امی بہت اچھی تھیں۔ ہماری کائنات ایک دوسرے کے سوا کچھ نہیں تھی۔ وہ ایک اسکول میں ٹیچنگ کرتی تھیں۔ والد صاحب کے انتقال سے پہلے بھی وہ اسکول میں پڑھاتی تھیں اور ہم اس چھوٹے سے گھر میں بڑی پرسکون زندگی گزارتے تھے کیونکہ تین افراد کا یہ خاندان ایک دوسرے میں سمایا ہوا تھا۔ پھر ابو ہم سے روٹھ گئے تو یوں لگا جیسے زندگی کا ایک حصہ کم ہو گیا ہو۔ بڑے دکھی تھے ہم اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے' لیکن زندگی چل رہی تھی۔ میں کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ امی ٹیچنگ کے لئے ایک سرکاری اسکول میں جاتی تھیں جو بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ بس کچھ سڑکیں عبور کرنا پڑتی تھیں۔ ان کی ڈیوٹی صبح آٹھ بجے سے دوپہر کو دو بجے تک ہوا کرتی تھی۔ بہرحال میں یہ سارے معاملات اس لئے بتا رہا ہوں کہ کہانی کی پوری تفصیل آپ کی سمجھ میں آجائے۔ ورنہ انسان کی زندگی تو واقعات ہی سے تعمیر ہوتی ہے اور یہی واقعات زندگی بن جاتے ہیں۔ میری ماں بہت عظیم تھیں۔ ان کی آمدنی کا ساٹھ فیصد حصہ مجھ پر خرچ ہوتا تھا۔ وہ مجھے بڑی اعلیٰ درجے کی تعلیم دلانا چاہتی تھیں۔ خود بھی تعلیم یافتہ تھیں اس لئے زبردست منصوبہ بندیاں ہوتی تھیں ہماری۔

پھر اس دن دوپہر کو میں کہیں سے واپس آرہا تھا۔ امی کی چھٹی کا وقت تھا۔ ذرا سی دیر ہو گئی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ گھر جا رہی ہوں گی اور مجھے راستے میں مل جائیں گی۔ میں تیز قدموں سے سڑکیں طے کر رہا تھا کہ اچانک ہی مجھے تیز بریکوں کی ایک بھیانک چرچراہٹ سنائی دی۔ اس کے بعد ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ کوئی دور جا کر گرا تھا۔ جو بھی اس حادثے کا شکار ہوا تھا گرنے کے بعد بچ جاتا لیکن کار سے حادثہ ہوا تھا۔ اس کے ڈرائیور نے اپنی جان بچانے کے لئے کار برق رفتاری سے دوڑا دی' اور اس وقت میں نے دیکھا کہ جس شخص کو کار سے دھکا لگا تھا وہ کار کے نیچے کچل گیا تھا۔

لوگ شور مچانے لگے لیکن آس پاس کوئی ایسی گاڑی نہیں تھی جس سے آگے جانے والی قیمتی کار کا تعاقب کیا جاسکے۔ یہ صرف اتفاق تھا کہ میری نگاہیں کار کے نمبر پلیٹ پر اٹھ گئی تھیں اور میں نے وہ نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔ بہرحال میں بھی دوڑ کر وہاں پہنچا لیکن پھر یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے کہ سڑک پر امی گری پڑی تھیں۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے سڑک پر ایک کچلے ہوئے بدن' کرب سے پھیلے ہوئے چہرے

اور سینے پر سمٹے ہوئے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ امی نے وہیں سڑک پر دم توڑ دیا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے اور ان میں سے کوئی بھی اس لاش کو اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کسی کی آواز مجھے سنائی دی۔

"بابا! یہ مرچکی ہے۔ اب لاش اٹھاکر لے جاؤ گے تو پولیس خود دھر لے گی۔ آدھی زندگی تھانوں میں اور اس کے بعد عدالت کے چکر کاٹتے گزر جائے گی۔"

"اور پھر وہ کار دیکھی تم نے! کوئی بہت بڑا آدمی بیٹھا ہوا تھا اس میں' سوٹ پہنے ہوئے' منہ میں پائپ دبا ہوا۔ یہ کام چھوٹے موٹے آدمیوں کا نہیں ہوتا۔"

"ارے کسی نے نمبر نوٹ کیا؟"

"پتہ نہیں۔"

"یار! کمال کی بات ہے جو کام کی بات ہے وہ تو نوٹ نہیں کی۔"

"چھوڑو بابا! چھوڑو' کام کی بات نوٹ کر بھی لیتے۔ وہ دیکھو۔" پولیس موبائیل آگئی اور پولیس والے نیچے اتر آئے۔ لاش کو دیکھا گیا۔ مجھ پر سکتہ طاری تھا۔ پولیس افسران تفتیش میں مصروف ہوگئے۔ میں بدستور گم سم کھڑا رہا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میں اپنی ماں کی لاش کو کس طرح اور کہاں لے جاؤں۔ بس میرے دماغ میں کوئی خیال نہیں تھا۔ پھر شاید ایمبولینس طلب کی گئی اور جب میری ماں کی کچلی ہوئی لاش ایمبولینس میں رکھی تو میرے قدم بھی ایمبولینس کی طرف بڑھے اور میں اوپر چڑھ گیا۔

"ارے ارے کون ہو تم نیچے اترو۔ ہم لے جارہے ہیں اسے' کوئی سالا ایک لفظ بھی تو بتانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور تم گھس کر بیٹھ گئے ہو اندر۔" ہسپتال کے اس ملازم نے یہ الفاظ کہے تھے جس نے لاش کو اسٹریچر پر ڈال کر یہاں تک پہنچایا تھا۔ میں نے غم آلود نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا۔

"میں ان کا بیٹا ہوں۔"

"کیا.........؟" وہ اچھل پڑا اور اس کے بعد اس نے کچھ نہ کہا۔ لاش ہسپتال پہنچ گئی۔ امید کا دامن ہی نہیں تھا جسے پکڑا جاتا۔ جو دیکھا تھا وہ نگاہوں کے سامنے تھا۔ زندگی کا کوئی وجود اب اس بدن میں نہیں تھا لیکن پھر اس شخص نے ڈاکٹر صاحبان کو اور پولیس کو بتا دیا کہ میں اس کا بیٹا ہوں۔ پولیس انسپکٹر نے نرم لہجے اور ہمدردی سے میرا بیان لیا اور اس کار کا نمبر پوچھا جس سے یہ حادثہ ہوا تھا۔ میں نے بتایا کہ میں نے اس کار کا نمبر دیکھ لیا ہے۔ بہرحال انسپکٹر نے وہ نمبر بھی نوٹ کرلیا۔ بہت دیر تک مجھے ہسپتال میں رہنا

پڑا۔ نہ جانے کیا کیا کارروائی ہوئی' یہ میں نہیں جانتا۔ پھر ایک ڈاکٹر نے مجھے اطلاع دی۔

"بیٹے! اب تم لاش لے جاسکتے ہو۔"

"میں......... میں لاش کہاں لے جاؤں گا؟" میرے منہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں نکلا۔ تبھی رحیم بخش آگے بڑھے اور انہوں نے مجھ سے کہا۔

"نہیں بیٹے! ہم سارا انتظام کرلیں گے۔ تم فکر مت کرو۔"

"رحیم چچا۔" میں رحیم بخش کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہ ہمارے پڑوسی تھے اور ہم انہیں چچا کہتے تھے۔ بہت ہی نیک نفس' نمازی اور پرہیزگار انسان تھے۔ بہرحال پڑوسی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ چچا رحیم بخش نے ساری ذمے داریاں خود سنبھال لیں۔ پیسے میرے پاس موجود تھے۔ ماں کی تدفین کا انتظام ہونے لگا اور آخرکار اس کی قبر بنا دی گئی۔ بہت بار میں نے قبرستان دیکھے تھے۔ باپ کا انتقال ہوا تھا تب بھی میں قبرستان گیا تھا لیکن یہ بات کہنے میں کوئی شرمندگی نہیں محسوس ہو رہی مجھے کہ اس وقت مجھ پر اس طرح آسمان نہیں ٹوٹا تھا جیسا اب......... اب تو میرا کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ میں عجیب وغریب کیفیت کا شکار تھا۔ گھر جاکر کیا کروں کس سے بات کروں؟ لوگ ہمدردیاں کر رہے تھے۔ سب پڑوسی ہی تھے۔ رحیم بخش چچا میرا سر سینے سے لگائے ہوئے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"چلو بیٹا! گھر واپس چلو۔"

"چچا تھوڑی دیر یہاں رکوں گا اگر آپ لوگ اجازت دیں۔"

"پھر آجانا بیٹا! فاتحہ پڑھنے کے لئے تو آنا ہی پڑے گا۔"

"تھوڑی دیر۔" انہوں نے مجھے وہاں چھوڑ دیا اور میں قبرستان میں تنہا رہ گیا۔ گورکن اپنے فرائض پورے کرچکا تھا۔ میں خاموشی سے امی کی قبر کے کنارے بیٹھ گیا۔ کیا کہتا میں ان سے۔ بس آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ آنسو ہی میری آواز تھے۔ یہ آنسو ہی میری شکایت تھے۔ یہ آنسو سوال کر رہے تھے کہ یہ آپ نے ایسا کیوں کر ڈالا امی! ہمارا کنبہ تو بس دو افراد پر رہ گیا تھا۔ اب یہ بتاؤ کہ میں اس گھر میں واپس کیسے جاؤں۔ جہاں کوئی بھی نہیں ہوگا۔ تم بھی نہیں ہوگی۔ نہ جانے کب تک میں وہاں بیٹھا رہا اور آخرکار دو پولیس والے وہاں پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"تمہیں اپنا بیان لکھوانا ہے۔ ہم تمہارے گھر گئے تھے۔ لوگوں سے پتہ چلا کہ تم قبرستان میں ہو۔ چلو ہمارے ساتھ چلو۔ آؤ۔" اور میں ان کے ساتھ واپس چل پڑا تھانے

پہنچ گیا۔ انسپکٹر ایک چوڑے چکلے جسم کا مالک اور عجیب سی شکل کا آدمی تھا۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر سامنے رکھے ہوئے بال پوائنٹ کو اخبار پر مارتے ہوئے بولا۔

"ہاں تمہارا نام بابر علی ہے؟" میں نے اسے دیکھ کر گردن ہلادی تھی۔

"بابر علی! تم اس وقت کہاں سے آرہے تھے جب تمہاری ماں حادثے کا شکار ہوئی؟"

"جناب! جمعہ کا دن ہے۔ کالج میں جلدی چھٹی ہوجاتی ہے۔ میں کالج سے سیدھا گھر آتا ہوں۔ اس دن ماں بھی جلدی چلی آتی ہے۔ چنانچہ جب میں گھر کی سڑک عبور کر رہا تھا تو یہ حادثہ ہوا۔"

"کار کا نمبر تم نے ٹھیک طور سے دیکھا تھا؟"

"جی!"

"اور اس شخص کو بھی جو اس وقت کار میں بیٹھا تھا؟"

"ہاں۔"

"چلو اپنا بیان لکھواؤ۔" بیان لکھا گیا اور اس کے بعد مجھے جانے کی تلقین کر دی گئی۔ گھر کے سوا اور کہاں جاتا۔ تنہا گھر میں ہر طرف سے ماں کی چیخیں ابھر رہی تھیں۔ اس کے قدموں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی لیکن شکل کھوگئی تھی۔ بدن کھو گیا تھا' اور میں اس کھوئے ہوئے وجود کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ بس آنسو تھے جو اس وقت میرے غم گسار تھے۔ کچھ لوگوں نے آکر دلجوئی بھی کی۔ لیکن دل جوئی سے کیا ہوتا ہے۔ یہ تو رسمیں ہیں۔ جو کھو جاتا ہے اس کا حصول کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ بہرحال چار پانچ دن کے بعد پھر تھانے میں بلوایا گیا اور یہاں میں نے انسپکٹر کے سامنے اس شیطان کو بیٹھے ہوئے دیکھا جس کی کار سے یہ حادثہ ہوا تھا۔ وہ کار بھی تھانے کے احاطے میں کھڑی ہوئی تھی۔ یہ شخص ایک بھاری سے بدن کا آدمی تھا جو اپنے لباس اور اپنی شخصیت سے کوئی بہت ہی بڑا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ انسپکٹر نے کہا۔

"ہاں! بابر علی! ان صاحب کو پہچانتے ہو؟" میں نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہی وہ کتا ہے جس نے میری ماں کو دبایا تھا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے کتے ہی کی موت مار دوں۔" میں کھڑا ہوا تو ایک اے' ایس آئی نے ایک ڈنڈا میرے سینے میں

چبھوتے ہوئے کہا۔

"ہوش و حواس قائم رکھو۔ تم نہیں جانتے یہ کون ہیں۔ بہت بڑے آدمی ہیں یہ۔ ان کے کہنے پر تمہارے اوپر دس گاڑیاں چڑھادی جائیں گی۔"

"یہ بات آپ کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب؟ جن پر ہم اعتماد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پولیس ہر جرم کو ختم کرتی ہے اور مجرم کو سزا دیتی ہے۔"

"دیکھو۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ سنو! جو حادثہ ہونا تھا وہ ہوگیا۔ میں نے سنا ہے تم پڑھتے ہو۔ اپنی تعلیم جاری رکھو۔ سیٹھ صاحب تمہارے تعلیمی اخراجات اٹھائیں گے۔ تم اپنے بیان میں تبدیلیاں کردو اور یہ کہو کہ تم کار کا صحیح نمبر نہیں دیکھ پائے تھے۔ یہاں بات ختم ہوجائے گی۔"

"لیکن انسپکٹر! میری ماں گاڑی کی ٹکر سے دور جاگری تھی۔ اس کتے نے گاڑی بھگانے کی غرض سے میری ماں کے اوپر ہی گاڑی چڑھادی۔ یہ میری ماں کا قاتل ہے۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا تو پولیس والے نے ڈنڈے سے میرے سینے پر طاقت لگا کر مجھے روک دیا۔ اس شخص نے کہا۔

"انسپکٹر! یہ ہے ڈسپلن! بس اس لئے بلایا تھا تم نے مجھے؟"

"آپ جایئے جناب! ہم ٹھیک کرلیں گے سب۔" بہرحال اس کے بعد جب وہ شخص چلا گیا تو انسپکٹر نے مجھ سے کہا۔

"دیکھو بچے! زندگی بڑی قیمتی چیز ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ تیری عمر خراب ہوجائے۔ ایک بندہ بھی بیان نہیں دے گا کہ سیٹھ صاحب کی کار سے حادثہ ہوا تھا۔ ایک بندہ بھی یہ بات نہیں کہے گا۔ چل تو لا کر دکھادے کسی کو۔ یہ سمجھ لے کہ تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ارے ان لوگوں کے بڑے بڑے تعلقات ہوتے ہیں۔ مارا جائے گا اپنی موت۔"

"انسپکٹر صاحب! یہ بات ذہن میں رکھ لو کہ میں اس آدمی کو چھوڑوں گا نہیں۔"

"ہوں۔ بہرحال تیری مرضی ہے۔ لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔ یہی ساری باتیں کرتے ہیں۔ کیا سمجھا۔ یہ دولت مند لوگ جو دل چاہے کرا سکتے ہیں۔ کیوں اپنی جان کے لئے عذاب لے رہا ہے۔ مارا جائے گا بے موت۔ میری بات مان لے۔ اب بھی میری بات مان لے۔" میں نے خاموشی سے گردن جھکادی انسپکٹر نے کہا۔

"چل۔ یہ بیان لکھا ہے میں نے تیرا۔ دستخط کردے اس پر اور گھر جا۔ بہت کچھ دلوا دوں گا تجھے۔" انسپکٹر نے ایک رجسٹر میرے سامنے کر دیا۔ میں نے اس پر لکھا ہوا بیان

پڑھا اور میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"انسپکٹر صاحب! میں نہیں جانتا پولیس کیا چیز ہوتی ہے لیکن ایک بات آپ سمجھ لیجئے کہ میں اپنی ماں کا خون بیچوں گا نہیں۔"

"اچھا! ٹھیک ہے' پھر بیٹھ ذرا تھوڑی دیر بات کرتے ہیں تجھ سے۔" انسپکٹر نے کہا اور ایک سب انسپکٹر کو اشارہ کر دیا۔ وہ باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دو آدمی اندر آئے انسپکٹر اپنے کام میں مصروف تھا۔ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"سر! وہ فرار ہو گیا۔ ہم نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ اسی طرف آیا ہے۔"

"تھانے کی طرف؟"

"جی سر! بڑا تیز لڑکا تھا! ارے.......... یہ سر' یہ کون ہے۔ یہ یہاں کہاں سے آیا؟" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اور میرے اندر ایک بوکھلاہٹ سی پیدا ہو گئی۔ انسپکٹر نے معنی خیز نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ اس سے کیا کام ہے؟"

"سر یہی تو ہے۔ تلاشی لو بھئی۔ تلاشی لو اس کی۔" اور جب میرے لباس کی تلاشی لی گئی تو انہوں نے نہ جانے کہاں سے سفید رنگ کی دو پڑیاں میری جیب سے برآمد کر لیں۔ انسپکٹر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں بے شریف زادے! ہیروئن بیچتا ہے۔ اب تو یہ بات بھی مشکوک ہو گئی کہ تیری ماں کو کس نے قتل کیا تھا۔ پکڑو سالے کو بند کرو چلو لے جاؤ اندر۔" اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے تھانے میں پہنچا دیا گیا۔ جو پڑیاں میری جیب سے برآمد ہوئی تھیں ان کے بارے میں میرے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ کہاں سے آئیں لیکن مجھے لاک اپ میں بند کر دیا گیا اور اس کے بعد ایک ہفتے تک مجھے کہانیاں سنائی جاتی رہیں۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اپنا بیان تبدیل کر دوں اور سیدھا سیدھا کہہ دوں کہ میں نے کار کا نمبر صحیح طریقے سے نہیں دیکھا۔ وہ یہ نمبر نہیں تھا مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ کار بھی نہیں تھی لیکن ساری باتیں اپنی جگہ' میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ بہرحال وقت گزر گیا۔ پھر ایک دن مجھے ایک بڑے کمرے میں طلب کیا گیا اور انسپکٹر نے کاغذ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! چالان پیش کرنا ہے ہمیں' ہیروئن کے بیچنے والے تین بندے درکار ہیں۔ بول ان میں سے ایک تو بننا چاہتا ہے یا اپنے بیان پر دستخط کرے گا؟"

"دستخط نہیں کروں گا۔" اور اس کے بعد انہوں نے میری مرمت کرنا شروع کر

دی۔ بس ایک میں ہی کیا کہوں اس بارے میں کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ پولیس جس طرح انسانوں پر تشدد کرتی ہے مجھ پر وہی تشدد کیا گیا تھا۔ اس خطہ زمین پر اس ملک میں چند افراد کو انسانوں کی زندگی اور تقدیر کا مالک بنا دیا گیا ہے۔ ان کا جو دل چاہتا ہے اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ گناہ گاروں سے اقبال جرم نہ کرایا جائے لیکن جن کے بارے میں وہ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ وہ بے گناہ ہیں۔ ان کے ساتھ صرف بڑے لوگوں کے کہنے پر تو یہ سلوک نہ کیا جائے۔ انسانیت اور آدمیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ مجھے زخموں سے چور چور کر دیا گیا اور اس کے بعد عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ میرا ہلکا پھلکا سا بیان لیا گیا۔ جس میں' میں نے کیا کہا اور کس نے کیا سنا۔ یہ بات میرے علم میں نہیں آسکی۔ یہ بیان کمرہ عدالت میں نہیں لیا گیا تھا بلکہ مجسٹریٹ کے چیمبر میں لیا گیا تھا۔ میری زبان سے کچھ نہیں کہلوایا گیا تھا بس ایک کاغذ پر مجھ سے دستخط کرائے گئے تھے اور اس کے بعد مجھے جیل بھیج دیا گیا تھا۔ پتہ چلا مجھے ایک ماہ کی سزا دی گئی ہے۔ کس سے فریاد کرتا۔ کس سے کہتا بس صبر کر کے خاموش ہونا پڑا۔ جیل میں جس بیرک میں مجھے قید کیا گیا تھا وہاں بہت سے سزا یافتہ مجرم موجود تھے۔ بھانت بھانت کے لوگ۔ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کئے جانے لگے۔ ان لوگوں کے درمیان آکر مجھے شدید خوف کا احساس ہوا تھا۔ عجیب بھیڑیئے نما انسان تھے۔ مجھے دیکھ کر زیادہ تر لوگ ہنسنے لگے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ لوگ مجھے دیکھ کر کیوں ہنس رہے ہیں۔ لیکن جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا وہ واقعی ناقابل یقین تھا۔ اب اس قدر بھی احمق نہیں تھا کہ صورت حال کو سمجھ نہیں پاتا۔ وہ شخص جس نے میری ماں کو گاڑی کے نیچے کچلا تھا' اس قدر صاحب اقتدار تھا کہ ہر جگہ اس کے اپنے آدمی موجود تھے اور میں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ تھانہ انچارج کی باتیں مجھے یاد آتی رہیں۔ پہلے اس نے یہی کہا تھا کہ مجھے ہاتھیوں سے گنے نہیں کھانے چاہئیں۔ میری کوئی نہیں سنے گا اور مجھے نقصان پہنچ جائے گا لیکن بہرحال جو کچھ بھی ہوا تھا وہ بہت ہی قابل نفرت تھا اور میرے دل میں نفرت کا لاوا ابل رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس شخص کو اس کے خاندان سمیت فنا کر دوں لیکن بات وہی آجاتی ہے۔ میں یہ کیسے کر سکتا تھا۔ جیل میں مختلف لوگوں سے مختلف بات چیت ہوئی۔ ایک نیک نفس انسان جو کوئی لمبی سزا بھگت رہا تھا' میرے ساتھ بڑی ہمدردی سے پیش آیا۔ اس کا نام باکی بابا تھا۔ باکی بابا پر قتل کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔ جب میری اس سے بات ہوئی تو اس نے کہا۔

"ہاں۔ تم یقین کرو۔ میں قاتل نہیں ہوں۔ بس ایک فیکٹری میں کام کرتا تھا۔

فیکٹری کا مالک انتہائی ظالم اور سنگدل انسان تھا۔ مزدوروں نے مجھے اپنا لیڈر چن لیا اور بس فیکٹری کے مالک نے مجھ پر قتل کا الزام لگا کر مجھے سزا کرادی۔ ان بڑے لوگوں سے نمٹنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔"

"مگر باکی بابا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بڑے لوگ پیدا کہاں ہوتے ہیں؟"

باکی بابا میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکا تھا۔ مجھے تقریباً تیرہ دن ہوچکے تھے۔ جیل کی کوٹھریوں میں ردوبدل ہوا کرتا تھا۔ عملے کے افراد اپنی سہولت کے مطابق قیدیوں کو اِدھر سے اُدھر کرتے رہا کرتے تھے۔ تیرھویں دن مجھے جس کوٹھی میں بھیجا گیا وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی اور وہاں صرف ایک آدمی موجود تھا۔ اسے دیکھ کر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ ایسی بھیانک شکل میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کالا ناگ معلوم ہوتا تھا۔ گہری سیاہ رنگت چھوٹی چھوٹی سانپ کی طرح چمکدار آنکھیں۔ بڑی خوفناک قسم کی ناک، چہرے پر داڑھی اس طرح اگی ہوئی تھی جیسے ریگستان میں تھوہر کی جھاڑیاں اگ آئی ہیں۔ گٹھے ہوئے بدن کا مالک تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کی زبان تقریباً ایک انچ کٹی ہوئی تھی اور جب باہر نکلتی تو دو الگ الگ ٹکڑوں میں لہراتی۔ ضرورت سے زیادہ لمبی زبان تھی اور اس کم بخت کو بار بار زبان باہر نکالنے کی عادت تھی۔ ایک لمحے کے لئے تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور اس کی زبان باہر نکل آئی لیکن جب وہ بولا تو میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اتنا نرم اور میٹھا لہجہ تھا کہ یقین نہ آئے کہنے لگا۔

"کوئی شریف زادے معلوم ہوتے ہو بیٹے! مگر نصیبوں کا کیا کیا جائے۔ جس کے نصیب میں جو لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ تم اس مشکل سے نکل جاؤ۔ کتنی سزا ہوئی ہے؟" اس کے لہجے اور انداز پر مجھے ڈھارس ہوئی اور میں نے کہا۔

"بس اب تو سولہ دن رہ گئے ہیں۔"

"اچھا۔ اچھا۔ چلو یہ خوشی کی بات ہے۔ عمر کی جس منزل میں ہو یہ تو ترقی کرنے کی عمر ہوتی ہے لیکن اس ظالم دنیا کا کیا کیا جائے۔ نہ عمر دیکھتی ہے نہ شکل۔ شہزادوں جیسی شان ہے تمہاری اور پڑے ہو یہاں اس جیل میں۔ بیٹے! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے بتا دینا۔ میں خود قیدی ہوں لیکن اپنی مرضی کا قیدی بلکہ یوں سمجھ لو کہ دنیا کے جھگڑوں سے اکتا کر یہاں تھوڑے دن آرام کرنے آیا ہوں۔ جب دل چاہے گا ٹہلتا ہوا یہاں سے نکل جاؤں گا۔" میری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی کہ یہ شخص اپنی مرضی سے

کیسے قیدی بنا ہے اور اپنی مرضی سے کیسے نکل جائے گا لیکن فوراً ہی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔ میرے ذہن میں تو بس اتفاقیہ طور پر ہی اسے دیکھ کر کالے ناگ کا خیال آیا تھا۔ لیکن اس نے اپنا نام ناگو بتایا تھا۔

"صرف ناگو؟"

"اتنا ہی کافی ہے۔ اس کے آگے پیچھے اگر کچھ لگا دیتا تو دنیا کی تصویر ہی بدلی ہوئی ہوتی۔" اس نے بے تکی سی بات کہی جو میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ بہرحال میں اس کے ساتھ رہ پڑا، اور دوسرے دن صبح کو جب میں جیل سے باہر علاقے میں ناگو کے ساتھ باہر آیا تو بہت سی نگاہوں نے مجھے چونکے ہوئے انداز میں دیکھا تھا۔ خاص طور سے باکی بابا میرے قریب ہی آکر کیاریوں میں پودے بونے لگے۔ یہی کام میرے سپرد بھی کیا گیا تھا۔ میں نے باکی بابا کو سلام کیا تو انہوں نے جواب دینے کے بعد کہا۔

"وہاں بیرک میں سارے قیدی تمہارے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ کہتے تھے کہ بچہ بہت ہی نیک ہے لیکن ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے تمہیں ناگو کے ساتھ باہر آتے دیکھا۔ کیا تم اس کے ساتھ کوٹھری میں ہو؟"

"آپ ناگو کو جانتے ہیں باکی بابا؟" میں نے سوال کیا تو وہ میرا چہرہ دیکھنے لگے پھر بولے۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔ میں ہی کیا جیل کے تمام قیدی اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جیل کے سپاہی بھی اس کے ساتھ بڑے مختلف انداز میں پیش آتے ہیں۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ ہے باکی بابا؟"

"ہاں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شیطان ہے۔"

میں نے ایک گہری سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ "چہرے سے تو وہ واقعی شیطان ہی لگتا ہے بابا صاحب لیکن وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے۔" باکی بابا بدستور اپنا کام کر رہے تھے۔ قرب و جوار میں قیدیوں کی نگرانی کرنے والے محافظ چمڑے کے ہنٹر لئے گھوم رہے تھے۔ قیدی باتیں بے شک کرلیتے ہیں لیکن کام روکنا ان کے لئے مناسب نہیں تھا۔ اس کے لئے انہیں معاف نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بہرحال باقی بابا تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔

"ویسے ایک بڑی عجیب بات ہے۔ یہاں جیل میں اس نے کبھی کسی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔ کہیں سے بھی یہ شکایت نہیں ملی لیکن اس کے لئے لوگوں کے خیالات اچھے

نہیں ہیں۔ سب کا ایک ہی کہنا ہے کہ وہ ایک سفلی علم کا ماہر جادوگر ہے۔"

"ارے.......... اگر وہ سفلی علم کا ماہر ہے تو جیل کیسے آیا؟"

"آتا رہتا ہے۔ پتہ نہیں جرم کیا کرتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی سزا ملتی ہے۔ بلکہ ایک بار تو ایک عجیب بات سننے کو ملی اور وہ عجیب بات یہ تھی کہ وہ بڑے گھناؤنے جرائم کر کے آتا ہے۔ سزا بھی لمبے عرصے کی ہوتی ہے لیکن یہاں پر کچھ عرصے قیام کرنے کے بعد جب وہ واپس جانا چاہتا ہے تو اپنی سزا معاف کرا لیتا ہے۔ اس کا طریقہ کیا ہوتا ہے یہ کسی کو نہیں معلوم۔ وہ بڑے اطمینان سے واپس چلا جاتا ہے اور تھوڑے عرصے کے بعد پھر آ جاتا ہے۔"

"تعجب کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ بہرحال یہ بات باکی بابا اپنی زبان سے ادا کر چکے تھے کہ یہاں جیل میں کبھی اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ یہ اس کی بھیانک شکل ہی ہو سکتی تھی جس کی وجہ سے لوگ اس سے نفرت کرتے تھے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے شام کو میں واپس اس کے ساتھ اس کی کوٹھری میں پہنچ گیا۔ پورا دن اس سے الگ گزرا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور مکروہ انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔

"آ گئے بچے! چلو ٹھیک ہے۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد کھانا آنے والا ہے۔ کتنے دن ہو گئے تمہیں یہاں آئے ہوئے؟"

"آج چودہ ہو گئے۔ کل سے پندرھواں دن شروع ہو گا۔"

"کھانے پینے کو تو ڈھنگ سے نہیں ملا ہو گا اس دوران۔"

میں نے افسردگی سے اسے دیکھا اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "بس ناگو بابا! کھانے پینے کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ زندگی کے اور دوسرے مسائل اتنے ہیں کہ کھانا پینا بعد میں ہو جاتا ہے۔"

"ہاں' ہاں' ہاں۔ واقعی' واقعی' واقعی۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا پھر آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ واقعی بڑا بھیانک چہرہ تھا۔ عجیب و غریب لگتا تھا۔ اگر وہ کبھی رات کی تنہائیوں میں کسی کے سامنے آ جائے تو یقیناً اسے دیکھنے والا دہشت زدہ ہو جائے۔ پھر اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

"چلو تمہاری دعوت ہے۔ کیا سمجھے' دعوت ہے۔" میں نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھتا رہا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ چھوٹی سی کوٹھری کے ایک حصے میں کچھ کپڑے پڑے

ہوئے تھے۔ یہ رات کا بستر تھا۔ ایک موٹا سا کمبل اور ایک دری' مجھے بھی یہ بستر ملنے والا تھا۔ وہ بستر کے پاس پہنچا' کمبل ہٹایا اور پھر ہاتھوں میں کچھ پکڑے ہوئے میرے قریب آ گیا۔ ایک ٹرے تھی جس میں ایک بڑی سی پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔ پلیٹ میں انتہائی سفید اور لمبے لمبے چاول تھے جن سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ ساتھ میں دال تھی لیکن ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی چولہے سے اتارے گئے ہوں۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"کھالو' کھالو' کھالو' دعوت ہے' دعوت۔" میں شدتِ حیرت سے خاموش تھا۔ اس نے پھر کہا۔

"سنا نہیں تم نے کھالو۔" نہ جانے اس کے لہجے میں کیا اثر تھا میرے ہاتھ خود بخود آگے بڑھ گئے اور پھر میں نے یہ کھانا کھانا شروع کر دیا۔ کیا لذت تھی بیان نہیں کر سکتا۔ تھوڑا سا کھانے کے بعد میں نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"مگر بابا ناگو آپ؟"

"کھالو' کھالو۔" وہ پھر اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"مگر یہ بہت ہے میں کھا نہیں سکتا۔"

"جتنے کھا سکتے ہو کھالو۔" میں پھر یہ لذیذ غذا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اسی وقت باہر سے سنتریوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کھانا لانے والے قیدیوں کی کوٹھڑیوں میں کھانا بانٹتے ہوئے ہماری کوٹھڑی کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ہم دونوں کو آواز دی اور کھانے کا برتن لانے کو کہا لیکن پھر مجھے کھانا کھاتے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"ارے۔ یہ کیا کھا رہا ہے تو' ادھر لا اٹھا کر ادھر۔" ایک سنتری نے کرخت لہجے میں کہا اور ناگو بابا ہنسنے لگا۔ میں نے ناگو بابا کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھیں بند کر کے منہ دوسری طرف کر لیا۔ سنتری پھر دھاڑا۔ "سنتا نہیں ہے تو' ادھر لے کر آ' کھانا کہاں سے لایا تو' کون لایا تھا؟" میں نے ٹرے ہاتھوں میں اٹھائی اور سلاخوں والے جنگلے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر ٹرے میں نے ان کے سامنے رکھ دی۔

"کہاں سے آیا ہے یہ کھانا؟"

"سنتری جی مجھے.........." میں نے پلٹ کر ناگو بابا کو دیکھا تو اچانک ہی دوسرا سنتری چیخ پڑا۔

"ارے ارے توبہ' توبہ یہ کیا ہے؟" اس کے ان الفاظ پر میں نے پھر گردن گھمائی۔

سنتری میری ٹرے کو دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہیں بھی ٹرے کی جانب اٹھ گئیں اور اس کے بعد میرے پورے بدن میں وہ لرزا طاری ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ بس یوں لگتا تھا جیسے جاڑا بخار چڑھ گیا ہو۔ وہ ٹرے جس میں سفید چاول بھرے ہوئے تھے۔ اس میں لمبے لمبے سفید کیڑے نظر آرہے تھے۔ گندگی کے وہ کیڑے جو عام طور سے شدید گندگی میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ بچے ہوئے چاول تھے جو میں کھا رہا تھا۔ دال کی پلیٹ میں بھی غلاظت بھری ہوئی تھی۔ سنتریوں کے منہ سکڑ گئے تھے۔ ایک نے منہ پر رومال رکھ لیا تھا۔ میری وہ پھٹی پھٹی سی آنکھیں اس ٹرے کو دیکھ رہی تھیں اور مجھے چکر آرہے تھے۔

"کھانا لینا ہے یا جائیں ہم لوگ؟" ایک سنتری نے کہا۔

"مگر یہ کیا کر رہا ہے یہاں پر' یہ ٹرے کہاں سے آئی اور یہ برتن؟"

"یار فضول باتیں نہ کرو۔ چلو میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" ایک سنتری نے کہا اور وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ میں بری طرح چکرا رہا تھا اور میرے اندر کی جو حالت تھی اسے میں آج بھی الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ناگو بابا کی طرف دیکھا تو وہ ہنس رہا تھا۔

"پاگل سالے' پاگل سالے' پاگل سالے۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہا تھا۔

"بابا یہ.......... یہ.........."

"لے آ' لے آ' اٹھا لا۔ پاگل سالے۔" ناگو نے کہا۔ میں نے گھناؤنی نگاہوں سے ٹرے کی طرف دیکھا تو ایک بار پھر مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے۔ وہی سفید چاول وہی خوشنما دال جو ایک لمحے پہلے ایک عجیب و غریب غلیظ شے نظر آرہی تھی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کو دیکھا تو ناگو بابا نے کہا۔

"کھا لیا تُو نے' جا اٹھا اور اسے اس کمبل کے نیچے رکھ دے۔ میرا کھانا بھی گیا۔ لے گئے سالے۔" اور پھر میں نے ناگو بابا کی ہر بات پر عمل کیا لیکن یہ عجیب و غریب بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پھر میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"بابا! آپ بھوکے رہ گئے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔"

"مگر ایک بات بتائیے۔ جب وہ لوگ ٹرے میں جھانک رہے تھے تو مجھے بھی اس میں لمبے سفید کیڑے نظر آئے تھے۔"

"اندھے تھے' اندھے تھے۔ تم سب اندھے ہو۔ ایک منٹ میں اندھے ہو جاتے ہو۔ خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے تم فکر مت کرو۔ میں کہتا ہوں تم فکر بالکل ہی نہ کرو' کیا

سمجھے؟"

"جی ناگو بابا۔ ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا لیکن مجھ پر ایک عجیب سی ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ پھر ناگو بابا اس کے بعد خاموش ہو گیا۔ رات کو میں کمبل بچھا کر سونے کے لئے لیٹ گیا۔ بدن میں ایک عجیب سی اینٹھن شروع ہو گئی تھی۔ جب کبھی اس غذا کا خیال آتا تو میری نگاہیں اس کمبل کی طرف اٹھ جاتیں۔ مجھے تو یہ سب جادو گری سی محسوس ہوئی تھی۔ ایک بار میرا دل چاہا کہ جا کر کمبل کے نیچے جھانکوں اور دیکھوں کہ بچا ہوا کھانا اب کس شکل میں ہے۔ ناگو بابا کی طرف دیکھا تو کروٹ بدلے سو رہا تھا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ کمبل پڑا ہوا تھا۔ ناگو بابا نے اپنا بستر نہیں بچھایا تھا بلکہ یونہی زمین پر مڑا تڑا پڑا ہوا تھا۔ میں نے کمبل اٹھا کر دیکھا تو وہاں کسی ٹرے کا نام و نشان نہیں تھا۔ خوب اچھی طرح غور کر لیا میں نے ٹرے یہیں رکھی تھی اور پھر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں بھلا یہ ٹرے جا بھی کہاں سکتی تھی۔ مجھے واقعی اب یہ یقین ہونے لگا کہ ناگو سفلی علم کا ماہر ہے۔ بہرحال میں پھر واپس آکر اپنی جگہ لیٹ گیا۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو میرا اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ وہ مجھے کیا نقصان پہنچائے گا۔

آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی جب دوبارہ میری آنکھ کھل گئی۔ راہداری میں مدہم سی روشنی کا ایک بلب لگا ہوا تھا۔ دور کہیں پہرہ دینے والے سنتری کے بوٹوں کی آواز صاف آرہی تھی۔ ناگو بابا سو رہا تھا۔ میری نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں۔ لیکن اچانک ہی میرے ذہن کو ایک بہت ہی شدید جھٹکا لگا کہ میں گنگ سا رہ گیا۔ شاید یہ میری نظر کا دھوکا تھا وہی سچ تھا۔ آہ کیا ہی بھیانک منظر تھا۔ ناگو بابا کی گردن اس کے دھڑ سے کوئی دو فٹ کے فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ ویسے ہی لیٹا ہوا تھا لیکن اس کی گردن اس کے ساتھ نہیں تھی۔ میں دہشت زدہ انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر ایک اور احساس ہوا مجھے وہ یہ کہ ناگو بابا کا وہ ہاتھ جو کروٹ بدلنے کی وجہ سے اوپر ہونا چاہئے تھا' وہاں موجود نہیں ہے۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مدہم روشنی میں مجھے وہ ہاتھ بھی کٹا پڑا نظر آیا اور اس کے بعد میری وحشت زدہ چیخ نکل گئی۔ ناگو بابا کے دونوں پاؤں' دونوں ہاتھ اور گردن اس کے دھڑ سے الگ پڑی ہوئی تھی۔ میرے بدن میں ایک بار پھر لرزا سا طاری ہو گیا۔ کہیں اس کے قتل کے الزام میں مجھے ہی موت کی سزا نہ دے دی جائے۔ میں ہی نہ پھنس جاؤں۔ یہ ہوا کیا؟ کس نے مار دیا اس

کو؟ میں آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے کھسکا۔ اب ہمت تو کرنی ہی تھی۔ ظاہر ہے ان حالات میں میرا کوئی مددگار تو تھا نہیں۔ کس کو آواز دیتا کس سے کچھ کہتا۔ تھوڑا سا قریب پہنچ کر میں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے بدن کو دیکھا اور اس کے بعد ایک اور احساس ہوا۔ اس کے جسم کے ان کٹے ہوئے حصوں پر خون کا کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ بس جسم سے علیحدہ تھا۔ مجھے چاولوں والی بات یاد آگئی۔ کہیں یہ کوئی جادوئی عمل نہ ہو۔ غرض یہ کہ میں اسے دیکھتا رہا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ اسے دیکھنے میں اس قدر محو ہوگیا تھا کہ سنتری کے قدموں کی آواز ہی نہ سنائی دی۔ سنتری دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ پھر جب اس نے ٹارچ کی تیز روشنی مجھ پر ڈالی تو میں چونکا۔

"کیا کر رہا ہے؟" سنتری کی آواز ابھری اور میں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کچھ بھی نہیں سنتری صاحب۔ بب.......... بیٹھا' بیٹھا ہوا تھا۔" سنتری نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کھڑا ہوجا۔" میں وہیں کھڑا ہوگیا لیکن میرے پاؤں بری طرح لرز رہے تھے۔

"سامنے سے ہٹ۔" وہ پھر بولا اور اس کے بعد اس نے ٹارچ کی تیز روشنی ناگو بابا پر ڈالی۔ میں نے سوچا کہ چلو چھٹی ہوئی۔ اب اس کے بعد کوئی بھیانک کھیل شروع ہو جائے گا لیکن سنتری کے انداز میں اطمینان دیکھ کر میں نے پلٹ کر ناگو بابا کو دیکھا اور ایک بار پھر میرا سر چکرا گیا۔ میں ایک بار پھر حیران رہ گیا تھا کہ ناگو بابا بالکل پہلے جیسی حالت میں تھا اور آرام سے سو رہا تھا۔ سنتری نے ڈپٹ کر کہا۔

"چل آرام سے سوجا۔" اس کے بعد وہ آگے بڑھ گیا میں نے ایک بار پھر ناگو بابا کو غور سے دیکھا۔ اب وہ بالکل صحیح سالم تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرکے گردن جھٹکی اور آکے اپنے کمبل میں لپٹ گیا۔ لرزشیں بے پناہ تھیں۔ خوف سے جان نکلی جارہی تھی۔ میں نے دل میں سوچا کہ کل کسی نہ کسی طرح موقع پاکر باقی بابا کے پاس جاؤں گا اور ان سے کہوں گا کہ مجھے اس کوٹھری سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی ترکیب بتائیں۔ میں واقعی ایک سفلی علم کے ماہر جادوگر کے ساتھ ہوں اور نہ جانے کب اور کس وقت کیا ہوجائے۔ ایسی ایسی خوفناک باتیں تھیں کہ میرے دل کی دھڑکن بھی بند ہوسکتی تھی۔ پھر باقی رات جاگتا ہی رہا اور طبیعت پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ لیکن دوسرے دن باقی بابا سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ کہیں اور ڈیوٹی لگی ہوئی تھی ان کی۔ رات کو پھر واپس ہی کوٹھری میں آنا پڑا۔ ناگو بھی کہیں اور کام کرتا رہا تھا۔ میں کوٹھری میں اس کے پاس پہنچا تو

اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"بابر علی' بابر علی' بابر علی۔"

"کیا کام کر رہے تھے ناگو بابا؟"

"کام.......... کام میں کب کرتا ہوں' کام میرے ملازم کرتے ہیں میرے خادم کرتے ہیں' کیا سمجھا؟"

"جی مجھے یقین ہے۔"

"سن۔ ایک بات کہوں۔ بڑے آدمیوں کی بات ہو رہی تھی نا۔ میرے اور تیرے درمیان' ان بڑے آدمیوں کو چھوٹا آدمی بنانا مجھے آتا ہے۔ تو سیکھے گا؟" میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میں کیسے سیکھ سکتا ہوں ناگو بابا؟"

"میں سکھاؤں گا تجھے میں بتاؤں گا۔ کیا سمجھا؟"

"جی۔"

"نہیں ایسے نہیں۔ تو اگر مجھے پاگل سمجھتا ہے تو پاگل نہیں ہوں بچے' دوبار دیکھ چکا ہے تو کہ میں پاگل نہیں ہوں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ میری زندگی کا مشغلہ دوسرا ہے۔ کیا سمجھا' میں بہت کچھ بتاؤں گا تجھے' بہت کچھ سکھاؤں گا لیکن ایسے نہیں' ایسے بالکل نہیں۔ شاگرد بننا پڑے گا تجھے میرا' کیا سمجھا؟" میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"میں تجھے اتنا طاقتور بناؤں گا کہ تو سارے بڑے آدمیوں سے اپنا بدلہ لے سکے گا۔" اچانک ہی میرے ذہن میں ایک چھناکہ سا ہوا۔ ایک عجیب سا احساس پہلی بار میرے دل میں پیدا ہوا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ درحقیقت کتنی آسانی سے میری ماں کو مار دیا گیا اور وہ لوگ بڑے اطمینان سے بچ گئے جو میری ماں کو مار کر بھاگ گئے۔ میں کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا اور جب بگاڑنے کی بات کی تو اس وقت جیل کی کوٹھری میں ہوں۔ کیا اس بے بسی کی زندگی سے موت اچھی نہیں ہے؟ کیا طاقت کے حصول کے لئے کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ماں کے قاتلوں سے بدلہ بھی لینا ہے اور اپنی زندگی گزارنی ہے۔ تعلیم کون سی پوری ہوگی! سب کچھ تو ادھورا رہ گیا اور ادھورا رکھنے والے لوگ آزادی سے زندگی گزار رہے ہیں۔ ان سے انتقام لینے کے لئے دنیا میں کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔ واقعی طاقت کا حصول اس دور میں جینے کے لئے بڑا ضروری ہے ورنہ زندگی چھینے

والے تو قدم قدم پر موجود ہیں۔ کبھی بھی جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ ناگو میری صورت دیکھ رہا تھا نہ جانے کیوں مجھے ایک لمحے کے لئے محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں سے روشنیاں پھوٹ رہی ہیں اور بالکل اس طرح میرے چہرے پر پڑ رہی ہیں جیسے کسی پروجیکٹر سے فلم چلائی جاتی ہے اور روشنی پردے پر پڑتی ہے۔ کیا ان خیالات کا مرکز ناگو بابا کی آنکھیں ' ان کی سوچ ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور اس کے بعد میں نے ناگو بابا سے کہا۔

"ہاں ناگو بابا واقعی اس دنیا میں طاقت کا حصول بڑا ضروری ہے۔"

"واہ رے ' واہ رے ' واہ رے۔ اچھا فیصلہ کیا تُو نے۔ تو پھر کیا خیال ہے؟؟"

"ناگو بابا طاقت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟؟"

"ہاں۔ تجھے معلوم ہے کہ وقت خود اپنے فیصلے کرتا ہے۔ ورنہ وہ لوگ تجھے میری کوٹھری میں منتقل نہ کرتے! تین دن تک تجھے ایک جاپ کرنا ہوگا۔ کرے گا؟؟"

"جاپ کیا ہوتا ہے؟؟"

"ایک منتر پڑھنا پڑے گا۔ منتر ' منتر ' منتر۔"

"مگر مجھے تو کوئی منتر نہیں آتا۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بک بک کیوں کرتا ہے۔ میں بتاؤں گا۔ میں بتاؤں گا۔ کیا سمجھا؟؟"

"جی۔"

"جی وی کیا۔ دل سے بتا طاقت حاصل کرنے کے لئے تو میری ہدایت پر عمل کرسکتا ہے؟؟"

"ناگو بابا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس دنیا میں جینے کے لئے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

ہاں ' بالکل بالکل۔ یہی تو میں تجھ سے کہہ رہا تھا۔ تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی کر۔ اب میں تجھے وہ منتر بتاتا ہوں اچھی طرح ذہن میں دہرالے اور آج ہی سے شروع ہوجا۔" اس نے کچھ ایسے الفاظ مجھے پڑھائے جو بڑے ٹیڑھے میڑھے تھے اور جن کا مطلب بالکل میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ مجھے یہ الفاظ یاد کراتا رہا۔ تین چار بار ہی میں ' میں نے یہ الفاظ یاد کرلئے پھر میں نے اس سے کہا۔

"لیکن میں کروں کیا اب؟؟"

"رات کو جب خاموشی چھا جائے تو اس کونے میں جاکر بیٹھ جا اور جو الفاظ میں نے تجھے بتائے ہیں انہیں ایک سو اکیاون دفعہ پڑھ۔ خبردار! ایک دفعہ بھی بھول نہ ہونے

پائے۔ بس ایک سو اکیاون دفعہ یہ الفاظ اپنے منہ سے ادا کرکے ' آنکھیں بند کرکے دیوار کی طرف دیکھ کر بیٹھا رہ۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ اس کے بعد تجھے کیا کرنا ہوگا۔" میں ان الفاظ کو یاد کرتا رہا اور اس کے بعد میں نے اپنے طور پر فیصلہ کرلیا کہ بوڑھے ناگو کے کہنے پر عمل کروں گا۔ پہلی ہی رات میں جب اس وقت خوب تاریکی پھیل گئی تھی۔ جیل کے ہر قیدی کی آنکھوں میں نیند آگئی تھی۔ ناگو بابا بھی سوچکا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس دیوار کی جانب جا بیٹھا جہاں بیٹھ کر مجھے یہ منتر پڑھنا تھا۔ میری نگاہیں دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔ باہر راہداری میں لگے پیلے بلب کی روشنی کا ایک دھبہ دیوار کے اس گوشے پر پڑ رہا تھا جس سے مجھے یہ دیوار نظر آرہی تھی۔ ٹوٹے ہوئے سیمنٹ میں ٹکڑے ٹکڑے سے بنے ہوئے تھے۔ اس وقت ان ٹکڑوں کی کوئی شکل نہیں تھی۔ میں نے وہ منتر پڑھنا شروع کردیا اور انگلیوں پر انہیں گننے لگا۔ سو تک پہنچا پھر ایک سو اکیس تک۔ جب میں ایک سو اکیس تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دیوار پر سیمنٹ کے جو ٹوٹے ہوئے ٹکڑے ہیں وہ اپنی جگہ متحرک ہو رہے ہیں۔ مجھے بالکل یوں لگا جیسے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کی شکل تبدیل ہوتی جارہی ہو۔ یہ شکل عجیب و غریب شکل اختیار کرتی جارہی تھی۔ کبھی مجھے سیمنٹ کے ٹکڑوں سے بنا ایک بھیانک چہرہ نظر آیا۔ کبھی کچھ ہنستی ہوئی عورتیں ' کبھی ایک درخت اور ایک چبوترہ ' یہ سب میرا وہم نہیں تھا۔ بلکہ جو کچھ تھا میری آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ شکلیں بدلتی جارہی تھیں اور میں حیران نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اور میری نگاہ اپنے ہاتھوں کی جانب اٹھ گئی۔ جو نشان میں ڈال رہا تھا وہ ایک سو اکیاون تک پہنچ گئے تھے۔ پھر فوراً ہی سارے چہرے گڈمڈ ہوگئے۔ پیلا دھبا ایک دم ختم ہوگیا اور میں حیران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب نہ کوئی بدلتی ہوئی شکل تھی اور نہ کوئی اور چیز بس ٹوٹی دیوار تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور خاموشی سے اپنے کمبل میں جاکر لیٹ گیا۔ لیکن گھنٹوں اس بارے میں سوچتا رہا تھا۔ یہ دیوار میں اچانک تبدیلیاں کیسے ہوتی جارہی تھیں۔ پھر ایک دم مجھے احساس ہوا کہ میں جادو سیکھ رہا ہوں۔ اب اسقدر ناسمجھ نہیں تھا کہ ناگو بابا کا یہ عمل نہ سمجھ سکتا۔ وہ مجھے جو کچھ سکھا رہا تھا میں اسی کے اثر میں مبتلا تھا۔ یہاں تک کہ نیند آگئی۔

دوسری صبح کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ہم لوگوں کو پھر مشقت پر بھیج دیا گیا۔ ویسے جیل کے حکام نے میرے ساتھ ابھی تک کوئی برا سلوک نہیں کیا تھا اور میں بڑی معمولی

سی سزا کاٹ رہا تھا۔ آج بھی باکی بابا نظر نہیں آئے لیکن اب میرے دل میں ان سے ملنے کی خواہش نہیں تھی۔ پہلے جو اضطراب میرے دل میں تھا۔ اب اسکا نام و نشان نہیں تھا۔ ناگو بابا اب مجھے اپنا استاد ہی محسوس ہوتا تھا۔ آج دن میں وہ میرے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں ایک نیک اور سعادت مند شاگرد کی طرح اس کے کام بھی کر رہا تھا۔ ناگو بابا نے ہنستے ہوئے مجھے دیکھا اور بولا۔

"واہ رے چیلے۔ تو تو سچ مچ کا چیلا بن گیا۔ کیسا لگ رہا ہے تجھے؟ کچھ اور تماشے دیکھے گا؟"

"کیسے تماشے ناگو بابا؟"

"چل چھوڑ جانے دے۔ زیادہ بتانا بے کار ہو گا۔ جاپ کیا تھا رات کو؟"

"ہاں۔ ناگو بابا۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ تو نے وہاں دیکھا جو کچھ کیا سب جانتا ہوں میں۔ تین دن کا جاپ ہے اس کے بعد آزادی۔ کیا سمجھا؟"

"ناگو بابا ایک بات بتایئے۔"

"ہاں۔"

"آپ کتنے دن تک یہاں ہیں؟"

"ارے ارے پاگل۔ بتایا نہیں تھا میں نے تجھے؟ میں یہاں آرام کرنے آتا ہوں۔ جب دل چاہتا ہے آجاتا ہوں اور جب دل چاہتا ہے چلا جاتا ہوں۔"

"ٹھیک۔" بہرحال اس کے بعد دوسرا دن ختم ہوا رات آئی اور میں نے وہی جاپ کیا۔ میں نے دیوار کے اس گوشے کے سامنے بیٹھ کر روشنی کے پیلے دھبے پر نگاہیں جمائیں۔ اپنے جاپ کا آغاز کیا۔ سارے الفاظ میرے علم میں تھے۔ سب کچھ سن رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد دیوار کے نقوش میں نمایاں تبدیلیاں ہونے لگیں اور اس کے بعد اس وقت تک جب تک میں جاپ کرتا رہا۔ دیوار کے دھبے بدلتے رہے۔ آج کا جاپ بھی ختم ہوا۔ زندگی معمول کے مطابق تھی۔ کوئی تبدیلی نہیں تھی اس میں، تیسرے دن کا جاپ مکمل ہوا تو میں پُرسکون ہو گیا۔ ناگو بابا نے صبح اٹھتے ہی کہا۔

"اب تجھے باہر نکلنے سے کوئی نہیں روک سکتا لیکن میں تجھے ایک مشورہ دوں۔ تیری سزا کے جتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ انہیں بھی آرام سے گزار لے، اگر کوئی لمبی سزا ہوتی تو بات دوسری تھی۔ چند روز کی بات ہے۔ خاموشی سے یہ چند روز اور گزار لے اور اس

کے بعد یہاں سے نکل جا۔"

"ٹھیک ہے ناگو بابا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ناگو بابا خاموش ہو گیا اس کے بعد واقعی دن بڑی تیزی سے گزرنے لگا اور پھر جب دوسرے دن میری سزا کے دن ختم ہونے والے تھے اور مجھے آزادی ملنے والی تھی تو ناگو بابا نے مجھے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں نے تجھے اپنا چیلا بنایا ہے۔ تین دن کے جاپ کے بعد میں نے تجھ سے اس جاپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ تُو یہ تو نہیں سوچ رہا کہ وہ سب کچھ میں مذاق کر رہا تھا؟"

"نہیں ناگو بابا! میں آپ کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔"

"تو سن! اب جو کچھ میں تجھے بتاتا ہوں وہ کر۔ ویسے ایک بات بتا۔ باہر کی دنیا میں جانے کے بعد تو کیا کرے گا؟"

"ناگو بابا! کوئی بھی کام میرے سامنے نہیں ہے۔ میرا محلّہ جہاں میرا گھر ہے۔ سیدھے سادھے شریف لوگوں کا محلّہ ہے لیکن اس گھر میں، میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ وہاں میری ماں کی یادیں بکھری پڑی ہیں اور میری ہر سوچ میں میری ماں کا تصور موجود ہے۔ میں اس گھر میں واقعی واپس نہیں جانا چاہتا۔ کسی بھی فٹ پاتھ پر کسی بھی جگہ زندگی گزار سکتا ہوں اور پھر ایک اور بات بتاؤں آپ کو۔ میرے محلے کے لوگ بے حد شریف ہیں۔ بڑے نیک اور ایماندار لوگ۔ ان کی نگاہوں میں ایک بہت ہی شریف اور اچھا انسان ہوں۔ سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں منشیات فروشی کے الزام میں سزا کاٹ رہا ہوں۔ کون میرے بارے میں کیا خیال رکھتا ہو یہ میں نہیں جانتا۔ میں اب وہاں نہیں جانا چاہتا۔"

"ٹھیک۔ پھر کہاں جاؤ گے؟"

"بس شہر کے فٹ پاتھ، پارک موجود ہیں۔ وہیں اپنے لئے زندگی تلاش کروں گا۔"

"میرا چیلا بننے کے باوجود۔" اس نے کہا اور میں دکھ بھری نگاہوں سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"پھر مجھے آپ بتایئے ناگو بابا۔" ناگو نے اپنے سینے کے پاس کچھ ٹٹولا اور پھر ایک چابی نکال کر مجھے دی۔

"یہ چابی ہے۔ تو میرے بتائے ہوئے پتے پر جائے گا اور یہاں قیام کرے گا۔ یہ میرا فلیٹ ہے اور اس میں زندگی کی ہر خوشی تیرے لئے موجود ہے۔ میرا انتظار مت کرنا اس

فلیٹ پر چلے جانا۔ وہاں تجھے ضروریاتِ زندگی کی اشیاء مل جائیں گی اور پھر تجھے جو کچھ بتاؤں گا تجھے وہی کرنا ہے۔ کیا سمجھا؟"

"جی۔"

"میرے فلیٹ کے بالکل سامنے والے فلیٹ میں تجھے ایک شخص ملے گا اور وہ تیرے ساتھ رہے گا۔ ایک بات کا خیال کرنا' اس سے کسی قسم کا اختلاف نہ کرنا' جو کچھ وہ کہے اس میں شامل رہنا' وہ تمہیں زندگی کی دوسری حقیقتوں سے روشناس کرائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ کہیں گے ناگو بابا!" میں نے جواب دیا۔ فلیٹ کی چابی میں نے اپنے پاس احتیاط سے رکھ لی۔ دوسرے دن جیلر نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا اور بولا۔

"دیکھنے میں تو بظاہر تم ایک شریف لڑکے لگتے ہو۔ میرے اسٹاف نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے کسی قسم کی سرکشی نہیں کی اور کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں اس کے لئے تمہارا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں اور تمہیں مبارکباد بھی دیتا ہوں۔ ہم بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ جب ہمارے درمیان بہت ہی برے اور سرکش لوگ آجاتے ہیں تو ہمیں انسانیت کے منصب سے نیچے اترنا پڑتا ہے۔ خیر ٹھیک ہے۔ دیکھو بیٹے! ابھی تو تم نے زندگی کا آغاز کیا ہے۔ زندگی کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی کہ اسے تجربات کی نذر کر دیا جائے۔ محنت مزدوری کی دو روٹیاں انسان کو جو خوشی دیتی ہیں۔ ناجائز کمائی کا کروڑوں روپیہ بھی وہ خوشی نہیں دے سکتا۔ میرا فرض ہے کہ میں تمہیں یہ باتیں بتاؤں کہ دوبارہ کبھی تم اس بری جگہ نہ آؤ۔ اب جا سکتے ہو۔"

میں باہر نکل آیا۔ ایک مہینہ ہی گزرا تھا جیل کے اندر لیکن اس وقت باہر کی دنیا مجھے اس وقت کتنی اجنبی لگ رہی تھی کہ ناقابل بیان۔ آزادی کی نعمت واقعی بے مثال ہوتی ہے۔ انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ جن گلیوں' سڑکوں اور بازاروں میں وہ بے مقصد گھومتا پھرتا ہے اس کی زندگی کس قدر حسین ہے۔ جب ان سے فاصلے ہوجاتے ہیں تو پھر اس زندگی کے حسن کا صحیح طور پر احساس ہوتا ہے۔ پھر بہت سی سوچوں بہت سے خیالوں نے مجھے گھیر لیا۔ پہلے میں سیدھا قبرستان پہنچا جہاں میری ماں کی قبر تھی۔ قبر کی صفائی کرکے اس پر پھول ڈالے اور اس کے بعد اس کے پائنتی بیٹھ گیا۔ میری آنکھوں میں شکایت تھی۔ ماں تو میری زندگی کا محور تھی۔ ایک دلچسپ اور محبت کرنے والی شخصیت۔ اس کائنات میں اس کے بعد کچھ نہیں تھا۔ بہت دیر تک وہاں بیٹھا رہا اس کے بعد وہاں

سے اٹھا اور بے مقصد چلتا ہوا قبرستان سے باہر آگیا۔ ایک یا ڈیڑھ گھنٹے تک میں سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ پھر اچانک ہی کسی کام سے میرا ہاتھ اپنے لباس کی جیب کی طرف گیا تو مجھے اس چابی کی موجودگی کا احساس ہوا اور اس وقت میں بالکل اجنبی انداز میں اس بارے میں سوچنے لگا۔ یہ چابی واقعی ایک حقیقت ہے یا پھر محض ایک دھوکا ایک افسانہ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ناگو بڑی عجیب وغریب چیز تھی۔ کیا وہ پاگل تھا اور اگر واقعی پاگل نہیں تھا تو کیا میں اس کی ہدایت پر عمل کروں؟ اس وقت جب میں جیل کی کوٹھری میں اس کے ساتھ تھا تو میرے دل میں اس کے لئے بڑی عقیدت' بڑا احترام تھا لیکن باہر نکلنے کے بعد یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک بھولی بسری کہانی ہو اور میرا اس کہانی سے کوئی تعلق نہ ہو۔

بہرحال میں کافی دیر تک یہ سوچتا رہا اور اس کے بعد میں نے وہ پتہ اپنے ذہن میں دہرایا۔ اس علاقے کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ بات بھی مجھے معلوم تھی کہ وہاں بہت ہی اعلیٰ درجے کے فلیٹ بنے ہوئے ہیں اور فلیٹوں کے ایک ایسے ہی منصوبے میں تیسری منزل پر یہ فلیٹ بھی تھا جو بقول ناگو کے اس کی اپنی ملکیت تھا۔ میں نے سوچا کہ ذرا چل کر دیکھا تو جائے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد میں اس بلڈنگ میں داخل ہو رہا تھا۔ کیا شاندار عمارت تھی۔ راہداریوں میں قالین بچھے ہوئے تھے۔ صفائی کرنے والے اِدھر سے اُدھر گھوم رہے تھے۔ یہ اعلیٰ درجے کے لوگوں کا علاقہ تھا اور یہاں ایک کمیٹی بنی ہوئی تھی جسے ادائیگیاں کرنی پڑتی تھیں جس کے نتیجے میں وہ اس بلڈنگ کی صفائی ستھرائی کا کام سنبھالتی تھی۔ میں اس فلیٹ کے دروازے پر پہنچا اور میں نے جیب سے چابی نکال کر اس کے تالے میں آزمائی تو تالہ کھل گیا۔ ایک لمحے کے لئے مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا تھا کہیں کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہوجاؤں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ تھوڑی دیر کے بعد پولیس اس فلیٹ کو گھیرے اور مجھ سے میرے اندر داخل ہونے کی وجہ پوچھے لیکن پھر فوراً ہی ناگو کا خیال آیا۔ ناگو بابا نے بڑے اعتماد سے یہ چابی مجھے دی تھی۔ اندر داخل ہوگیا۔ فلیٹ دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ کہاں میرے گندے سے محلے کا چھوٹا سا گھر جس میں' میں نے زندگی کے تمام تر لمحات گزارے تھے اور کہاں یہ قیمتی فرنیچر سے آراستہ فلیٹ جسے دیکھ کر ہی انسان کی آنکھیں کھل جائیں۔

پھر ایک دم میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ زندگی میں اگر خطرہ مول نہ لیا تو پھر زندگی ہی کیا۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ بڑے پُراعتماد انداز میں فلیٹ کے ایک

ایک گوشے کا جائزہ لیا اور اس کے بعد جب ایک بیڈ روم میں داخل ہوا اور اس کی الماری کو کھول کر دیکھا تو میری آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ الماری میں انتہائی قیمتی لباس لٹکے ہوئے تھے۔ اعلیٰ درجے کے سوٹ شلوار' قمیض' سلیپنگ سوٹ وغیرہ۔ نچلے حصے میں جوتوں کے ڈبے چنے ہوئے تھے اور اگر میری بات کو آپ جھوٹ نہ سمجھیں تو آپ کو بتاؤں کہ سارے کے سارے لباس میرے جسم پر اس طرح فٹ تھے جیسے کسی ماہر درزی نے میرا ناپ لینے کے بعد بنائے ہوں۔ اب مجھے ایک حد تک اعتماد ہو گیا تھا کہ ناگو بابا نے مجھ سے جو کچھ کہا ہے وہ غلط نہیں کہا ہے۔ واقعی وہ سامری جادوگر میرے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ بات قصے کہانیوں جیسی ہی تھی۔ لیکن ایک ٹھوس حقیقت کی شکل میں تھی اور اسے تسلیم کرنا میرے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے بعد بیڈ روم سے اٹیچ باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ ایک دنیا تھی جسے دیکھ کر آنکھیں کھل جاتی تھیں۔ کوئی جاہل اور بیوقوف نوجوان نہیں تھا۔ ان تمام چیزوں کا استعمال سمجھنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ نہایا دھویا حلیہ درست کیا۔ ہلکی ہلکی داڑھی چہرے پر آ گئی تھی۔ اسے یونہی قائم رہنے دیا۔ ایک لباس نکال کر پہنا اور اس کے بعد کچن کی جانب رخ کیا۔ ابھی جو کچھ کرنا تھا مجھے خود ہی کرنا تھا۔ بعد میں اس بارے میں بھی سوچ لوں گا۔ میرے دل میں اچانک ہی جو اعتماد پیدا ہوا تھا۔ وہ خود میرے لئے ناقابل فہم تھا۔ لیکن میں اب اس صورتِ حال سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ کافی تیار کی اور اس کے بعد ایک میز پر آ بیٹھا کہ اچانک ہی دروازے کی بیل بج اٹھی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ شاید پولیس آ گئی۔ میں نے دل میں سوچا۔ یقینی طور پر بلڈنگ کے لوگوں نے بتایا ہو گا کہ خالی فلیٹ میں کوئی موجود ہے اور اس کے بعد اس بارے میں کارروائی شروع ہو گئی ہو گی۔ بیل دوبارہ بجی تو مجھے اپنی جگہ سے اٹھ کر جانا پڑا اور میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی ایک خوش شکل اور اسمارٹ شخص کھڑا ہوا تھا۔ جس نے مجھے دیکھتے ہی زوردار نعرہ لگایا۔

"ہیلو مائی ڈیئر۔ میں تمہارے سامنے والے فلیٹ میں رہتا ہوں۔ میرے خیال میں اچھا پڑوسی وہی ہے جو پڑوسیوں کا خیال رکھے۔ کہو کیا کر رہے ہو۔ میرے خیال میں یہ کافی کی خوشبو ہے۔ اکیلے اکیلے۔ اتنا تک نہیں ہوا کہ سامنے والے فلیٹ کی بیل بجا کر شہروز کو بلا لیتے۔"

مجھے ناگو بابا کا خیال آ گیا۔ کسی ایسے شخص کی آمد کے بارے میں انہوں نے بتایا تھا کہ

جو شخص تم سے ملے گا وہ تم سے گہری دوستی کا اظہار کرے گا۔ اس کا نام شہروز ہے اور اس کا چہرہ گول اور آنکھیں نیلی ہیں۔ وہ بہت ہی ذہین ہے۔ اس کے اندر ذہانت' چالاکی' جسمانی پھرتی اور قوت کے اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں اور اس نے زندگی میں بہت سے حادثات اور مہلک واقعات کا سامنا کیا ہے۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا عادی ہے۔ دہشت اور خوف کے جذبات اس کے خمیر میں شامل نہیں ہیں اور وہ اپنے حلقہ احباب میں انتہائی معزز اور محترم سمجھا جاتا ہے۔ تمہیں اس سے دوستی کے اظہار کے طور پر بہت ہی خوشگوار کیفیت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ ایک دم یہ تمام باتیں میرے ذہن میں آ گئیں۔ یہ طلسمی واقعات تھے جو میری زندگی سے منسلک ہو گئے تھے اور اس وقت ہوئے تھے جب میں نے ناگو بابا سے زندگی میں طاقت حاصل کرنے کی بات کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ طاقت حاصل کرنے کے لئے بہت سی ایسی حیرتوں سے گزرنا پڑتا ہے جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ بس انہیں خاموشی سے سنبھالنا پڑتا ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ میرے ذہن میں آیا تھا۔ اور دوسرے لمحے میں نے اپنا رویہ تبدیل کر لیا تھا۔ حالانکہ میں مصنوعی انسان نہیں تھا لیکن اب جب اس دنیا میں قدم رکھ ہی دیا تھا تو پھر سارے لوازمات سے آگاہ ہونا ضروری تھا۔ میں اسے اپنی میز پر لے آیا اور اس نے کہا............

"یہ فلیٹ عرصہ دراز سے خالی تھا۔ جب میں یہاں مقیم ہوا تو بارہا میں نے سوچا کہ اسے آباد ہونا چاہئے۔ تم یہاں مستقل رہو گے نا............؟"

"ہاں............" میں نے کہا۔

"بس تو پھر شام کو ایروز کلب چلیں گے۔" میرے لئے یہ نام بھی نیا تھا لیکن میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب جب اس نئی زندگی کا آغاز ہوا ہے تو پھر اس میں تھوڑی سی دلچسپی لینی چاہئے۔ میرے کون سے رشتے ناطے دار بیٹھے ہوئے تھے' جو میرا انتظار کر رہے ہوں۔ تنہا تھا اس دنیا میں۔ ماں کے بعد کچھ بھی نہیں رہا تھا اور اب اگر یہ سب کچھ سامنے آیا ہے تو پھر ذرا اس سے بھی لطف اٹھا لیا جائے۔ ذرا دیکھیں تو سہی کہ ناگو میرے لئے کیا کرتا ہے۔ تین دن کا وہ کورس جو میں نے کیا تھا' جسے وہ شخص جاپ کہتا تھا اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ ویسے فلیٹ میں جس زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ وہ تو واقعی خوابوں جیسی زندگی تھی۔ کم از کم مجھ جیسے کسی آدمی نے ایسی کسی زندگی کا تصور نہیں کیا تھا۔ لیکن اب جب حالات میرے لئے ایک راستے کا تعین کر رہے تھے تو کیا حرج ہے اس راستے پر چند

دن چل کر دیکھ لیا جائے۔

شام کو میں نے اپنے لئے ایک خوبصورت سا لباس نکالا۔ غسل کرنے کے بعد لباس تبدیل کیا۔ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا تو یقین نہ آیا کہ میں ہی ہوں۔ بہت سی سوچیں میرے ذہن پر سوار ہوگئیں۔ میں اچھا کر رہا ہوں یا برا' اس کا فیصلہ کیسے کیا جائے؟ وقت نے کہاں سے اٹھا کر کہاں پہنچا دیا ہے۔ ان تمام چیزوں سے دلچسپی لی جائے یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ میرے لئے کسی مشکل کا باعث بن جائیں۔ کیا ایسا کوئی کام مشکل ہو سکتا ہے۔ دیگر یہ کہ کیا یہ عیش و عشرت کی زندگی جو بغیر محنت کے مجھے حاصل ہو رہی ہے مجھے راس آئے گی؟ میں سوچتا رہا اور پھر اچانک دل میں نفرت کا ایک طوفان اٹھا۔ مجھے وہ یاد آگیا جس نے مجھے پیش کش کی تھی کہ وہ میری تعلیم بھی مکمل کرادے گا اور مجھے آرام کی زندگی نصیب کرے گا۔ میں اپنی ماں کی موت کا سودا کرلوں اور جب میں نے سودا نہیں کیا تو مجھے منشیات فروشی کے الزام میں جیل بجھوا دیا گیا۔ یہ سارے کردار ابھی زندہ تھے اور میری ماں مرچکی تھی۔ کیا میری ماں کی موت اس قدر سستی ہے کہ میں انہیں آزاد چھوڑ دوں؟ یہ زندگی کے سارے عیش و عشرت کرتے رہیں اور میں بے کسی کی موت مرجاؤں۔ سڑکوں پر ایک بے روزگار اور بھوکے انسان کی حیثیت سے مارا مارا پھروں مجھے زندگی میں کہیں سکون نہ ملے۔ ماں باپ نہیں تھے۔ زندگی بھی چھن جائے یہ تو کسی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ بہرحال اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ کہ دروازے کی بیل بجی۔ آنے والا شہروز کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

"واؤ........." اس نے مجھے دلچسپی سے دیکھا اور بولا۔ "یار! قیامت لگ رہے ہو۔ ایروز کلب میں آج بجلیاں گریں گی۔" میں ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہوگیا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر بلڈنگ سے باہر لے آیا۔ نیچے ایک شاندار قیمتی کار کھڑی ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ناگو نے اس سے میرا نامکمل تعارف کرایا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ وہ مجھے بابر علی کے نام سے جانتا تھا۔ شخصیت کس قدر دلکش اور پُر محبت تھی کہ تمام تر تجسس کے باوجود مجھے اس سے انسیت پیدا ہوگئی تھی۔

ہم دونوں کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ پہلی بار میں نے کسی شاندار کلب میں قدم رکھا تھا۔ ویسے تو میرا ہر قدم ہی ایک نئی کیفیت کا حامل تھا۔ جس فلیٹ میں میرا قیام تھا اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا میں نے۔ اگر انسان آدھی زندگی محنت مزدوری سے زندگی گزارنے میں صرف کردے تب بھی اتنی شاندار ڈیکوریشن نہ کرسکے جو اس فلیٹ کی تھی

اور اب زندگی لمحہ لمحہ نئے نئے ماحول سے روشناس ہوتی جارہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ شہروز اپنے حلقہ احباب اور خصوصاً خواتین میں نہایت ہردلعزیز آدمی ہے۔ اسی لئے اکثر عورتیں اس کی جانب لپکتی تھیں اور صاف اندازہ ہوجاتا تھا کہ اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں لیکن وہ بہت ریزرو رہتا تھا اور کسی بھی طرح اس نے ان عورتوں سے گھلنے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کلب میں میرا پہلا دن بہت شاندار گزرا اور مجھے زندگی کے نئے نئے ہنگاموں کا لطف آنے لگا۔ کلب سے واپس آنے کے بعد میری راتوں کی سوچیں گہری ہونے لگیں اور میں یہ سوچنے لگا کہ دیکھوں وقت میرے لئے کیا فیصلہ کر چکا ہے۔ دوسرے' تیسرے اور چوتھے دن بھی ہم لوگ کلب گئے۔ شہروز یہاں کا مستقل ممبر تھا۔ اب میری بھی بہت سی شناسائیاں ہوچکی تھیں۔ کلب کی منتظم ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں جن کا نام انیس تھا۔ وہ مسز انیس کہلاتی تھیں۔ اب کس کی مسز تھیں یہ بات کسی کو نہیں معلوم تھی۔ یہاں کی کئی ممبروں سے میری دوستی بھی ہوگئی تھی لیکن سب سے ایک حد تک۔ میں ضرورت سے زیادہ آگے قدم اس لئے نہیں بڑھاتا تھا کہ ابھی اس طبقے کے بارے میں میری معلومات بالکل محدود تھیں۔ ویسے زیادہ تر میں شہروز پر نگاہیں جمائے رکھتا تھا کہ وہ کس طرح اپنے دوستوں سے ڈیل کرتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ خاص طور سے خواتین کی حد تک وہ کبھی آگے نہیں بڑھتا اور عورتوں سے راہ و رسم بڑھانا اس کی فطرت نہیں ہے۔ بہرحال اس دن ہم ایروز کلب کے ہال میں بیٹھے ہوئے وہاں کی تفریحات کا جائزہ لے رہے تھے کہ میں نے محسوس کیا کہ شہروز ایک عورت کو بار بار دیکھ رہا ہے۔ میں نے ابھی تک اس عورت پر کوئی غور نہیں کیا تھا لیکن جب میں نے شہروز کی نگاہیں ایک جانب بار بار اٹھتے ہوئے دیکھیں تو میری آنکھوں نے بھی اس کا تعاقب کیا اور میں اس عورت کو دیکھنے لگا۔ انتہائی حسین۔ سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔ بہت ہی خوبصورت اور دودھ جیسی رنگت والا سفید چہرہ جس کے نقوش انتہائی دلکش لیکن پُراسرار نوعیت کی حامل تھی۔ آنکھیں گہری نیلی تھیں اور سر کے بال سیاہ' ایک عجیب سی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ خاص طور سے آنکھیں بس یوں لگتا تھا جیسے دو نیلم اس سفید چہرے پر جڑ دیئے گئے ہوں۔ اس کی آنکھیں اصل آنکھیں معلوم ہی نہیں ہوتی تھیں۔ بالکل مصنوعی مصنوعی سی لیکن اس قدر دلکش کہ جدھر ایک بار دیکھ لے شاید وہ شخص موم ہوجائے اور موم کی طرح بہہ جائے۔ میں نے تعریفی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"واقعی خوبصورت ہے۔" شہروز نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"نہیں۔ خوبصورت تو ہے لیکن........... لیکن..........." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"کیوں؟ تم لیکن کے آگے خاموش ہوگئے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا ڈیئر۔ پتہ نہیں کیوں یہ عورت مجھے کچھ عجیب سی لگ رہی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ اسے دیکھ کر میری ذہنی کیفیت درہم برہم ہونے لگتی ہے۔ اس عورت میں ضرور کوئی خاص بات ہے جو مجھے بار بار اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر رہی ہے۔ میں بے چین ہوں۔ میری روح مضطرب ہو رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرا ذہن کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن مجھے یاد نہیں آتا۔ میں تھک جاتا ہوں۔" اس نے کہا اور خاموش ہوگیا۔ میں اس معاملے میں بھی ایک ناتجربے کار آدمی تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"مجھے معاف کرنا ڈیئر شہروز! آج تک میں یہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ تم عورتوں کی دنیا کے انسان نہیں ہو۔ یہاں ایروز کلب میں ہی میں نے تمہیں۔ میرا مطلب ہے بہت سی خواتین کو تمہاری جانب متوجہ ہوتے ہوئے دیکھا ہے لیکن میں نے تمہیں کبھی ان کی طرف متوجہ نہیں پایا۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ عورت میری منزل نہیں ہے۔ دیکھو اس خاتون کو دیکھو۔ یہ میری ایک شناسا ہیں۔ بس ایک بار میں نے ان سے ہنس کر بات کرلی تھی بس اس دن سے یہ اپنے آپ کو میرا گہرا دوست کہتی ہیں اور لوگوں کو بتاتی پھرتی ہیں کہ وہ واحد خاتون ہیں جو مجھ سے بے تکلف ہیں ورنہ میں کسی کو گھاس نہیں ڈالتا۔" آنے والی قریب آگئی اور اس نے کہا۔

"اوہ.......... مائی ڈیئر شہروز! یہ نیلے پھول تم کہاں سے لائے جو تمہارے کوٹ کے کالر میں سجے ہوئے ہیں۔ میں نے اس طرح کے نیلے پھول پہلی بار دیکھے ہیں۔ کیا حسین پھول ہیں۔ اصلی ہیں؟"

"ہاں۔ اصلی ہی ہیں۔"

"پلیز! کیا تم مجھے ان کا ایک پودا مہیا کرسکتے ہو۔ ارے سوری! یہ بابر علی ہیں نا۔ تمہارے نئے دوست! ہیلو مسٹر بابر علی! کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"میرا نام نیر ہے اور اس کلب میں، میں شہروز کی واحد دوست ہوں۔"

"ایک بات بتایئے میڈم نیر!" شہروز نے کہا۔

"ہاں ہاں، کیا پوچھئے۔"

"یہ خاتون کون ہیں؟ پہلی بار مجھے یہاں نظر آرہی ہیں۔" نیر کی نگاہیں گھومیں اور پھر اس نے کہا۔

"اوہو۔ واقعی! یہ ایمن فرزینہ ہیں۔ تعلق شاید مصر سے ہے لیکن اب یہیں رہتی ہیں۔ مختصر سا تعارف ہوا ہے میرا ان سے۔ آیئے میں آپ لوگوں کو ان سے ملاؤں۔ اچھی خاتون ہیں اور سنا ہے کہ اچھی خاصی دولت مند بھی ہیں۔"

میرے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ شہروز فوراً ہی اٹھ جائے گا لیکن وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو مجبوراً مجھے بھی اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا اور نیرؔ ہمیں ساتھ لے کر ان خاتون کی میز کے پاس پہنچ گئیں۔ جنہیں ابھی تک دور ہی سے دیکھا تھا لیکن شہروز پر اس کے بہت عجیب اثرات تھے میں کہہ نہیں سکتا لیکن مجھے خود اپنے جسم میں نامعلوم دہشت کا احساس ہوا تھا۔ میرے جسم میں وحشت کی لہریں اٹھی تھیں اور رونگٹے تھرا گئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میری عمر اب اس حد میں تھی کہ میں حسین لڑکیوں کے حسن سے متاثر ہوجاؤں اور ایسا ہوا تھا۔ ایمن فرزینہ اس قدر دلکش خطوط اور اسقدر حسین نقوش کی مالک تھی کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی اس کے بارے میں بہت سی کیفیات کا شکار ہوجائے لیکن اس کی قربت سے ایک خوف ایک دہشت کا تصور ذرا اجنبی سی چیز تھی۔ اور میں اپنے آپ کو اس وقت ان تصورات سے الگ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے اپنا خوبصورت چہرہ اٹھا کر شہروز کے چہرے کو دیکھا تو مجھے اس عورت کی چمکدار آنکھوں میں دوسروں کو مسحور کرلینے کی بے پناہ قوت کام کرتی دکھائی دی۔ اِدھر شہروز بھی عجیب سے انداز میں ایمن فرزینہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ دونوں پلکیں جھپکائے بغیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر اچانک ایمن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور س نے مسکراتے ہوئے ہم لوگوں کو دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"ہیلو میڈم! ہیلو سر! ہیلو۔" اس نے ہم تینوں کو ہیلو کیا تو ہماری خاتون ساتھی نے ہم دونوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"خوبصورت لوگوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرانا میری ہابی ہے۔"

"بہت شکریہ۔ آپ لوگوں سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔" اس نے اپنا خوبصورت

ہاتھ شہروز کے ہاتھ میں دے دیا پھراس سے ہاتھ ملانے کے بعد اس نے ہاتھ میری طرف بڑھایا اور مجھے یوں لگا جیسے میں نے دہکتے ہوئے کوئلوں پر انگلیاں رکھ دی ہوں۔ میں نے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور ایک طرف کو ہوگیا۔ اس نے مجھے اور شہروز کو اپنے پاس موجود کرسی پر بیٹھنے کی پیشکش کی جبکہ ہماری ساتھی خاتون آگے بڑھ گئی تھیں۔ ہم لوگ اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اب مجھے صحیح معنوں میں اس عورت کی غیر معمولی اور سحرانگیز شخصیت کا احساس ہوا۔ سرخ و سفید رنگ تھا اس کا۔ سر کے بال بالکل سونے کی تاروں کی مانند۔ آنکھیں انتہائی چمکیلی اور روشن جن سے شعاعیں نکلتی نظر آتی تھیں۔ دانت سفید اور کسی قدر نوک دار، ہونٹ کبوتر کے خون کی طرح سرخ ٹھوڑی سخت جس کے نیچے سنہری رنگ کے روئیں کثرت سے تھے۔ اس کی جسمانی نقوش میں دلکشی تو بے پناہ تھی لیکن نزاکت نام کو نہیں تھی۔ سنگ مرمر کی طرح سفید ہاتھوں کی انگلیاں غیر معمولی طور پر لمبی جن میں انتہائی قیمتی ہیروں کی انگوٹھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جسم کے مقابلے میں اس کا سر کسی قدر چھوٹا تھا لیکن اس نے بال جس انداز میں بنائے تھے اس سے یہ خامی بھی دور ہوگئی تھی۔ آواز میں ایک عجیب سی پاٹ دار کیفیت، اور روح کے اندر اترجانے والا اثر۔ وہ مخاطب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی عادی تھی اور اس دوران اس نے ایک مرتبہ بھی پلکیں نہیں جھکائیں تھیں۔ اس کی نگاہیں بدستور شہروز کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے شہروز اس عورت کی نگاہوں کا شکار ہوکر پتھر کا بت بن گیا ہو۔ چند لمحوں کی یہ ملاقات ایک ناقابل فراموش عذاب کی مانند تھی لیکن پھر اچانک ہی یہ کیفیت دور ہوگئی اور یوں لگا جیسے کوئی رکی ہوئی فلم پھر سے چل پڑی ہو۔ عورت بہت دیر تک ہم سے باتیں کرتی رہی۔ اس نے ہم سے ہماری خیریت پوچھی۔ ہماری رہائش گاہ کے بارے میں پوچھا۔ ساری باتیں رسمی تھیں۔ پھر اچانک ہی اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں سے یہ ملاقات بڑی دلچسپ اور دلکش ہے لیکن افسوس مجھے اس وقت ایک بہت ضروری کام ہے۔ البتہ کل رات کو ہماری آپ سے ملاقات ہوگی۔ کیا آپ روزانہ کلب آتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"تو پھر کل ملاقات ہوگی۔"

"ضرور۔" شہروز نے جواب دیا اور وہ اٹھ کر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ ہم دونوں

اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو شہروز نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ! یہ عورت ہے یا جہنم؟"

"کیا تمہیں بھی اسی طرح کا احساس ہوا تھا شہروز۔ یقین کرو جب اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا تو مجھے یہ محسوس ہوا جیسے میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوں۔" شہروز کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ میں اس عورت میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا تھا۔ اصل میں اسے دیکھ کر میری چھٹی حس بیدار ہوگئی تھی۔ اس کا چہرہ اور اس کے نقوش مجھے مانوس نظر آتے تھے۔ اس عورت کے اندر مجھے شیطانی روح کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ تم نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں جس قدر زرد اور چمکدار ہیں اور ان میں سے روشنی کی شعاعیں پھوٹتی محسوس ہوتی ہیں۔ اس کی نگاہوں میں کوئی ایسی سحرانگیز قوت پوشیدہ ہے جو دماغ میں سوراخ کرنے لگتی ہے۔ اس کا حسین چہرہ پرکشش ہونے کے باوجود، خبیث اور منحوس نظر آتا ہے۔ اس کی مسکراہٹ اس کے سفید اور نوکیلے دانت اور سرخ سرخ ہونٹ جیسے اس نے کسی کا تازہ تازہ خون پیا ہو۔ کیا یہ تمام نشانیاں ظاہر نہیں کرتیں کہ اس کے وجود میں ایک شیطانی روح موجود ہے؟" میں نے کچھ دیر تک سوچا اور اس کے بعد کہا۔

"اس میں شک نہیں ہے کہ یہ عورت غیر معمولی شخصیت کی مالک ہے۔ لیکن میرے دوست تم مجھے یہ بتاؤ کہ شیطانی روحوں وغیرہ کا اس سے کیا تعلق ہے اور کیا تم شیطانی روحوں پر یقین رکھتے ہو؟" شہروز کا چہرہ خوفناک حد تک سنجیدہ ہوگیا اور اس کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ اس کی پیشانی پر کسی نامعلوم اضطراب کے باعث پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے اس نے جیب سے رومال نکال کر پسینہ پونچھا۔ پھر سامنے رکھے ہوئے پانی کے گلاس کو اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا اور ایک لمحے میں پورا گلاس خالی کرگیا۔ میں اس کے اس اضطراب کو حیران نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں اس پر غور کرتا رہا پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ بولوں اس نے کہا۔

"ڈیئر بابر علی! تم ان شیطانی قوتوں پر یقین نہ کرو لیکن تمہارے یقین نہ کرنے سے ان قوتوں پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قوتیں بہرحال اس دنیا میں کام کررہی ہیں اور ان کے افراد اور اختیارات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انسان ان تمام شیطانی قوتوں کو چند عوامل کے

ذریعے تابع کر سکتا ہے اور ان سے حسب خواہش مدد بھی لے سکتا ہے۔ میں تمہیں سینکڑوں اس قسم کے سچے واقعات سنا سکتا ہوں جو تمام تر بدروحوں اور شیطانی طاقتوں کی اثر انگیزی اور اختیارات کا کرشمہ تھے اور جنہیں کسی طرح جھٹلایا نہیں جاسکتا۔" وہ پُرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا اور میرا ذہن نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کر رہا تھا۔ یہ شخص بالکل اتفاقیہ طور پر مجھے ملا تھا لیکن اس سے پہلے اس کے بارے میں ناگو بابا نے بتا دیا تھا کہ ایسا ایک شخص مجھ سے ملاقات کرے گا۔ پتہ نہیں ناگو بابا کے اور اس کے درمیان کیا رابطہ تھا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی شخصیت میں جس قدر دلچسپیاں اور کشش تھی اس نے مجھے اپنا معتقد بنالیا تھا اور میں اس کی دوستی کو ایک نعمت سمجھتا تھا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا وہ نہایت جاندار اور پُراثر بات ہوتی تھی۔ دل و دماغ میں بیٹھ جانے والی اور اس کی وجہ اس کی شخصیت ہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ آگے بولتا ایک ویٹر ہماری میز کے قریب آکر مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہوگیا اس نے کہا۔

"سر کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔" شہروز نے چونک کر گھڑی پر نگاہ ڈالی اور پھر ویٹر کو کھانے کا آرڈر نوٹ کرانے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"بابر علی! میں نہیں جانتا کہ تم کتنے عرصے سے اس فلیٹ میں رہتے ہو' تمہارے مشاغل کیا ہیں' کہاں چلے گئے تھے' اتنے عرصے کے بعد کیوں واپس آئے ہو؟ ان میں سے کوئی بات میں نہیں جانتا۔ میں کبھی نہیں جانتا نہ تمہارے ذرائع معاش کیا ہیں لیکن بہرحال اپنے بارے میں تمہیں بتاؤں۔ میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ اپنی عمر کے حسین سال ایسے واقعات کے تجربات اور مشاہدے میں نے ضائع کئے ہیں۔ شاید تم اس بات پر حیران ہو کہ میں صحرائے اعظم افریقہ کے وحشی ساحل میں رہا اور میں نے ان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ جنوبی افریقہ کے جنگلوں میں' میں نے ایک طویل وقت گزارا ہے۔ ہندوستان اور چین کی پرانی تہذیب کو بھی کھنگالا ہے قدیم مصریوں کے رسوم و عقائد کا بھی جائزہ لیا ہے اور شاید تمہیں اس بات پر حیرت ہو کہ ان میں سے کوئی مقام ایسا نہیں جس میں بدروحوں اور شیطانی طاقتوں کے قصے سننے میں نہ آتے ہوں۔ یہ انسان کا وہم نہیں ہے۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا کوئی سائنس دان بھی بتا سکتا کہ یہ کیوں اور کیسے ہے۔ مثال کے طور پر برازیل کے ایک جنگلی قبیلے میں ایک شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ پوشیدہ قوتوں کا مالک ہے۔ میں اس وقت ایک پورے گروہ کے ساتھ تھا۔ اس گروہ میں کچھ افراد

ایسے تھے جو اس علاقے میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کرتے پھر رہے تھے۔ ایک روز ان پادریوں کے سربراہ کو ایک زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور اس کے جسم پر سیاہ رنگ کے آبلے نمودار ہوگئے۔ اس کی حالت بے پناہ خراب ہوگئی۔ پھر اس وقت جب سورج غروب ہو رہا تھا وہ بے جان ہوگیا اور اس کی روح پرواز کرگئی۔ ہم لوگ اسے دفن کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ جنگلیوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہ جادوگر بھی آگیا۔ اس نے پادری کی لاش دیکھی اور ہمیں اشارہ کیا کہ اسے دفنانے کی جلدی نہ کریں۔ پادری مرچکا تھا اور نبض بھی ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ اب یہ شخص کیا کر سکتا تھا ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی۔ ہمارے اس گروہ میں ایک ڈاکٹر بھی شامل تھا اور اس نے پادری کی لاش کا اس بنا پر دوبارہ جائزہ لیا کہ شاید زندگی کی کوئی رمق اس میں باقی ہو لیکن پادری زندہ نہیں تھا۔ دوسری طرف جادوگر اپنی زبان میں کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ ہم نے حیرت اور خوف کے ساتھ دیکھا کہ ہلکے سبز رنگ کا ایک ساڑھے تین فٹ لمبا سانپ جس کی گردن کے گرد سرخ رنگ کے دھبے پڑے ہوئے تھے ایک جانب سے نمودار ہوا۔ پہلے تو وہ جادوگر کے گرد آہستہ آہستہ چکر لگانے لگا پھر مرے ہوئے پادری کے قریب پہنچا اور بائیں پنڈلی کو بے حس و حرکت منہ میں دبائے پڑا رہا۔ اس دوران جادوگر منتر پڑھتا رہا۔ کچھ منٹ کے بعد سانپ جدھر سے آیا تھا ادھر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی پادری کے جسم نے جنبش کی اور تھوڑی دیر میں اس نے آنکھیں کھول دیں اور میرے دوست! وہ پادری آج بھی زندہ سلامت ہے۔ اگر میں اپنی نظروں سے یہ واقعہ نہ دیکھتا تو کبھی یقین نہ کرتا کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ مرنے کے بعد وہ پادری زندہ کیسے ہوگیا۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ پادری مرا نہیں تھا بلکہ زہر کے اثرات سے اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ جس پر موت کا شبہ ہو۔ سانپ آیا اور اس نے اس کا زہر چوس لیا۔ پادری زندہ ہوگیا۔ ان تمام باتوں پر بحث کی جاسکتی ہے لیکن مجھے صرف یہ بات بتا دو کہ آخر جادوگر کے پاس وہ کون سی پُراسرار قوت تھی جس نے سانپ کو آنے اور اپنا زہر چوس لینے پر مجبور کردیا۔ یہ کوئی قصہ یا کہانی نہیں ہے بلکہ ایک سچائی ہے۔"

میں دل سے ان تمام سچائیوں کو ماننے کے لئے مجبور ہوگیا تھا کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے ناگو بابا کی گردن الگ پڑی ہوئی دیکھی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں الگ پڑے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بات بھی یاد تھی کہ وہ دال اور چاول جو اس نے منگوائے تھے۔ میں نے کھائے تھے لیکن جب سپاہیوں کی نگاہیں ان پر پڑیں تو وہ کیڑے

تھے۔ غلیظ اور قابل نفرت لیکن نہ جانے کیوں اس شخص سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے میری معلومات میں اضافہ ہو رہا ہو۔ میں نہیں جانتا ناگو بابا نے اس کا حوالہ کیوں دیا تھا لیکن یہ شخص واقعی میری معلومات کے لئے ایک انتہائی کارآمد شخصیت تھی۔ چونکہ ناگو نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ طاقت حاصل کرنے کے لئے مجھے سفلی قوتوں کا سہارا لینا چاہئے اور اس کے بعد میں اپنے دشمن کو نیچا دکھا سکتا ہوں۔ صرف یہ نہیں بلکہ بڑے سے بڑا آدمی میرے قدموں تلے آسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب میرے دل ودماغ میں یہ بات پوری طرح بیٹھ گئی تھی کہ دنیا میں ایسے بڑے لوگ جو دولت کے بل بوتے پر دوسروں کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے ہیں قابل معافی نہیں ہیں بلکہ ان کے خلاف ایک مہم چلانے کے لئے کچھ قوتوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ چاہے وہ سفلی ہی کیوں نہ ہوں۔ میری نگاہیں شہروز کی جانب اٹھ گئیں۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیا خیال ہے بابر علی! ہمیں اس عورت کے بارے میں مزید معلومات کہاں سے حاصل ہو سکتی ہیں؟"

"کیا اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ عورت انتہائی خطرناک ہے اور ضرور اس کا تعلق پُراسرار قوتوں سے ہے۔ ہمیں یقیناً اس کے بارے میں چھان بین کرنی چاہئے اور میرے دوست! تم میرا ساتھ دو۔

"مگر مجھے ایسی باتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہیں اندازہ ہے اس عورت نے مجھ سے کیا کہا ہے؟"

"تم سے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہاں وہ مجھے چیلنج دے گئی ہے۔ کہہ گئی ہے مجھ سے کہ ہمت ہے تو مجھ سے ٹکر لے لو۔"

"کب' کس وقت' اور کیسی ٹکر؟ ساری باتیں تو میرے سامنے ہی ہوئی ہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ میرا خیال ہے تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔" شہروز جیسے میری بات نہیں سن رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ س نے آہستہ سے کہا۔

"اس کا چیلنج قبول کرنا پڑے گا مجھے۔ تم نے غور نہیں کیا اس نے زبان سے زیادہ مجھ سے آنکھوں سے باتیں کی ہیں۔ اس کی نگاہوں میں میرے لئے نفرت اور حقارت کے

سوا کچھ نہیں تھا اور تم نے اس کے چہرے پر بھی غور نہیں کیا۔ دوسرے دن اس نے مجھ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ لیکن وہ لہجہ! واقعی تم نے کہاں غور کیا ہوگا۔ ایسے واقعات سے تمہارا سابقہ نہیں پڑا۔ دیکھیں گے' کل اسے دیکھیں گے۔" پھر ہم کلب سے واپس آگئے۔ میرے ذہن پر نہ جانے کیوں وہ عورت چھائی ہوئی تھی۔ میں اپنے فلیٹ میں واپس آگیا اور ان واقعات پر غور کرنے لگا۔ کافی دن گزر چکے تھے مجھے جیل سے رہا ہوئے اس فلیٹ میں آئے ہوئے۔ ابھی تک میں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ بہرحال بہت دیر تک میں ان واقعات کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ عورت انتہائی خوبصورت تھی لیکن بالکل شیطانی روح معلوم ہوتی تھی۔ خاص طور سے اس وقت کا مجھے احساس تھا جب میں نے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔ ہم کسی گرم ہاتھ کا تصور کر سکتے ہیں۔ کسی ایسی چیز کا تصور کر سکتے ہیں جو شدید گرم ہو لیکن ایک انسانی جسم اس قدر گرم ہو سکتا ہے کہ اسے چھونے سے ہاتھ جل جائے۔ یہ ذرا باعث حیرت بات تھی۔ اس رات نہ جانے کیوں صحیح طرح سے نیند نہ آسکی۔ مجھے اپنے اردگرد آہٹوں کا احساس ہو رہا تھا۔ کئی بار یوں لگا جیسے کچھ آنکھیں مجھے گھور رہی ہوں۔ بار بار چونک کر اٹھا لائٹ جلائی اور اردگرد کے ماحول کو دیکھا لیکن کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ یہ اس عورت کو دیکھنے یا اس سے ملاقات کرنے کے اثرات تھے کیونکہ وہ میرے ذہن سے چپک گئی تھی۔

شہروز کی باتیں! شہروز بذات خود ایک پُراسرار شخصیت تھی۔ مجھے اب بھی تعجب تھا کہ آخر اس شخص کی اور میری قربت کیا معنی رکھتی ہے اور خاص طور سے ناگو بابا نے مجھے اس کی جانب کیوں متوجہ کیا ہے یہ ایک معمہ تھا۔ ناگو بابا سے میرا دوبارہ کوئی رابطہ نہیں قائم ہو سکا تھا۔ نہ ہی اب طبیعت میں اتنی چلت پھرت تھی کہ جیل جا کر ناگو سے ملاقات کرتا۔ بہرحال پُراسرار واقعات میری زندگی سے چپک گئے تھے اور اس کا محرک ناگو بابا ہی تھا۔ جیل میں باکی بابا نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا اور کہا تھا کہ وہ ایک شیطانی روح ہے۔ شیطانی روحوں سے میرا واسطہ نہیں پڑا تھا اور سچی بات یہ تھی کہ ایک لمحے میں' میں اسے ٹرخا سکتا تھا۔ رابطہ ہی نہ کرتا اس سے اور یہ کوشش کرتا کہ مجھے ایک دوسری کوٹھری میں منتقل کر دیا جائے۔ لیکن میرے ذہن میں خود ایک خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ طاقت حاصل کرنے کی خواہش اور اسی خواہش کے تحت میں نے سب کچھ بھول کر وہ جاپ بھی کیا تھا۔ میں طاقت حاصل کرنے کے بعد اپنی ماں کے قاتل سے انتقام لینا چاہتا تھا اور بس یہی جنون میرے ذہن میں پل رہا تھا اور اس نے مجھے باقی تمام سوچوں سے آزاد

کر دیا تھا۔ کم از کم اس بارے میں شہروز کو انتہائی خوش قسمت کہہ سکتا تھا کہ حسین لڑکیاں اس کی قربت بے پناہ پسند کرتی تھیں یقینی طور پر اس میں کچھ ایسی ہی کشش تھی جو صنف نازک کے لئے بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ وہ خوبصورت سی نو عمر لڑکی بھی تھرکتی ہوئی شہروز کے پاس آئی تھی۔

"ہیلو۔ ڈیئر شہروز! میں یہ فیصلہ کرکے آئی تھی کہ اگر تم سے ملاقات نہیں ہوئی تو میں کلب سے واپس آجاؤں۔ کہو کیسے ہو؟ اور یہ کون ہیں؟" لڑکی نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرے دوست! بابر علی۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی جناب! اوہو معاف کرنا شہروز اس پورے کلب میں ایک ایسی شخصیت ہے جو تم سے پہلے میرے لئے باعث دلچسپی ہوتی ہے اور پھر میری اس سے دوستی تو میرے لئے قابل فخر ہے۔ یہ وہ ہستی ہے جس نے......... مگر چھوڑو۔ میرا خیال ہے تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ آئی ایم سوری میں چلتی ہوں۔" لڑکی تیز رفتاری سے ایک طرف چل پڑی۔ شہروز کی نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ معمول کے مطابق اس وقت اس کے چہرے پر کسی طرح کے تاثرات نہیں تھے لیکن جب لڑکی اس عورت کے قریب رکی جسے شیروز نے اپنے لئے چیلنج سمجھ لیا تھا اور جس کا نام ایمن فرزینہ تھا۔ تو شہروز کے چہرے کے تاثرات یک لخت تبدیل ہوگئے۔ اس کے منہ سے ایک مدہم سی آواز نکلی۔

"مائی گاڈ مائی گاڈ۔" وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے لڑکی کو دیکھتا رہا۔ فرزینہ نے کھڑے ہوکر لڑکی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا اس کی پیشانی چومی تھی۔ بڑی محبت سے پیش آرہی تھی وہ۔ شہروز اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بے وقوف سونیلا!" میں نے چونک کر شہروز کو دیکھا اور کہا۔

"کیا کہا تم نے۔"

"اس لڑکی کا نام سونیلہ ہے۔ ایک بے حد شریف آدمی کی بیٹی ہے۔ لیکن، لیکن نہیں۔ آؤ ذرا گھومتے پھرتے ہیں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے مجھے بھی اٹھنے کی ہدایت کردی۔ پھر وہ خاص طور سے اس میز کے قریب پہنچا۔ میں بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ لڑکی کے قریب پہنچ کر اس نے بڑے پرتپاک لہجے میں کہا۔

"ہائے، ڈیئر ایمن! یقیناً یہ تم ہی ہو۔ اور یقیناً تم مجھے پہچان چکی ہوگی لیکن حیرت کی

بات ہے کہ میری دوست سونیلہ تمہارے پاس ہے۔"

"آہا......... تو آپ لوگ بھی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ سونیلہ میری بہت اچھی ساتھی ہے۔ ہماری دوستی کو زیادہ وقت نہیں گزرا۔"

سونیلہ نے ایک دم منہ بناتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہمارے قرب کو صدیاں گزر چکی ہیں۔ میڈم فرزینہ!"

"ہاں کیوں نہیں۔ بعض اوقات محبتیں اسی انداز میں ہوجاتی ہیں۔"

"مجھے تم سے کچھ وقت درکار ہے۔ آئی ایم سوری صرف چند منٹ۔" شیروز نے یہ الفاظ سونیلہ سے کہے اور دوسرے الفاظ فرزینہ سے مخاطب ہوکر کہے۔ فرزینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں کوئی بات نہیں۔" سونیلہ الجھے الجھے سے انداز میں اٹھ گئی تھی۔ میں نے فرزینہ کے ہونٹوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ دیکھی۔ حیرت کی بات تھی کہ انتہائی دلکش ہونے کے باوجود اس کی مسکراہٹ میں ایک خوفناک سی کیفیت طاری تھی۔ بہرحال شہروز سونیلہ کو پاکر آگے بڑھا۔ اس نے مجھے بھی اشارہ کردیا جب میں قریب پہنچا تو وہ کہہ رہا تھا۔

"سونیلہ! اس عورت سے تمہاری دوستی کتنے عرصے پہلے کی ہے؟"

"زیادہ پرانی نہیں، لیکن کیوں؟ کیوں پوچھ رہے ہو تم؟"

"تم اس عورت سے ہرگز نہیں ملو گی سمجھیں۔ ہرگز نہیں۔" لڑکی کا منہ ایک لمحے کے لئے حیرت سے کھلا اور پھر بند ہوگیا۔ پھر اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"کمال کرتے ہو تم۔ آخر تم سے میرا واسطہ کیا ہے مسٹر! میری ممی اور ڈیڈی نے مجھے اجازت دے دی ہے اور پھر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میری ممی اور ڈیڈی بھی ایمن فرزینہ سے مل چکے ہیں اور اسے ایک بہت اچھی خاتون قرار دیا ہے۔ پھر دوسری بات یہ کہ آپ ہوتے کون ہیں۔ میرا آپ سے کیا رشتہ ہے؟"

"رشتہ ہو یا نہ ہو بے بی! تمہیں اس عورت کے پاس نہیں جانا چاہئے۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔"

"جی نہیں۔ نہ مجھے اپنے فائدے یا نقصان کی پرواہ ہے نہ میں آپ کی کوئی بات ماننا چاہتی ہوں۔ بچی ہوں میں تو۔ چھوٹی سی بچی ہوں ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ کسی سے محبت کرسکوں۔ سمجھے آپ! جائیے پلیز اپنا کام کیجئے۔ دوسروں کے معاملات میں اس حد تک ٹانگ نہیں اڑانی چاہئے۔" اس نے بے رخی سے کہا اور پلٹ کر چلی گئی۔ درحقیقت

اس وقت شہروز کی بے عزتی ہوگئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ واپس اپنی میز کی جانب بڑھا۔ میں نے ایک بار پھر پلٹ کر فرزینہ کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ میں ایک طنز جھلک رہا تھا۔ ہم دونوں واپس اپنی میز پر جا بیٹھے۔ میں نے شہروز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آیا مسٹر شہروز کہ اس لڑکی کو آپ نے میڈم فرزینہ سے نہ ملنے کی ہدایت کیوں کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے اچھی طرح محسوس کیا ہے کہ ایمن فرزینہ ہم دونوں کو دیکھ کر طنز سے مسکرا رہی تھی۔ مسٹر شہروز! میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ آپ دونوں کے درمیان پہلے سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے آپ ایک دوسرے کو بخوبی جانتے ہو اور بات اس قدر معمولی نہ ہو جس کا اظہار آپ نے کیا ہے۔ میں کہتا ہوں آخر آپ کو کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی؟"

"یار! کمال کرتے ہو۔ تمہیں کوئی بات معلوم نہیں ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس معصوم لڑکی کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"کمال ہیں آپ کے دعوے۔ خیر آپ کی مرضی ہے۔ آپ اگر کسی سلسلے میں قدم اٹھاتے ہیں تو مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن لڑکی نے خاصا سخت رویہ اختیار کیا ہے آپ کے ساتھ اور اس کے الفاظ بڑے ترش تھے۔"

"ہاں۔ پتہ نہیں یہ بیوقوف لڑکیاں کس سے کیا چاہتی ہیں۔ تم کہو اس کی عمر کیا ہے اور میری عمر دیکھو۔ یہ لڑکی مجھ سے اظہار عشق کرتی ہے لیکن میرے دل میں اس کے لئے بچوں جیسی محبت ہے۔ اس چھوٹی سی لڑکی سے میں بھلا کیا عشق کر سکتا ہوں اور ویسے بھی میں اس راستے کا راہی نہیں ہوں۔"

"ٹھیک۔ تو یہ قصہ ہے اسی لئے اس کا انداز کچھ طنزیہ تھا۔"

"ہاں۔ لیکن یہ لڑکی۔ چھوڑو۔ کل اس نے ہم سے ملاقات کے لئے کہا تھا لیکن اب وہ اس طرح ہم سے ہٹی ہٹی ہے جیسے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہ ہو آؤ کھلی ہوا میں چلتے ہیں۔ وہ لڑکی نہیں مانے گی۔ میرا خیال ہے مجھے کچھ اور ہی کرنا پڑے گا۔ دیکھوں گا کیا کر سکتا ہوں میں۔" شہروز بھی مجھے کھسکا ہوا آدمی ہی معلوم ہوتا تھا۔ باہر آنے کے بعد ہم ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس کرنے لگے۔ طبیعت میں ایک تازگی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ میں نے پھر کہا۔

"شہروز! یہ تو کوئی دوستی نہ ہوئی کہ تم نے جو کچھ مجھے بتانا چاہا بتا دیا اور جو نہ بتانا چاہو اس کے لئے مجھے خاموشی اختیار کرنی پڑے۔" اس نے میری جانب دیکھا اور بولا۔

"کاش! میں تمہیں بتا سکتا۔ میں تو خود اندھیرے میں ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں معلوم بس اندر کی کچھ آوازیں مجھے سنائی دیتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ یہ عورت کوئی خطرناک کھیل کھیل رہی ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے جیسے کسی کی زندگی خطرے میں ہے کاش! مجھے اس سے زیادہ معلوم ہوتا۔"

"میں واقعی پاگل ہو جاؤں گا۔ خیر! اب آپ کی مرضی ہے۔ ظاہر ہے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ رات اچھی خاصی گزر چکی تھی۔ ہم لوگ واپس چل پڑے۔ پھر میں اپنے فلیٹ میں چلا گیا۔ لباس تبدیل کر کے میں بستر پر لیٹ گیا۔ یہ تنہائی بڑی جان لیوا ہوتی تھی۔ ہرچند کہ شہروز سے میرے بڑے اچھے تعلقات ہو گئے تھے لیکن وہ بھی اکیلا تھا اور میں بھی۔ اس کا ماضی کچھ بھی ہو۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس نے بھی کبھی مجھ سے میرے ماضی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن ایک بات کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ یہ کہ وہ بلاشبہ ایک ذہین اور ضرورت سے زیادہ ذہین انسان ہے اور یقینی طور پر اگر اس کے ذہن میں ایمن فرزینہ سے متعلق کوئی بات اٹکی ہوئی ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ ویسے وہ قد و قامت' شکل و صورت اور چال ڈھال سے کوئی بری عورت نہیں معلوم ہوتی تھی بلکہ اس کی گفتگو کا انداز اور لہجہ بے حد پُروقار اور دلکش تھا اور اس کے بعد میری ذہنی رو سونیلہ کی جانب اٹھ گئی۔ سونیلہ' ایک نیا کردار! کتنی خوبصورت اور معصوم لڑکی تھی وہ۔ جوانی اور صحت سے بھرپور خون اس کے چہرے سے چھلکا پڑتا تھا۔ میں ان دونوں کے تعلقات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ ایمن فرزینہ خود ایک حسین و جمیل عورت تھی اور سوفیصدی اس کی دوستی ایک دوسری حسین لڑکی سے ہو گئی ہے۔ یہ شخص بلاوجہ اپنے آپ کو ایک منفرد انسان ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رات گزر گئی۔ صبح دروازے کی بیل سے آنکھ کھلی تھی۔ میں نے کاہلوں کے سے انداز میں اٹھ کر دروازہ کھولا تو شہروز کو اپنے سامنے پایا۔ نہ جانے کیوں اس وقت طبیعت پر کچھ جھنجلاہٹ طاری ہو گئی۔ یہ شخص تو میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا لیکن بہرحال میں برداشت کر کے مسکرایا اور بولا۔

"آؤ۔ شہروز! خیریت؟"

"بالکل خیریت ہے سوچا کہ ناشتہ تمہارے ساتھ کروں۔ لیکن تمہارا چہرہ اترا ہوا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ بے تکلفی سے اندر داخل ہوا۔ میرے بیڈ روم میں پہنچ کر

اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا۔ صبح کی روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ کھڑکی کھولی تو بیرونی دروازے سے پرندوں کی نغمہ سرائی سنائی دینے لگی۔ بے شک یہ باغیچہ تھا لیکن اس میں اونچے اونچے درخت تھے اور ان میں سے بعض درخت بالکل کھڑکی کے پاس تھے۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

"ضرورت سے زیادہ بے تکلف دوستوں کو بعض اوقات گھر سے نکال دیا جاتا ہے لیکن ناشتے کے بعد۔ اور تم بے فکر رہو۔ میں خود ناشتہ تیار کرلوں گا۔ جاؤ واش روم میں جاؤ۔" مجھے ہنسی آگئی۔ اس بے چارے کو کیا معلوم کہ میرے فرشتوں نے بھی کبھی اتنا عمدہ گھر نہیں دیکھا۔ بہرحال وہ کچن میں کھڑبڑ کرتا رہا۔ میں نے چپ چاپ غسل کرکے کپڑے تبدیل کئے اور جب میں بالکل فارغ ہوا تو وہ کسی ماہر باورچی کی طرح ٹرے میں ناشتہ لگائے اندر داخل ہوگیا۔ ناشتہ کرتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا۔

"میں اپنے آپ کو بہت زیادہ صاحب علم سمجھتا ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ چہرہ شناسی میں کمال رکھتا ہو۔ اسی کمال کے تحت میں تم سے ایک بات کہوں۔ میں تمہارے دلی خیالات سے آگاہ ہوں۔ تم سمجھ رہے ہو کہ میں پاگل ہوچکا ہوں اور بلاوجہ اس عورت کے پیچھے پڑگیا ہوں۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے میرے دوست تو سمجھ لو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں پورا اطمینان رکھنا چاہئے میں کبھی غلط قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ یہ ایک فرد کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر وہ لڑکی خطرے میں نہ ہوتی تو میں اس کی طرف رخ کرکے تھوکنا بھی پسند نہ کرتا۔ اب کیا خیال ہے باہر نکلیں۔" میں اس کی ہدایت پر نہ جانے کیوں عمل کرنے لگتا تھا۔ چنانچہ میں بے وقوفوں کی طرح کپڑے تبدیل کرکے باہر نکل آیا۔ وہ مجھے اپنی کار میں بٹھا کرلے چلا تھا۔ پھر ہم ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں داخل ہوئے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اس ہوٹل میں کیوں آیا ہے۔ وہ مجھے نہانے کے تالاب کی جانب لے گیا اور پھر اچانک ہی اس نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑلیا۔ سامنے سے دو عورتیں آرہی تھیں۔ ایک اپنے لباس اور حلیے سے خادمہ نظر آتی تھی اور دوسری اس کی مالکہ تھی جو سرخ رنگ کے ریشمی اور خوبصورت گاؤن اور نقاب میں اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ اس کا چہرہ اور جسم کے دوسرے حصے چھپ گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی عرب پردہ نشین خاتون ہے جو اس ہوٹل میں مقیم ہے جو وہ ہمارے قریب سے گزری تو ایک ثانئے کے لئے اس کا نقاب چہرے سے ہٹا اور دو چمکدار نیلی آنکھیں نظر آئیں پھر پورا چہرہ ایک جھلک دکھا کر غائب ہوگیا۔ میرے پاؤں اپنی جگہ جم گئے تھے۔ جب دونوں

عورتیں دور جاچکیں تو بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا کہ یہ وہی تھی۔" یہ کہہ کر میں نے شہروز کے چہرے کی جانب دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے پریشان لہجے میں کہا۔

"میرے دوست شہروز! میں تمہیں قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ۔ ابھی جو عورت گزری تھی اور اس نے اپنے چہرے پر نقاب لگائی ہوئی تھی اور اس کی نقاب ایک لمحے کے لئے کھسک گئی تھی۔ کیا تم نے اس کا چہرہ دیکھا؟" شہروز نے بدستور اسی مسکراہٹ کے انداز کے ساتھ کہا۔

"ہاں۔ بالکل شاید تم سے کہیں زیادہ بہتر طریقے سے۔"

"کک.......... کیا.......... کیا۔ یہ.......... یہ.......... بالکل.......... سو فیصدی ایمن فرزینہ نہیں تھی؟"

"جب تم اس کا چہرہ دیکھ چکے ہو تو مجھ سے یہ سوال کیوں کررہے ہو؟"

"خدا کی قسم میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ وہی تھی لیکن اس وقت۔ اس وقت اس کی عمر! میرے خیال میں وہ تو بالکل بڑھیا لگ رہی تھی۔ رات کو وہ بالکل جوان اور حسین لڑکی نظر آئی تھی لیکن کم سے کم اس کی عمر پینتالیس سے پچاس سال کے قریب ہوگی۔ اس کا چہرہ بالکل زرد اور مرجھایا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گرد جھریاں اور رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس کی چال پر بھی تم نے غور نہیں کیا۔ بالکل بوڑھوں کی طرح تھی۔ ہونٹ سفید اور ناک طوطے کی ناک کی طرح مڑی ہوئی۔ رات بھر میں یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے؟"

"آؤ۔ میں تمہیں بلاوجہ ہی یہاں نہیں لایا۔ میں اس کے ٹھکانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا پھر رہا ہوں۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا تم اس کے لئے میرے دماغ کی خرابی پر غور کررہے تھے۔ اور ایک بات اور کہوں ابھی تو ابتدا ہے۔ دو ایک دن کے بعد تم اس عورت کو دیکھو گے تو پہچان بھی نہیں سکو گے کہ یہ حسن و جمال مجسمہ ایمن فرزینہ ہی ہے۔" میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اس نے میرا ہاتھ دبا کر رخ تبدیل کرلیا اور آہستہ سے بولا۔

"وہ آرہی ہے۔" سرخ گاؤن اور سرخ نقاب میں لپٹی ہوئی وہی عورت جیسے ہی ہمارے قریب پہنچی شہروز نے اپنا رخ تبدیل کرلیا اور تقریباً اس کے سامنے آکر اس نے

کہا۔

"ہیلو ڈیئر ایمن!" اس کے لہجے میں طنز کے تیر چھپے ہوئے تھے۔ وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی اس نے تیز نگاہوں سے شہروز کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت کے جذبات ابھرے تاہم اس نے گردن کو خم کرکے آہستہ سے کہا۔

"ہیلو۔"

"اتفاق ہے کہ آپ سے ملاقات ہوگئی۔ کیا میں..........؟"

"سوری۔ میں اس وقت مصروف ہوں۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ شہروز شرارت آمیز انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ میں نے بھی محسوس کیا کہ ایمن فرزینہ کی رفتار بے حد تیز ہوگئی تھی۔ میں مضطرب ہوکر بولا۔ "سوفیصدی۔ بھلا اب اس میں کیا شک ہے۔ یہ وہی عورت ہے جسے کل دیکھا گیا لیکن اس کا حسن کہاں گیا۔ وہ بوڑھی کیوں نظر آرہی ہے؟"

"دیکھو کسی بھی کام کو اتنی آسانی سے نہیں کرلیا جاتا۔ ہمیں اس راز سے پردہ اٹھانے کے لئے بڑی محنت کرنی پڑے گی۔ کیا سمجھے۔ آؤ بس! میں اسی لئے تمہیں یہاں تک لایا تھا۔ اب واپس چلتے ہیں۔"

"کہاں؟"

"فلیٹ۔"

راستے میں' میں نے اس سے سوال کیا۔ "کیا تمہیں یقین تھا شہروز کہ وہ ہمیں یہاں مل جائے گی؟"

"ہاں اور یہ بھی یقین تھا کہ وہ اس وقت باہر نکلے گی کہیں جائے گی اور پھر واپس آئے گی۔ اسی لئے میں نے اس جگہ سے قدم آگے نہیں بڑھائے تھے۔"

"کمال ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ہم فلیٹ پر پہنچ گئے اور شہروز نے کہا۔

"کچھ مصروفیت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقت کے لئے میری تم سے ملاقات نہ ہو۔" میں نے اس وقت کا تعین نہیں پوچھا تھا اور اپنے فلیٹ میں آگیا تھا۔ نہ جانے کیوں طبیعت پر ایک کسل کا سا احساس ہورہا تھا۔ بہت سی باتیں ذہن میں آرہی تھیں۔ مگر ان کا کوئی حل میرے پاس نہیں تھا۔ کبھی کبھی اپنے آپ کو سمجھانے کے لئے کہتا کہ بوڑھے شیطان نے کم از کم مجھے یہ عیش گاہ فراہم کردی ہے جس کا حصول میرے لئے شاید زندگی

بھر ممکن نہ ہوتا۔ کان دبائے پڑا رہوں۔ اچھا وقت گزر رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ شخص جس کا نام شہروز ہے یہ بھی میرے لئے ایک اچھا اور دلچسپ ساتھی محسوس ہورہا ہے۔ اگر اس مصری عورت سے اس کی کچھ دلچسپیاں وابستہ ہیں تو مجھے صرف اس حد تک اس سے رابطہ رکھنا چاہئے کہ اس کے ساتھ رہوں اور دلچسپی کی خاطر رہوں۔ جہاں تک کہ بوڑھے شخص کا تعلق ہے اس سلسلے میں مجھے کام کرتے رہنا چاہئے۔ اگر ناگو کے ذریعے مجھے یہ عیش و عشرت ملی ہے تو اسے برداشت کرنا چاہئے اور کوئی ایسی بات وہ کہے جو میرے لئے ناقابل قبول ہو تب اس کے بارے میں سوچوں۔ اگر چھوٹے موٹے معاملات میں وہ مجھ سے کچھ مدد چاہتا ہے تو مجھے اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ یوں سوچ کر میں نے اپنے آپ کو مطمئن کرلیا۔ رات کو تھوڑی دیر کے لئے پھر میری ملاقات شہروز سے ہوئی اس نے کہا۔

"تمہیں مجھ سے کوئی کام تو نہیں ہے؟"

"کیسا کام میں سمجھا نہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے۔ اگر چاہو تو میرے فلیٹ کی چابی بھی اپنے پاس رکھ لو۔"

"تو کیا تم واقعی کچھ زیادہ دن کے لئے جارہے ہو؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس کچھ مصروفیات ہیں میری۔ ہوسکتا ہے زیادہ دن ہی لگ جائیں۔"

"مگر تمہارے فلیٹ کی چابی میں رکھ کر کیا کروں گا۔ ہاں' اگر تمہیں کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتادو۔ یا میرے لئے کوئی ہدایت۔"

"بالکل نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "ویسے میں نے اپنے شناساؤں کو تمہارا ٹیلی فون نمبر دے دیا ہے۔ اگر میرے کسی شناسا کا فون آئے تو میرے بارے میں اس سے کوئی گول مول بات کردینا۔ ویسے بھی تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں کہاں جارہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا تم پسند کرو۔ ڈیئر شہروز۔" شہروز چلا گیا اور میں اپنے طور پر وقت گزارنے لگا۔ تھوڑی بہت مصروفیات میں نے بھی پیدا کرلی تھیں۔ ایک دن ماں کی قبر پر بھی گیا۔ وہاں جانے کے بعد میرا دل بہت ہلکا ہوجاتا تھا۔ ماں سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔ دل کو سکون ہوا تو واپس پلٹ آیا۔ اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران تو میرے پاس کوئی فون نہیں آیا تھا۔ تنہا میں کلب جانے کی ہمت کر نہیں سکتا تھا۔ بس گھومتا پھرتا اور رات کو فلیٹ میں آکر سوجاتا۔ اس طرح ان معاملات سے بالکل قطع تعلق

ہوگیا تھا۔ اس دن غالباً شہروز کو گئے ہوئے آٹھواں یا نواں دن تھا کہ میرے فلیٹ میں فون کی گھنٹی پہلی بار بجی۔ مجھے تعجب ہوا لیکن پھر بھی میں نے آگے بڑھ کر فون اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کسی عورت کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"دیکھئے۔ مسٹر شہروز سے رابطہ ہوسکتا ہے؟ میں نے ان کے ٹیلی فون پر بہت دیر تک کوشش کی ہے کوئی ریسیور اٹھا نہیں رہا۔ آپ کے بارے میں شہروز نے مجھے بتایا تھا کہ میں آپ کو فون کرلوں اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرلوں۔"

"خاتون آپ کون ہیں؟ اگر شہروز کے لئے کوئی پیغام ہو تو آپ مجھے دے دیجئے۔ وہ تو سات آٹھ دنوں سے موجود نہیں ہیں۔"

"آہ۔ کہاں ہے وہ؟ کیا آپ مجھے اس کے بارے میں بتا سکتے ہیں؟"

"آپ یقین کیجئے مجھے اس کا بالکل پتہ نہیں ہے۔ کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں۔" ایک لمحے کے لئے دوسری طرف خاموشی طاری ہوگئی اور پھر دوسری طرف بولنے والی عورت نے کہا۔

"کیا آپ سونیلہ نامی کسی لڑکی کو جانتے ہیں؟"

"جی بس سونیلہ سے میری ملاقات کلب میں ہوئی تھی۔ میرا مطلب ہے ایروز کلب میں لیکن بہت زیادہ تفصیلی ملاقات نہیں ہے میری۔"

"آہ۔ کیا مجھے...... میرا مطلب آپ کو.......... آپ نے سونیلہ کو دیکھا تھا؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ لیکن خاتون آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

جواب میں پھر چند لمحات کے لئے خاموشی طاری ہوئی اور مجھے کچھ سسکیاں سی سنائی دیں۔ پھر رندھی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں سونیلہ کی ماں ہوں۔ مسٹر حامد راؤ کی بیوی۔"

"اوہو خیریت۔ مس سونیلہ تو خیریت سے ہیں؟" نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ بہت سی حیرتیں اس کیفیت میں شامل تھیں۔

"اگر آپ نے سونیلہ کو دیکھا ہے تو اس کی شکل و صورت آپ کی آنکھوں میں ہوگی۔ اگر آپ اس وقت اسے دیکھیں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ اس کی حالت بہت زیادہ بگڑتی جارہی تھی۔ اس قدر کمزور ہوگئی ہے وہ کہ اب اس وقت ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آتی ہے۔ رنگ پیلا ہوگیا ہے۔ آپ اگر میرے پاس آسکیں تو اسے دیکھئے۔ میرا تو کوئی ساتھی کوئی ہمدرد نہیں ہے۔ بیچارے شہروز نے خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کرکے کچھ ایسی

باتیں کی تھیں جو میری سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ کیا آپ کو شہروز کے خیالات کے بارے میں معلومات حاصل ہیں؟" میں نہ جانے کس کیفیت کا شکار تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے کانوں میں مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ آخر اس بچی کو کیا ہوا۔ بھلا گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ جوانی کے بوجھ سے جھکی ہوئی شاخ کی مانند وہ حسین لڑکی ایک دم ہڈیوں کا ڈھانچہ کیسے بن سکتی ہے۔ ممکن ہے کسی اندرونی بیماری نے اس پر یہ اثرات کئے ہوں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا۔

"مجھے آپ سے بے حد ہمدردی ہے خاتون! لیکن کیا آپ نے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھایا؟"

"ایک دو کو؟ آدھی درجن ڈاکٹروں کو دکھا چکی ہوں۔ مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ لڑکی کے جسم میں خون حیرت انگیز طور پر ختم ہوا جارہا ہے۔ وہ تو اب چل پھر بھی نہیں سکتی۔" یہ کہہ کر مسز راؤ بری طرح سسکیاں لینے لگی اور پھر اس نے کہا۔

"آپ پلیز براہ کرم جس طرح بھی بن پڑے شہروز کو تلاش کرکے میرا یہ پیغام انہیں دے دیجئے۔ ڈاکٹروں کا مسئلہ اپنی جگہ تھا لیکن شہروز نے جو الفاظ مجھ سے کہے تھے وہ میرے لئے بڑی سنسنی خیز ہیں۔ خاص طور سے اب۔"

"دیکھئے میں جس طرح بھی بن پڑا انہیں تلاش کرکے آپ تک پہنچاؤں گا گھبرائیے نہیں۔ میں پوری پوری کوشش کروں گا۔ ویسے اگر آپ مجھے ان الفاظ کے بارے میں بتا دیں تو میرے لئے آسانی ہوجاتی۔" سسکیاں بدستور جاری تھیں۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

شہروز نے کہا تھا کہ کچھ عرصے کے لئے آپ انتہائی سختی کے ساتھ سونیلہ کو گھر میں قید رکھئے گا۔ اس نے کچھ ایسی مصیبتیں پال لی ہیں جن کی وجہ سے اس کی زندگی اور صحت و تندرستی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ وہ ایک خوفناک کھیل کھیل رہی ہے اور اس کھیل سے اسے بچانے کا ذریعہ صرف ایک ہے کہ اسے گھر سے کہیں باہر نہ جانے دیا جائے۔ جن لوگوں سے وہ ملتی ہے ان سے نہ ملنے دیا جائے۔ یہی اس کی بچت کی صورت ہے۔"

"اوہ تو پھر؟"

"اس شخص نے یہ ساری باتیں ہمدردی کی بنیاد پر کہی تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے خود اس پر غور نہیں کیا تھا اور سوچا تھا کہ پتہ نہیں یہ شخص کیسی الٹی سیدھی باتیں کررہا ہے لیکن اب مجھے احساس ہورہا ہے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا ایک ایک لفظ درست

کہا تھا۔ آہ.......... براہ کرم آپ.......... آپ یہ تکلیف ضرور کیجئے گا۔ اس وقت مجھے اس کی اشد ضرورت ہے۔ وہی میری مشکل کا حل بن سکتا ہے۔ ورنہ میرے پاس اور کوئی حل نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ اطمینان رکھئے۔" میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ فلیٹ کے دروازے کی بیل بج اٹھی۔ ایک لمحے تک تو مجھے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کی آوازیں آئیں تو میں نے کہا۔

"آپ براہ کرم چند سیکنڈ ہولڈ کیجئے' میں ابھی آیا۔ دروازے کی بیل بجی ہے۔ ہو سکتا ہے مسٹر شہروز ہی آگئے ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ دروازے پر شہروز کھڑا ہوا تھا۔

"کیا حال ہے بھئی؟" اس نے خوش مزاجی سے کہا لیکن میں جلدی سے بولا۔

"مسز راؤ کو جانتے ہو؟"

"ہاں۔ کیوں؟ وہ.......... سونیلہ کی ماں ہے۔"

"فون ہے اس کا تمہارے لئے۔ جلدی آؤ۔" دوسرے لمحے وہ دوڑتا ہوا فون کے پاس پہنچا اور نیچے رکھا ہوا ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.......... ہاں میں.......... شہروز ہی بول رہا ہوں.........." اس نے کہا اور اس کے بعد وہ دوسری طرف سے آنے والی آواز کو سنتا رہا۔ اس کے چہرے کے رنگ میں تبدیلی پیدا ہو رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ براہ کرم میرا انتظار کریں میں آرہا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کیا اور میری طرف مڑ کر کہا۔

"یار! پلیز جلدی کرو۔ فوراً لباس تبدیل کرلو۔ ہمیں سونیلہ کے گھر چلنا ہے۔ اُف خدایا۔ میرا خیال درست ثابت ہوا۔ اگر وہ مرگئی تو میں زندگی بھر اپنے آپ کو معاف نہیں کروں گا۔ یہ سب میری غفلت کی وجہ سے ہوا ہے۔ کاش! میں اس شیطان کی بچی کا بندوبست پہلے ہی کرلیتا۔ تم پلیز ایک منٹ میں تیار ہو جاؤ۔" بہرحال میں نے اس سلسلے میں اس سے تعاون کیا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد ہم فلیٹ کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح سیڑھیاں پھلانگ رہا تھا اور مجھے بھی اسی رفتار سے اس کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ کار میں بیٹھتے ہی اس نے اسے ایک جھٹکے سے آگے بڑھایا اور پھر اس کا پاؤں کار کے ایکسیلیٹر پر دبتا ہی گیا۔ رفتار بتانے والی سوئی پچاس' ساٹھ' ستر' اسی' نوے تک پہنچ گئی

تھی۔ شہری آبادی میں اس رفتار سے کار دوڑانا ایک انتہائی خطرناک عمل تھا۔ مجھے خوف محسوس ہونے لگا۔ میں یہ سوچنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خیریت سے منزل میں پہنچنا ہی مشکل ہو۔ بہرحال وہ کار ڈرائیو کرتا رہا اور کچھ دیر کے بعد وہ ایک خوبصورت سے مکان کے سامنے رک گیا۔ نواحی علاقے کا ایک خوبصورت مکان تھا۔ کار کا انجن بند کرکے اس نے پھرتی سے دروازہ کھولا اور میری طرف رخ کرکے بولا۔

"آؤ۔" اس کے بعد اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تقریباً گھسیٹتا ہوا مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ ایک ادھیڑ عمر کی پُروقار خاتون نے ہمارا استقبال کیا جو دروازے میں کھڑی ہوئی تھی۔ وہ غم زدہ نظر آرہی تھی اور اس کی آنکھیں اس طرح سوجی ہوئی تھیں جیسے روتی رہی ہو۔ شہروز نے جلدی سے کہا۔

"کہاں ہے وہ؟"

"ادھر بڑے کمرے میں۔" عورت نے اشارہ کیا اور شہروز دوڑتا ہوا اس طرف پہنچ گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ ہمارے سامنے ایک آرام دہ بستر پر سونیلہ آنکھیں بند کئے پڑی ہوئی تھی۔ اس کا جسم گردن تک کمبل سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ ہلدی کی طرح زرد تھا۔ ہمارے قدموں کی آہٹ پاکر بھی اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ اسے قریب سے دیکھ کر میرا کلیجہ منہ کو آگیا۔ کیا یہ وہی صحت مند اور جوان لڑکی ہے جس کے چہرے پر خون اس طرح دوڑتا ہوا نظر آتا تھا جیسے سمندر کی لہریں ساحل کی جانب دوڑتی ہیں۔ اس کی روشن آنکھیں اور روشن پیشانی چاند کی طرح چمکتی تھی اور اس کی چمکدار آنکھوں میں زندگی دوڑتی نظر آتی تھی۔ اب ہمارے سامنے اس لڑکی کے بجائے واقعی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ پڑا ہوا تھا جس پر زرد رنگ کی سوکھی کھال منڈھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر شہروز کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور اس کی آنکھیں عجیب سے انداز میں لڑکی پر جم گئیں۔ مسز راؤ ہمارے پیچھے کھڑی اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روک رہی تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اور یہ بات صرف تم جانتے ہو۔ خود ڈاکٹر تک اس کا مرض نہیں سمجھ پائے۔ لیکن تم نے کہا تھا کہ میں اسے باہر جانے سے روکوں۔ میں اسے سنبھالوں۔ آخر کیسے۔ آخر کیسے؟" مسز راؤ کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ رونے لگی۔ شدتِ غم سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ روتے ہوئے اس نے کہا۔

"ابھی چند دن پہلے وہ گلاب کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ نہ جانے کس کی نظر اسے کھا گئی۔ آہ۔ کیا کروں میں؟ یہ تو ڈاکٹروں کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔ کیسے بچے گی میری بچی۔ کوئی ہے جو ہماری مدد کرسکے۔ میں اپنے گلشن کے اس پھول کو مرجھاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ خدا کے لئے اسے بچالو اسے بچالو۔" وہ اس بری طرح روئی مجھے بھی انتہائی دکھ ہونے لگا۔ ہم نے اسے ایک کرسی پر بٹھایا اور قریب رکھے ہوئے بیڈ روم فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور شہروز اسے پانی پلانے لگا پھر بولا۔

"میں نے آپ سے جو کچھ کہا تھا۔ وہ اپنی معلومات کی بنیاد پر کہا تھا۔ اب آپ براہ کرم مجھے حالات تفصیل سے بتادیں۔ آپ کی بیٹی کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔ براہ کرم اس طرح مجھے ساری تفصیل بتایئے کہ معمولی سے معمولی بات بھی باقی نہ رہے۔ میں آپ کی آواز کا منتظر ہوں۔"

بڑی مشکل سے مسز راؤ نے اپنی ہچکیوں' سسکیوں اور آنسوؤں پر قابو پایا اور پھر رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"مجھے کچھ معلوم ہو تو بتاؤں۔ وہ پچھلے کافی دنوں سے کسی مصری نژاد خاتون ایمن فرزینہ سے دوستی کی باتیں کرتی ہے۔ غالباً ایروز کلب میں ان دونوں کی ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیا دھرا مسٹر راؤ کا ہے۔ شادی کے بارہ سال کے بعد اولاد پیدا ہوئی اور اس کے بعد اکلوتی ہی رہی۔ نتیجے میں مسٹر راؤ نے اسے بہت ہی لاڈلا بنالیا۔ لاڈلی تو وہ میری بھی ہے لیکن مسٹر راؤ اس کی ہر خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں' میں نے مخالفت کی جسے دونوں باپ بیٹی نے قبول نہیں کیا۔ اب وہ اکیلی ہر جگہ دندناتی پھرتی ہے۔ میری بات کو تو جوتیوں پر مارتی ہے اور مسٹر راؤ کاروباری سلسلے میں نہ جانے کون کون سے ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اس کی ساری ذمے داری مجھ پر ہے لیکن میں ایک بے اختیار ماں ہوں۔ تو میں بات کر رہی تھی ایمن فرزینہ کی۔ ایمن فرزینہ سے اس کا میل جول شروع ہونے کے فوراً بعد ہی اس کی حالت بدلنی شروع ہوئی۔ نہ جانے اس عورت نے میری بچی پر کیا جادو کر دیا ہے۔ ہر وقت اسی کے نام کا تذکرہ اس کی زبان پر رہتا ہے اور دن اور رات کا بیشتر وقت وہ اس کے پاس ہی گزارتی ہے۔ اکثر وہ اس سے ملنے جاتی رہتی ہے۔ سارا دن اس کے پاس رہتی ہے۔ ایک دن شام کو جب وہ آئی تو کچھ تھکی تھکی سی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہی وہ سو گئی اور اگلے دن جاگتے ہی پھر ایمن کے پاس چلی گئی۔ اس رات گئے جب وہ گھر آئی تو اس کی حالت پہلے

سے بھی بدتر تھی۔ چہرہ بے رونق اور چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ میں سمجھی کہ لڑکی زیادہ دیر تک کلب کی تفریحات میں حصہ لیتی رہی ہے چنانچہ تھک گئی ہوگی۔ میں نے اسے مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی لیکن صبح کو جب میں نے اس کی صورت دیکھی تو اس کا چہرہ ہی نہیں پہچانا جارہا تھا۔ دو دن اور دو راتوں کے اندر اس کا سارا حسن اور ساری جسمانی قوت! جیسے کسی نے اس کے بدن کا تمام خون نچوڑ لیا تھا۔ بڑی مشکل سے اٹھی۔ دوپہر کے وقت اپنی دوست کے پاس جانے کے لئے تیاریاں کرنے لگی۔ اس وقت میرے اور اس کے درمیان ایک شدید جھڑپ ہوئی۔

"یہ کیا بدتمیزی لگا رکھی ہے تونے؟ کون ہے یہ ایمن فرزینہ؟" اس نے غضبناک نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"میری دوست ہے' اور کون ہے۔"

"دیکھو۔ یہ ساری چھوٹ تمہیں تمہارے باپ نے دی ہے۔ تم ایک بھرپور جوان لڑکی ہو۔ میں تم پر کوئی الزام نہیں لگاتی لیکن دنیا کے بارے میں جانتی ہوں۔ کچھ زبانوں کو کون روک سکتا ہے۔ کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ ایمن فرزینہ ایک فرضی نام ہے اور تمہارے تعلقات کسی اور سے ہیں۔ سوری ڈیئر! میں تو تمہاری ماں ہوں۔ میرے ذہن میں بھی تمہارے لئے شک ابھرتا ہے لیکن میں اس شک کو اپنے سینے میں دبانا چاہتی ہوں۔ دنیا کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایسا کرے گی۔"

"فرض کیجئے اگر میں اپنے کسی دوست کے پاس بھی جاسکتی ہوں تو آپ کو اور دنیا کو اس سلسلے میں کیا اعتراض ہے؟" اس نے بے باکی سے کہا۔

"لڑکی ہوش وحواس رخصت ہوگئے ہیں کیا؟ اگر اتنا ہی جوانی کا بوجھ بھاری پڑ رہا ہے تو ہم سے کہو شادی کردیں تمہاری۔"

"آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ میں کسی مرد کے پاس نہیں جاتی۔ میرے اور آپ کے درمیان اعتماد کا جو رشتہ ہے میں نے اسے کبھی نہیں توڑا لیکن یہ شک کا اظہار کرکے آپ میرے اعتماد کو البتہ توڑ رہی ہیں۔"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ میں دنیا کی بات کر رہی ہوں اور دنیا سے مجھے ڈرنا پڑتا ہے۔ کون ہے یہ ایمن فرزینہ!"

"میری دوست ہے۔ کہہ تو رہی ہوں آپ سے۔"

"اور یہ حالت کیا ہو رہی ہے تمہاری؟"

"بھاڑ میں جائے میری حالت۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

"بکواس مت کرو۔ آج تم باہر نہیں نکلو گی۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔" میں نے پہلی بار اس انداز میں اس سے بات چیت کی۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اپنے کمرے میں جاکر بستر پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کرلیں۔ میں باورچی خانے میں کھانا پکانے میں مصروف ہوگئی۔ ایک گھنٹے کے بعد جب میں اس کے کمرے میں آئی تو وہ غائب تھی۔ پھر وہ رات کو اتنی دیر میں گھر پہنچی کہ میری آنکھیں اس کا انتظار کرتے کرتے تھک گئیں لیکن جب وہ آئی تو اتنی بری حالت تھی اس کی کہ سیڑھیاں بھی نہ چڑھ سکی اور گر کر بے ہوش ہوگئی۔" مسز راؤ پھر رونے لگیں۔ شہروز پراسرار نگاہوں سے میرے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر سونیلہ کی نبض دیکھی۔ ہونٹوں کو چھوا اور پلکیں اٹھا کر بغور دیکھا۔ بظاہر لڑکی مردہ نظر آتی تھی لیکن چند لمحے بعد اس کے جسم میں خفیف سی جنبش پیدا ہوئی اور اس کے ہونٹوں سے مدہم سی آواز ابھری۔

"مجھے جانے دو۔ میں جانا چاہتی ہوں۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں اس کے پاس ضرور جاؤں گی۔ مجھے مت روکو۔ جانا ہے مجھے۔" شہروز گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

"بتاؤ اس لڑکی کو دیکھ کر تمہارا تجربہ کیا کہتا ہے؟ یہ کون سا مرض ہے جس نے چند دن کے اندر اندر اس کی تمام خوبصورتی اور چہرے کی رونق چھین لی ہے؟" میں نے افسوس زدہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔ میرا تجربہ تو بالکل ہی محدود ہے۔ بس صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے جسم سے خون بڑی مقدار میں ضائع ہوگیا ہے۔" میرے ان الفاظ پر شہروز کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ خون ضائع کیسے ہوا؟" میں بھلا اس بات کا کیا جواب دیتا۔ اس نے مسز راؤ کی طرف رخ کر کے کہا۔

"آپ کے بیان کے مطابق اس کی طبیعت چھ دن سے خراب ہے اور ابتداء میں وہ دن رات اس کے پاس جاتی رہی ہے۔ بقیہ تین دن گھر میں رہی ہے۔ کیا ان آخری تین دنوں میں بھی اس کی یہی حالت رہی؟"

"نہیں۔ وہ بڑی حد تک ٹھیک ہی تھی۔ مگر ایک دن وہ کم بخت عورت خود اسے دیکھنے آگئی اور میں نے اسے سونیلہ کے کمرے میں پہنچا دیا۔"

"آہ۔ گویا آپ بھی اس معاملے میں برابر کی شریک رہی ہیں۔"

"کس معاملے میں؟ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔" وہ پھر رونے لگی اور شہروز خاموش ہوگیا پھر اس نے اچانک ہی سرد لہجے میں کہا۔

"خیر جو کچھ ہوا اسے جانے دیں۔ میں اسے بچانے کی پوری پوری کوشش کروں گا' لیکن میڈم! آپ نے پہلے بھی میری بات کو نظرانداز کر دیا تھا اور اس بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ اب آپ کو میری ہدایت پر سختی سے عمل کرنا ہوگا۔"

"میں نے اسی لئے تم کو فون کیا تھا۔ تمہارے الفاظ میرے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہوگئے ہیں۔ میں اپنی لاپرواہی پر شرمندہ ہوں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک۔ پھر میں جو کچھ بھی کہوں گا۔ آپ کو اس پر عمل کرنا ہوگا۔"

"میں عمل کروں گی۔" مسز راؤ نے جواب دیا۔ شیروز پھر تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"ایک پرائیویٹ ہسپتال ہے جس کا مالک میرا دوست ہے۔ آپ سونیلہ کو اس اسپتال میں داخل کرا دیجئے لیکن اتنی خاموشی کے ساتھ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ آپ کو وہاں مناسب اخراجات کرنا ہوں گے۔ ایک نرس اس کی نگرانی پر مامور رہے گی۔ باقی تمام معاملات کی ہدایت میں کردوں گا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی بھی اسے دیکھنے کے لئے اس کے کمرے میں نہیں جائے گا کوئی اس کی عیادت کے لئے نہیں جائے گا اور یہ سمجھ لیجئے کہ چڑیا بھی اس کے پاس پر نہیں مارے گی۔ اپنے دوست کو تفصیلات تو نہیں بتاؤں گا میں لیکن یہ تمام باتیں ضرور بتادوں گا اور وہ اس کا پورا پورا خیال رکھے گا۔"

"اور اگر ایمن فرزنہ اسپتال میں اسے دیکھنے آئے تو؟"

"پہلی بات تو یہ میڈم' میں نے بنیادی بات یہ کی ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے کہ یہ کہاں ہیں۔ دوسری بات تو یہ کہ آپ خود اسپتال میں اپنی بیٹی کی نگرانی کریں گی۔ آپ کے اطمینان کے لئے میں آپ کو بتاؤں کہ اسے کوئی مرض نہیں ہے۔ اسے صرف خوراک اور آرام کی ضرورت ہے۔ ہسپتال کا پتہ نوٹ کر لیجئے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ کس طرح احتیاط سے اس کو اس ہسپتال تک لے جاتی ہیں۔ البتہ آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ آپ یہ کام کریں گی یا نہیں؟"

"نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں نے اس پر تمہیں تکلیف دی ہے۔ خدا

کے لئے میری مدد کرو۔ مسٹر راؤ یہاں اس وقت موجود نہیں ہیں۔ وہ کئی ملکوں کے دورے پر گئے ہوئے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے پیچھے میری بچی۔" مسز راؤ نے پھر رونے کے لئے اسٹارٹ لینا چاہا لیکن شہروز ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"پلیز' رونے سے مشکلات حل نہیں ہوتیں۔ دیکھیں میں آپ کو خود بھی وہاں تک لے جا سکتا تھا لیکن بس اتنا بتانا چاہتا ہوں آپ کو کہ کچھ ایسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں کھل کر آپ کی مدد نہیں کر رہا۔ اس کے لئے مناسب وقت درکار ہوگا۔ البتہ آپ کی پشت پر میں موجود ہوں۔ اور آپ اطمینان رکھیئے یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ بس میری ہدایت پر عمل کرتی رہیے۔ اچھے نتائج کی ذمے داری میں لیتا ہوں۔"

واپسی میں' میں نے کہا۔ "کیا کہتے ہو اس بارے میں؟"

"نہیں۔ میرے جگری دوست! تم خود سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور نہ سمجھ پاؤ تو انتظار کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ میرے انداز میں ایک ناخوشگوار سی کیفیت پیدا ہو گئی تو وہ مسکرایا اور بولا۔

"تو اب ناراض ہو گئے؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا کی ساری باتیں کسی دوسرے کو بتائی تو نہیں جا سکتیں۔" وہ خاموش ہو گیا اور اس کے بعد سارے راستے خاموش رہا اور ہم فلیٹ پر پہنچ گئے۔ پھر جب میں نے اپنے فلیٹ کے دروازے کو کھولا تو وہ بولا۔

"کچھ پلاؤ گے نہیں؟"

"بولو۔"

"کافی پئیں گے۔" اس نے کہا اور پھر میرے ساتھ خود بھی کچن میں آ گیا۔ کافی تیار کرنے میں اس نے میری مدد کی۔ اس کے بعد ہم کافی کی پیالیاں لے کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور پھر اس نے کہا۔

"تمہاری ایک ناگوار سی کیفیت کو میں محسوس کر رہا ہوں۔"

"اس کی وجہ ہے۔"

"کیا؟"

"مجھے ان تمام معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ میں اس عورت سے کوئی دلچسپی رکھتا تھا اور نہ اس لڑکی سونیلہ سے۔ تم خود ہی مجھے مختصریات بتاتے ہو اور اس کے

بعد اسے پُراسرار بنانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہو۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" پھر وہ ہنسنے لگا اور اس نے کافی کے دو چار گھونٹ پینے کے بعد کہا۔

"خاصی تفصیل طلب بات ہے۔ یہ سارا قصہ اتنا پُراسرار اور حیران کن ہے کہ تم اسے حقیقت کے بجائے افسانہ سمجھنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ لیکن میرے دوست جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اس دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ کائنات میں ایسے ایسے پراسرار راز بکھرے پڑے ہیں جن کے آگے عقل بے بس ہو جاتی ہے اور یہ معاملہ بھی انہی میں سے ہے۔ بہت پرانی بات ہے میری عمر اس وقت بائیس سال کی تھی اور اس زمانے میں' میں ایک بالکل ہی نوجوان اور الھڑ سا انسان تھا۔ میں نے اس عورت کو دیکھا۔ حسن و جوانی کا وہ ایسا مجسمہ تھی جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ رنگ سرخ سفید' سنہری بال' آنکھیں نیلی اور چمکیلی' دانت نوکیلے اور ہونٹ خون کی طرح سرخ' ٹھوڑی جس پر سنہری روئیں کثرت تھے۔ جسم ایک عجیب ساخت کا ترشا ہوا۔ ہاتھ' پیر' گردن اور بازو سنگ مرمر میں ڈھلے ہوئے۔ جسم کے مقابلے میں سر چھوٹا اور آواز دلکش اور روح کے اندر اتر جانے والی۔" وہ جیسے مدہوش سا ہوتا جا رہا تھا۔ میں حیرانی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ "اس وقت میں کوئی بیس بائیس سال کا تھا یعنی خاصی پرانی بات ہے لیکن فرزینہ کا حسن اسی انداز کا تھا۔" میں نے شدید حیرانی سے کہا۔

"اتنے عرصے پہلے بھی یہ ایسی ہی تھی!"

"تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو ماضی کو یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ تمہارا خیال ہوگا کہ ایک حسین عورت میری توجہ کا مرکز بنی ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ میں تو اپنے حافظے کو ٹٹول رہا تھا جس میں برسوں پہلے دیکھی ہوئی عین یہی صورت نقش تھی لیکن میرا دماغ بھی اس بات پر چکرایا ہوا تھا کہ اتنے عرصے پہلے کی ایمن فرزینہ اور اس ایمن فرزینہ میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے۔ آخر کیا راز ہے؟ کہیں میں فریب نظر کا شکار تو نہیں ہو گیا؟ پھر میرا اس سے تعارف ہوا تو مجھے پتہ چل گیا کہ میں فریب نظر کا شکار نہیں بلکہ یہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ تو بات ان دنوں کی ہو رہی ہے جب ماضی میں' میں نے انہیں دیکھا تھا۔ میں ایک بڑی کمپنی میں ملازمت کرتا تھا اور اسی کمپنی کا ایک آفیسر جس کی عمر ان دنوں پچاس' پچپن کے قریب ہوگی۔ میرے ساتھ کام کرتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ایمن فرزینہ کا تعاقب کرتا ہے۔ ایک دن میں نے اسے اس کیفیت میں دیکھ لیا اور اس نے مجھے۔ ہم دونوں حیران رہ گئے

تھے۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"جناب! یہ عورت مجھے کافی پُراسرار معلوم ہوتی ہے۔ اگر آپ کسی مقصد کے تحت اس کا تعاقب کر رہے ہیں تو آپ مجھے بتایئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔" جواب میں اس نے عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"یقیناً تم مجھے بیوقوف سمجھتے ہوگے۔ مگر مالک کائنات کی قسم میں اس بات پر شدید حیران ہوں کہ میں نے اس وقت اس عورت کو دیکھا تھا جب میری عمر صرف سترہ سال تھی اور اس کا حلیہ اس زمانے میں بالکل یہی تھا۔ ذرا برابر فرق نہیں اس کی اس وقت کی شکل میں اور اب میں۔" یہ سن کر میں ہنس پڑا میں نے کہا۔

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس عورت کو آپ نے چالیس پینتالیس برس پہلے دیکھا ہو وہ آج بھی بالکل ویسی ہی کی ویسی ہو۔ آپ نے اس کے بارے میں ہو سکتا ہے کسی غلط فہمی کو اپنے ذہن میں لگا لیا ہو۔ ایک شکل کی عورتیں بھی ہو سکتی ہیں اور پھر ممکن ہے۔ یہ اسی نسل کی کوئی لڑکی ہو۔ اس بات کے امکانات بھی تو ہوتے ہیں کہ اس عورت کی اولاد اتنے عرصے میں ایسی ہو گئی ہو۔"

"آپ کو بتاؤں اس کا نام بھی ایمن فرزینہ تھا اور اس کے بارے میں بھی میں معلوم کر چکا ہوں کہ اس کا نام ایمن فرزینہ ہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے بیٹی نے ماں کا نام رکھ لیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" اس نے بے بسی سے گردن ہلائی۔ میں شہروز کی باتیں حیرت سے سن رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ایک ہی شکل و صورت کی تین عورتیں اتنے اتنے عرصے کے بعد بالکل یکساں۔"

"ہاں۔ اس کے ساتھ ہی میرے بوڑھے آفیسر نے جو بات بتائی وہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ اتفاق سے اس نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ اپنی عمر میں کوئی پچیس تیس سال زیادہ کی نظر آئی۔ ایسا لگا جیسے وہ تیزی سے بڑھاپے کی طرف بڑھ گئی ہو۔ پھر ایک سال کے بعد اتفاقیہ طور پر اس افسر نے اسے دیکھا یا پھر اسے اتفاق نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہ یقیناً ایک جانی بوجھی بات تھی۔ وہ عورت اس قدر بوڑھی نظر آئی کہ اس کا پورا وجود تنکے کی طرح لرزتا تھا اور وہ چھڑی کے سہارے سے دو چار قدم چل لیا کرتی تھی۔ میرا آفیسر اپنی حیرانی کی بنیاد پر مسلسل اس کی تاک میں لگا ہوا تھا اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔

مجھے وہ ان معلومات کی تفصیل ضرور بتاتا۔ اس نے بتایا کہ اس وقت وہ عورت اسی سال کی بڑھیا کی شکل میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس نے مجھے پیش کش بھی کی کہ اگر میں چاہوں تو اسے دیکھ سکتا ہوں۔ خود حیران رہ جاؤں گا۔ میں چونکہ اس سارے معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اس لئے میں نے دیکھا اور دیکھ کر میری حیرت انتہا کو پہنچ گئی۔ واقعی اس کی حالت بہت بری ہو رہی تھی۔ اسے سہارا دے کر چلانے کے لئے ایک نوجوان لڑکی ساتھ تھی۔ یہ لڑکی انتہائی تندرست اور توانا تھی۔ شاید اسے ملازم رکھا گیا تھا اور میرے بوڑھے آفیسر نے جو اس معاملے میں بے پناہ دلچسپی لے رہا تھا ایک دن اس لڑکی سے تنہائی میں ملاقات کر ہی ڈالی۔

"بے بی! میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ کیا تم میڈم ایمن فرزینہ کی ملازم ہو؟"

"جی سر میرا نام سیموئل ہے اور میں عیسائی ہوں۔ میڈم بہت اچھی خاتون ہیں۔ ان کا تعلق مصر سے ہے میرے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتی ہیں۔ ان دنوں کچھ بیمار ہیں۔"

"ٹھیک۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ میں نے تم سے تمہاری مالک کے بارے میں اتنے سوالات کئے۔" لیکن پھر ہم تقریباً دو ماہ تک اس کا جائزہ لیتے رہے۔ اور ہم نے یہ دیکھا کہ لڑکی روز بروز گھلتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے برعکس ایمن فرزینہ پر ایک بار پھر جوانی چڑھنے لگی تھی۔ ٹھیک دو مہینے کے بعد لڑکی مر گئی اور جب ہم نے آخری بار ایمن فرزینہ کو دیکھا تو وہ پھر سے جوان ہو چکی تھی اور حسن و صحت کا مجسمہ نظر آنے لگی تھی۔ میرے آفیسر دوست نے یہ جاننے کے بعد پولیس سے رابطہ قائم کیا اور پولیس ایمن فرزینہ کے پیچھے لگ گئی۔ ایمن فرزینہ کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہو سکی جس سے پولیس کو کچھ مدد مل سکتی۔ پھر ایک دن وہ شہر چھوڑ کر چلی گئی۔ اس کے بعد ہمیں اس کا نام و نشان نہیں ملا۔ بہرحال ہم لوگ وقت گزارتے رہے پھر میں نے وہ ملازمت چھوڑ دی شہر بھی تبدیل کر دیا اور اس کے بعد میں ایک اور شہر میں پہنچا۔ وہاں میں نے ایک نئی فرم میں ملازمت کر لی تھی۔ اس فرم میں ملازمت کرتے ہوئے ایک بار میرا واسطہ پھر ایسے شخص سے پڑ گیا جس نے مجھے ایمن فرزینہ کی کہانی سنائی۔ یہ کہانی وہی تھی یعنی ایمن فرزنہ نامی ایک عورت جو بالکل بوڑھی تھی اور اس کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ محسوس ہوتا تھا کہ بہت جلد مر جائے گی اس نے اپنی تیمارداری کے لئے ایک جوان اور صحت مند خادمہ کو ملازم رکھا جو ایک ماہ کے اندر سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ آخر کار وہ مر گئی

لیکن اس کے دوران میں حیرت انگیز طور پر ایمن فرزینہ صحت مند اور جوان ہوتی چلی گئی۔ اب اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہی لڑکی ایک ماہ پہلے ستر' پچھتر سال کی عورت نظر آتی تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ پولیس اس کی جانب متوجہ ہوگئی تھی چنانچہ وہ کسی اور ملک میں چلی گئی۔ یہ تھی ایمن فرزینہ کی پرانی داستان اور یہ تھی میری پریشانی اور حیرانی کی وجہ تم سمجھتے ہونا؟" میں نقش حیرت بنا یہ داستان سن رہا تھا۔ بہرحال تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"اب یہ بتاؤ ڈیئر کہ اب اس عورت نے اتنے حلیے بدلے اتنے روپ بدلے لیکن اس نے اپنا نام کیوں نہیں تبدیل کیا۔ کیا یہ بات باعث حیرت نہیں ہے؟"

"ہاں۔ واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات حیرت انگیز ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو نا کہ کسی نوجوان اور تندرست جسم سے خون نچوڑ کر یہ عورت اپنی زندگی اور صحت دوبارہ پالیتی ہے۔"

"میرے ذہن میں یہی خیال ہے اور اس دن جب میں نے اریوز کلب میں اسے دیکھا تو میرا ذہن مکمل چکرانے لگا اور مجھے تمام پرانی باتیں یاد آگئیں۔ تم نے خود بھی دیکھ لیا کہ وہ کس قدر جوان اور تندرست تھی اور اس کے بعد اس پر تیزی سے بڑھاپا چھاتا چلا گیا۔ ہم نے اسے سرخ لباس اور سرخ نقاب میں دیکھا تھا۔ اصل میں' میں اس تمام صورتِ حال سے واقف ہوں۔ یہ وہی عورت ہے۔ قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں ڈیئر بابر علی کہ یہ وہی عورت ہے۔" اس داستان نے میرے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا تھا اور میں یہ سوچتا رہا تھا کہ زندگی میں کئی بار میں ایسے خون آشاموں کے قصے سنے ہیں لیکن کسی خون آشام کا میری زندگی سے تعلق ہوجائے گا۔ یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔ اب بھی اتنے دن گزر گئے تھے جیل سے رہا ہوئے۔ میرے ذہن میں ناگو بابا کے لئے مختلف خیالات آتے رہتے۔ ابھی تک میں ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ ناگو نے مجھے یہاں کیوں بھیجا تھا اور خاص طور سے اس نے اس بات کی نشاندہی کی تھی کہ ایک شخص میرے پاس خود آئے گا۔ کیا یہ شخص شہروز کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے اصل شخص ابھی نہ آیا ہو۔ بہرحال چونکہ یہ ساری داستان بے حد دلچسپ تھی اور میرے پاس کوئی ایسا کام نہیں تھا جس میں مجھے مصروفیت ہوجائے۔ چنانچہ مجھے اس مسئلے میں دلچپی مسلسل تھی مجھے پتہ چلا کہ سونیلہ کو اسی اسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے جس کے بارے میں شہروز نے اس کی ماں کو ہدایت کی تھی۔ پھر ہم لوگ بھی سونیلہ کو دیکھنے گئے۔ ڈاکٹر سے بات ہوئی تو

ڈاکٹر مشاہد نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ اس لڑکی کے بدن کا خون اچانک ختم ہوگیا تھا اور اگر مزید کچھ وقت اس کی دیکھ بھال نہ ہوتی تو یہ زندگی سے محروم ہوجاتی۔ اُدھر سونیلہ سے ملاقات ہوئی تو ہم نے اس کی ماں سے اس کے حالات پوچھے۔ اس کی حالت خاصی بہتر تھی لیکن نقاہت اور کمزوری ابھی دور نہیں ہوئی تھی۔ لڑکی نے شہروز کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکر ہے آپ کو میرے بارے میں علم ہوا۔ مزید یہ کہ آپ مجھے دیکھنے آئے۔ کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟" مسز راؤ بھی وہاں موجود تھیں۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"لیکن ڈاکٹر مجھے گھر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ اب تو میری طبیعت ٹھیک ہے۔ اصل میں مجھے ایک جگہ ضروری جانا ہے۔"

"ہم تمہیں بہت جلد گھر لے چلیں گے تم فکر مت کرو۔" شہروز نے کہا۔ وہ چونک کر بولی۔

"آپ کلب جا رہے ہیں شہروز؟"

"ہاں۔ کیوں خیریت؟"

"ایمن فرزینہ سے آپ کی ملاقات ہوئی؟ درحقیقت میں ان کے لئے ہی پریشان ہوں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ وہ کتنی بیمار ہیں۔ میں ان کی تیمارداری کر رہی تھی۔ اور میری وجہ سے وہ صحت مند ہوتی جا رہی تھیں۔ میرا کتنا انتظار کر رہی ہوں گی وہ۔ امی کہتی ہیں کہ انہوں نے میرے کسی دوست کو یہ نہیں بتایا کہ میں یہاں ہوں۔ یہ بری بات ہے نا۔ انہیں پتہ چلنا چاہئے۔"

"کیا بیماری ہے میڈم فرزینہ کو؟"

"بہت کمزور ہیں وہ۔ بڑی کمزوری محسوس کرتی ہیں۔ اصل میں وہ نفسیاتی بیمار ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ ان کا علاج صرف یہ ہے کہ وہ مجھ جیسی کسی نوجوان اور صحت مند لڑکی کے ساتھ وقت گزاریں۔ ورنہ ان پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ مرض کافی عرصے سے انہیں لاحق ہے۔ اب دیکھئے نا کس قدر مہربان اور محبت کرنے والی خاتون ہیں۔"

"ہاں۔ واقعی ایسی صورت میں تو انہیں تمہاری سخت ضرورت ہے لیکن مجھے یہ بتاؤ ڈیئر کہ تم اس کی تیمارداری کیسے کرتی تھیں؟"

"میں نے کہا نا وہ عجیب و غریب خاتون ہیں۔ یہ عجیب کیفیت بھی مجھے پسند ہے۔ وہ میرے ساتھ بستر پر لیٹ جاتی تھیں۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتی تھیں۔ میں انہیں کوئی اخبار یا کتاب پڑھ کر سناتی اور اس کے بعد مجھ پر غنودگی طاری ہو جاتی۔ جب میری آنکھ کھلتی تو گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہوتا اور مجھے عجیب عجیب خواب نظر آتے اور میں اپنے آپ کو تھکا تھکا محسوس کرتی۔" اس نے معصومیت سے بتایا اور شہروز کے چہرے پر غیض و غضب کے آثار پھیل گئے۔ اس نے دانت پیس کر مدہم سے لہجے میں کہا۔

"اور اس بار وہ میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کم بخت کی عمر کیا ہے اور وہ کب سے جوان لڑکیوں کا خون چوس چوس کر اپنی زندگی بچائے ہوئے ہے لیکن اب اس کا ناپاک وجود اس دنیا سے مٹ جانا چاہئے۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں آپ سے ان کے بارے میں سوال کر رہی ہوں۔ پلیز! کہیں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ آپ مجھے ان کے پاس لے چلئے۔" یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ کیفیت کافی بہتر ہو گئی تھی لیکن ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری تھی۔ ذہنی طور پر وہ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ اس دوران ڈاکٹر آ گیا اور شہروز اس سے کافی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ جب ڈاکٹر چلا گیا تو شہروز نے مجھ سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"اس بیمار لڑکی کی روح پر اس منحوس عورت نے قبضہ کر لیا ہے۔ جسم پر تو پہلے ہی قبضہ کر چکی تھی وہ لیکن ظاہر ہے ایسے لوگ سفلی علوم کے ماہر ہوتے ہیں اور یقینی طور پر اس نے سفلی عمل کے ذریعے اس لڑکی کو اپنا غلام بنا لیا ہے لیکن میں اس کی تمام چالوں کو ناکام بنا دوں گا۔" پھر اس نے اس پر ایک آخری نگاہ ڈالی اور مسز راؤ کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل آیا۔ باہر بیرونی برآمدے میں اس نے آ کر کہا۔

"اس دوران کوئی آیا تو نہیں۔"

"میں آپ کو یہی بات بتانے والی تھی شہروز! نہ جانے اس کم بخت کو اس کا پتہ کیسے چل گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے اسے اسپتال کے احاطے میں بھٹکتے دیکھا ہے لیکن آپ نے شاید ڈاکٹر سے یہ بات کہہ دی تھی کہ کوئی ملاقاتی اس سے ملنے کے لئے اندر نہ آ سکے۔ اس لئے وہ اندر نہیں آ سکی۔"

"اوہ۔ گڈ۔ یہ اچھا ہوا' عملہ محتاط ہے نا۔ میں ڈاکٹر کو مزید اس کی ہدایت کئے دیتا ہوں۔"

"مگر پلیز مجھے کچھ تو بتائیے شہروز آپ اس تمام معاملے کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ آپ نے مجھ پر بے حد احسان کیا ہے۔ اس ہسپتال کے ڈاکٹر میرا بڑا احترام کرتے ہیں۔ خاص طور سے ہسپتال کے مالک مسٹر احمد علی نے مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ میں کسی قسم کی فکر نہ کروں۔ لیکن آخر وہ عورت میری بیٹی سے کیا چاہتی ہے۔ ویسے بھی وہ انتہائی عجیب و غریب شکل صورت کی مالک ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ کوئی ڈائن ہے جو میری بیٹی کا خون چوس رہی ہے۔"

"آپ کا سوچنا بالکل درست ہے۔ ایسی ہی بات ہے۔"

"کک........ کیا مطلب؟" مسز راؤ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"یہی بات ہے وہ ڈائن ہے اور آپ کی بیٹی کا خون چوس رہی ہے۔ اس لئے آپ اپنی لڑکی کی دن رات نگرانی کیجئے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس عورت سے دنیا کو نجات مل جائے' اب مجھے اس سلسلے میں سخت عمل کرنا ہے۔" اس نے کہا پھر بولا۔

"ذرا ایک منٹ میں سونیلہ سے اس عورت کا پتہ کنفرم کر لوں۔ ویسے تو مجھے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔" میں نے چونک کر شہروز کو دیکھا اور کہا۔

"تمہیں اس کا پتہ کیسے مل گیا؟" جواب میں شہروز مسکرایا اور بولا۔

"یہ ایک ہفتہ میں جھک نہیں مارتا رہا ہوں۔" پھر اس نے دوبارہ سونیلہ سے رابطہ قائم کیا اور کہنے لگا۔

"بے بی! تم واقعی ایمن فرزینہ کے پاس جانا چاہتی ہو؟"

"ابھی اور اسی وقت۔"

"کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ میں خود اسے تمہارے پاس بلا لاؤں۔" اس نے پوچھا تو سونیلہ سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر کہنے لگی۔

"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ چاہے کسی بھی شکل میں ممکن ہو۔"

"تو ٹھیک ہے میں اسے تمہارے پاس بلا کر لاتا ہوں۔ ذرا مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔" شہروز نے کہا اور سونیلہ نے ایک پتہ دہرا دیا۔ میں شہروز کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ پس مجھے اندازہ ہوا کہ شہروز کسی حد تک مطمئن ہو گیا ہے۔ پھر ہم وہاں سے باہر نکل آئے۔ شہروز نے کہا۔

"مجھے تھوڑی سی تیاریاں کرنی ہیں فلیٹ پر جاکر۔ کیا تم میرے ساتھ مہم پر چلنا پسند کرو گے؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے دلچسپی سے جواب دیا۔ ہم فلیٹ پہنچ گئے۔ شہروز نے کیا تیاریاں کیں اس کا تو مجھے علم نہیں تھا۔ لیکن میں بڑی سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ اس داستان میں' میں خود اس قدر کھو گیا تھا کہ میری پوری کی پوری دلچسپیاں اس میں شامل تھیں۔ آخر کار شہروز نے میرے فلیٹ کے دروازے کی بیل بجائی۔ میں تیار ہی تھا' باہر نکل آیا اور شہروز نے مجھ سے کہا۔

"ٹھیک ہے چلو چلتے ہیں۔" میں نے شہروز کا جائزہ لیا۔ وہ نہ جانے کیا تیاریاں کر کے آیا تھا مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ بہرحال ہم لوگ چل پڑے۔ شہروز اپنی کار میں خاموش بیٹھا رہا تھا۔ مجھے اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ آخر کار ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک انتہائی خوبصورت مکان کے سامنے شہروز نے کار روکی اور اس سے نیچے اتر آیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ہم جب وہاں پہنچے تو سورج ڈوبنے میں تھوڑی دیر باقی تھی۔ بیل بجائی اور ایک عمر رسیدہ خادمہ نے دروازہ کھولا۔

"کیا...... محترمہ ایمن فرزینہ اندر موجود ہیں؟"

"ہیں...... لیکن ان سے ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔ خود انہوں نے منع کیا ہے۔" خادمہ نے بے رخی سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن شہروز نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور اندر داخل ہو گیا۔ پھر ایک راہداری طے کرنے کے بعد ہم ایک وسیع و عریض کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ شہروز جارحیت پر آمادہ تھا۔ اس بڑے اور وسیع کمرے میں نیم تاریکی کا ماحول تھا اور اس میں عجیب قسم کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ مغربی کھڑکی سے ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی پردوں میں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ ہماری آنکھیں کام کرنے کی عادی ہو گئیں اور میں نے ایک کرسی پر ایمن فرزینہ کو دیکھا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی مجھ پر دہشت کا ایک حملہ سا ہوا۔ اس کا چہرہ سوکھ کر چمڑا ہو چکا تھا اور ایک عجیب سی کیفیت اس کے چہرے پر طاری تھی۔ سبزی مائل رنگ تھا اس کے چہرے کا اور اس کی کھوپڑی سکڑ کر مختصر ہو چکی تھی۔ اندر کو دھنسی ہوئی نیلی آنکھیں اس وقت زرد اور بے نور معلوم ہو رہی تھیں۔ بس اس کی پتلیاں خوفناک انداز میں اندر حرکت کر رہی تھیں۔ ناک اور کان بڑی حد تک مسخ ہو چکے تھے۔ پھٹے ہوئے

سیاہ ہونٹوں میں سے لمبے سفید دانت جھانک رہے تھے۔ سورج غروب ہونے میں ابھی خاصا وقت تھا۔ یکایک اس کے ڈھانچے میں جنبش ہوئی۔ مدھم سی آواز کمرے میں گونجی۔

"عظیم آقا! میرے مالک کہاں ہو تم؟ میں زندگی کے آخری لمحات سے گزر رہی ہوں اور تم مجھ سے اتنا فاصلہ اختیار کئے ہوئے ہو۔ کہاں ہو تم؟ جواب دو۔ جواب دو۔ جواب دو۔" اس کی آواز اس حد تک بھیانک تھی کہ میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر دفعتاً ہی زور دار ہوا چلی۔ وہ کھڑکیاں بند ہو گئیں جو کھلی ہوئی تھیں اور جن سے سورج کی روشنی چھن رہی تھی۔ دروازہ ایک زور دار آواز کے ساتھ بند ہوا۔ اسی وقت شہروز نے اپنے لباس سے ایک مڑا ہوا خنجر نکال لیا۔ اس کے دانت بھنچے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر انتہائی سفاکی نظر آ رہی تھی لیکن پھر یوں لگا جیسے چھت کے کسی رخنے سے کوئی چیز کمرے کے عین درمیان اتری ہو۔ ایک کالی سی عجیب و غریب چیز تھی۔ غالباً حشرات الارض میں سے کچھ۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ننھی ننھی سرخ روشنیاں چمک رہی تھیں اور جو چیز مجھے کمرے کے وسط میں نظر آئی وہ سیاہ رنگ کا ایک اتنا بڑا بچھو تھا کہ شاید ہی کسی انسان نے اتنا بڑا بچھو دیکھا ہو۔ وہ کسی بالشت بھر کے کچھوے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ اس کا ڈنک اٹھا ہوا تھا اور کالے رنگ پر گہری سرخ آنکھیں اس طرح چمک رہی تھیں کہ ان کی روشنی کرنوں کی شکل میں کمرے کے ماحول میں پھیلی ہوئی تھی۔ دفعتاً ہی وہ گھومنے لگا اور یوں لگا جیسے کوئی پھرکی گھوم رہی ہو۔ اس کے گھومنے کی رفتار کافی تیز تھی لیکن جو ہولناک منظر میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ گھومنے کے ساتھ ساتھ ہی اس کا حجم بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر خود شہروز بھی خوفزدہ ہو گیا اور کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اُدھر ایمن فرزینہ کے اندر زندگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ کسی نامانوس زبان میں کچھ کہہ رہی تھی اور اس کی آواز بھیانک سے بھیانک تر ہوتی جا رہی تھی۔ میں اس ہولناک منظر سے اس قدر دہشت زدہ ہو گیا تھا کہ اگر دیوار کا سہارا میری پشت پر نہ ہوتا تو شاید میں نیچے ہی گر پڑتا۔ اُدھر میرے دوست کی حالت بھی کچھ عجیب سی تھی۔ خنجر اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا اور وہ خوفزدہ انداز میں بچھو کو دیکھ رہا تھا۔ جسے اب بچھو کہنا اپنے آپ کو ہی حماقت محسوس ہوتا تھا۔ وہ اس وقت دو یا اڑھائی فٹ کے قریب ہو چکا تھا۔ مسلسل گھومتے ہوئے اس کا قد بڑھتا جا رہا تھا۔ اتنی تیزی سے گھومتے ہوئے یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ اس کے نقوش بھی تبدیل ہوئے ہیں یا نہیں۔ پر وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ میں سوچنے لگا کہ اب کمرے سے نکل کر بھاگنا ہی زیادہ مناسب ہے اور اس کے بعد

اچانک وہ رک گیا۔ تب میں نے ایک بھیانک منظر دیکھا۔ وہ ایک عجیب وغریب شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس کا پورا جسم بچھو کا تھا لیکن اس کا چہرہ میرے لئے مکمل طور پر شناسا تھا۔ آہ۔ بھلا یہ چہرہ کبھی بھولنے کے قابل تھا۔

یہ ناگو بابا تھا۔ ناگو! ہوش اڑانے کے لئے یہ منظر کافی تھا۔ نہ جانے کس طرح میں نے اپنے ذہن پر قابو پایا۔ پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں میری کسی کوشش کا دخل نہیں تھا۔ اُدھر شہروز بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس بچھو کو دیکھ رہا تھا جس کا جسم بے پناہ بڑھ چکا تھا لیکن اس کا انسانی چہرہ ناقابل یقین تھا۔ ویسے بھی ناگو بابا کا رنگ گہرا سیاہ الٹے توے کی مانند تھا۔ لیکن اس وقت اس کی آنکھوں کی سرخی ناقابلِ یقین تھی۔ اس سے پہلے میں نے اس کی آنکھوں میں ایسی سرخی نہیں دیکھی تھی۔ پھر دفعتاً ہی اس کی پھٹی پھٹی آواز ابھری۔

"بابر! او بابر! کس لئے بھیجا تھا میں نے تجھے یہاں' کہا تھا نا میں نے تجھ سے کہ یہ آدمی تیرے پاس آئے گا۔ تم دونوں اس عورت کو مارنے کے لئے آئے ہو نا۔ باؤلے! تو تو میرا اپنا آدمی ہے۔ اور یہ............ یہ' یہ بھی میری اپنی ہے۔ ہمارے قبیلے کی ہے یہ۔ اسے مارنے آیا ہے تو' جانتا ہے تو تجھے کیا کرنا ہے۔ اس دوسرے کو مار جو ہمارے قبیلے کی عورت کا دشمن ہے۔ یہ اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ میں نے اس لئے تجھے اُدھر بھیجا تھا کہ یہ تیرے پاس ضرور آئے گا اور بات یہاں تک پہنچ جائے گی۔ چل سنبھال اسے۔ تیرے پاس میری شکتی ہے۔ مار دے اس سسرے کو! یہ خنجر اس کے سینے میں گھونپ دے چل جلدی کر۔" شہروز پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مجھے دیکھا اور دوسرے لمحے وہ کئی کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میرے پورے وجود میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی اور میری آنکھوں میں ایک خونخوار سی کیفیت پیدا ہوتی جارہی تھی۔ میرا دماغ اب جیسے میرے قابو میں نہیں تھا۔ میں دہشت بھری نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہا تھا۔ اپنے دوست کو جس سے اتنے دن تک میرا ساتھ رہا تھا اور جو برائی کو ختم کرنے کے لئے مجھے اپنے ہمراہ لے کر یہاں تک آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں شہروز کو ختم کر دوں۔

اُدھر شہروز بھی میری ذہنی کیفیت سے واقف ہوتا جارہا تھا اور شاید اسے خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ ایک ایک قدم کر کے پیچھے ہٹنے لگا اور اس وقت اس بچھو نے ایک بار پھر گردن جھکا کر گھومنا شروع کر دیا۔ وہ وحشت زدہ انداز میں اب زمین پر چکر لگا رہا تھا اور میرے ذہن میں یہ احساس جڑ پکڑتا جارہا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہوسکے میں شہروز

کو ختم کر دوں۔ اچانک ہی شہروز نے دروزے کی جانب چھلانگ لگائی لیکن وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ دروازہ اندر سے بند ہوچکا ہے۔ وہ بری طرح دروازے سے ٹکرایا تھا اور اس لمحے میں نے بھی اس پر چھلانگ لگادی تھی۔ شہروز بہت پھرتیلا' طاقتور اور ذہین تھا۔ وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا اور میں دروازے پر کھڑا ہو کر بھوکی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ تب شہروز نے چیخ کر کہا۔

"او بے وقوف آدمی! تو اس ساحر کے سحر کا شکار ہوگیا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھال۔ کیا کر رہا ہے تو؟" میں نے یہ آواز سنی لیکن مجھے یوں لگا جیسے یہ سب کچھ مجھ سے کہا ہی نہ جارہا ہو۔ وہ کسی اور سے یہ الفاظ کہہ رہا ہو۔ میں نے انتظار کئے بغیر دوبارہ اس پر چھلانگ لگادی۔ ایک بار پھر اس نے جھکائی دی اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"دیکھ میرے ہاتھ میں خنجر ہے۔ اگر تیرے حواس درست نہ ہوئے تو یہ بھی ہوسکتا ہے تو میرے ہاتھوں مارا جائے۔ اس وقت تو مجھے قتل کرنے کے درپے ہے۔ اپنی زندگی بچانے کے لئے مجھ پر یہ فرض ہے کہ میں تجھے ختم کر دوں۔ مجھے اس کے لئے مجبور نہ کر۔" لیکن میں بھلا اب کیا سنتا۔ مجھے یہ تو لگ رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہہ رہا ہے۔ اس کے الفاظ بھی میری سمجھ میں آرہے تھے لیکن میرا دماغ میرے قبضے میں نہیں تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھا اور ایک بار پھر میں نے اس پر حملہ کیا۔ بحالت مجبوری شہروز نے بھی مجھ پر جوابی حملہ کیا لیکن نہ جانے کہاں سے میرے اندر اتنی طاقت آگئی تھی کہ میں نے اس کی کلائی پکڑ کر مروڑ دی۔ پھر ایک زوردار لات میں نے اس کی بغل کے نیچے رسید کی تو خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ تب میں نے وہ خنجر اٹھا لیا اور دوسرے لمحے میں نے اس پر وار کیا۔ اتفاق کی بات یہ کہ شہروز میری لپیٹ میں آگیا۔ خنجر نے اس کی پسلیاں چیر دی تھیں۔ اس کے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکلی اور خون بھل بھل کر کے بہنے لگا۔

تبھی میں نے ایک عجیب و غریب اور ہولناک منظر دیکھا۔ اچانک ہی خوفناک شکل کی ناگن یعنی ایمن فرزینہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔ یوں لگا جیسے خون دیکھ کر اس کے اندر ایک نئی زندگی بیدار ہوگئی ہو۔ اس دوران میں نے شہروز پر خنجر کے دو تین وار اور کر دیئے تھے۔ شہروز ایک کراہ کے ساتھ نیچے گرا۔ خنجر کا آخری وار میں نے اس کی گردن پر کیا اور اس کی شہ رگ کٹ گئی تھی۔ اب شہروز بری طرح زمین پر تڑپ رہا تھا۔ اُدھر وہ بچھو بھی اپنے بہت سارے پیروں کے ساتھ شہروز کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کا

چہرہ بدستور ناگو بابا کا تھا۔ اس دوران ایمن فرزینہ بھی شہروز کے پاس پہنچ گئی تھی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے بال پکڑ لئے تھے۔ شہروز کی آنکھیں شدت تکلیف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ فرزینہ نے اس کی شہ رگ سے ابلتے ہوئے خون پر اپنے ہونٹ پیوست کر دیئے اور ناگو بابا نے ایک دم پھر گھومنا شروع کر دیا۔ جتنی برق رفتاری سے وہ گھوم رہا تھا اتنی ہی برق رفتاری سے اس کا جسم چھوٹا ہوتا جارہا تھا۔ پھر وہ ایک ٹینس کی گیند کے برابر رہ گیا اور دوسرے لمحے وہ شہروز کے بدن پر چڑھ گیا۔ میرے خنجر کے وار سے شہروز کی پسلیوں کے درمیان کئی کٹ لگ گئے تھے۔ ناگو بابا اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کے جسم میں غائب ہو گیا۔ شہروز آہستہ آہستہ دم توڑتا جارہا تھا۔ اچانک ہی فرزینہ نے گردن اٹھائی میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

”ارے جب تم ہمارے قبیلے سے ہو تو اتنے فاصلے پر کیوں ہو؟ آؤ۔ آجاؤ۔“ نہ جانے اس کی آنکھوں میں کیسا سحر تھا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور گھٹنوں کے بل اس کے آگے بیٹھ گیا۔ پھر دوسرے لمحے میں نے نمکین اور گرم خون پر ہونٹ رکھ دیئے۔ بس اس کے بعد میرے ہوش و حواس رخصت ہو گئے تھے۔

☆-------☆-------☆

پھر نہ جانے کب اور کہاں ہوش آیا تھا۔ ایک خوبصورت مکان تھا جہاں ناگو بابا اور فرزینہ دونوں موجود تھے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ان لوگوں سے میرا کوئی رشتہ ہو۔ حالانکہ مجھے سب کچھ یاد تھا۔ شہروز کی موت' وہ لڑکی بھی یاد تھی جو ہسپتال میں پڑی تھی لیکن مجھے ان میں سے کسی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

”کسی بات پر غور کرنے کی بجائے پہلے اپنی تکمیل کر لو۔ بولو طاقت کا حصول چاہتے ہو نا۔

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔ مجھے اپنی ماں کی موت کا انتقام لینا ہے۔“

”جب تک تمہیں مکمل شکتی نہ حاصل ہو جائے دوسرے سارے خیال دل سے نکال دو۔ گیان شکتی کے لئے تمہیں پورن وتی کے پاس لے جایا جائے گا۔ وہ تمہیں تال بھون میں لے جائے گی جہاں تمہیں ممبر بنایا جائے گا۔ سمجھے۔ تمہیں.......... تمہیں ایک اخباری رپورٹر کی حیثیت سے وہاں جانا چاہئے۔ ایمن تمہیں سب کچھ سمجھا دے گی.......... میں نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی تھی۔ اس کے بعد ایمن مجھے عجیب و غریب باتیں بتاتی رہی تھی..........

سب کچھ انتہائی مشکل' بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ناممکن' بس وقت تھا کہ گزر رہا تھا۔ آخر کار میں نے مطلوبہ پتے پر جا کر اس چھوٹے سے خوشنما بنگلے کے دروازے کی بیل بجائی اور کچھ لمحوں کے بعد دروازہ آہستہ سے کھل گیا۔ مکان عام ہی تھا اور اسے دیکھ کر یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔ دروازے سے جو شخصیت ظاہر ہوئی وہ کسی قدر پُراسرار شکل کی مالک تھی۔ چہرہ چڑیلوں جیسا' لمبی ناک' چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ میں نے اس سے سوال کیا۔

”کیا میں مس پورن وتی سے بات کر رہا ہوں؟“

”کون ہو تم اور یہاں کیوں آئے ہو؟“

"پورن وتی کے بارے میں سنا تھا کہ وہ کچھ خصوصیات کی حامل ہیں۔ میرا تعلق ایک اخبار سے ہے اور میں ماضی کی ایک عظیم شخصیت سے انٹرویو کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے مس پورن وتی کے بارے میں کچھ بتائیں گی؟"

"وہ میں ہی ہوں۔ آؤ' اندر آجاؤ۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا اندر ایک تاریک سا ہال تھا پھر اس کے بعد ایک کمرہ اور کمرے میں ایک مدہم سا لیمپ روشن تھا۔ یہاں تھوڑا سا فرنیچر بھی پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک کرسی کی جانب اشارہ کرکے مجھ سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اور میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ عورت کی نظر مجھ پر پوری طرح لگی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ جذبات سے عاری لگ رہا تھا۔ میں نے کچھ لمحوں کے بعد اس سے پوچھا۔

"حالانکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا نام پورن وتی ہے لیکن پھر بھی اخبار کے انٹرویو کے لئے مجھے آپ کی زبانی آپ کا نام معلوم کرکے خوشی ہوگی۔"

"پورن وتی!"

"آپ شادی شدہ ہیں؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ کی عمر کتنی ہے میڈم حالانکہ سنا یہ ہے کہ عورتیں کبھی اپنی عمر نہیں بتاتیں لیکن پھر بھی یہ سوال کر رہا ہوں۔ آپ اپنی پسند کا جواب دے سکتی ہیں۔"

"نہیں میں عمر چھپانا نہیں چاہتی اور نہ عمر چھپانا بہتر سمجھتی ہوں۔"

"تو آپ کی عمر کتنی ہے۔"

"تقریباً گیارہ سو سات سال۔" اس نے جواب دیا اور میں اسے دیکھ کر ہنس پڑا لیکن وہ بالکل سنجیدہ رہی تھی۔

"ذرا پھر سے کہئے۔"

"گیارہ سو سات سال اور شاید اڑھائی مہینہ یا پینتالیس دن۔"

آپ بہت دلچسپ خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ بات کو اتنی سنجیدگی سے ادا کرتی ہیں کہ انسان آپ کے مذاق کو سمجھ ہی نہ سکے۔ خیر چلئے آپ نے کہا ہے میں مان لیتا ہوں۔ آپ کا مشغلہ زندگی کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ جنگلوں' پہاڑوں' ویرانوں' قبرستانوں میں بھٹکتی رہتی ہوں کبھی کبھی میری زندگی سے منسلک دلچسپ واقعات بھی پیش آجاتے ہیں لیکن پھر بھی میں نے زندگی میں بہت کم لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ دلچسپ مشغلہ جادوگری سیکھنا ہے۔"

"میرا مطلب یہ نہیں تھا خاتون' مطلب یہ ہے کہ آپ کی آمدنی۔ آپ مجھے یہاں تنہا ہی نظر آرہی ہیں اور۔"

"دیکھو میں جو کہہ رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم میرا انٹرویو لے رہے ہو اور یہ انٹرویو ضرور کسی اخبار میں شائع ہوگا۔ بہرحال تم یہ سمجھ لو کہ میں شیطان زادی ہوں اور میری عمر گیارہ سو سات سال اور اڑھائی مہینہ ہے۔ بس اب کچھ اور معلوم کرنا چاہتے ہو تو معلوم کرو۔ زندگی میں ویسے تو بہت سے واقعات ہیں لیکن تمہیں بتانا پسند نہیں کروں گی۔"

"بہتر۔ میں سمجھتا ہوں آپ کا اتنا انٹرویو کافی ہے۔ اب مجھے چلنا چاہئے۔" جواب میں وہ عجیب سے انداز سے مسکرا دی پھر بولی۔

"لوگ کہتے ہیں کہ مہمان آتے اپنی مرضی سے ہیں اور جاتے میزبان کی مرضی سے ہیں۔ تم اپنی مرضی سے آئے۔ میں نے تو تمہیں نہیں بلایا تھا لیکن تمہیں میری مرضی سے واپس جانا چاہئے۔"

"معافی چاہتا ہوں اب آپ سے پوچھنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی تھی۔ میں دروازے کی طرف مڑا لیکن اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میں نے صحیح سمت رخ نہیں کیا ہے۔ دروازہ اُدھر نہیں ہے پھر میں نے دروازے کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر میرے ہوش گم ہوگئے کہ اس بڑے سے نیم تاریک ہال میں اب کوئی دروازہ نہیں تھا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے دروازہ کہاں گیا؟ میں آگے بڑھ کر اس جگہ پہنچا جہاں سے میں اندر داخل ہوا تھا لیکن وہاں ایک سپاٹ دیوار کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں دیوار کے ساتھ چل کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ دروازہ کہیں اور تو نہیں ہے۔ مجھے غلط فہمی تو نہیں ہو رہی ہے لیکن دروازہ نہیں تھا۔ وہ غائب تھا اور حیران کن بات یہ تھی کہ کہیں سے بھی اس کا نشان نہیں ملتا تھا حالانکہ کمرہ عام کمروں ہی کی مانند تھا۔ میں تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا اور پھر میں نے پریشانی سے کہا۔

"مس پورن وتی! براہ کرم مجھے دروازہ دکھا دیجئے۔ میں جانا چاہتا ہوں۔" جواب میں اس کے ہونٹوں پر پھر پہلے جیسی مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"کہا تھا نا میں نے تم سے کہ مہمان آتے اپنی مرضی سے ہیں' کیا سمجھے؟ بیٹھو میں تو

ابھی تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" اس کی آواز عجیب سی تھی۔ وہ تیز قسم کی سرگوشی کے انداز میں بول رہی تھی۔ میں اب بھی یہی سمجھا کہ وہ عورت مذاق کر رہی ہے۔ میں نے کہا۔

"آپ ایک خوش مزاج خاتون ہیں مس پورن وتی! لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اب آپ یہ مذاق ختم کردیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ دیر کے لئے یہیں ٹھہر جاؤ' اصل میں انسان اپنی خوش نصیبی کو آسانی سے ختم نہیں کرنے دیتا۔"

"خوش نصیبی؟" میں نے سوال کیا تو وہ مسکرا کر گردن ہلانے لگی پھر بولی۔

"چائے پینا پسند کرو گے؟"

"میں صرف جانا چاہتا ہوں۔"

"مگر بیٹھ جاؤ۔ میں اسے لے کر آرہی ہوں۔"

"کسے؟" میں نے پھر حیرت سے پوچھا۔

"چائے کو۔" وہ بولی اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ کمرہ اب بھی نیم تاریک تھا حالانکہ میں نے اسے کافی حد تک دیکھ لیا تھا لیکن بہت سی چیزیں اب بھی میری نگاہوں سے اوجھل تھیں مثلاً پہلے ہی سے آگ جل اٹھی تھی لیکن میں نے اسے محسوس اب کیا تھا یا پھر ممکن ہے وہ پہلے یہاں موجود نہ ہو۔

یہ بات کچھ دیر کے لئے میرے ذہن سے دور ہوگئی تھی کہ مجھے یہاں ناگو بابا نے بھیجا ہے اور لازمی طور پر یہ جگہ کسی مصیبت سے عاری جگہ نہیں ہوگی۔ آتش دان اچانک ہی نمودار ہوا تھا اور اس میں آگ بھی جل رہی تھی اور پھر جب میں نے بغور دیکھا تو مجھے لگا کہ آتش دان کے کسی حصے پر ایک چائے دانی بھی رکھی ہوئی ہے۔ عورت اپنی جگہ سے اٹھی اور آتش دان کی جانب بڑھ گئی۔ نہ جانے کس طرف سے اس پر روشنی پڑ رہی تھی اور اس کی ایک بڑی سی پرچھائیں نے پوری دیوار کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ یہ پرچھائیں عجیب و غریب تھی۔ لگ رہا تھا جیسے کسی انسان کی پرچھائیں نہ ہو حالانکہ عقب سے اس پر سایہ پڑ رہا تھا اور اس کا سایہ دیوار پر ایک بہت ہی خوفناک شکل کی چڑیل جس کے سر پر لمبے لمبے سینگ نظر آرہے تھے' دیوار پر نظر آرہی تھی اور اس کا رخ آتش دان کی طرف تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے مس پورن وتی کو دیکھا تھا۔ وہ بالکل کسی گھریلو عورت کی مانند ہی تھی۔ سیاہ بال' بیچ سے نکالی ہوئی مانگ' موزوں قدو

قامت جو یہ ظاہر نہیں کرتا تھا کہ اس کی عمر زیادہ ہے اور وہ اپنی عمر بتا رہی ہے گیارہ سو سات سال دلچسپ مذاق ہے' لیکن یہ پرچھائیں۔ ایک بار پھر میں نے پورن وتی کو دیکھا۔ اس کی ناک کسی چونچ کی مانند مڑی ہوئی تھی۔ آنکھیں تیز اور چھوٹی تھیں اور نقوش بالکل عام قسم کے تھے۔ بہرحال وہ چائے لے کر پلٹی۔ غالباً وہاں آتش دان پر چائے کا معقول بندوبست تھا میرے قریب آکر اس نے مجھے چائے کا پیالہ دیتے ہوئے کہا۔

"لو میرے معزز مہمان! مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں آئے۔ یہاں بہت کم مہمان آتے ہیں اور جو آتے ہیں وہ........." اس نے جملہ ادھورہ چھوڑ دیا۔ میں نے پیالہ ہاتھ میں لے کر ادھر ادھر دیکھا آتش دان کی آگ ہولے ہولے جل رہی تھی۔ اندر گرمی بھی تھی۔ بہت سی سوچیں میرے ذہن کو پریشان کر رہی تھیں۔ میں اس کے پراسرار جملوں پر غور کر رہا تھا۔ پھر میں نے سوچا کوئی حرج نہیں ہے۔ چائے پی کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میز کی دوسری جانب سے مجھے گھور رہی ہے پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اب میرا کاروبار ٹھنڈا ہوگیا ہے سمجھے' اب میرا کاروبار بالکل نرم ہوگیا ہے۔"

"کاروبار؟" میں نے ایک بار پھر اسے چونک کر دیکھا۔

"ہاں کالے جادو کا کاروبار پہلے بہت اچھی طرح چلتا تھا لیکن اب لوگ جادو کو بھی سائنس ہی سمجھنے لگے ہیں اور ہمارا کاروبار تقریباً ختم ہوتا جارہا ہے۔ اس پر اب بہت کم لوگ یقین رکھتے ہیں۔ لوگ اس سلسلے میں اب آتے ہی نہیں میرے پاس۔ تم یقین کرو کہ میں نے طویل عرصے سے جادو کا کوئی پتلا نہیں بنایا ہے۔"

"جادو کا پتلا؟"

"ہاں یہ ایک پُراسرار عمل ہے۔ آٹے کی ایک گڑیا بنائی جاتی ہے اور اس میں سوئیاں چبھو کر کسی بھی جانب لے جاتی ہے اور اب تو یہ کام انجام دینے کی نوبت نہیں آتی۔ یہ سالوں پہلے کی بات ہے کہ لوگ اپنے دشمنوں کو اس طرح ختم کرتے تھے۔ اب تو خدا غارت کرے' صورت حال ہی بدل گئی ہے۔ کرائے کے قاتل جگہ جگہ دندناتے پھرتے ہیں اور معمولی سے معاوضے پر وہ یہ کام کر ڈالتے ہیں جو ہم سے لیا جاتا تھا۔ اب ان کاموں کے لئے کوئی ہمارے پاس نہیں آتا۔ بلکہ ان کرائے کے قاتلوں کے پاس جاتا ہے۔ ارے تم یہ چائے کیوں نہیں پی رہے؟" اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور میں نے جلدی سے چائے کا پیالہ منہ سے لگالیا۔ حالانکہ یہاں آکر میرے ذہن پر جو ایک کوفت سی

سوار ہوگئی تھی۔ وہ مجھے مجبور کر رہی تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے نکل جاؤں لیکن بوڑھی عورت کی حقیقتیں بھی میرے سامنے آتی جارہی تھیں۔ وہ واقعی ہی کوئی جادوگرنی معلوم ہوتی تھی کیونکہ اس کمرے میں ایک دروازے سے ہی داخل ہوا تھا لیکن اب وہ دروازہ یہاں نہیں تھا۔ چائے کے پہلے گھونٹ نے مجھے یہ احساس دلایا کہ یہ چائے بھی عام قسم کی نہیں ہے کیونکہ یہ خاصی کڑوی تھی۔ عورت نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے تو تم میرا انٹرویو لینے کے لئے آئے ہو نوجوان! مجھے حیرت ہے کہ تم میری ذات میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میرے پاس اب اس انداز کا کوئی شخص نہیں آتا اور شاید بہت کم لوگوں نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا ہو۔ خیر چلو ٹھیک ہے کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ویسے خواہش سب کی یہی ہوتی ہے کہ لوگ اس کے بارے میں جانیں۔ تم یہ بتاؤ تمہاری اپنی کیا کیفیت ہے۔ کیا یہ چائے تمہیں پسند آئی؟" میں نے چونک کر پہلی بار چائے پر توجہ دی۔ یہ کڑوی چائے مجھے عجیب سی لگ رہی تھی لیکن پھر بھی میں نے اس کے گھونٹ اپنے معدے میں اتار لئے تھے۔ پھر میں نے اس کی جانب دیکھا اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے اس کا رنگ اچانک سرخ ہوتا جارہا ہو۔ یہ کیا بات ہے۔ وہ اچانک سرخ کیسے ہوگئی؟ اس کا لباس اس کا چہرہ' اس کے بال' کمرے کا ماحول' سامنے کی دیوار' سارے کا سارا سرخ' کیا قصہ ہے؟ میں نے ایک بار پھر اپنے ذہن کو جھٹکے دے کر سنبھالنے کی کوشش کی لیکن یہ سرخی میری نگاہوں سے دور نہیں ہو رہی تھی۔ اس سرخ کمرے میں لاتعداد پرچھائیں نظر آرہی تھیں۔ شاید یہی پرچھائیاں دروازے کو چھپائے ہوئے تھیں مگر مجبوری تھی۔ کیا کرسکتا تھا میں۔ دروازہ مجھے نظر نہیں آرہا تھا۔ بمشکل تمام میں نے چائے کا پیالہ نیچے رکھ کر لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب تو مجھے اجازت دو۔ میں نے چائے پی لی ہے۔" ایک بار پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ میں اڑنے لگا ہوں۔ میرے پیر فرش سے اونچے اٹھ چکے تھے اور جیسے میں ایک بے وزنی کی کیفیت کا شکار ہوگیا تھا۔ میں نے فضا میں لٹکے لٹکے ہاتھ پاؤں ہلائے۔ یہ تو مناسب نہیں ہے۔ یہ میری کیفیت کیا ہو رہی ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور اس کے بعد میں نے شکایتی انداز میں اس سے کہا۔

"دیکھو میں جانا چاہتا ہوں اب میں نے چائے بھی پی لی ہے۔ میرے یہاں رکنے کا

کوئی جواز نہیں ہے۔"

"مگر میں چاہتی ہوں کہ تم ابھی یہاں سے نہ جاؤ۔"

"کمال کرتی ہو۔ میری ذمے داریاں ہیں کچھ' میں اپنی یہ ذمہ داریاں پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ یہاں بہت کم لوگ آتے ہیں اور جب کوئی آجاتا ہے تو اس کی میزبانی مجھ پر فرض ہوجاتی ہے۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ ہم دونوں ایک حسین جگہ پر جائیں گے جو تمہیں پسند آئے گی۔"

"کہاں؟" میں نے سوال کیا۔ یہ بھی ایک عجیب کیفیت تھی۔ نہ جانے کیوں میرے حواس ساتھ بھی دے رہے تھے۔ میں سوچ سکتا تھا لیکن عمل نہیں کرسکتا تھا۔ میرے ذہن میں پریشانیاں بھی تھیں اپنی حالت کا احساس بھی لیکن میں اس احساس پر قابو نہیں پاسکتا تھا۔"

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ مجھے ایک اہم میٹنگ میں شرکت کے لئے جانا ہے۔"

"لیکن میرا اس میٹنگ سے کیا تعلق ہے؟"

"ہے۔ میں جو کہہ رہی ہوں۔ تم نہیں جانتے کہ نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"نجات کیسی نجات؟" میں نے بدستور خلا میں تیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں نجات۔" پورن وتی بولی۔

"مگر مس پورن وتی! میں تو صرف آپ کا انٹرویو کرنے کے لئے آیا تھا۔"

"دیکھو ہمیں چند قوانین پر عمل کرنا ہوتا ہے مثلاً جس طرح کھانے کی چیز پر تم لوگ کبھی دوسرے آدمی کو نہیں اٹھاتے اور نہیں بٹھاتے بالکل اسی طرح جب تم ہم تیرہ افراد مکمل نہ ہوجائیں اپنی محفل نہیں جماسکتے۔ وہ اسے پسند نہیں کرتا۔"

"کون؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ اس کا ذکر ہے جسے تم اپنی زبان میں شیطان کہہ سکتے ہو۔" اس نے درحقیقت شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"لیکن۔" میں نے احتجاجی انداز میں کہا۔

"اس لئے تمہیں میری محفل میں چلنا ہوگا۔ سمجھ رہے ہو نا۔"

"یعنی تمہارا مطلب ہے شیطان کی مجلس میں' لیکن مس پورن وتی میں اس کا پابند تو نہیں ہوں۔"

"اب ہو۔ یہاں آئے ہو تو ظاہر ہے تم نے میرا وقت بھی لیا ہے۔ ہر شخص کو تھوڑا سا دوسرے سے تعاون تو کرنا ہوتا ہے۔ ویسے تو تمہیں وہ جگہ پسند آئے گی جہاں یہ مجلس ہوگی۔"

"کونسی جگہ ہے وہ؟"

"ایک پہاڑی.......... ہمیں ایک لمبا سفر کرنا ہوگا۔ چلو تیار ہو جاؤ۔"

"نہیں میں نہیں جانا چاہتا۔"

"تم جاؤ گے۔" اس نے کہا اور گھور کر مجھے دیکھا۔ نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کی آنکھوں سے روشنی کی لہریں نکل کر میرے وجود میں داخل ہو رہی ہیں۔ وہ آنکھیں کچھ ایسی تھیں جو کچھ دیر قبل تو تمام باتیں مذاق لگ رہی تھیں اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ وہ سب مذاق نہیں حقیقت ہیں۔ بوڑھی عورت یقینی طور پر کالے جادو کی ماہر ہے۔ اوہ میرے خدا اب کیا ہوگا۔ مجھے بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ بہت سے پراسرار مسئلے میرے سامنے ظاہر ہو رہے تھے۔ اس نے کہا۔

"اب میں تمہیں تیار کرنے کے لئے اپنی ایک خاص دوست کو بلاتی ہوں۔ آؤ تم اسے تیار کرو۔" اس نے کہا اور اچانک ہی مجھے محسوس ہوا جیسے دیوار سے ایک روشنی پھوٹی ہو اور پھر روشنی اندر داخل ہو گئی لیکن جو کوئی اندر آیا تھا اسے دیکھ کر میں خوف سے سکڑ کر رہ گیا۔ ایک چھوٹے سے قد کی نوجوان عورت تھی جس کے پورے جسم پر لمبے لمبے سیاہ بال تھے۔ وہ اچھل اچھل کر فرش پر چل رہی تھی اور میری جانب بڑھ رہی تھی۔ اس کی باریک سی آواز ابھری۔

"مس پورن وتی' مس پورن وتی کیا کرنا ہے مجھے؟"

"یہ استادِ اعظم کی میٹنگ میں شریک ہونے جا رہا ہے اور تمہیں اسے تیار کرنا ہے۔ دیکھو ہمیں جس انداز میں سفر کرنا ہوگا تم جانتی ہو اس سفر کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرنا ہوتا ہے۔"

میں اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ یہ طلسمی ماحول اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے کئی بار میرے سامنے آ چکا تھا۔ خاص طور پر ایمن فرزینہ جسے میں ابھی تک نہیں بھول سکتا تھا۔ کیا اس کائنات میں اس قدر عورتیں پُراسرار عورت کی ماہر

ہوتی ہیں۔ میں نے دل میں سوچا بہرحال وہ عجیب و غریب پراسرار علوم جو انتہائی چھوٹے قد کی مالک تھی۔ مجھے اپنے پیروں کے نزدیک نظر آئی۔ اچانک جیسے کوئی چپٹی سی چیز مجھے اپنی ٹانگ سے لپٹی ہوئی محسوس ہوئی۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے میرے پورے وجود میں شعلے بھڑک اٹھے ہوں۔ میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ پورن وتی بھی اپنا لباس تبدیل کر رہی تھی اور اس کی شخصیت ایک دم سے تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ لمبے ہو کر گھٹنے تک لٹک گئے تھے اور چہرے کی رنگت بدلتی جا رہی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر کے بعد آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے یوں لگا جیسے میں فضا میں اوپر اٹھ رہا ہوں۔ مجھے اپنے چاروں طرف اندھیروں کے بادل اٹھتے ہوئے محسوس ہوئے۔ رات کی مانند۔ یہ سب کیا ہے؟ میں نے جھٹک کر ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن وہ تو کسی فولادی شکنجے کی مانند میرے بازوؤں پر پیوست تھا اور نہ جانے مجھ پر کیسی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ دفعتاً زور سے جھٹکا لگا اور میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش میں تیرتا ہوا رہ گیا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے میں برابر اوپر اٹھ رہا ہوں۔ میرے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور ہواؤں کی شائیں شائیں گونج رہی ہیں۔ نیچے ننھی ننھی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی ہوائی جہاز میں بیٹھا ہوا کسی روشن شہر سے گزر رہا ہوں۔ میرے اطراف میں تعجب خیز آوازیں گونج رہی تھیں۔ سیاہ اور ہولناک اندھیرے میرے اردگرد پھیلے ہوئے تھے اور مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ پراسرار پرواز کتنی دیر تک جاری رہی اور میں کس طرح نیچے اترا۔ جب میرے قدم زمین سے لگے تو میں نے اپنے اطراف میں ایک پہاڑی کو سر اٹھائے کھڑے دیکھا۔ وہ ایک سیاہ پرچھائیں کی مانند تھی اور میرے قرب و جوار میں مسلسل اندھیرا طاری تھا۔ میں حیران پریشان اپنے چاروں طرف دیکھ رہا تھا یاالٰہی کیا ماجرا ہے کیا ہونے والا ہے۔ میں اس ہولناک ماحول سے زندہ بھی واپس جاسکوں گا یا نہیں۔ ناگو بابا نے میرے اوپر جتنی بھی ذمے داریاں ڈالی تھیں میں ان ذمے داریوں سے کسی بھی طرح نہیں بچ سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہاں روشنی سی پھیلنے لگی۔ اس روشنی کے مرکز کا کوئی پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہاں کہاں سے آ رہی ہے۔ بس یونہی لگ رہا تھا جیسے پہاڑ شیشے کی مانند ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر اس روشنی میں مجھے بہت سی سفید پرچھائیاں متحرک نظر آئیں۔ ان سب کے جسم پر گھنے بال موجود تھے۔ ایک ایک کر کے سامنے آتے گئے اور میں نے انہیں گنا۔ وہ تعداد میں دس تھے۔ گیارھواں میں اور بارھویں مس پورن وتی۔ نہ جانے یہ پراسرار عورت کیا چیز ہے۔ ہم کل بارہ افراد جمع

ہوگئے تھے اور اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک کالے رنگ کا بکرا پکڑ کر اسے دھکیلتے ہوئے آگے لائے۔ میں ان سب کے چہروں کی سمت نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انہیں دیکھنا بے حد مشکل کام تھا۔ البتہ مس پورن وتی میرے سامنے تھی۔ اس کا چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔ پھر اس نے اسی طرح تمتماتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مقدس تاریکیوں کے مقدس پرستارو! قربانی کی رسم ادا کی جانی چاہئے۔" بہت سے لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے ایک جگہ لکڑیاں جمع کرنا شروع کر دیں۔ پھر لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی اور روشنی کے سرخ شعلے فضا کو منور کرنے لگے۔ اس کے بعد کالے رنگ کے بکرے کو ایک جگہ لایا گیا۔ وہ اب بھی بدستور اپنے حلق سے بھیانک آوازیں نکال رہا تھا۔ غالباً ان پراسرار روحوں کو دیکھ کر وہ خوفزدہ تھا۔ پرچھائیوں سے ایک سایہ آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں لمبا سا چاقو دبا ہوا تھا۔ جو سرخ آگ کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس نے بکرے کو گردن سے پکڑا اور اسے دبوچ کر اس طرح زمین پر گرا دیا جیسے کوئی معمولی سی چیز ہو۔

اس کے بعد وہ بکرے کے سینے پر گھٹنا رکھ کر بیٹھ گیا اور اس نے اس کی گردن پر چھری پھیر دی۔ بکرے کی گردن کے نیچے ایک بڑے سے پیالے کو اس روشنی نے جس نے بکرے کو ذبح کیا تھا بڑے احترام سے اٹھایا۔ اس میں سے سب سے پہلے اس نے چند گھونٹ پئے اور اس کے بعد اس نے یہ پیالہ پورن وتی کی جانب بڑھا دیا۔ وہ سب تھوڑا تھوڑا خون اس پیالے میں سے پی رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ پیالہ مجھ تک پہنچ گیا مس پورن وتی وہ پیالہ لے کر میرے سامنے آئی تھی۔

"لو ہم میں شامل ہو جاؤ۔" اس نے کہا اور نہ جانے کیسے میرا ذہن اس کے آگے مائل ہو گیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے خون کا پیالہ پکڑا اور اس میں سے تین گھونٹ لئے۔ میرا منہ نمکین ہو گیا تھا۔ الاؤ بدستور روشن تھا۔ جب خون کا پیالہ ختم ہو گیا تو ان لوگوں نے الاؤ کے گرد وحشیانہ رقص شروع کر دیا۔ وہ سب کے سب اس کے گرد رقص کرنے لگے تھے۔ آگے پیچھے ایک دائرے کی شکل میں اور اب نہ جانے کس طرح میرے دل و دماغ میں بھی سرور کی لہریں بیدار ہو گئی تھیں۔ میرا بدن اچھلنے کودنے کی طرف مائل تھا اور کچھ لمحوں کے بعد میں نے بھی ان کے ساتھ ناچنا شروع کر دیا۔ سیاہ پرچھائیاں باربار اچھل رہی تھیں اور اپنے طور پر خوشیوں کا اظہار کر رہی تھیں۔ پھر ایک گھنگناہٹ سی ابھری جیسے مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں اور پھر ایک آواز ابھری۔

"دیکھو پورن وتی کسی اور کو لے آئی ہے۔ یہ ہمارے ایک خاص ساتھی کی جگہ ہے جو آج نہیں آسکیں۔" پھر اچانک ایک زبردست شور بلند ہوا۔ جیسے ہزاروں پتے دھنکنے لگے ہوں۔ میں ان تمام چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی ایسا عمل کر رہا ہوں جس سے میرا کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ سارا ماحول یہ سارا منظر مجھے اجنبی لگ رہا تھا لیکن میرا دل یہ چاہ رہا تھا کہ میں خود بھی براہ راست ان تمام معاملات میں شرکت کرتا رہوں۔ یہ سب مجھے اجنبی اجنبی نہیں لگ رہا تھا۔ پھر شاید کوئی اور بھی آپہنچا جس کا تذکرہ وہ لوگ کر رہے تھے۔ وہ شاید کسی چٹان کے پیچھے سے نکل آیا تھا۔ انتہائی تاریک سیاہ شے تھی وہ۔ آنکھوں کی سفیدیاں تک سیاہ تھیں۔ اس کا جسم بالکل جلے ہوئے کوئلے کی طرح تھا۔ جیسے ہی وہ باہر آیا ایک دم شور تھم گیا۔ رقص رک گیا اور پھر پورن وتی آگے بڑھی اور اس سے باتیں کرنے لگی۔ وہ ان باتوں کے درمیان مسلسل میری جانب اشارے کرتی جا رہی تھی۔ اسی لمحے جیسے ایک اور شور ابھرا۔

"وہ آگئی۔ جو نہیں آسکی تھی وہ آگئی۔" ان سب نے سانسیں روک کر اسے ہماری جانب بڑھتے ہوئے دیکھا اور اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔

"نہیں یہ غلط ہے۔ ہمیں کسی بھی طرح اپنی تعداد بڑھانی نہیں چاہئے۔ ہم تیرہ ہی ممکن ہو سکتے ہیں لیکن ہم چودہ ہو چکے ہیں۔"

"اور اس کا جواب پورن وتی کو دینا پڑے گا۔"

"پورن وتی! تم ایک جرم کی مرتکب ہوئی ہو۔ چودھویں کا اضافہ تم نے ہی کیا ہے۔"

"نہیں میں سمجھی تھی کہ وہ نہیں آئے گی۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' میں سمجھتا ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم اب چودہ ہو چکے ہیں۔" سیاہ سائے کی پھنکار سنائی دی۔ اس کی آواز میں غصہ شامل تھا۔

"لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں مقدس استاد اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

"بالکل تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اصول ٹوٹ گیا ہے پورن وتی! تمہیں سزا ضرور ملے گی۔"

"رحم کرو استاد محترم! رحم کرو! میں جان بوجھ کر اس جرم کی مرتکب نہیں ہوئی ہوں۔"

"رحم وہ لوگ کرتے ہیں جو خود بعد میں رحم کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ میں تم پر رحم

نہیں کرسکتا۔" اس نے ایک ہی قدم آگے بڑھایا اور دوسرے لمحے اپنے ہاتھوں کے چوڑے پنجے سے پورن وتی کی گردن پکڑلی۔ پورن وتی کے حلق سے دلخراش چیخیں نکلنے لگیں۔ سوکھی سوکھی لمبی لمبی انگلیاں پورن وتی کی گردن میں پیوست ہوتی جارہی تھیں۔ پھراس نے اسے آگے کی طرف گھسیٹا اور میں نے دنیا کا بھیانک ترین منظر دیکھا۔ اس نے سب سے پہلے پورن وتی کی ایک آنکھ اپنے دانتوں سے نکال لی تھی اور اسے کتوں کی طرح چپ چپ کرچبانے لگا تھا۔ پورن وتی کی آنکھ سے خون کا فوارہ بلند ہورہا تھا اور وہ دہشت سے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی' چیخ رہی تھی لیکن سیاہ سایا اس کے رخسار کا گوشت ادھیڑ رہا تھا۔ رخسار' دوسری آنکھ' گردن' کان' ہرچیز اس نے چبا چبا کر اپنے معدے میں اتارنا شروع کردی تھی۔ یہاں تک کہ پورن وتی کی گردن کا نرخرہ باہر لٹک آیا اور جو خون زمین پر گرا وہ دوسرے لوگ نیچے جھک کر زبان سے چاٹنے لگے۔ میں نیم مردہ کیفیت میں ایک چٹان سے اپنی کمر لگائے کھڑا تھا اور اس بھیانک منظر کو دیکھ رہا تھا لیکن ایک احساس اس عالم میں بھی میرے دل میں موجود تھا۔ وہ یہ کہ فطرت کے خلاف میں اس بھیانک منظر سے نہ تو گھن کھا رہا ہوں اور نہ مجھے یہ عجیب محسوس ہو رہا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سب کچھ ہونا چاہئے جو ہو رہا ہے۔ بہرحال چند لمحوں کے بعد پورن وتی بالکل سرد پڑ گئی اور اس کے بعد وہ بھیانک شخصیت میری جانب متوجہ ہوئی۔ اس نے اپنی سیاہ آنکھوں سے مجھے دیکھا اور مدھم لہجے میں بولا۔

"صرف تیرہ ہر صورت میں تیرہ اور تیرھویں شخصیت تمہاری ہی ہوسکتی ہے۔ تمہیں عہد کرنا ہوگا۔ کیا سمجھے؟"

"ہاں میں جانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"چلو اسے اپنوں میں شامل کرلو۔" سیاہ صورت والے نے ایک شخص سے مخاطب ہوکر کہا۔ وہ آگے بڑھا اس نے اپنے ہاتھوں میں چاقو پکڑا ہوا تھا۔ اس چاقو سے اس نے میرے داہنی ہاتھ کی انگلی پر ایک نشان لگایا اور میری داہنے ہاتھ کی انگلی سے سرخ خون نکلنے لگا۔ تب اس نے آگے بڑھ کر ایک کاغذ میرے سامنے کردیا اور کہا۔

"اس پر دستخط کردو اور تیرہ نمبر لکھ دو۔" میں نے کسی انوکھی قوت کے زیر اثر اس کاغذ کی تحریر کے نیچے دستخط کئے اور وہ کاغذ اس نے میرے ہاتھ سے لے کر ایک دوسرے شخص کے سپرد کردیا۔ تحریر کیا تھی یہ اندازہ میں نہیں لگا سکا تھا۔ سیاہ صورت والے نے آگے بڑھ کر میرے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

"اب تم ہم میں سے ایک ہو۔" اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے بدن کی قوتیں بے پناہ بڑھتی جارہی ہوں۔ میں نے اپنے ذہن میں بھی روشنی کے جھماکے محسوس کئے تھے اور پھر میں نے نیچے دیکھا۔ میرے پیروں کے پاس کوئی چیز زمین پر پڑی ہوئی تھی' لیکن میرے پیروں کے پاس جو جسم تھا وہ کس کا تھا؟ میں نے جھک کر اسے دیکھا۔ مجھے یہ چہرہ جانا پہچانا سا محسوس ہوا اور میں اپنے ذہن میں سوچنے لگا کہ یہ کون ہوسکتا ہے لیکن دوسرے لمحے میرے حواس گم ہونے لگے۔ میرے دل و دماغ کو ایک عجیب سے جھٹکا لگا تھا۔ یہ چہرہ تو میرا ہے لباس بھی میرا ہے جو میرے اپنے جسم پر لپٹا ہوا تھا۔ آہ........... تو کیا یہ میری لاش ہے جو فرش پر پڑی ہوئی ہے؟ لیکن میں حیرانی سے اس لاش کو دیکھنے لگا اور اچانک ہی وہ چھوٹے قد کی عورت اچھل کر میرے کندھوں پر آبیٹھی جو میری تیاری کرانے کے لئے پورن وتی نے بلائی تھی۔ پھراس نے آہستہ سے کہا۔

"چلو واپسی کا سفر کرو۔" اچانک مجھے یوں لگا جیسے میرے پاؤں دوبارہ زمین سے بلند ہونے لگے ہوں اور پھر میرا وجود فضا میں تیرتا ہوا ایک خاص سمت اختیار کرکے چل پڑا۔ میں نہ جانے کیوں یہ محسوس کررہا تھا جیسے میں بڑا ہلکا ہوگیا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی لگ رہا تھا جیسے میرے بدن کی توانائیاں بے حد بڑھ گئی ہوں اور اس وقت میرا جو دل چاہے میں کرسکتا ہوں۔ ہاں واقعی مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں ایک انتہائی طاقتور شکل اختیار کرگیا ہوں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ جب تک کسی بھی چیز کو آزمانہ لیا جائے کہا نہیں جاسکتا چنانچہ اب سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں اپنے آپ کو آزمالیتا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس بار جب میں نے زمین پر قدم جمائے تو یہ وہی جگہ تھی جہاں میری ملاقات مس پورن وتی سے ہوئی تھی یعنی پورن وتی کا گھر۔ یہاں پہنچا ہی تھا کہ وہ کالی بلا میرے شانوں پر سے اتر گئی جو بڑے بالوں والی ایک چھوٹی سی عورت تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

اور اب تم ان تیرہ افراد میں سے ایک ہو۔ میں تمہاری غلام ہوں۔ تمہیں ہر مسئلے میں مدد دوں گی۔ تمہیں بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ان تیرہ افراد کو کبھی چودہ افراد نہ ہونے دینا یعنی اس وقت جب استادِ اعظم تمہارے درمیان ہو۔ کیا سمجھے؟"

میں کیا سمجھا اور کیا نہیں سمجھا یہ تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن جن ہوش ربا واقعات سے گزرا تھا انہوں نے میرے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ زندگی میں کچھ انوکھے

الٹ پھیر چل رہے تھے۔ پورن وتی اپنا کام کر کے مطمئن ہو چکی تھی اور مجھے تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے واپس چلنا پڑا لیکن ایک عجیب و غریب کیفیت تھی میری۔ میں بس بے خیالی کے انداز میں چلتا چلا جا رہا تھا اور پھر نہیں جانتا کہ کس طرح میں شہری آبادی سے باہر نکل آیا اور میرا رخ ایک ویران کھنڈر کی جانب ہو گیا۔ یہ سب کچھ غیر فطری طور پر ہو رہا تھا۔ اس کھنڈر کے بارے میں میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ کہاں واقع ہے۔ تاحد نظر ہولناک ویرانے بکھرے ہوئے تھے۔ نہ جانے اس کھنڈر نما عمارت کی تاریخ کیا تھی۔ اونچی اونچی کچی دیواریں کہیں ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں' ایک طرف ایک کنواں بنا ہوا تھا جس پر ڈول اور رسی رکھی ہوئی تھی۔ ہر طرف ایک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ درو دیوار سے ہیبت ٹپک رہی تھی۔ میں کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ دل و دماغ پر ایک سنگین خاموشی طاری تھی۔ تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر اچانک ہی مجھے سامنے سے کوئی آتا ہوا نظر آیا۔ اس ویرانے میں کسی انسان کا وجود بڑی عجیب سی کیفیت کا حامل تھا لیکن میرے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔ آنے والا تھوڑی ہی دیر کے بعد میرے قریب پہنچ گیا اور پھر وہی جانا پہچانا عمل یعنی اس نے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور دونوں پاؤں بھی اور اس کے بعد اس نے بچھو کی طرح ناچنا شروع کر دیا۔ تب میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ناگو بابا تھا۔ یہ اس کی آمد کا نشان ہوتا تھا۔ درحقیقت وہ بچھو ہی تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ناچتا رہا اور اس کے بعد اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر ایک بھیانک قہقہہ میرے کانوں میں گونجا اور اس نے کہا۔

"ہاں بھئی ہاں۔ خوب راستے طے کر رہا ہے تو تو۔ بڑے لمبے لمبے سفر کر رہا ہے۔"

"ناگو بابا جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تو نے ناگو پر اعتبار کیا اور ناگو نے جو کچھ کہا وہ تو کرتا رہا اس لئے ناگو تجھ سے خوش ہے۔ دیکھ! تجھ سے پہلے ہی اس معاملے پر بات ہو چکی ہے مظلوم ہے نا تو' اپنی ماتا کی موت کا بدلہ لینا چاہتا ہے نا؟ کمزور آدمی اس سنسار میں کچھ بھی نہیں بن سکتا۔ اپنے شریر میں اتنی شکتی بھر لے کہ پھر تجھ سے بڑا شکتی مان کوئی نہ ہو۔ اس سنسار میں اگر کسی کو یہ بتایا جائے کہ وہ بہت بلوان ہو سکتا ہے بڑی شکتی آ سکتی ہے اس میں' تو وہ ہنسے گا۔ مذاق اڑائے گا اس بات کا اور اگر اسے یہ شکتی دے دی جائے تو پھر وہ نہ جانے کیا کیا کرتا پھرے گا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جسے جو ملنا ہوتا ہے وہ اسے مل جاتا ہے۔ تجھے یہ شکتی ملنی تھی۔ سو دیکھ لے تو نے وہی کیا جو تجھے کرنا چاہئے تھا۔ یعنی

یہ کہ تو نے ایک منزل طے کی اور میری ایک چیلی کے ساتھ تو نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور اس کے بعد ہم نے تجھے شکتی کی جانب روانہ کیا تو پورن وتی کے ساتھ تیری ملاقات ہوئی اور پورن وتی آخر کار تجھے وہاں لے گئی جہاں سے شکتی کا آتشی نشان پھوٹتا ہے اور تجھے اب اپنے بارے میں اندازہ نہیں ہے کہ تو وہاں سے کیا لے آیا ہے۔ بات یہ ہے رے کہ یہ سارے کالے علم کے کھیل ہیں۔ اور تو کالے علم کے ایک بھنڈار میں شامل ہو گیا ہے۔ کہا تھا نا تجھ سے ان پُراسرار قوتوں نے کہ تیرا بھنڈار تیرہ افراد پر مشتمل ہے اپنے ساتھ کسی چودھویں کو شامل مت کرنا ورنہ اسی دن بھسم ہو جائے گا۔ آگ لگ جائے گی تیرے شریر میں اور جل کر راکھ ہو جائے گا تو۔ تجھے یہ سب کچھ بتانا میرا فرض ہے۔ سمجھ رہا ہے نا میری بات؟"

"جی ناگو بابا۔"

"ہر بار میں تیرے پاس نہیں آؤں گا۔ میں نے تجھے جو راستہ دکھا دیا ہے تجھے اس پر چلنا ہے۔"

"ناگو بابا میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ہاں یہ ہوئی نا بات۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے جو معلومات حاصل کرنا چاہے کر لے۔"

"ناگو بابا مجھے نہیں معلوم کہ اب مجھے اپنی زندگی میں آگے کیا کرنا ہے۔ اس سے پہلے شہروز ملا تھا مجھے جو کچھ ہوا ظاہر ہے وہی ہونا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کا حکم تھا پھر آپ کے حکم پر میں پورن وتی کے پاس گیا اور اس نے مجھے ایک عجیب و غریب سفر کرایا لیکن اب میں بالکل تنہا ہوں۔ بے شک آپ نے مجھے رہنے کے لئے جگہ دی ہے لیکن ناگو بابا انسانی زندگی اس سے بھی زیادہ کچھ مانگتی ہے۔ مجھے یہ بتائیے کہ آگے میں کیا کروں؟" ناگو بابا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

"چاہتا کیا ہے؟"

"زندگی میں ایک ہی لگن' ایک ہی ارمان ہے دل میں' میں اس خاندان کو فنا کے گھاٹ اتار دوں جس نے مجھ سے میری ماں چھینی تھی اور اس کے بعد خود بھی موت کے گھاٹ اتر جاؤں۔"

"مرنے کا بڑا شوق ہے تجھے۔ پاگل! زندگی بڑی قیمتی چیز ہے۔ زندہ رہنے کی بات کر' مرنے کی بات کیوں کرتا ہے؟ مرتے وہ ہیں جنہیں سنسار میں کچھ کرنے کے لئے نہیں

ہوتا۔ میں تجھے بتاؤں تُو جیتا رہے گا اور اس سنسار میں اپنا مقام پائے گا۔ حالانکہ زندگی کا ہر راستہ تیرے سامنے روشن ہوگیا ہے۔ پھر بھی تیری کھوپڑی عقل سے خالی ہے۔ ارے بیوقوف! انسان کے من میں کوئی نہ کوئی بھاونا ہی تو ایسی ہوتی ہے جو اسے جینے میں مدد دیتی ہے۔ یہ بھاؤنا ہی اس کا جیون ہوتی ہے۔ اگر تو نے اس سے بدلہ لے لیا اور وہ مارے گئے تو پھر بتا اس کے بعد کیا کرے گا۔ ماں تو ہے نہیں تیری' پھر اکیلا ہو جائے گا نا۔ ابھی ان لوگوں کو بھول جا۔ سنسار کو دیکھ' سنسار کو سوچ' جو شکتی اسے ملی ہے وہ کسی کو نہیں ملی۔ اس کا ایک پس منظر ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ سنسار میں کوئی کسی کو بلاوجہ کچھ نہیں دیتا۔ میری ایک کہانی ہے۔ ایک ایسی کہانی ہے میری کہ اگر تو سنے گا تو حیران رہ جائے گا۔ پر وہی بات تو نے اگر اس خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو پھر تیرے ہاتھ کچھ نہیں رہے گا۔ خالی ہاتھ ہو جائے گا تُو۔ مقصد پورا ہو جائے تو انسان سیکھتا کیسے ہے۔ وہ سیکھ ہی نہیں سکتا۔ یہی کیفیت میری ہے۔ اگر میں نے تجھے اپنی کہانی سنا دی تو میرے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں رہے گا۔ گول مال رہنے دے گول مال۔ جیون گزارنے کے لئے بہت کچھ ہے تیرے پاس۔ تو نے سنا نہیں کہ پورن وتی نے تجھ سے کہا تھا کہ وہ جیون بھر تیرا ساتھ دے گی اور اس کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔ کون؟ تو نے اس پر تو غور ہی نہیں کیا۔"

"کون۔ میں بالکل نہیں سمجھا ناگو بابا۔"

"پورنی۔ پورنی نے تجھ سے کہا تھا کہ وہ تیری غلام ہے۔ اصل میں ساری باتیں ایک دم سمجھ میں نہیں آجاتیں۔ ایک ایک قدم آگے بڑھے گا تو سب کچھ سمجھتا چلا جائے گا۔ نیچے کی سیڑھی سے اگر چھت پر قدم رکھ دیا تو پھر بیچ کی باتیں تجھے کیسے معلوم ہوں گی۔ تو کیا سمجھا؟"

"جی۔"

"تو سن میں تجھے بتائے دیتا ہوں۔ پورنی کو بلانے کے لئے تجھے ایک شبد کا جاپ کرنا پڑے گا۔ ویسے تو' تو اسے جب بھی آواز دے گا وہ آجائے گی۔ تیری مشکل کا حل تجھے دے گی۔ لیکن جب تُو جاپ کرلے گا تو وہ تیری غلام ہوگی اور پھر تو یہ سمجھ لے کہ تیرا اس کا ساتھ جیون بھر رہے گا۔"

"جی۔"

"اب اگر تیری کھوپڑی اپنی جگہ بیٹھ گئی ہو تو آگے مجھ سے بات کر اور سن ہو سکتا ہے مجھے دوبارہ تجھ سے۔ ملنے کی ضرورت پیش آئے اور ہو سکتا ہے کہ بہت عرصے تک

میں تجھ سے نہ ملوں لیکن اب اپنی عقل کا ساتھ مت چھوڑنا۔ آخری بات تجھے یہی بتانا چاہ رہا ہوں کہ اس سے میرا مطلب ہے اس پریوار سے ابھی ٹکرانے کی کوشش مت کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ تیرا کھیل وقت سے پہلے ختم ہو جائے۔ اب چلتا ہوں۔" میں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے لیکن وہ پلٹا دو چار قدم آگے بڑھا اور اس کے بعد اس طرح میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا جیسے وہاں اس کا وجود ہی نہ ہو۔ میری نگاہیں خلاء میں بھٹک رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ جو کچھ اس نے کہا ہے اس میں کہاں تک سچائیاں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اب تک جو واقعات پیش آئے تھے' وہ میرے لئے ناقابل فہم تھے۔ اگر ان واقعات میں کوئی دردناک پہلو تھا تو صرف یہ کہ ایک شخص نے میری ماں کو مار دیا تھا اور میں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا تھا۔ دھت تیرے کی۔ ماں تو اس دنیا سے چلی گئی میرے لئے غم کے احساس کے علاوہ کچھ نہیں رہا ہے۔ اس احساس کو دل سے نکالنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ ایک ایسا شخص جس کے ساتھ رہ کر پُراسرار واقعات میں شامل ہوگیا تھا مجھے ہدایات دے کر گیا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

"آہ کیا کرنا چاہئے مجھے۔" میرے منہ سے ایک دردناک کراہ نکلی۔

"تجربے۔" ایک آواز میرے کانوں میں ٹکرائی تو میں چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک عجیب سا احساس ہوا تھا یہ آواز مصنوعی نہیں ہے۔ اس کا کوئی مرکز ضرور ہے۔ میں نے پھر سوال کیا۔

"کیسے؟"

"زمین کی وسعتیں بہت ہیں طرح طرح کے لوگ اس میں بکھرے ہوئے ہیں۔ تم اس دنیا کو دیکھو۔ بڑا لطف آئے گا اس میں۔ کسی ایک احساس کے ہاتھوں اپنے آپ کو فنا نہ کرو۔"

"پورنی!" میں نے آواز دی اور کالی بھتنی جسے دیکھ کر ایک عجیب سی ہیبت کا احساس ہوتا تھا۔ میرے عقب سے نکل کر میرے سامنے آگئی۔

"ناگو! بہت کچھ کہہ کر گیا ہے مجھ سے۔ تم نے بھی مجھ سے یہ بات کی تھی کہ تم میری ہر خواہش میں میری شریک ہوگی۔ میں ایک ایسے انسان کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں جو عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتا ہے بولو۔ کیا میرے لئے یہ ماحول مہیا ہو سکتا ہے؟"

"کیا چاہتے ہو؟"

"فرض کرو۔ میری خواہش ہے ایک خوبصورت کار' کرنسی نوٹ' اعلیٰ درجے کے

لباس۔ کیا یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے؟" پورنی کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

"ہاں۔ پہلے عمل کے طور پر یہ ہو سکتا ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ ہر خواہش کے عمل میں ایک ہوس چھپی ہوتی ہے۔ تمہیں اپنی تمام ہوس پوری کرنے کے لئے وہ کرنا ہوگا جو ناگو نے تمہیں بتایا ہے۔"

"یعنی ایک شبد کا جاپ۔"

"ہاں۔"

"وہ شبد کیا ہے؟"

"میں نہیں بتا سکتی تمہیں کیونکہ اس کے بعد مجھے تمہاری غلامی قبول کرنا پڑے گی۔"

"تو پھر وہ شبد مجھے کون بتائے گا؟" جواب میں پورنی ہنسی اور اس نے کہا۔

"اس کھنڈر کے سب سے پچھلے حصے میں پہنچ جاؤ اور وہاں جا کر صورت حال کا جائزہ لو۔" یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑی اس نے کسی دوڑ لگانے والے کی طرح زمین پر ہاتھ ٹکائے اور اس کے بعد دوڑ لگا دی۔ دو تین ہی قدم اٹھائے تھے کہ وہ فضا میں تحلیل ہوگئی۔ میں ایمن فرزینہ اور اس کے بعد وہ پُراسرار سفر جو میں نے پورن وتی کے ساتھ کیا تھا اس سے گزر چکا تھا اور پھر ناگو کو میں نے جن حالات میں دیکھا تھا وہ بھی میرے لئے بڑے سنسنی خیز تھے چنانچہ میرے اندر یہ سکت پیدا ہوگئی تھی کہ میں ایسے واقعات پر اپنے آپ پر قابو رکھوں لیکن پورنی کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ کھنڈر کی یہ عمارت خاصی وسیع و عریض تھی۔ میں نے سوچا کہ ذرا دیکھوں تو سہی ادھر کیا ہے۔ چنانچہ میں کھنڈر کی بغلی سمت چل پڑا اور اس کے بعد اس کی دیوار کے ساتھ ساتھ لمبا سفر طے کرتا رہا۔ آخر کار اس طویل و عریض کھنڈر کا یہ سلسلہ ختم ہوا اور میں اس کے عقبی سمت پہنچ گیا۔ پہلی ہی نگاہ میں جو چیز مجھے نظر آئی تھی وہ ایک شاندار اور قیمتی کار تھی۔ ایک لمحے کے لئے تو میں سکتے میں رہ گیا تھا۔ اتنی اعلیٰ اور چمچماتی ہوئی کار! اس کا مالک دور دور تک نہیں تھا اور وہ عجیب و غریب کیفیت میں نظر آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ کار میرے لئے ہی ہو۔ میں اس کار کو دیکھ کر سحر زدہ ہوگیا۔ میرے قدم آہستہ آہستہ اس کی جانب اٹھنے لگے۔

خداوند عالم تیری اس کائنات میں کیسے کیسے راز ہائے سربستہ بکھرے ہوئے ہیں۔ انسانی ذہن کس قدر محدود ہے۔ یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانی ذہن کو ہر بات کے سمجھنے

سے منع کیا گیا ہے۔ مجھ پر کیا بیت رہی تھی۔ کیسا عجیب و غریب سلسلہ تھا۔ کیسی پُراسرار اور ناقابل یقین صورت حال تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے میں اس دنیا کے انسانوں سے الگ ہو گیا ہوں۔ ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ لوگ ایک عام زندگی گزارتے ہیں۔ چاہے ان کی زندگی میں کیسے ہی واقعات کیوں نہ آ چکے ہوں لیکن جو ایک عام ڈگر سے ہٹ جاتے ہیں ان کی زندگی آخر کار کیا ہوتی ہے۔ میں اس تمام صورت حال میں اپنے لئے کیا مقام بنا رکھوں گا۔ کار کے قریب پہنچا۔ دروازے میں کار کی خوبصورت چابی لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے خواب کے سے عالم میں کار کی جانب ہاتھ بڑھائے۔ چابی تالے میں گھمائی اور دروازہ کھول لیا۔ آہ کیا واقعی یہ کار میری ہو سکتی ہے۔ لرزتے قدموں سے ایک قدم آگے بڑھ کر میں کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بالکل نفیس اور نئی کار تھی۔ اوپر ہی میرا ڈرائیونگ لائسنس اور کار کے کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ میں نے ڈرائیونگ لائسنس اٹھا کر دیکھا۔ اندر میری تصویر لگی ہوئی تھی۔ کاغذات بھی میرے ہی نام سے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ پورنی نے جو کچھ کہا تھا۔ یا میں نے اس سے جس چیز کی فرمائش کی تھی وہ مہیا کر دی گئی تھی۔ ساتھ ہی میری نگاہ برابر کی سیٹ پر پڑی جس پر ایک انتہائی جدید طرز کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ لرزتے ہاتھ سے میں نے بریف کیس اٹھا کر کھولا۔ اس میں اوپر تک نئے کرنسی نوٹ چنے ہوئے تھے۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ تاحد نگاہ ویران کھنڈر' سنسان راستے' ایک اعلیٰ درجے کی کار اور لاکھوں روپے کسی چور یا ڈاکو کو ہی اگر اس بارے میں معلوم ہو جائے تو وہ میری گردن اتار کر پھینک دے۔

کیا یہ سب کچھ واقعی ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ ساحرانہ زندگی تو میں سمجھتا ہوں کہ کائنات کی ہر چیز سے بہتر ہے۔ چلچلاتی دھوپ میں لوہے کے برتن اٹھائے اس میں سیمنٹ کا گارا بھرے ہوئے مزدور' پھٹے ہوئے لباس والے' دیواریں چنتے ہوئے' بلندی پر جاتے ہوئے۔ ملوں میں مشینیں چلانے والے کتنی محنت سے خون پسینہ بہانے کے بعد شام کو اتنے مختصر سے پیسے لے کر اپنے گھروں کو روانہ ہوتے ہیں کہ ان کے بچوں کے تن ڈھک سکیں نہ پیٹ بھر سکیں۔ اس کے برعکس اس ساحرانہ زندگی میں اتنا کچھ ہے تو یہ تو میرے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

میں نے بریف کیس بند کر کے سیٹ کے نیچے رکھ دیا۔ سوئچ میں چابی گھمائی تو کار بالکل بے آواز اسٹارٹ ہو گئی۔ میں نے اسے آگے بڑھا دیا۔ کیا حسین سفر تھا۔ میں اتنی قیمتی کار میں بیٹھا ہوا جا رہا تھا اور یہ میرے نام تھی اور میرے پاس بے پناہ پیسے تھے۔ پھر

عقب نما آئینے میں' میں نے کار کی پچھلی سیٹ کی جانب دیکھا۔ یہاں ایک سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ میں نے کار کو بریک لگائے' انجن اسٹارٹ رہنے دیا۔ پچھلے دروازے کا لاک سوئچ دبا کر کھولا اور پھر سوٹ کیس کو کھولنے لگا۔ شاندار سوٹ نیچے جوتے کے ڈبے پڑے ہوئے۔ چکر سا آنے لگا۔ سوٹ کیس اٹھا کر پچھلی ڈگی میں رکھا' پچھلی سیٹ اور نیچے کی جگہ صاف کر دی۔ کم از کم اتنا سلیقہ انسان کے اندر ہونا چاہئے۔ واہ بابر علی! میرا خیال ہے تم شہنشاہ بابر بن گئے۔ اور کیا چاہئے اس سے زیادہ۔ کار اسٹارٹ کر کے میں نے آگے بڑھا دی۔ اب میرے اندر ایک اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ یہ کچا اور ویران راستہ طے کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ مجھے یہ شہر چھوڑ دینا چاہئے۔ جب مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں کچھ دن کے لئے اپنے آپ کو اپنے ماضی سے کاٹ دوں اور اس کے نتیجے میں مجھے یہ سب کچھ ملا ہے۔ تو میرا خیال ہے مجھے یہ کرنا چاہئے اور میں نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ تھوڑے فاصلے پر سڑک نظر آ رہی تھی۔ میں اطمینان سے کار کو اوپر سڑک پر لے گیا۔ یہ کون سی جگہ ہے اور میں کہاں ہوں اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔ فیول بتانے والی سوئی بتا رہی تھی کہ کار کا ٹینک بھرا ہوا ہے۔ میں نے اس کی رفتار تیز نہیں کی۔ سست رفتاری سے کار آگے بڑھاتا رہا۔ کوئی بیس کلومیٹر کا راستہ طے کیا کہ مجھے دور کچھ فاصلے پر ایک گاڑی کھڑی ہوئی نظر آئی اور میری کار کی رفتار اور سست ہو گئی۔ گاڑی کے نزدیک چند افراد کھڑے ہوئے تھے۔ میں سست رفتاری سے کار چلاتا ہوا' آگے بڑھا۔ ایک صاحب جو شیروانی اور سیدھے پائجامے میں ملبوس تھے عمر رسیدہ نظر آ رہے تھے اور چہرے ہی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کسی اچھے گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ ہاتھ اٹھا رہے تھے ان کے نزدیک کچھ خواتین بھی موجود تھیں۔ گاڑی کا بونٹ اٹھا ہوا تھا اور ڈرائیور شاید کار کی خرابی دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے کار روکی وہ صاحب میرے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے کار پر ہاتھ رکھ کر جھکنے کی کوشش کی لیکن فوراً خود ہاتھ ہٹا لئے اور کسی قدر شرمندہ لہجے میں بولے۔

"اتنی اعلیٰ درجے کی گاڑی پر تو ہاتھ رکھتے ہوئے بھی جھجک ہوتی ہے جناب۔ ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ میرے ساتھ کچھ خواتین ہیں ورنہ آپ کو زحمت نہ دیتا۔ اگر عنایت ہو جائے تو ہم چند افراد کو یہاں سے تقریباً پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بستی حیات پور ہے وہاں چھوڑ دیجئے گا۔"

"آپ آرام سے میری گاڑی میں آ جائیں۔ ویسے مجھے حیات پور کا راستہ نہیں

معلوم۔"

"کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کریں۔ ایک زحمت کرنا ہو گی۔ گاڑی میں کوئی بڑی ہی خرابی ہو گئی ہے۔ میری مسز اور میری یہ دونوں بیٹیاں میرے اور ڈرائیور کے ساتھ آپ کی گاڑی میں بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ ہمیں حیات پور چھوڑ دیجئے۔ میرا ڈرائیور وہاں سے کسی مکینک کو لے کر جیسے بھی بن پڑے گا۔ یہاں واپس آ جائے گا اور بعد میں گاڑی لے جائے گا۔ زحمت تو ہو گی آپ کو۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔ ڈرائیور چلو میرے برابر آ کر بیٹھ جاؤ۔" میں نے کہا۔ وہ لوگ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے جھجک رہے تھے کیونکہ گاڑی واقعی ایسی تھی۔ بیٹھنے کے بعد شیروانی والے شخص نے کہا۔

"چلئے۔ بڑی نوازش۔" میں نے اپنی کار آگے بڑھا دی تو ان کے منہ سے آواز نکلی۔

"کیا گاڑی ہے! میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ آپ نے بالکل نئی خریدی ہے؟"

"جی۔"

"ماشاء اللہ صاحب حیثیت معلوم ہوتے ہیں۔ میرا نام صوفی اشرف ہے۔ حیات پور میں رہتا ہوں۔ تھوڑا سا اپنا کاروبار ہے۔ آپ سے تعارف حاصل کر سکتا ہوں؟"

"میرا نام بابر علی ہے۔ ایک آوارہ گرد ہوں۔ اپنوں سے محروم ہونے کے بعد' زندگی کو بس آوارگی کا رنگ دے دیا ہے۔ کسی قابل نہیں ہوں میں کچھ بھی نہیں کرتا ہوں۔ بس سڑک گردی کرتا رہتا ہوں اور اسی میں مصروف ہوں۔"

"ارے۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ' کیا واقعی؟ رہتے کہاں ہیں؟"

"اس کار میں۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"واقعی بڑی عجیب بات ہے۔" صوفی اشرف نے حیران کن لہجے میں کہا پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مصلحتاً آپ ہمیں اپنے بارے میں نہ بتا رہے ہوں۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ یقین کیجئے گا آپ کو زحمت نہیں دیں گے۔ بس وہ تو انسان کے اندر ایک فطری جبلت ہوتی ہے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرنے کی۔ اس کے علاوہ آپ یقین فرمائیں ہمارا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔"

"اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں آپ سے جھوٹ بول رہا ہوں تو براہ کرم میرے

ان الفاظ کو جھوٹا نہ قرار دیجئے۔ میں نے آپ سے سچ کہا ہے۔ کوئی گھر در نہیں ہے میرا۔ بس والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اپنی محنت کی کمائی میرے لئے چھوڑ گئے تھے جو اتنی زیادہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ مجھے زندگی بھر کچھ اور نہیں کرنے دے گی۔ ظاہر ہے انسان ضرورت کے لئے ہی سب کچھ کرتا ہے اور وہ تیری تمام ضرورتیں پوری کر گئے ہیں۔"
صوفی اشرف صاحب کافی دیر تک خاموش رہے پھر گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

"کیا کہا جاسکتا ہے۔ زندگی کے عجیب رنگ اور ڈھنگ ہو سکتے ہیں۔ میں بھی خدا کے فضل سے حیات پور میں ایک اچھی حیثیت کا مالک ہوں۔ میرے کچھ تھوڑے سے کاروبار پھیلے ہوئے ہیں اور بس مسٹر بابر علی بات یہ نہیں ہوتی کہ آپ نے مجھے اپنی کار میں لفٹ دی بلکہ بعض اوقات کچھ لوگ دل کو بھا جاتے ہیں۔ شخصیتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ میں آپ کو پیش کش کرتا ہوں کہ کچھ وقت ہمارے ساتھ گزاریں۔ میرے مہمان رہیں۔ کار کی زندگی سے ہٹ کر بھی ایک زندگی ہے۔"

"آپ نے پہلے ہی تمام باتیں کہہ دیں۔ یعنی میرے کہنے کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہی یعنی یہ کہ آپ کی یہ دعوت صرف کار میں لفٹ دینے کے لئے نہیں ہے۔"

"قسم کھا سکتا ہوں اس سلسلے میں۔"

"مجھے عار نہیں ہے اگر آپ کو کوئی دقت نہیں ہو۔"

"دقت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔"

انسانوں کے اپنے اپنے شوق ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کچھ شخصیتیں ایسی مل جاتی ہیں جنہیں اپنے بارے میں کچھ بتانے کو جی چاہتا ہے۔ غرض یہ کہ صوفی اشرف صاحب کی دعوت میں نے قبول کرلی اور وہ خوش ہوگئے۔ ڈرائیور کو حیات پور میں اتار دیا گیا اور پھر وہ مجھے راستہ بتاتے رہے۔ بلاشبہ وہ حویلی اپنی طرز کی ایک خوبصورت حویلی تھی جس کے بڑے دروازے سے میری کار اندر داخل ہوئی تھی۔ مغلیہ طرز کا تعمیری انداز تھا اور اس میں کچھ تبدیلیاں کرائی گئی تھیں۔ دو طرفہ لان بکھرے ہوئے تھے۔ درمیان میں روش چلی گئی تھی جو گیٹ تک گئی تھی۔ ملازمین وغیرہ بھی نظر آرہے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ میں اچھے اچھوں پر رعب ڈال سکتا ہوں لیکن اس حویلی کو دیکھ کر مجھے اپنے اس خیال پر شرمندگی ہوگئی تھی۔ تاہم اب میرے لئے یہ مشکل نہیں تھا کہ میں بھی ایسا ہی کوئی گھر حاصل کرلوں لیکن ابھی تک طبیعت میں وہ استحکام پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے اپنے لئے راستے منتخب کرنے میں مدد دیتا۔

صوفی اشرف صاحب بڑے دولت مند آدمی تھے۔ حویلی میں عورتیں تو اتر کر اندر چلی گئیں۔ صوفی صاحب مجھے لئے ہوئے مہمان خانے میں آگئے۔ یہ مہمان خانہ بھی بے مثال تھا۔ بہت وسعت تھی اس کی۔ ایک بڑے سے ہال میں گاؤ تکئے اور قالین نظر آرہے تھے اور آرائش کی دوسری تمام اشیاء۔ اس سے ملحق ایک بڑا سا بیڈ روم بھی تھا جس میں بڑی مسہریاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہی کمرہ میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس میں باتھ روم وغیرہ بھی ساتھ ہی تھا۔ صوفی صاحب کہنے لگے۔

"اور یہ نہ سمجھئے بابر صاحب کہ میری اس پیشکش میں کوئی لالچ پنہاں ہے۔ بس آپ جیسی نفیس طبیعت کے لوگوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنے میں لطف آئے گا۔"

"شکریہ۔ میں بھی گھریلو زندگی سے کافی دور ہو چکا ہوں اور اگر ایسے کچھ افراد سے میرا رابطہ ہو جائے تو کم از کم زندگی کے دو چار دن خوبصورت گزر جائیں گے۔"

پھر صوفی اشرف صاحب نے میری خاطر مدارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جب میں یہاں تنہا رہ گیا تو میں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا یعنی گزرے ہوئے واقعات کی جانب اور میرے بدن میں ایک عجیب سی سنسنی ہونے لگی۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔ بڑی درمیانہ اور معمولی سی زندگی گزاری تھی۔ اس زندگی میں اس عیش و آرام کا تصور بھی نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ صاحب حیثیت انسان کو صاحب حیثیت انسان لفٹ دیتے ہیں ورنہ کون کسی کی طرف توجہ دیتا ہے۔ میرے جیسے ہزاروں سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہوں گے۔ صوفی اشرف صاحب کو بھی ایسے بہت سے افراد ملے ہوں گے لیکن انہوں نے اپنے اس شاندار مہمان خانے میں ان افراد کو دعوت نہیں دی ہوگی۔ حیثیت بنانا ایک اچھا عمل ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ ناگو نے جو کچھ کہا تھا اس پر عمل کر کے اب تک تو مجھے زندگی کی بہت سی آسائشوں سے واسطہ پڑ چکا ہے۔ اگر زندگی کا یہ رنگ اتنا اچھا ہے تو اس میں جس قدر ہی آگے بڑھا جاسکے۔ چنانچہ میں اپنے بہت سے اقدامات سے مطمئن ہو گیا اور یہاں وقت گزارنے لگا۔

صوفی اشرف صاحب تھوڑے سے قدامت پرست تھے۔ مہمان خانہ گھر کی دوسری عمارتوں سے الگ تھلگ تھا۔ اس لئے خواتین کا اس حصے میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اور وہ خواتین جو میرے ساتھ میری گاڑی میں یہاں تک آئیں تھیں دوبارہ نظر نہیں آئی تھیں۔ صوفی اشرف صاحب کا ڈرائیور گاڑی ٹھیک کرا کر لے آیا تھا اور اکثر وہ مجھ سے اجازت لے کر چلے جاتے تھے۔ میری خاطر مدارت کا تمام تر انتظام مہمان خانے میں ہی ہوا کرتا تھا

اور ایک ملازم خاص طور سے میرے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا جو عمدہ قسم کی کھانے پینے کی اشیاء لے کر میرے پاس آجایا کرتا تھا۔ ابھی تک میں نے اس علاقے کا کوئی جائزہ نہیں لیا تھا۔ موقع ہی نہیں ملا تھا۔ صوفی صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ مناسب وقت پر وہ مجھے اس علاقے کی سیر کرائیں گے جو ایک عام سی آبادی ہے اور اس میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں ہے جسے اہمیت دی جاسکے۔ پھر ایک دن جب صوفی اشرف صاحب موجود نہیں تھے۔ مجھے مہمان خانے کے عقبی حصے میں ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی۔ نوجوان تھی اور بڑا آرٹسٹک انداز کا حلیہ رکھتی تھی۔ میں تو ازراہ احتیاط اس کی طرف متوجہ نہ ہوا لیکن اس نے مجھے دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب آگئی پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”حالانکہ ہم لوگوں نے ایک ساتھ سفر کیا ہے اور آپ نے اس دن ہمیں خاصی مشکل سے بچایا لیکن کیا کیا جائے کچھ جگہوں کے اصول ہوا کرتے ہیں۔ ابو ان تمام چیزوں کے قائل ہی نہیں ہیں۔ میں کیا بتاؤں آپ کو۔“

”یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن ہمارا تعارف بھی نہیں ہو سکا۔“

”میرا نام شبانہ ہے اور میں صوفی اشرف صاحب کی چھوٹی بیٹی ہوں۔ میری بڑی بہن ہیں ریحانہ اور بس والدہ ہیں ہماری' ہمارا ایک مخصوص طرزِ زندگی ہے اور ہم اس خول سے اِدھر اُدھر نہیں نکل سکتے۔ حالانکہ دل چاہتا ہے کہ انسانوں کی دنیا میں جائیں۔ ایک دوسرے سے وابستگی حاصل کریں لیکن بس کیا کیا جائے۔“

”صوفی صاحب! یہ بات پسند نہیں کرتے مس شبانہ تو ذرا خیال رکھنا ہوگا۔ وہ ایک اچھے انسان ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ان سے کوئی اختلاف ہو۔“ اس نے مایوسی سے مجھے دیکھا اور پھر عجیب سے انداز میں منہ ٹیڑھا کر کے آگے بڑھ گئی۔ میرے ذہن پر ایک عجیب سا اثر ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیا قصہ ہے اور صوفی صاحب نے اپنے اوپر یہ خول کیوں چڑھا رکھا ہے۔ اسی شام صوفی اشرف میرے پاس آئے اور معمول کے مطابق بیٹھ کر باتیں کرنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

”دیکھا میں کہتا تھا نا کہ اگر انسان صاحب حیثیت ہو تو اس کی شخصیت بھی بہت اچھی ہوتی ہے۔ مجھے معاف کرنا اس دوران تمہارے بارے میں تھوڑا سا غور کیا ہے میں نے۔ یہ صرف اتفاق ہے کہ ہم لوگ ابھی تک اپنے بارے میں گہری باتیں نہیں کر سکے ویسے تمہارا کوئی نظریہ تو ہوگا زندگی کے بارے میں جیسے اس کار سے دوستی کرلی ہے۔

ویسے کار بہت شاندار ہے اور نئی نئی خریدی ہے۔“

”ہاں مجھے عمدہ قسم کی گاڑیاں رکھنے کا شوق ہے۔ گاڑیاں بدلتا رہتا ہوں اور یہ تھوڑے عرصے میرا ساتھ دے گی اور اس کے بعد میں اسے تبدیل کرلوں گا۔“

”ہاں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ بہرحال زندگی میں کار کے علاوہ اور بھی بہت سی حقیقتیں ہیں۔ کیا انہیں کبھی قبول نہیں کرو گے؟“

”کیوں نہیں۔ شرط یہی ہے کہ کوئی حقیقت اپنے قدموں سے چل کر مجھ تک پہنچے۔“

”اچھی بات کہی لطف آیا۔ نئی چیزوں سے دلچسپی ہے یا کچھ قدیم اور پرانی چیزوں سے بھی واسطہ رہا ہے؟“

”میں نے کہا نا جس نئی چیز میں کوئی ندرت ہو وہ میرے لئے قابل دلچسپی ہوتی ہے۔“

”مجھے نوادرات کا شوق ہے اور یہ نوادرات میں نے بڑی محنت سے محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ میری زندگی میں بڑے زبردست حقائق ہیں جنہیں میں کسی عام آدمی کو بتانا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ عام آدمی تو اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے یا جھوٹ' لیکن بہرحال ان سچائیوں سے کوئی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیا تمہیں کبھی نوادرات سے دلچسپی رہی ہے؟“ میں دل ہی دل میں اپنے آپ پر ہنسا۔ مجھے کس چیز سے دلچسپی رہی ہے۔ اگر کوئی یہ جان لے تو مجھ پر کسی بھی حال میں توجہ نہ دے۔ تاہم جھوٹ کی دنیا میں داخل ہو چکا تھا اور جھوٹ ہی کے سہارے لے رہا تھا۔ میں نے کہا۔

”زندگی میں بہت سی ایسی دلچسپیاں آئی ہیں صوفی صاحب! لیکن کون انہیں یاد رکھے۔“

”میں محسوس کرتا ہوں کہ تم ایک ایسی بیزاری کا شکار ہو جس کے بارے میں شاید تم خود بھی نہیں جانتے۔ یقیناً اس کی کچھ نہ کچھ وجوہات ہوں گی۔ دنیا سے اس قدر مایوس نہیں ہوتے۔ جب تک زندگی ہے دنیا سے دلچسپی لو۔ اس کے بعد کیا ہوگا کون جانتے۔“ صوفی صاحب کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ کسی صدمہ کا شکار ہوگئے ہوں۔ اس کے بعد میں ان کے بولنے کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ کچھ نہیں بولے تھے۔ بہت دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہنے لگے۔

"دیکھو بھول کر بھی یہ مت سوچنا کہ تمہاری یہاں موجودگی کسی کے لئے تکلیف یا دکھ کا باعث ہوسکتی ہے۔ سمجھ رہے ہونا میری بات؟ بالکل پُراطمینان اور پُرآسائش انداز میں یہاں وقت گزارنا۔ اگر تم خوش رہو گے تو مجھے بھی خوشی ہوگی۔"

میں نے کہا۔ "صوفی صاحب! بہت خاطر مدارت کرلی آپ نے میری۔ اگر کچھ فرائض میزبانی ہوتے ہیں تو مہمانوں کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں۔ مجھ پر لازم ہے کہ اب میں یہاں سے چلا جاؤں۔"

"بالکل نہیں۔ آپ پر جو لازم ہے تو صرف یہ ہے کہ اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے میزبان سے مشورہ کرلیں۔ کیا خیال ہے کیا میزبان کو آپ اس قابل سمجھتے ہیں؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ صوفی صاحب۔"

"تھوڑے سے وقت کے لئے میں کہیں جارہا ہوں۔ آپ اس وقت تک یہاں قیام کریں گے۔ آپ کو ہر جگہ گھومنے پھرنے کی آزادی ہے۔ حیات پور بہت خوبصورت جگہ ہے۔ حالانکہ یہ بات میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ یہاں کوئی قابل ذکر پوائنٹ نہیں ہے جس کی نشاندہی میں کروں لیکن پھر بھی آپ کو یہ پسند آئے گا۔ سمجھ رہے ہیں نا۔ باقی یہ حویلی ہے۔"

"لیکن آپ کتنے عرصے کے لئے جارہے ہیں؟"

"دو یا تین دن بس اس سے زیادہ نہیں لگیں گے۔" میں نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہوگیا۔ بہرحال صوفی اشرف چلے گئے اور میں سوچتا رہا کہ اب مجھے یہاں سے نکلنے کے بعد کیا کرنا ہوگا۔ زندگی میں ایک جگہ محدود تو نہیں رہا جاسکتا اور پھر اس دوران مجھے جو کچھ کرنا ہے اس کے بارے میں بھی خاص طور سے کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔

اس رات صوفی صاحب کو گئے ہوئے دوسرا دن تھا اور میں اپنی اس رہائش گاہ کے ایک گوشے میں بیٹھا باہر کے تاریک خلاء پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا کہ دفعتاً مجھے عقبی باغ کے ایک گوشے میں ایک تحریک سی محسوس ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک آواز جس پر میں نے غور کیا تو ششدر رہ گیا۔ یہ آواز چھم، چھم، چھم کی آواز تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی پیروں میں گھنگھرو باندھے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ میں آنکھوں کی تمام قوت کے ساتھ ادھر کا جائزہ لینے لگا۔ وہ سایہ سو فیصدی کسی لڑکی کا ہے لیکن پیروں کے

گھنگھرو میری سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ صوفی صاحب کا گھر تو بڑی پاکیزگی کا حامل تھا۔ کیا ان کی کسی بیٹی کو یہ شوق چڑھ آیا ہے کہ وہ پیروں میں گھنگھرو باندھے۔ میرے ذہن میں کچھ اس طرح تجسس جاگا کہ میں فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور اس کے بعد دوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ چھم چھم کی آواز کے ساتھ وہ سایہ حویلی کے پرانے گوشے کی جانب جارہا تھا۔ ایک تھوڑی سی جھجک کا احساس ہوا تھا لیکن اس کے بعد تجسس نے کچھ اس طرح سر ابھارا کہ میں وہاں تک پہنچے بغیر نہ رہ سکا۔ حویلی کے پرانے حصے میں ایک بغیر کیواڑوں والا دروازہ نظر آیا تو میں اس سے اندر داخل ہوگیا۔ چھم چھم کرتی ہوئی اندر ہی پہنچی تھی اور اس کے بعد میں ایک طرح سے خالی ذہن ہوگیا۔ میرے کانوں میں بس گھنگھرو کی آواز گونج رہی تھی اور میں اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کہاں پہنچا اور کس طرح میں نے اس کا تعاقب جاری رکھا یہاں تک کہ میں ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں پہنچ گیا جہاں مدھم مدھم روشنی بکھری ہوئی تھی۔ یہ بہت وسیع و عریض ہال تھا۔ چوڑائی کی نسبت وہ لمبائی میں بہت زیادہ تھا۔ لیکن چوڑائی بھی اچھی خاصی تھی۔ چھم چھم کرتی گھنگھرو کی آواز اس ہال کے دوسرے حصے میں پہنچ گئی اور میرے قدم بھی جیسے اپنی جگہ ٹھٹک گئے۔ پھر اس کے بعد سانس کی مدھم مدھم آوازیں ابھریں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی گھنگھرو کی جھنکار ایک ترنگ میں آگئی۔ یوں لگا جیسے کوئی رقاصہ رقص کر رہی ہو۔ وہ پُراسرار سایہ جس کا تعاقب کرتا ہوا میں یہاں تک پہنچا تھا اب مجھے نظر نہیں آرہا تھا لیکن گھنگھرو کی جھنکار اس جگہ سے گونج رہی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ تب مجھے ایک مدہم سایہ نظر آیا۔ ایک نوجوان لڑکی کے بدن کا سایہ جس کے جسم کے نقوش آؤٹ لائن کی شکل میں نمایاں تھے اور وہ رقص کر رہی تھی۔

میں نے نگاہیں جما کر اسے دیکھا تو آہستہ آہستہ میری آنکھوں میں کچھ اور نقش نمایاں ہوئے۔ پھر مجھے دو پاؤں نظر آئے جن میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ انتہائی خوبصورت اور دلکش پاؤں جنہیں دیکھ کر یہ احساس ہو کہ جس کے یہ پاؤں ہیں وہ خود کس قدر دلکش ہوگی لیکن اس کے نقوش نمایاں کیوں نہیں ہیں۔ بس ایک خواب کی سی کیفیت تھی جیسے کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی ہو۔ میں سحر کے سے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد گھنگھروں کی جھنکار مدھم ہوگئی اور سب کچھ نگاہوں کے سامنے سے غائب ہوگیا۔ میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ صرف ایک خواب ہو۔ ایسے خواب جو آنکھوں میں آبستے ہیں اور جب ہوش آتا ہے تو کچھ بھی

نہیں ہوتا لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ ہال جوں کا توں تھا اور ایک طرف سیڑھیاں نظر آرہی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ میں انہی سیڑھیوں سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ ایک لمحے کے اندر اندر میرے حواس جاگ گئے۔ صوفی اشرف نے میرے اوپر بہت اعتماد کیا تھا۔ مجھے ایسے کسی تجسس میں نہیں ڈوبنا چاہئے اگر کہیں مجھے یہاں دیکھ لیا گیا تو وہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں کسی خاص مقصد یا احساس کا شکار ہوں چنانچہ میں واپس پلٹ پڑا اور ان سیڑھیوں کو عبور کرتے ایک غلام گردش میں آگیا پھر یہاں سے باہر نکلنے کے بعد میں اس باغ میں آگیا جہاں سے میں اپنی رہائش گاہ تک جاسکتا تھا۔ شکر ہے کسی نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا واپس اپنی آرام گاہ یعنی رہائش گاہ میں آگیا اور اس کے بعد بستر پر لیٹ کر میں اس پُراسرار واقعے پر غور کرتا رہا تھا۔ وہ یقینی طور پر صوفی اشرف صاحب کی کوئی بیٹی نہیں ہوسکتی تھی جسے ناچ کا شوق ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو کم از کم وہ نمایاں تو ہوتی۔ وہ سب کچھ تو ایک عجیب سا انداز تھا۔ گویا اس پُراسرار حویلی کا بھی کوئی راز ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ پھر صوفی اشرف آگئے۔ بہت خوش نظر آرہے تھے۔ مجھ سے ملے تو بولے۔

"ہاں بھئی سناؤ۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تمہیں؟"

"نہیں صوفی صاحب کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کی مہربانیوں کا بہت شکرگزار ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ ویسے تم بھی ایک بہت اچھے مہمان ہو۔ ایسے اچھے مہمان بڑی دلکشی کا باعث ہوتے ہیں۔"

"صوفی صاحب۔ میرے ذہن پر ایک عجیب سا بوجھ ہے۔ آپ سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" صوفی اشرف نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"یہاں میں نے ایک عجیب وغریب واقعہ دیکھا ہے جس پر مجھے سخت حیرت ہے۔ آپ کے گھر کے ماحول کا مجھے تھوڑا بہت اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ کس طرح کا ہے لیکن یہاں میں نے ایک ایسا سایہ دیکھا ہے جس کے بارے میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہے۔" یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میں نے صوفی صاحب کے چہرے کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ متجسس اور حیران ہوجائیں گے لیکن میں نے دیکھا کہ ایسی کوئی بات نہیں

ہوئی ہے۔ وہ سپاٹ سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے کہا۔

"صوفی صاحب! میں نے ایک ایسے سائے کو دیکھا ہے جو رقص وموسیقی کا دلدادہ تھا۔" صوفی صاحب نے چند لمحات کے لئے خاموشی اختیار کی پھر بولے۔

"آؤ۔ میرے ساتھ۔ اتفاق کی بات ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان کبھی کوئی ذاتی بات چیت نہیں ہوئی۔ یعنی میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میرا ماضی کیا ہے۔ اس حویلی کا ماضی کیا ہے۔ یہ سب کچھ بڑا عجیب ہے۔ تمہیں یقیناً اس کے بارے میں تفصیلات سن کر حیرانی ہوگی۔ میں تمہیں بتاؤں میرے آباؤ اجداد پہلے یہاں نہیں رہتے تھے۔ ہم نے یہ حویلی بہت بعد میں خریدی تھی۔ بہت بعد میں.......... بس یوں سمجھ لو کہ میرے والد صاحب کو بھی نوادرات کا بے حد شوق تھا۔ یہ ہمارا خاندانی شوق تھا۔ خیر میرے والد صاحب تو اس سلسلے میں بہت زیادہ آگے نہیں بڑھے تھے لیکن میرے چچا بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے ان تمام حالات میں اور صحیح بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہی حساب میں یہ حویلی خریدی تھی۔ میں تمہیں اپنے چچا کے بارے میں بتاؤں۔ اتنے نفیس انسان تھے اور مجھے ان سے بے پناہ محبت تھی۔ بلکہ ایک طرح سے یہ سمجھ لو کہ میرے اور چچا کے درمیان بڑے اچھے تعلقات تھے۔ ویسے یہ بھی تھا کہ دوسرے لوگ چچا کو اس طرح پسند نہیں کرتے تھے۔ نوادرات کے شوقین تو ہمارے خاندان کے تمام افراد تھے لیکن میرے چچا کو تو اس سلسلے میں دیوانگی ہی سوار رہتی تھی اور نہ جانے کہاں سے انہوں نے دنیا بھر کے نوادرات جمع کر رکھے تھے اور سچی بات یہ ہے کہ نوادرات جمع کرنے کا خبط ہی ان کی موت کا باعث بنا۔ کیا تم اس بات پر یقین کرو گے کہ وہ اپنی ہی جمع کی ہوئی چیزوں سے خوفزدہ رہتے تھے۔" مجھے صوفی اشرف کے ان الفاظ سے خاصی دلچسپی کا احساس ہوا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔

"ویسے صوفی صاحب! ان تمام باتوں سے اس پُراسرار سائے کا معمہ حل نہیں ہوتا۔"

"ہوجائے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔" صوفی اشرف نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کہاں؟"

"آؤ میں تمہیں اس نوادر خانے کی سیر کراتا ہوں۔ جس کے بارے میں، میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ چیزیں میں نے جمع کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے اسے بڑی محنت

اور نفاست کے ساتھ قائم و دائم رکھا ہے۔"

"تب تو میں اسے ضرور دیکھنا چاہوں گا۔" میں صوفی صاحب کے ساتھ چل پڑا لیکن یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ صوفی صاحب کے قدم حویلی کے اسی حصے کی جانب اٹھ رہے تھے جو میں دیکھ چکا تھا اور جس کے بارے میں میں یہ بتاتے ہوئے کوئی عار نہیں محسوس کرتا کہ وہ ایک انتہائی پُراسرار جگہ تھی پھر صوفی صاحب جن سیڑھیوں سے اترے وہ سیڑھیاں بھی وہی تھیں' لیکن وہ ہال کی جانب جانے کے بجائے سیڑھیوں کے نیچے بنے ہوئے ایک ایسے دروازے کی جانب بڑھے جو اوپر سے دیکھنے سے نظر نہیں آتا تھا۔ یہ ایک بالکل نئی جگہ تھی حالانکہ میں اس ہال میں آچکا تھا لیکن اس دروازے کے بارے میں' میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ چچا نے آگے بڑھ کر وہ دروازہ کھولا اور دروازہ کھلتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے کچھ عجیب وغریب مدہم مدہم آوازیں وہاں سے آئی ہوں یعنی ایسا جیسے اس تہہ خانے میں کوئی موجود ہو اور کسی کی آمد پر اس نے ایک دوسرے کو ہوشیار کیا ہو۔ بہرحال میں صوفی اشرف کے ساتھ اس تہہ خانے میں داخل ہوگیا اور وہاں پہنچ کر میں نے ایک عجیب وغریب ٹھنڈک کو محسوس کیا۔ صوفی اشرف نے ہاتھ بڑھا کر وہاں روشنی کردی اور میں نے اس روشنی میں اس شاندار کمرے میں موجود چیزوں کو دیکھا۔ صوفی اشرف کچھ دیر خاموش رہے۔ میں اس کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ پھر صوفی اشرف نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

"آؤ۔ آگے آؤ شاید تمہیں اس بات کا احساس بھی نہ ہو کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس حویلی میں ایک ایسی شخصیت کا قیام تھا جس کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ ایک نواب کی حویلی تھی اور یہ نواب انتہائی ظالم تھا۔ اس کی فطرت میں ظلم و ستم کی داستانیں شامل تھیں۔ انسانوں کو زندہ بڑی بڑی کیلوں سے دیواروں میں لٹکوا دیتا تھا۔ یہ کیلیں ان کے سینے میں ٹھونکیں جاتیں اور انہیں دیواروں میں ٹھونک دیا جاتا۔ وہ تڑپتے چیختے چلاتے وہیں دم توڑ دیتے۔ بات یہی نہیں بلکہ میں تمہیں اس سلسلے میں اور بھی تفصیلات بتاؤں گا۔ پہلے ذرا اس عمارت کے نوادرات دکھادوں آؤ میرے ساتھ۔" صوفی اشرف مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک گوشے کی جانب بڑھ گئے اور پھر انہوں نے ایک ڈھکن سا کھولا جو زمین میں بنا ہوا تھا۔ میں حیران رہ گیا۔ بڑا سا ڈھکن جب کھلا تو میں نے نیچے زمین میں جھانک کر دیکھا' وہاں بلب لگا ہوا تھا۔ صوفی اشرف نے کہا۔

"یہ کنواں انتہائی گہرا ہے لیکن کیا تم یقین کرو گے اس بات پر کہ یہ کنواں اوپر تک عورتوں اور بچوں کی لاشوں سے پٹا ہوا تھا۔ اس میں لاتعداد انسانی لاشیں تھیں جو اسی نواب کے ظلم و ستم کا شکار ہوئے تھے۔ کنواں بھر گیا تو اس نے اس پر ایک ڈھکن لگوا دیا۔ بعد میں صوفی اشرف نے اس کی صفائی کرائی اور ان ہڈیوں کے ڈھانچوں کو ایک اجتماعی قبر میں دفن کردیا۔ میں نے اس کنویں میں روشنیاں لگوائی ہیں۔ باقاعدہ بلب لگائے گئے ہیں اس میں۔ دیکھو۔" یہ کہہ کر صوفی اشرف مجھے لئے ہوئے اس کنویں کے پاس پہنچے اور انہوں نے وہ ڈھکن کھول کر کنویں کے اندر روشنی کر کے مجھے دکھایا۔ حقیقت یہ تھی کہ پچھلے دو واقعات انتہائی پُراسرار تھے۔ یعنی ایک تو ایمن فرزینہ کا کردار اور اس کے بعد ان لوگوں کے ساتھ شمولیت جس میں' میں نے بھی شہروز کا خون چاٹا تھا اور پہلی بار انسانی خون کے ذائقے کو محسوس کیا تھا۔ پھر اس کے بعد پورن وتی کے ساتھ کیا ہوا پُراسرار سفر اور وہاں موجود خوفناک لوگوں کے درمیان اپنی شمولیت۔ یہ ساری باتیں میرے دل و دماغ میں کبھی کبھی ایک عجیب سی کیفیت پیدا کردیتی تھیں لیکن اس کے باوجود میرے دل میں ابھی خوف کا گزر تھا اور یہ اس بات کا احساس دلاتا تھا کہ میری فطرت میں سے انسانی جبلت ختم نہیں ہوئی ہے۔ بہرطور اس کنویں کو دیکھ کر میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور صوفی اشرف نے کنویں کا ڈھکن بند کردیا۔ پھر وہ وہاں سے آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"آؤ۔ میں اس وقت تمہارے ساتھ وہی سب کچھ عمل کر رہا ہوں جو پہلی بار میرے چچا نے میرے ساتھ کیا یعنی ان تمام چیزوں کو دکھایا اور ان نوادرات کا حوالہ اس رئیس سے کیا جو ظالم تھا۔" صوفی اشرف مجھے لے کر تھوڑا سا آگے بڑھا اور پھر اس نے کہا۔

"اور اس کے بعد میں چچا کے ساتھ یہاں داخل ہوا تو چچا نے بجلی جلادی اور اُدھر جا کھڑے ہوئے۔ وہ دیکھو وہ آتشدان تمہیں نظر آرہا ہے؟ اس آتشدان کے قریب ایک بڑی سی الماری رکھی ہوئی تھی اور اس پر سلک کے نیلے پردے پڑے ہوئے تھے۔ پردے ہٹتے ہی الماری کے شیشوں میں سے اندر کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ یہ دیکھو انہوں نے مجھ سے کہا۔ اس میں۔ اس میں جو بڑا سا چاقو نظر آرہا ہے اور جس کی ساخت عجیب وغریب ہے یہ چاقو ایک مندر سے حاصل ہوا تھا۔ یہ مندر کالی طاقتوں کا مندر تھا اور اس چاقو سے ہزاروں قربانیاں دی جاچکی ہیں۔ ادھر آؤ۔" چچا نے کہا اور مجھے ادھر لے گئے۔ یہاں دیوار پر بالوں کا ایک گچھا چپکا ہوا تھا۔ چچا نے وہ گچھا مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ گچھا اس کنویں سے حاصل ہوا تھا جو اٹھارہ سو ستاون کے قتل عام سے لاشوں سے پٹ گیا تھا دیکھو اس میں خون کے دھبے ابھی تک چپکے ہوئے ہیں۔" میں خوف و دہشت کے عالم میں چچا کے الفاظ سنتا اور ان کی دکھائی ہوئی چیزوں کو دیکھتا رہا پھر میری نگاہیں ایک طرف اٹھ گئیں الماری کے ایک حصے میں گھنگھروں کے دو توڑے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے توڑے ہاتھ بڑھا کر نکالتے ہوئے کہا۔

"چچا! یہ کیا ہے؟" چچا اس وقت دوسری جانب متوجہ تھے۔ انہوں نے میری طرف رخ کیا اور دفعتاً ہی چونک پڑے اور چیخے۔

"نہیں انہیں وہیں رکھ دو' انہیں وہیں رکھ دو۔ جلدی کرو۔" میں نے محسوس کیا کہ چچا ایک دم خوفزدہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"آہ۔ انہیں رکھ دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم.........." پھر انہوں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے ادھر تو ہاتھ نہیں لگایا۔" میں نے ان کے اشارے پر اس جانب دیکھا۔ وہ موم کے بنے ہوئے دو زنانے پیر تھے جو ایک طرف رکھے ہوئے تھے ان کا فاصلہ ان گھنگھروؤں سے زیادہ دور کا نہیں تھا۔ ان پیروں کی لمبائی ڈیڑھ انچ کے قریب ہوگی۔ میں نے انہیں غور سے دیکھا اور بنانے والے کے کمال فن کا معترف ہو گیا۔ وہ دو چھوٹے چھوٹے پاؤں تھے۔ زنانے پاؤں۔ یہ دونوں پاؤں ٹخنوں کے اوپر سے کٹے ہوئے تھے اور بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی چند لمحوں قبل انہیں کسی انسانی جسم سے کاٹا گیا ہو۔ فنکار نے انہیں بڑی خوبصورتی سے بنایا تھا۔ کچھ اس طرح رنگوں کا انتخاب کیا تھا کہ وہ بالکل حقیقی اور تازہ کٹے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ ان پیروں کے ننھے ننھے ناخن مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ چچا نے ایک بار پھر دہشت زدہ انداز میں کہا۔

"کیا تم نے انہیں چھوا ہے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔ میں تو پہلی بار انہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"ہاں۔ انہیں بھول کر بھی نہ چھونا۔ آہ تم نہیں جانتے۔"

"مگر جب آپ ان تمام چیزوں کی تاریخ مجھے بتا رہے ہیں چچا! تو پھر ان پیروں کے بارے میں کیوں نہیں بتاتے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ آؤ ذرا ادھر آؤ۔ دور ہٹ آؤ۔ جب بھی میں ان کے قریب آتا ہوں مجھ پر ایک ایسی خوفناک دہشت سوار ہوتی ہے کہ میں تمہیں الفاظ میں نہیں بتا سکتا۔" وہ مجھے وہاں سے دور لے آئے۔ ایک میز کے پاس پڑی ہوئی کرسیوں میں سے

انہوں نے ایک کرسی گھسیٹی اور دوسری طرف مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"میں تمہیں ان کے بارے میں ہی بتا رہا تھا بلکہ اس نوادر خانے اس حویلی کے بارے میں ہی بتا رہا تھا بہت پرانی بات ہے وہ رئیس جو انسان نہیں بلکہ ایک طرح سے جانور سمجھ لو۔ دیوانہ تھا بالکل۔ اسے ایک مرض لاحق تھا۔ ایسا مرض جو انسانوں پر اذیت کر کے اسے سکون دیتا تھا۔ لاتعداد انسانوں کا قاتل جس نے بہت طویل عرصے تک اپنے آپ کو چھپائے رکھا لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کی دیوانگی کی داستانیں منظر عام پر آنے لگیں اور بہت سے لوگوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ یہ امیر ترین شخص جنونی ہے اور انسانوں پر ظلم کرنا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔" چچا کے سنائے ہوئے پُراسرار واقعات نے میرے ذہن پر عجیب سا اثر کیا تھا۔ چچا مجھے تفصیل سے بتاتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ جب اس رئیس نے زندگی سے منہ موڑ لیا تب بھی یہاں راتوں کو چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ لوگوں کے علم میں یہ بات آئی تھی کہ رئیس نے اپنی بہت سی ملازماؤں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ایک بار اس مکان میں کچھ تھوڑی سی تبدیلیاں کرائی گئیں۔ حویلی کے باغیچے سے بے شمار کھوپڑیاں نمودار ہوئیں۔ بڑی سنگین صورت حال تھی پھر خاصے عرصے تک یہ حویلی سنسان پڑی رہی۔ اسے غالباً چچا سے پہلے کسی اور نے بھی خریدا تھا اور اس حویلی میں کوئی بھی خریدار زندہ نہیں رہ سکا۔ بے شمار افراد یہاں حادثوں کا شکار ہوئے اور کہنے والوں نے بہت سی باتیں سنائیں۔ انہوں نے کہا کہ یہاں انہیں ایک عورت کا سایہ نظر آتا ہے جس کے پیروں میں گھنگھرو بندھے ہوئے ہیں اور وہ کبھی کبھی رقص کرتی ہے۔ انہیں خاک آلود فرش پر عورت کے پیروں کے نشانات بھی ملتے تھے اور گھنگھروؤں کی آوازیں بھی انہیں سنائی دیتی تھیں۔ اس کے بعد یہ مکان ہماری تحویل میں آ گیا یعنی یہ حویلی اور میں جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں رہ کر زندگی گزارنے لگا۔ پھر خاصے عرصے تک میں یہاں رہا اور ایک دن یہ تہہ خانہ مجھے دریافت ہوا جس کے بارے میں مجھے پہلے نہیں معلوم تھا۔ جب میں اس تہہ خانے میں اندر داخل ہوا تو آتش دان میں آگ روشن تھی اور ہر چیز اس طرح صاف شفاف نظر آ رہی تھی جیسے کوئی اسے استعمال کرتا رہا ہو۔ جہاں تک کہ باقی سارے معاملات تھے انہیں تو میں نے نظر انداز کر دیا تھا لیکن پھر میں نے اس رقاصہ کے مجسمے کو دیکھا جو میز پر لیمپ کے نزدیک رکھا ہوا تھا۔ بڑا ہی خوبصورت اور زندہ جیسا مجسمہ تھا۔ میں نے قریب سے اسے دیکھا اور ابھی میں کرسی پر بیٹھا اس کا جائزہ لے رہا تھا کہ میں نے ایک بھورا مضبوط ہاتھ جس کی انگلیوں میں بہت سی انگوٹھیاں چمک رہی

تھیں۔ میز پر سے اس طرح بڑھتے ہوئے دیکھا جیسے وہ ہاتھ مجسمے کو اٹھا لینا چاہتا ہو۔ میں نے پھرتی سے مجسمے کو اپنے ہاتھ میں دبوچ لیا اور پلٹ کر پیچھے دیکھا لیکن اس کے بعد وہ ہاتھ غائب ہوگیا۔ بہرحال یہ سب ایک عجیب سی کیفیت کا حامل تھا۔ اس تہہ خانے نے مجھے ذہنی طور پر گرفت میں لے لیا تھا۔ میں آہستہ آہستہ بڑھ کر آتش دان کے پاس پہنچ گیا۔ اس دن سردی بے پناہ شدید تھی۔ آتش دان کی نرم آگ مجھے خاصا محظوظ کر رہی تھی کوئی آدھا گھنٹہ اس طرح گزر گیا۔ مجسمہ میں نے جیب میں رکھ لیا تھا اور ان حیرت انگیز واقعات اور اس تہہ خانے کے بارے میں میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔ اچانک ہی مجھے یوں لگ جیسے کہیں دور کسی کے منہ سے کراہتی آواز نکلی ہو۔ یہ آواز واضح نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ ہوا کے جھونکے ساتھ یہ آواز اندر آئی ہو۔ سردی کی شدت اور آگ کی ہلکی ہلکی گرمی نے مجھے ذہنی طور پر نیم غنودہ سا کر دیا۔ ابھی میں اونگھ ہی رہا تھا کہ مجھے یوں لگا جیسے میری جیب میں کسی نے ہاتھ ڈالا ہو۔ میں فوراً ہی چونک گیا۔ سرسراہٹیں اور لمس نمایاں تھا۔ لاشعوری طور پر میرا ہاتھ جیب کی طرف بڑھا اور تم یقین کرو کہ میرے ہاتھ میں ایک نادیدہ کلائی آگئی۔ جو بے حد سخت اور سرد تھی۔ آہ میں تمہیں بتاؤں تم یقین کرو۔ وہ کلائی ایک لمحے تک میری گرفت میں آئی تھی اور پھر اچانک ہی میں نے اسے چھوڑ دیا تھا لیکن وہ کوئی حقیقی ہاتھ نہیں تھا۔ اسی وقت مجھے کہیں دور سے گھنگھرو کی آواز آئی اور میں گھبرا کر تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ پھر خاصی مشکل پیش آئی اور میں کافی دن تک پریشانی کا شکار رہا لیکن میرے بھتیجے مجھے اس قسم کے واقعات سے بہت دلچسپی ہے۔ میں نے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ طویل عرصے تک میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ تب مجھے علم ہوا کہ ایک رقاصہ کو ایک رئیس سے محبت ہوگئی تھی۔ ویسے تو وہ سنگدل اور ظالم انسان بہت زیادہ عورتوں اور بچوں سے وحشیانہ سلوک کر چکا تھا لیکن اس رقاصہ سے اسے بھی دلچسپی تھی۔ رقاصہ کو اپنے طور پر خرید لیا اور اپنی اسی حویلی میں اس کے لئے ایک جگہ منتخب کر دی۔ وہ رقاصہ کے رقص سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ رقاصہ چاہتی تھی کہ وہ اس سے شادی کرے لیکن رئیس نے اسے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ عورت تو عورت ہی ہوتی ہے۔ اس کے دل میں بے شمار آرزوئیں جنم لے رہی تھیں۔ جب رئیس سے اسے کچھ حاصل نہ ہوا تو اس نے سوچا کہ جب زندگی اسی طرح گزارنی ہے تو کیا فائدہ کہ کسی ایک سے منسوب ہو کر رہا جائے۔ حویلی ہی کے ایک منتظم سے اس نے پینگیں بڑھانا شروع

کر دیں اور پھر ایک دن جب وہ رئیس کہیں گیا ہوا تھا رقاصہ اپنے نئے محبوب کے سامنے رقص کرنے لگی لیکن رئیس واپس آگیا۔ اس وقت تو اس نے کچھ نہ کہا لیکن چند روز کے بعد وہ شخص دنیا سے غائب ہوگیا۔ اس کے بعد رئیس نے رقاصہ سے اس کے بارے میں گفتگو کی۔

"تم اپنے محبوب کے سامنے ناچ رہی تھیں جبکہ تم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔"

"ہاں۔ میں تم سے محبت کرتی تھی لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم نے زندگی میں مجھے کیا دیا۔ کیا تم نے مجھے ایک عورت کا مقام دیا؟"

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے علاوہ تم اور کسی کے لئے رقص نہ کرو گی۔"

"ہاں۔ لیکن اب میں اس وعدے کی پابند نہیں ہوں۔" رئیس خاموشی سے وہاں چلا گیا پھر اس وقت رقاصہ اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی تو اچانک ہی اس کے پیروں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کسی نے انتہائی تیز دھار والے تیشے سے اس کے ٹخنوں پر وار کیا اور اس کے دونوں پاؤں اس کے پیروں سے علیحدہ ہوگئے۔ رقاصہ تو دونوں پیروں کی ہڈیاں کٹ جانے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر گئی لیکن رئیس نے اس کے دونوں پاؤں اپنے قبضے میں لے لئے اور انہیں ایک جگہ محفوظ کر لیا۔ یہ کہانی مجھے کچھ پُراسرار لوگوں نے سنائی تھی۔ اس حویلی میں قیام کرتے ہوئے مجھے اتنا عرصہ گزر چکا ہے اور اس نوادر خانے کی یہ داستان ہے تو میرے دوست مجھے اپنے چچا سے بے پناہ محبت تھی۔ چچا یہاں اس حویلی میں تنہا رہتے تھے۔ میں شادی کر چکا تھا۔ قدرت نے مجھے دو جڑواں بیٹیاں دی تھیں۔ میں نے اپنے انداز بالکل مختلف رکھے تھے۔ چچا نے مجھ سے درخواست کی کہ میں یہاں آجاؤں۔ وہ بڑی تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اسی حویلی میں رہنا شروع کر دیا اور یہاں زندگی گزارتا رہا۔ پھر ایک دن چچا اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ میں نے سوچا کہ اس حویلی کو بیچ دوں۔ اتنی بڑی حویلی میں' میں تنہا رہ کر کیا کروں گا۔ میں نے اس سلسلے میں بہت سے منصوبے بنائے تھے۔ پھر میں نے سوچا کہ یہاں سے کہاں جاؤں گا۔ اس حویلی ہی میں زندگی گزاروں اور میرے دوست یہ حویلی میرے لئے میرا گھر بن گئی۔ ایک رات نہ جانے کیا ہوا کہ مجھے حویلی کے پرانے حصے سے چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں دوڑتا ہوا اس طرف پہنچا تو یہاں میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ ایک بے جسم رقاصہ رقص کر رہی تھی۔ وہ پیر متحرک تھے لیکن دوسری بات جو تھی وہ یہ

کہ میری بیوی اور میری دونوں بچیاں یہاں موجود تھیں اور اس طرح گھبرائی ہوئی تھیں جیسے ان میں زندگی باقی نہ ہو۔ میں دہشت زدہ سا ہوگیا۔ یہ یہاں کہاں سے آگئیں۔ پھر میں نے ان کے قریب پہنچ کر انہیں جھنجھوڑا تو وہ تینوں زمین پر لڑھک گئیں۔ وہ بے جان ہوچکی تھیں۔ آہ وہ اس منحوس حویلی کا شکار ہوچکی تھیں۔ جس میں' میں نے انہیں لاکر ان سے زندگی چھین لی تھی۔ یہاں کا طلسم انہیں ہضم کرگیا تھا۔ میں نے نفرت بھری نگاہوں سے ان منحوس پیروں کو دیکھا جو اب اپنی جگہ موجود تھے۔ رقاصہ کا اب یہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ گھنگھروؤں کی جھنکار بند ہوگئی تھی۔ میرے دل میں نفرت کا شدید احساس بیدار ہوگیا اور میں نے آگے بڑھ کر وہ دونوں پاؤں اپنی جگہ سے اٹھا لئے۔ مجھے یوں لگا جیسے ایک شعلہ سا بھڑکا ہو اور اس کے بعد میرے وجود میں زندگی باقی نہ رہی۔ ہاں دیکھو میں مرگیا اس طرح۔"

صوفی اشرف زمین پر لیٹ گیا اور اچانک ہی میں نے اس کے جسم میں ایک تبدیلی رونما ہوتے ہوئے دیکھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے بدن کا سارا گوشت غائب ہوتا جارہا ہو۔ سفید سفید ہڈیاں نمودار ہوتی جارہی تھیں۔ میری آنکھیں حیرت سے اس کا جائزہ لینے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے صوفی اشرف کا بدن صرف ایک ڈھانچے کی شکل میں رہ گیا۔ میں ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا تھا۔ حیرت کا ایک شدید حملہ میرے اوپر ہوا۔ وہ لمحات یاد آئے جب صوفی اشرف کی گاڑی سڑک پر خراب ہوگئی تھی اور اس نے اپنی فیملی کے ساتھ مجھ سے لفٹ مانگی تھی۔ اچانک ہی مجھے اندرونی حصے میں موجود عورتوں کا خیال آیا۔ صوفی اشرف میں اب کچھ بھی نہیں باقی رہ گیا تھا۔ وہ بالکل ڈھانچہ بن چکا تھا۔ ایک بے جان ڈھانچہ۔ کچھ لمحے تک میں وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ اب یہاں رکنا بے مقصد ہی تھا۔ دفعتاً میری نگاہ ان دونوں پیروں پر پڑی۔ ایک لمحے کے اندر اندر میرے ذہن میں ایک تبدیلی رونما ہوئی اور میں آگے بڑھ کر ان پیروں کے نزدیک پہنچ گیا۔ چھوٹے چھوٹے کٹے ہوئے تازہ لہو سے بھرے ہوئے پاؤں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر انہیں شوکیس سے نکال لیا اور اسی وقت مجھے ایک بے حد خوفناک قہقہہ سنائی دیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک حیرت ناک منظر میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ زمین پر ایک انسانی جسم جو ہاتھوں اور پیروں کے بل ایک لمحے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا' گول گول چکر لگانے لگا۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے گھوم رہا تھا اور میرے ذہن میں ناگو کا خیال آیا۔ ناگو جو بچھو تھا اور بچھو ہی کی طرح زمین پر چپکا ہوا گول گول چکر لگا رہا تھا۔ اس کے حلق سے قہقہے پھوٹ رہے تھے اور ایک عجیب

سی سنسنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس سنسناہٹ کا راز کیا ہے۔ میں دونوں پاؤں ہاتھ میں لئے کھڑا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ ناگو بابا رکا اور کسی جمناسٹر کی طرح اٹھ کھڑا ہوگیا۔

"یہ جاننے کے باوجود کہ ان پیروں کو چھونا کتنا خطرناک ہے۔ آخر کار تو نے انہیں یہاں سے اٹھا لیا۔ ڈرے بغیر۔ جانتا ہے کیوں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے ناگو کو دیکھا تو وہ بولا۔

"اس لئے کہ اب تو مکمل ہوچکا ہے۔ تُو نے اپنی منزل کی جانب تیز رفتاری سے قدم بڑھا دیئے ہیں اور تیری رفتار بڑھتی جارہی ہے۔ دوڑ رہا ہے تو' دوڑ رہا ہے۔ لا یہ پاؤں مجھے دے دے اب یہاں تیرا کوئی کام نہیں ہے۔ یہاں کوئی ہے بھی نہیں' لا۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھائے تو میں نے کٹے ہوئے پاؤں اس کے ہاتھ کی جانب بڑھا دیئے۔ اس نے بڑے پیار سے وہ پاؤں اپنے ہاتھوں میں لئے اور انہیں بڑی محویت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تُو بھی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے اور میں بھی۔ کیا سمجھا ٹھیک ہے نا۔ اب تو اپنا کام دیکھ اور میں اپنا کام دیکھتا ہوں۔ اس آدمی نے تجھے بتایا تھا نا کہ دو ہاتھ ہمیشہ ان پیروں کو وصول کرنے کے لئے خفیہ طریقے سے نمودار ہوتے رہتے تھے۔ جانتا ہے وہ کس کے ہاتھ تھے۔ میرے صرف میرے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔" وہ ایک قدم آگے بڑھا تو میں نے اپنا ہاتھ سیدھا کردیا۔

"ٹھہرو ناگو۔" وہ چونک کر رک گیا تو میں نے کہا۔

"میں تمہاری ہر بات کو جان رہا ہوں۔ ہر کام تمہاری ہدایت کے مطابق کررہا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ اب اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہے۔ میں زندگی کا کون سا رخ اختیار کروں؟"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اگر تُو فیصلے نہیں کرپاتا تو میں فیصلے کرتا ہوں تیرے لئے۔ تو سن۔ زندگی عیش کرنے کی جگہ ہے۔ تجھے اپنے لئے ایک منزل تلاش کرلینی چاہئے۔ یہ بات تو طے ہے کہ زندگی میں رک جانے کا مطلب موت ہے۔ ہمیشہ رواں دواں رہو اور اپنے لئے دلچسپیاں تلاش کرتے رہو۔ سارے کام میرے ہی لئے نہ کرو۔ خود اپنا بھی ایک مرکز تلاش کرو۔ باقی رہی جہاں تک شکتی کی بات تو ہم تیرہ ہوچکے ہیں چودھواں نہیں شامل ہونا چاہئے خیال رکھنا۔ جب بھی چودھواں شامل ہوا تو ہم سب بھسم ہوجائیں گے۔ تم یہاں سے نکلو گے تو کوئی نہ کوئی واقعہ خود تمہیں تلاش کرے گا۔ جاؤ دیکھتے رہو وہ واقعہ

کیا ہوتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ میری نگاہوں سے گم ہوگیا۔ میں کافی دیر تک وہیں کھڑا اس کے الفاظ اور گزرے ہوئے حالات پر غور کرنے لگا۔ سفید ڈھانچہ اب بھی وہاں پڑا ہوا تھا۔ اچانک مجھے ان تینوں عورتوں کا خیال آیا جو میری کار میں یہاں آئیں تھیں۔ چنانچہ میں وہاں سے نکلا اور پھر حویلی کے اس حصے میں داخل ہوگیا جہاں اس سے پہلے نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ عورتیں یہاں موجود ہیں تو کم از کم شبانہ سے میرا تھوڑا سا تعارف ہوچکا ہے۔ اس سے کچھ معلومات حاصل کروں گا۔ بعد میں دیکھا جائے گا جو کچھ بھی ہو گا چنانچہ میں حویلی میں داخل ہوگیا۔

لمبی لمبی غلام گردشیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ کہیں سے سانس کی آواز تک نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس پُراسرار اور ویران حویلی میں نہ جانے کتنی دیر تک میں گھومتا رہا پھر اچانک میری نظر ایک کھلے ہوئے دروازے پر پڑی۔ عجیب سی جگہ تھی۔ میں نے دروازے سے اندر جھانک کر دیکھا تو میرا سارا وجود سنسنا کر رہ گیا۔ یہ بھی ایک سنسنی خیز منظر تھا۔ تینوں عورتیں ہی تھیں' زنانہ لباس میں ملبوس' لیکن یہ لباس ان کی ہڈیوں پر اڑ رہا تھا۔ یہ وہی تینوں عورتیں تھیں۔ دو نوجوان لڑکیاں اور ایک عورت لیکن ان کے ڈھانچے زمین پر بے کسی سے پڑے ہوئے تھے' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور وہاں سے واپسی کے لئے مڑ گیا۔ سب کچھ بیکار تھا۔ اس پُراسرار اور ویران حویلی میں کسی زندہ انسان کا وجود نہیں تھا۔ مگر کمال کی بات تھی۔ واقعی کمال کی بات تھی۔ باہر نکلا تو ایک آخری حیرت میری منتظر تھی۔ وہ کار وہاں موجود تھی لیکن ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اور ڈھانچہ بیٹھا ہوا تھا۔ ڈرائیور! میں نے دل میں سوچا۔ میری کار میں قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے اسٹارٹ کیا اور پھر ریورس ہی میں لے کر باہر نکل آیا۔ پھر اس کے بعد میں چل پڑا۔

کوئی منزل ذہن میں نہیں تھی البتہ ناگو کے الفاظ میرے دماغ میں گونج رہے تھے۔ اپنے لئے زندگی تلاش کرو۔ زندگی تلاش کرو۔ زندگی تلاش کرو۔ اور سُست رفتاری سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ میرے لئے زندگی کہاں ہے۔ دماغ میں ویسے تو بہت سے خیالات آرہے تھے۔ وہ فلیٹ بھی ذہن میں تھا جو ناگو بابا نے مجھے دیا تھا۔ بہت عمدہ جگہ تھی لیکن نہ جانے کیوں شہروز کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بعد ایک بار بھی وہاں جانے کو دل نہیں چاہا تھا۔ کچھ بھی تھا شہروز ایک اچھا آدمی تھا۔ پتہ نہیں ناگو نے اس

سے یہ دشمنی کیوں کی تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ابھی میں ان پُراسرار گتھیوں میں اپنی الجھن کو سلجھا نہیں سکا تھا اور یہ مجھے آتا بھی نہیں تھا۔ بہرحال کافی لمبی ڈرائیو کرنے کے بعد مجھے آبادی کے آثار نظر آئے۔ کوئی اجنبی ہی شہر تھا۔ ویسے بھی صرف چل پڑا تھا۔ ذہن میں کوئی تصور نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ کیا کرنا ہے۔ شہری آبادی میں داخل ہونے کے بعد میں نے کار کی رفتار سُست کردی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ بہت سی نگاہیں میری کار پر پڑ رہی ہیں۔ پھر اچانک ہی دل میں خیال آیا کہ اب اس قدر گدھا بھی نہیں بننا چاہئے۔ کرنسی کا بریف کیس گاڑی کی سیٹ کے نیچے موجود ہے۔ زندگی کو ایک محور پر ٹھہرانے کے لئے ٹھکانہ ضروری ہوتا ہے۔ ایک کار میں مارکو پولو نہیں بننا چاہئے۔ زندگی ایسے تھوڑی گزر جاتی ہے۔ عارضی طور پر کسی ہوٹل کا قیام ہی مناسب ہے۔ لباس وغیرہ کا معاملہ بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ گاڑی کی ڈگی میں سوٹ کیس موجود تھا۔

بہرحال جو کچھ ان کاوشوں سے حاصل ہوسکا تھا وہ میری بساط میری اوقات سے بہت زیادہ تھا اور چونکہ ذہن میں گندگی بیدار ہوچکی تھی اس لئے مزید آگے کی باتیں سوچ رہا تھا۔ اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں سے بھلا میرا کیا واسطہ لیکن واقفیت ضرور تھی۔ وہ شاید ایک فور اسٹار ہوٹل تھا۔ نام تھا شالیمار۔ میں نے گاڑی اس کے پارکنگ لاٹ پر روک دی اور اپنے آپ کو بہت زیادہ معتبر ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ہوٹل کے اسٹاف نے مجھے خوش آمدید کہا۔ شاید کاؤنٹر منیجر کو اس کار کے بارے میں معلومات حاصل ہوچکی تھیں جو پارکنگ لاٹ میں موجود تمام گاڑیوں میں سب سے شاندار تھی اور اس طرح وہ لوگ میری حیثیت کا اندازہ لگا رہے تھے۔ شاید انہیں اس بات پر بھی حیرت ہو رہی ہو کہ میں فائیو اسٹار ہوٹل کے بجائے اس فور اسٹار ہوٹل میں کیوں آیا ہوں۔ بہرحال اس کی چوتھی منزل پر میرے لئے ایک بہت ہی خوبصورت کمرہ منتخب کر دیا گیا اور میں اپنا بریف کیس لئے ہوئے کمرے میں آگیا۔ پورٹر سوٹ کیس اٹھا لایا تھا۔

کمرے کی خوبصورتی دیکھ کر مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ پچھلے واقعات نہایت حیرتناک تھے بہرحال یہاں آنے کے بعد ایک انوکھی تبدیلی کا احساس ہوا تھا۔ بات اس کی مرضی کے مطابق ہی تھی جس نے مجھے یہاں تک پہنچایا تھا یعنی ناگو اس نے کہا تھا کہ میں صرف انہی کا سہارا نہ لئے رہوں اپنے طور پر اپنے لئے زندگی تلاش کروں اور زندگی کی تلاش مجھے یہاں تک لے آئی تھی اور اس کے بعد مجھے چاہئے کہ میں زندگی کی

ہر دلچسپی میں شریک رہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو بڑا اطمینان دلایا اور سوچا کہ میں کوئی جاہل آدمی نہیں ہوں۔ پڑھا لکھا ہوں زندگی میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ غسل وغیرہ کر کے لباس تبدیل کیا۔ ویٹر سے اپنے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں اور اس کے بعد شام تک آرام کرتا رہا۔ بہت سے منصوبے ذہن میں ترتیب دیئے تھے۔ شام کو تیار ہونے کے بعد نیچے اتر آیا اور ہوٹل کے ریفرشنگ ہال میں داخل ہو گیا۔ بہت اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا۔ رونق تھی یہاں۔ ایک طرف بے شمار میزیں ساتھ ساتھ جوڑ کر غالباً کسی پارٹی کے لئے انتظامات کیئے گئے تھے۔ آرکسٹرا مدھم دھنیں بجا رہا تھا۔ برتن کھنکنا رہے تھے۔ کمرے کے حساب سے میری میز مخصوص تھی۔ چنانچہ میں اس میز پر جا کر بیٹھ گیا اور وہاں موجود لوگوں کی کارروائیاں دیکھنے لگا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ان سب کے ذہن میرے سامنے کھل گئے ہوں۔ مصنوعی لوگ مصنوعی دنیا کے انسان۔ میں حیرانی سے ایک ایک کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں ان میں سے ہر کے ذہن میں جھانک سکتا ہوں اور سب کے سب نچلی سطح کے لوگ تھے اور مختلف ذرائع سے انہوں نے اپنی حیثیت قائم کی تھی۔

بہرحال یہ ساری دلچسپیاں میرے سامنے تھیں اور میں نے دل میں سوچا تھا کہ زندگی اتنی مشکل تو نہیں ہے۔ خاص طور سے ایسی کوئی قوت حاصل ہونے کے بعد' البتہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ پورنی کے سلسلے میں مجھے ایک بات کہی گئی تھی وہ یہ کہ میں کسی ایک شبد کا جاپ کر لوں۔ تب پورنی میرے قبضے میں آجائے گی۔ یہ شبد کیا تھا اور یہ جاپ کیا تھا۔ یہ مجھے سمجھ میں نہیں آسکا تھا لیکن عارضی طور پر پورنی میرے کام آنے پر تیار تھی اور خاص طور سے پورن وتی نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ اگر میں اسے طلب کروں گا تو وہ میری پوری پوری مدد کرے گی۔ کبھی یہ بھی کر کے دیکھوں گا' لیکن بلاوجہ ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہئے۔ مجھے ایمن فرزینہ بھی یاد تھی اور بیچارے شہروز کے خون کا وہ نمک بھی جو نہ جانے کس جنون کے عالم میں اپنی زبان سے مس کیا تھا۔ آج بھی وہ منظر یاد کر کے دل کو ایک عجیب سے دکھ کا احساس ہوتا تھا۔ اس وقت نہ جانے میری ذہنی کیفیت کیا ہو گئی تھی۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے ہوٹل کے دروازے پر ہنگامہ آرائی دیکھی۔ سفید لبادے میں ملبوس لمبے لمبے بالوں والا ایک شخص اندر آرہا تھا۔ اس کے پیچھے بے شمار عقیدت مند تھے۔ ہال میں موجود ایک دراز قامت عورت نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال

کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ چھوئے جھک کر پاؤں چھوئے اور اس کے بعد اسے بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ میز کی طرف لے چلی۔ پارٹی غالباً اسی شخص کے اعزاز میں تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہال میں بیٹھے ہوئے بے شمار افراد اٹھ اٹھ کر اس کے ہاتھوں کو عقیدت سے بوسہ دے رہے تھے۔ پھر جس میز پر وہ بیٹھا وہ میری میز کے بالکل سامنے تھی۔ یعنی یہ کہ میرا اس کا بالکل آمنا سامنا تھا۔ میں خاموشی سے یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ وہ دراز قامت عورت اس کے قدموں میں بچھی جا رہی تھی۔ حلیے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ شخص کوئی پیر فقیر ٹائپ کی چیز ہے۔ شخصیت تو بہت اچھی تھی لیکن نہ جانے کیوں مجھے وہ اچھا نہیں لگا۔ اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ بہت سے لوگ میری طرح بھی تھے جنہوں نے اٹھ کر اسے ذرا سی تعظیم نہیں دی تھی اور وہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ کچھ چہروں پر ناگواری کی شکنیں بھی تھیں۔ ہال سپروائزر نے مائک پر کہا۔

"خواتین و حضرات! معاف کیجئے گا۔ بڑی خوش بختی ہے ہماری کہ اس وقت شاہ گلالی ہمارے ہوٹل میں آئے ہیں۔ انہیں محترمہ سریتا دیوی نے دعوت دی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سریتا دیوی ایک زبردست سماجی شخصیت ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہندو ہونے کے باوجود وہ ہندو مسلمان کے جھگڑوں سے آزاد ہیں۔ وہ شاہ گلالی کی مرید ہیں اور اس وقت انہوں نے شاہ گلالی کو ہمارے اس ہوٹل میں دعوت دی ہے۔ جس سے ہماری عزت افزائی بھی ہوتی ہے۔ میں آپ سب کو دعوت دیتا ہوں کہ شاہ گلالی سے عقیدت کا اظہار کر کے اپنا مرتبہ بڑھائیں اور میں سریتا دیوی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس تقریب کو ہمارے ہوٹل میں منعقد کر کے ہمیں عزت دی۔ شکریہ۔"

پھر سریتا دیوی کھڑی ہو گئیں۔ میں ان سب کا تماشا دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آرہا تھا۔ یہ مقام یہ جگہ مجھے بھی تو مل سکتی ہے۔ اگر میں چاہوں تو بہت سے لوگوں کے مسئلے خود بھی حل کر سکتا ہوں۔ اس طرح سے تو بڑی عزت ملتی ہے۔ میں ان پیر صاحب کی عزت و تکریم کا مظاہرہ دیکھتا رہا۔ سریتا دیوی نے پیر صاحب کی تعریف میں قصیدہ خوانی شروع کر دی۔ بہت سی باتیں کی انہوں نے اور میں یہ سوچنے لگا کہ کیا واقعی یہ شخص اس قدر صاحب کمال ہے۔ ابھی تک میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں دیکھی تھی۔ دفعتاً میرے ذہن میں یہ خیال آیا۔ کیوں نہ میں ان پیر صاحب سے خود بھی ملاقات کروں۔ اب اتنی عقل تو میرے دماغ میں بھی تھی کہ میں ان سے ملاقات کے طریقے کے بارے میں غور کر سکتا۔ یہاں ان کے سارے عقیدت مند موجود تھے۔ کوئی

الٹی سیدھی بات کرتا تو میری شامت ہی آجاتی۔ بہرحال میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور وہاں لوگوں کے مجمع میں پہنچ گیا۔ بہت سے لوگوں نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تھا۔ عملے کے افراد کے علم میں یہ بات تھی کہ میں بھی ایک صاحب حیثیت شخص ہوں۔ میرے لئے فوراً ہی ایک سیٹ کا انتظام کیا۔ میں نے آگے بڑھ کر پیر صاحب کے ہاتھ چومے اور انہیں عقیدت سے اپنی آنکھوں سے لگایا تو شاہ گلالی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سریتا دیوی نے بھی ایک نگاہ مجھ پر ڈالی۔ میرے جسم پر چونکہ ایک خوبصورت لباس تھا اور ہوٹل کے لوگوں نے میری خاص تکریم کی تھی اس لئے سریتا دیوی کو یہ اندازہ تو ہوگیا کہ میں بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولیں۔

"اصل میں ہمارے شاہ گلالی کے سارے وجود میں اس قدر کشش ہے کہ کوئی بھی انہیں دیکھ کر اپنے آپ کو ان کی عقیدت سے باز نہیں رکھ سکتا۔ نوجوان مہمان ہم تمہارا تعارف کس نام سے کرائیں؟"

"بابر علی ہے میرا نام۔" بہرحال میں بھی ان لوگوں میں بیٹھ گیا۔ پیر صاحب نے گردن دوسری طرف کرکے اپنے ایک مرید سے کہا اور مرید گردن جھکا کر ایک طرف چلا گیا۔ پھر وہ کہیں چلا گیا تھا۔ پیر صاحب لوگوں کی مشکلات سننے لگے۔ لوگ اپنی اپنی مشکلات ان سے بڑے مدھم لہجے میں بیان کر رہے تھے اور وہ سن کر انہیں مشورے دے رہے تھے۔ یہ ہنگامہ آرائی چلتی رہی۔ یہ مرید واپس آیا اور اس نے پیر صاحب کے کان میں کچھ کہا۔

پیر صاحب نے آنکھیں بند کرکے گردن ہلادی تھی۔ مرید اس کے بعد اس کرسی پر نہ بیٹھا جو پیر صاحب کے پاس تھی بلکہ ایک طرف کو واپس چلا گیا۔ پیر صاحب مختلف لوگوں سے مختلف باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے میری طرف دیکھا اور بولے۔

"بابر علی! ادھر آجاؤ۔ بہت فاصلہ اختیار کرلیا ہے تم نے۔" میں اپنی جگہ سے اٹھا اور پیر صاحب کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔

"بہت کچھ دیا ہے دینے والے نے تمہیں، لیکن اس کے باوجود اگر تمہارے دلوں میں بزرگوں کی عقیدت ہے تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ سریتا دیوی! بابر علی اسی ہوٹل میں رہتے ہیں۔ تھوڑے عرصے پہلے یہاں آئے ہیں۔ بڑی اچھی حیثیت کے آدمی ہیں اب یہ کون ہیں کیا ہیں۔ اس کے بارے میں اس وقت جاننا ضروری نہیں ہے۔ بابر علی کو

ہمارے آستانے پر لے کر آؤ۔ وہاں ہم ان سے تفصیلی گفتگو کریں گے۔ تم لوگوں نے ان کی پیشانی کے روشن چاند کو نہیں دیکھا۔ یہ روشنی بہت کافی ہے اور ہمیں اس کی روشنی میں بابر علی کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔" بہرحال پیر صاحب میری شان میں بہت کچھ کہتے رہے اور اس کے بعد وہ دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ بہرحال کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کھانے پینے کا دور چلا اور اس کے بعد پیر صاحب واپس چلے گئے۔ میں نے بھی بڑی عقیدت سے اسے رخصت کیا۔ سریتا دیوی وہیں موجود رہیں اور ہوٹل کے معاملات سے نمٹتی رہی تھیں۔ میں جب وہاں سے چلنے لگا تو سریتا دیوی میری جانب بڑھیں اور بولیں۔

"مسٹر بابر علی۔" میں رک گیا تو انہوں نے کہا۔

"پیر صاحب نے آپ سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ ہمارے پیر صاحب بہت کم لوگوں کے بارے میں اتنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی محبت کی نظر آپ کی جانب ہے اور آپ اس سلسلے میں خوش نصیب انسان ہیں۔ ورنہ ایسے بزرگ بھلا کب کسی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ میں آپ کو اپنی جانب خوش آمدید کہتی ہوں۔ تھوڑا سا وقت ہمارے ساتھ گزاریئے۔" پھر بقیہ لوگ بھی منتشر ہوگئے۔ سریتا دیوی نے ایک میز پر مجھے دعوت دی اور میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ انہوں نے ایک مشروب منگوالیا اور اس کے گھونٹ لیتے ہوئے بولیں۔

"بابر علی صاحب! آپ کیا کرتے ہیں؟"

"بس سریتا دیوی جی! ایک آوارہ گرد ہوں۔ گھومتا پھرتا اس شہر میں نکل آیا ہوں۔ ویسے زمیندار ہوں۔ زمینوں کی آمدنی آتی ہے۔ لیکن فطرتاً زمیندار نہیں ہوں۔ گھومنا پھرنا، سیر و سیاحت میرا محبوب ترین مشغلہ ہے۔"

"خوش نصیب بھی، اور باکمال بھی، معمولی بات نہیں ہے کہ فطرت سے اس قدر اختلاف کیا جائے۔ چلئے اچھی بات ہے۔ آپ کے ساتھ کچھ اچھا وقت گزر جائے گا۔ ویسے واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پیر صاحب یعنی گلالی شاہ بڑے باکمال انسان ہیں۔ آپ ان کے آستانے پر ضرور چلئے۔"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ جو خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پورنی کے ذریعے مجھے بڑی اچھی زندگی مل سکتی تھی اور میں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ اس کائنات میں اپنا مقام پانے اور بنانے کے لئے جھوٹ

بولنا اور اداکاری کرنا پڑتی ہے۔ میں اگر تھوڑی سی کوشش کروں تو جو عزت اور جو تکریم اس وقت گلالی شاہ کو مل رہی ہے وہ مجھے بھی مل سکتی ہے۔ لوگوں کے مسائل جاننا اور ان میں دلچسپی لینا ایک دلچسپ مشغلہ ہوگا۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ سب کچھ پسند آیا تھا۔ بہرحال اس کے لئے تھوڑی سی اور بھی ضرورتیں تھیں۔ جب سریتا دیوی مجھ سے رخصت ہو کر چلی گئیں اور دوسرے دن انہوں نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تو میں بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ یہ چیز جو میرے لئے باعث دلچسپی تھی۔ آگے بڑھانے کے لئے مجھے کچھ عمل بھی کرنا تھا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد میں نے پورنی کو آواز دی۔ کافی دیر کے بعد پورنی میرے پاس پہنچی تھی۔ بھیانک شکل کی یہ چھوٹے سے قامت کی عورت خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"دیکھو۔ میں تمہاری نوکر نہیں ہوں کہ تم بار بار مجھے بلا لیا کرتے ہو۔ اپنا کام ایک بار بتا دیا کرو۔"

"پورنی! مگر تم لوگوں نے تو مجھے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ بھرپور تعاون کرو گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہر وقت تو ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ تمہارے لئے مجھے جاپ کرنا ہوگا اور جاپ کر کے تم میری بہترین ساتھی بن سکتی ہو۔"

"وہ الگ بات ہے۔"

"خیر چھوڑو۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج میں نے ایک عجیب وغریب شخص کو دیکھا۔ پیر گلالی شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی بڑی عزت و توقیر کی جاتی ہے۔ میں خود بھی ایسا ہی ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔ خیر میں یہ تو نہیں کہتا کہ ناگو بابا سے مجھے فوراً ملا دیا جائے لیکن۔"

"ایک منٹ.......... ایک منٹ.......... اس سلسلے میں تمہیں پورن وتی سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ وہ تمہیں ساری باتیں صحیح طریقے سے بتا سکتی ہے۔"

"تو پھر میں پورن وتی سے کہاں مل سکتا ہوں؟"

"میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گی۔ تم اس سے بات کر لینا۔ وہ تمہارا سارا کام کر دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ کم از کم اتنا تو کر دو تم کہ میری ملاقات پورن وتی سے کرا دو' میں اس سے معلومات کر لوں گا کہ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔" پورنی وہاں سے چلی گئی اور

میں سوچنے لگا کہ عجیب نخرے والی باتیں کرتی ہے یہ بدشکل بلا، جسے صحیح طریقے سے دیکھنے کو بھی جی نہ چاہے۔ بہرحال اب جو معلومات ہیں انہیں تو دیکھنا ہی ہوگا۔ چنانچہ میں انتظار کرنے لگا۔ رات کو کوئی تین بجے کا وقت تھا جب کسی نے میرا پاؤں جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ میں نے دیکھا تو وہ جادوگر بڑھیا میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ گیا تو اس نے کہا۔

"مجھے بلا کر خود سو گئے۔ کیسے انسان ہو تم؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا پورن وتی کہ تم اس وقت آؤ گی۔ خیر ٹھیک ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ تم آگئیں بہت اچھا کیا تم نے۔"

"کام کیا ہے؟"

"پورن وتی! ناگو بابا کی طرف سے میرے لئے کوئی خاص ہدایت تو نہیں ہے۔ اس لئے میں اپنی پسند سے باقی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھو! میں تمہیں ایک بات کہوں کہ وہ جو ناگو ہے۔ اپنا کھیل کھیل رہا ہے۔ ہر شخص اپنا اپنا کھیل کھیلتا ہے۔ ہمارے تیرہ ساتھی پورے ہونے تھے۔ ناگو کو تمہارے لئے انتظام کرنا تھا۔ اس نے تیرھویں شخص کی حیثیت سے تمہیں میرے پاس بھیج دیا اور تم ہماری مرضی کے مطابق نکلے۔ ہر معاملے میں تمہیں ناگو کا غلام ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کا اپنا اپنا ایک کام ہے۔ چھوڑو خیر اب یہ بتاؤ چاہتے کیا ہو۔"

"پورن وتی! میں ایک خاص زندگی کا تعین کر چکا ہوں اور اس کے لئے میں پورنی کو مکمل طور پر اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں۔ پورنی کے اندر وہ ساری کالی قوتیں موجود ہیں جو کالی شکتی کے بیروں میں ہوتی ہے۔ وہ کالی شکتی کی بیر ہے۔ تم اگر وہ شبد پورا کر لو گے تو یوں سمجھ لو کہ پورنی تمہاری بہت اچھی دوست بن جائے گی۔ اس سے پہلے وہ صرف ہمارے پنتھ کے لئے تو کام کر سکتی ہے۔ تمہارے ہر کام وہ نہیں آئے گی۔"

"میں وہ شبد جاننا چاہتا ہوں جس کا مجھے جاپ کرنا ہوگا۔" پورن وتی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"ایسے شبد ایسے تو نہیں بتائے جاسکتے۔ اگر تم کبھی اس بوڑھے گلالی شاہ کے پاس مقابلہ کرنے جاؤ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے تم۔ کیونکہ گلالی شاہ کے پاس بھی کچھ نہ کچھ علم تو ہوگا۔ میں نہیں جانتی کہ اس کا علم کیا ہے۔ یہ تو میں اپنے طور پر کہہ رہی ہوں لیکن اتنا

میں کہہ سکتی ہوں کہ تمہیں ابھی مقابلہ نہیں کرنا آتا۔"

"تو پھر وہ جاپ مجھے بتا دو تاکہ مجھے پورنی کی قربت حاصل ہو جائے۔"

"ایسے نہیں۔ یہی تو میں تم سے کہہ رہی تھی۔ جاپ جاننے کے لئے تمہیں ہماری خون کی دعوت کرنا ہوگی۔"

"خون کی دعوت؟ میں سمجھا نہیں۔"

"ہاں۔ خون کی دعوت۔ کسی ایک جیتے جاگتے تندرست انسان کو لے کر اس ویرانے میں پہنچ جاؤ جو تار گڑھی کہلاتا ہے۔ تار گڑھی کا پرانا شمشان جہاں پیلے رنگ کا بھوت پور ہاؤس بنا ہے۔ اس دعوت کے لئے اچھی جگہ ہے اور وہاں سارے پہنچ جائیں گے۔ کہو تو میں دعوت دے دوں سب کو۔"

"لیکن میں کسی کو کیسے لے کر آسکوں گا؟"

"یہ تمہارا کام ہے۔ جب بھی تم بھوت پور ہاؤس پہنچ کر ہمیں آواز دو گے ہم سب حاضر ہو جائیں گے اور اس کے بعد ہی تمہارا کام ہو سکے گا۔" میں خاصا پریشان ہو گیا تھا لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ پورن وتی تو چلی گئی لیکن مجھے گہری سوچوں میں چھوڑ گئی۔ کیا کرنا چاہئے مجھے۔ بھلا میں کسی کو کیسے لا سکتا تھا؟ کوئی مجرمانہ کام اس انداز میں تو آج تک نہیں کیا تھا۔ بہرحال خاصا غور کرتا رہا لیکن گلالی شاہ کو جس شان و شوکت کے ساتھ دیکھا تھا۔ اسے دیکھنے کے بعد دل میں یہ خیال پروان چڑھ گیا تھا کہ یہ زندگی بڑی دلچسپ اور دلکش ہے۔ اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ لوگ عقیدت سے میرے پاؤں چومیں گے۔ مجھ پر نذر نیاز واری کی جائیں گی۔ حسین عورتوں کے جھرمٹ میں رہوں گا۔ یہ زندگی اپنی جگہ ایک الگ حسن کی حامل ہوتی ہے۔ مجھے اس کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ شخص تو پھر بھی بوڑھا ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود زندگی کے عیش کر رہا تھا۔ میں نے تو ابھی جوانی کا آغاز ہی کیا تھا۔ جب اس طرف میرا کام ہو رہا ہے تو پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اِدھر اُدھر کی سوچوں' چنانچہ اس خیال نے تقویت پکڑی۔ عام نوجوانوں کی طرح میں بھی تن آسانی اور دولت کے حصول کے لئے سرگراں ہو گیا اور اس کے بعد میری سوچیں مسلسل میرے ذہن پر مسلط رہیں۔ کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ اسی سوچ میں وقت گزرتا رہا۔ میں مستقل طور پر اس خیال میں تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ مجھے یہ قوت حاصل کر لینی چاہئے۔ اس سے پہلے ان تمام لوگوں سے ملنا جلنا بھی بے کار ہے۔ دوسرے دن شری متی سریتا دیوی میرے پاس آگئیں اور انہوں نے

بڑے پیار بھرے انداز میں مجھ سے ملاقات کی۔ حالانکہ میری اور ان کی عمر میں زمین و آسمان کا فرق تھا لیکن اب میں دنیا سے اتنا ناواقف بھی نہیں تھا کہ کسی کے انداز کو نہ سمجھ سکوں۔ شری متی ناز بھرے انداز میں بولیں۔

"کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک لمحے کے اندر اندر دل کو بھا جاتے ہیں اور آپ بھی انہی میں سے ہیں بابر علی! رات بھر آپ کے بارے میں سوچتی رہی۔ آپ جیسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔"

"اچھا۔ میرے علم میں تو یہ بات نہیں تھی۔"

"ہائے۔ یہی تو ادا ہے۔ اپنے آپ سے اتنے ناواقف' اپنے آپ کو بھولے ہوئے۔ جبکہ اس سنسار میں لوگ کچھ ہوتے نہیں ہیں لیکن بہت کچھ بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیے۔ آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"کیا کریں گی۔ یہیں ٹھیک ہے۔"

"آپ میری دعوت کو رد کر رہے ہیں۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر چلئے نا میرے ساتھ۔" وہ دوپہر تک میرے ساتھ ہی رہی اور مجھے لے کر ہی ٹلی۔ چنانچہ دوپہر کو میں اس کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ بڑی نفاست بڑی شان و شوکت تھی۔ بہت سے ملازم تھے۔ میری کار میں بیٹھ کر تو وہ ایک دم سے سحر زدہ ہو گئی۔ راستے میں اس نے کہا۔

"یہ کار آپ نے امپورٹ کی ہے؟"

"بس یہی سمجھ لیجئے۔"

"اتنی شاندار' اتنی قیمتی کار' میں سمجھتی ہوں کہ صدر امریکہ کے پاس بھی نہ ہوگی۔" میں ہنس کر خاموش ہو گیا۔ سریتا دیوی کو میرے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ بہرحال وہ بڑی عزت و احترام کے ساتھ میرے ساتھ پیش آئیں۔ بڑی محبت کا اظہار کیا انہوں نے اور میں دلچسپی سے وہاں کے ماحول کو دیکھتا رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا بڑا پُرتکلف تھا۔ انہوں نے کھانے کی میز پر مجھ سے کہا۔

"بابر علی جی! گزرنے والا ہر لمحہ آپ کو مجھ سے قریب لا رہا ہے اصل میں شاہ گلالی ایسے ہی پہنچے ہوئے انسان ہیں۔ دوستیاں بھی کراتے ہیں تو کیسے لوگوں سے' چلیں گے آپ؟"

"ہاں ہاں، لیکن ابھی نہیں۔"

"جب آپ کا دل چاہے لیکن ہم سے ضرور ملتے رہیے۔ ویسے اتنی قیمتی اور شاندار کار کو آپ خود کیوں ڈرائیو کرتے ہیں۔ ایک بہت اچھے ڈرائیور کی ضرورت ہے اس کار کے لئے۔ آپ کی شان و شوکت تو بالکل الگ ہے۔"

"ڈرائیور بھی رکھ لیں گے۔"

"رکھ لیں گے نہیں میں آپ کو ڈرائیور دیتی ہوں۔ چلو ذرا کرم داس کو بلاؤ۔" انہوں نے ایک ملازم کو کہا۔

"ارے نہیں نہیں پھر سہی۔"

"نہیں جناب! آپ بے فکر رہئے اسے کوئی تنخواہ نہیں دینی پڑے گی آپ کو یہ تو صرف آپ کی خدمت کرے گا۔" انہوں نے اس طرح اصرار کیا کہ مجھے خاموش ہونا پڑا۔ بہرحال جب ان کے ہاں سے واپسی ہوئی تو کرم داس ہی گاڑی چلا کر لایا تھا۔ وہ واقعی ایک بہت اچھا ڈرائیور تھا۔ سریتا دیوی کی مہربانی اور محبت میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ ضرورت سے زیادہ توجہ دے رہی تھی مجھ پر، دوسرا دن، تیسرا دن بھی گزر گیا۔ سریتا دیوی خود ہوٹل آدھمکتیں۔ دو بار وہ میرے ساتھ سیر کے لئے نکلی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دل وجان سے مجھ پر فریفتہ ہوگئی ہو۔ تیسرے دن دوپہر کو بارہ بجے کا وقت تھا۔ میں سریتا دیوی سے آج معذرت کرچکا تھا اور میں نے کہا تھا کہ مجھے کچھ کام ہیں۔ ذہن میں یہ خیال تھا کہ کسی مناسب جگہ تھوڑا سا وقت تنہائی میں گزاردوں گا۔ یہ عورت تو مجھ پر اس طرح مسلط ہوگئی تھی کہ دوسری کوئی بات سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ چنانچہ میں نے کرم داس سے کہا کہ وہ مجھے لے کر کسی ایسی جگہ چلے جہاں کا ماحول سنسان ہو۔ میں تنہائی میں تھوڑا سا وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ کرم داس نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"سرجی! ساحل سمندر پر چلوں۔"

"جیسا تمہارا جی چاہے۔" میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کرم داس نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔ کرم داس خاموشی سے سامنے نگاہیں جمائے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور میں پرخیال نگاہوں سے سڑک کو دیکھ رہا تھا پھر میری گردن مڑی اور میں نے کرم داس کو دیکھا جو بڑے اطمینان سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ یہ میری نگاہ کرم داس کی موٹی گردن پر جم گئی۔ اس کی شہ رگ پھولی ہوئی تھی۔ ویسے بھی انتہائی تندرست آدمی تھا اور اچھا خاصا ہٹا کٹا۔ اس کے بدن میں خون کی روانی بڑی شدت سے جاری تھی اور میرے

ذہن پر ایک عجیب سا سناٹا طاری ہوگیا تھا۔ بھوت پور ہاؤس، تار گڑھی، شمشان گھاٹ، خون کی دعوت.......... کسی کو لے کر آؤ.......... خون کی دعوت کرو.......... پھر وہ شبد تمہیں بتایا جائے گا جس کا تمہیں جاپ کرنا ہے اور اس کے بعد کالی شکتی تمہاری مٹھی میں ہوگی۔ پھر شاہ گلالی کیا اچھے اچھے تمہارے چرنوں کے دھول ہوں گے۔ کرم داس.......... کرم داس.......... کرم داس اور میرے ذہن پر شیطان کا بسیرا ہوگیا۔ میں نے کرم داس سے کہا۔

"کرم داس کبھی تار گڑھی گئے ہو؟"

"ہاں سرجی! گیا ہوں۔ اصل میں یہ راستہ اسٹیل کارپوریشن کی طرف جاتا ہے۔ کچھ عرصے میں نے اسٹیل کارپوریشن میں کام کیا ہے۔ پر صاحب جی وہاں بوائلر پر کام کرتے ہوئے صحت خراب ہوجاتی ہے اور مجھے اپنی صحت کا بہت خیال رہتا ہے۔ اس لئے میں نے وہاں سے نوکری چھوڑ دی۔"

"تار گڑھی سے ایک راستہ بھوت پور ہاؤس کو جاتا ہے۔"

"بھوت پور ہاؤس! یہ کون سی جگہ ہے؟"

"تار گڑھی سے بائیں طرف تم نے شمشان گھاٹ دیکھا ہے؟"

"ہاں۔ ہمارا تاؤ مرا تھا تو ہم اسے وہیں جلانے لے گئے تھے۔" کرم داس نے جواب دیا۔

"وہاں۔ تھوڑا سا کام ہے۔ مجھے چلنا ہے اُدھر۔"

"چلئے صاحب جی! ویسے وہ علاقہ بڑا سنسان ہے۔ کبھی کبھی وہاں لوٹ مار بھی ہوجاتی ہے۔ اِدھر کوئی پولیس چوکی تو بالکل نہیں ہے۔ خیر چھوڑیں ہمیں اس سے کیا۔ چلتے ہیں اُدھر۔" کرم داس نے پُراعتماد لہجے میں کہا لیکن میرے ذہن میں شیطان گردش کر رہا تھا۔ اس وقت میں ایک سفاک اور بے رحم درندہ تھا۔ اور کوئی احساس میرے دل میں باقی نہیں رہا تھا۔ بس میں یہ سوچ رہا تھا کہ خون کی دعوت کردوں اور اس کے بعد کالی شکتی حاصل کرلوں۔ سفر جاری رہا۔ اسٹیل کارپوریشن کا علاقہ آگیا۔ ہمیں اس سے آگے جانا تھا۔ کرم داس اس علاقے کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ ایک جگہ پہنچنے کے بعد اس نے کہا۔

"سر.......... وہ جو سامنے جھونپڑے نظر آرہے ہیں آپ کو، وہ تار گڑھی کی آبادی ہے۔ شمشان اس طرف سے ہے لیکن ہمیں کچے راستے پر نیچے اترنا ہوگا۔ کیا آپ کچے

راستے پر جانا پسند کریں گے۔ اصل میں اس گاڑی کے تو جتنے ناز نخرے نہ اٹھائے جائیں تو کم ہے۔ میں تو اس کے اسٹیرنگ کو پکڑتے ہوئے اپنے ہاتھ خوب صاف کرتا ہوں کہ کہیں اسٹیرنگ پر میرے ہاتھوں کا دھبہ نہ لگ جائے۔"

"چلو۔" میں نے جواب دیا اور کرم داس نے گردن ہلادی۔ سڑک سے نیچے اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ گاڑی اتار دی۔ ڈھلان تک صحیح نہیں تھی لیکن بہرحال اونچے نیچے ناہموار راستے پر بھی یہ شاندار گاڑی چلتی رہی اور یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ گاڑی میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر کالی شکتی مجھے حاصل ہوجائے تو پھر ایسی ہزاروں گاڑیاں میرے آگے پیچھے گھومیں گی۔ کرم داس احتیاط سے گاڑی چلاتا رہا البتہ میں نے اس سے اور کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ اس وقت میری آنکھیں صرف کرم داس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان تین دنوں میں یہ آدمی بہت اچھا ثابت ہوا تھا۔ میں خاموشی سے سامنے دیکھتا رہا پھر تھوڑے سے فاصلے پر کچھ لوگ نظر آئے۔ ایک ارتھی اٹھائے ہوئے بائیں سمت سے چلے آرہے تھے۔ میں نے کرم داس سے کہا۔

"یہ لوگ کہاں سے چلے آرہے ہیں؟"

"سرکار! آس پاس ہی کسی بستی کے لوگ لگتے ہیں۔" میں گردن جھکا کر خاموش ہوگیا۔ گاڑی شمشان گھاٹ سے آگے بڑھ گئی۔ بھوت پور ہاؤس عجیب وغریب نام تھا۔ میرے لئے بالکل اجنبی جگہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پُراسرار کھنڈر نما عمارت مجھے نظر آئی۔ جہاں پہنچنے کی مجھے ہدایت کی گئی تھی۔ کرم داس سیدھا سادھا آدمی تھا۔ کہنے لگا۔

سرکار' ادھر کیوں آئے ہیں؟" کرم داس کے لہجے میں ایک ہلکے سے خوف کا احساس تھا۔ میں اب برائی کے ہر دور سے گزر چکا تھا۔ جھوٹ دنیا کی سب سے بری چیز ہے لیکن جب انسان ایک برائی کو اپنا لیتا ہے تو برائیاں اس پر بے اثر ہوجاتی ہیں اور وہ ان کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ مجھے بھی جھوٹ بولنے میں کوئی دقت نہیں محسوس ہورہی تھی۔ میں نے کہا۔

"آؤ۔ کرم داس میں تمہیں اپنا خزانہ دکھاؤں۔"

"خزانہ؟" کرم داس کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"ہاں۔ میں تمہیں اپنا رازدار بنانا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنا خزانہ اس کھنڈر میں چھپا رکھا ہے۔ آئندہ جب بھی کبھی مجھے کوئی ضرورت پیش آئی تو تم یہاں آکر اس خزانے میں سے کچھ لے کر میرے پاس آؤ گے۔ لیکن خبردار! میں دنیا کا ہر عیش تمہارے لئے مہیا

کردوں گا۔ بے ایمانی کبھی مت کرنا۔" کرم داس ہونق سا ہوگیا۔ جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا ہو۔ میرے الفاظ نے اس پر سحر طاری کر دیا تھا۔ کسی اجنبی شخص کے لئے واقعی یہ حیران کن بات تھی کہ کوئی ایک دم اس پر اتنا اعتماد کرے کہ ویرانوں میں چھپا ہوا اپنا کوئی خزانہ اسے دکھا دے۔ کرم داو نے دل ہی دل میں تو مجھے پاگل سمجھا ہوگا۔ یا پھر بات اس کی سمجھ میں ہی نہیں آئی ہوگی لیکن اس وقت میرے اوپر شیطانی قوتیں مکمل طور پر حاوی تھیں۔ جنہوں نے مجھے ہر طرح کی سوچ سے بے نیاز کر دیا تھا۔ میں ان کھنڈرات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ تاحد نظر ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ یہ جگہ شمشان گھاٹ سے کافی آگے تھی اور شمشان گھاٹ پر جو لوگ ارتھی کو لے کر آئے تھے وہ یہاں تک آنے کے بارے سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ کرم داس کسی عظیم الشان خزانے کو دیکھنے کے چکر میں میرے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اور ہم اس ٹوٹے کھنڈر کے مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ مجھے اصل میں کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں میں اپنا کام کرسکوں اور یوں لگا جیسے وہ جگہ میرے مقصد کے لئے ہی بنائی گئی ہو۔ ایک چھوٹی سی چوکی تھی۔ جس میں چار ستون نظر آرہے تھے۔ ان ستونوں کا فاصلہ ایک دوسرے سے بہت زیادہ نہیں تھا۔ چوکی کے اوپر چھت تھی۔ پتھر کی ایک بڑی سی سل جس کے اوپر چڑھنے کے لئے بہت سی سیڑھیاں طے کرنا پڑتی تھیں۔ پھر سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ وہاں پر رسی کا ایک لچھا نظر آرہا تھا۔ نائیلون کی مضبوط رسی۔ ایک لمحے کے اندر میرے ذہن میں سب کچھ آگیا۔ حالانکہ ایک نئی اور عمدہ رسی کا وہاں موجود ہونا ہی حیرت انگیز بات تھی لیکن میں جانتا تھا کہ پُراسرار قوتیں میرے ہر عمل سے واقف ہیں لیکن اب کرم داس کچھ خوفزدہ سا نظر آرہا تھا اس نے کہا۔

"سرکار! میرا یہاں دل گھبرا رہا ہے جو کام بھی کرنا ہے وہ آپ جلدی سے کرلیں اور یہاں سے واپس چلیں۔"

"فکر کیوں کرتے ہو کرم داس! ابھی دیکھو کیا حیران کن منظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔" کرم داس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ہُو کا عالم' گہرا سناٹا۔ میں اب اپنا کام کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا اور یہ جگہ میرے لئے انتہائی مناسب تھی۔ میں نے شیطانی انداز میں مسکراتے ہوئے کرم داس سے کہا۔

"کرم داس وہ دیکھو۔ تمہیں ایک ستارہ چمکتا ہوا نظر آئے گا۔" کرم داس نے میرے اشارے کی طرف گردن گھمائی اور دوسرے لمحے میرا زوردار گھونسہ اس کی گردن

کی پشت پر پڑا۔ حالانکہ کرم داس خود ایک تندرست و توانا انسان تھا۔ اس کی یہ تندرستی اور توانائی ہی اس کے لئے مصیبت کا باعث بنی تھی لیکن اس وقت نہ جانے میرے غصے میں کتنی قوت تھی کہ وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے پورے جسم پر کپکپاہٹ طاری ہوگئی تھی اور یہی موقع میرے لئے کار آمد تھا۔ میں نے رسی کا لچھا اٹھایا اور اس کا سرا تلاش کرکے کرم داس کی کلائی میں باندھ دیا۔ کرم داس غالباً بری طرح چکرا گیا تھا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس کے سرے کو سکون سے باندھ کر میں نے جیب سے وہ خوفناک چاقو نکالا جو میں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے لے کر آیا تھا۔ پھر اس کو درمیان سے کاٹ کر میں نے اس کا دوسرا سرا اس کے ہاتھ کی کلائی میں باندھا اور کرم داس کو الٹ دیا یعنی اب وہ چت ہوگیا تھا۔ پیروں کی طرف سے میں نے اسے پوری قوت سے اٹھایا تھا اور پلٹ دیا تھا۔ دوسرے سروں کو بھی سکون سے باندھا اور پھر اس کے دونوں پاؤں بھی اسی انداز میں باندھ دیئے۔ کرم داس ہوش میں تھا لیکن کچھ ایسی کیفیت کا شکار تھا کہ مدافعت نہیں کرپا رہا تھا جبکہ میرا کام مکمل ہوچکا تھا۔ رفتہ رفتہ کرم داس ہوش میں آگیا اور اس نے ایک جھرجھری سی لی پھر میری صورت دیکھنے لگا۔ ایک لمحے کے اندر اندر اس کے حواس جاگے تو اس نے جدوجہد شروع کردی۔ پھر اس کے حلق سے دھاڑیں نکلنے لگیں۔ وہ رو رہا تھا چیخ رہا تھا' گڑگڑا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"سرکار یہ کیا کیا آپ نے' ایسا کیوں کردیا سرکار۔ ہم تو غلام ہیں آپ کے۔ کھول دیجئے کھول دیجئے ہم کو سرکار۔" لیکن میرے کان جیسے بند ہوچکے تھے۔ ان میں ایک ہلکی ہلکی سرسراہٹ ہو رہی تھی۔ یہ آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا تو رہی تھیں لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی فلم دیکھ رہا ہوں اور اس منظر کا تعلق مجھ سے نہ ہو۔ ہلکی ہلکی سرسراہٹیں مجھے چاروں طرف سنائی دے رہی تھیں۔ پھر میں نے نہ جانے کس جذبے کے تحت کہا۔

"میرے مہمانو آجاؤ۔ میں نے تمہارے لئے انتظام کرلیا ہے۔"

☆------☆------☆

اور سرسراہٹیں، جیسے میری اس آواز کے پیچھے سے رکیں۔ مجھے ایک دم قدموں کی بے شمار آوازیں سنائی دیں اور پھر میرے علاوہ بارہ افراد کھنڈر کے کونوں کھدروں سے باہر نکل آئے۔ ایک سے ایک بھیانک شکل و صورت کا مالک۔ ایک سے ایک خوفناک شخصیت۔ کرم داس کی آواز بند ہوگئی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ ان کھلی

ہوئی آنکھوں سے ان خوفناک صورتوں کو دیکھ رہا تھا۔ پورن وتی آگے بڑھی اور اس نے کہا۔

"تو تم نے انتظام کر ہی لیا ہماری دعوت کا۔ چلو اب دیر نہ کرو۔" میں نے چاقو کی دھار دیکھی' آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور پھر میں نے کرم داس کے نرخرے پر یہ چاقو پھیر دیا۔ توانا خون پھوار کی شکل میں بلند ہوا تو وہ سب اس طرح اس پر دوڑ پڑے جیسے کسی رسی سے بندھے ہوئے ہوں اور اچانک کھل گئے ہوں۔ میں نے انہیں افراتفری کے عالم میں کرم داس کے جسم کو بھنبھوڑتے ہوئے دیکھا۔ خون دیکھتے ہی وہ دیوانے ہوگئے تھے۔ وہ چھوٹی سی پورنی بھی اس خون سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ان سب کے چہرے خون میں رنگ گئے تھے۔ بات صرف یہیں تک نہ رہی۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کرم داس کے باقی جسم کو بھی کھول دیا اور دل' کلیجہ' پھیپھڑے' آنتیں سب باہر نکال لئے۔ میں خود بھی ندیدوں کے سے انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا لیکن پتہ نہیں کیوں میرے قدم آگے نہ بڑھے۔ حالانکہ میرے دل میں بھی ایک عجیب سی خواہش جنم لے رہی تھی۔ ایک بار پھر وہی نمک چکھوں جس کا ذائقہ بڑا عجیب ہوتا ہے۔ بہت ہی دلکش لیکن وہ سب کے سب اس طرح لاش پر چپکے ہوئے تھے کہ مجھے موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ میں کھڑا انہیں دیکھتا رہا اور کچھ ہی لمحوں کے اندر انہوں نے کرم داس کا پورا وجود صاف کردیا۔ اس کے بدن کی مضبوط ہڈیاں جن میں کہیں کہیں گوشت چپکا تھا۔ اِدھر اُدھر بکھر گئی تھیں اور لمحوں کے اندر اندر وہ سب اسے چٹ کر گئے تھے۔ پھر پورن وتی نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا اور وہ بولی۔

"اب میں تمہیں وہ شبد بتاتی ہوں جس کا تمہیں جاپ کرنا ہے۔ پورنی تمہاری خدمت کے لئے تیار ہے' دیکھ رہے ہو نا اسے۔ ابھی یہ ایک خوفناک بھوتنی ہے لیکن اس کے بعد یہ کیا ہوجائے گی یہ دیکھ کر تم حیران ہوجاؤ گے۔" پھر اس نے ان لوگوں سے کہا۔

"اب مقدس رسم ادا کی جارہی ہے۔ تمہیں خاموش ہوجانا چاہئے۔" اور بھوت پور ہاؤس پر گہرا سناٹا طاری ہوگیا۔ وہ سب پتھرا گئے تھے۔ پورن وتی سیدھی خاموش کھڑی ہوئی تھی اور اس کے بعد اس کے منہ سے ایک جملہ نکلا۔ جو ایک عجیب و غریب زبان میں تھا اور مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ پورن وتی نے تین بار وہ جملہ میرے سامنے دہرایا اور بولی۔

"یہی جگہ' یہی کھنڈر' خاموش سناٹا' تین دن تک تمہیں بھوکا پیاسا رہ کر اس جملے کا

جاپ کرنا ہوگا اور اس کے بعد تم پورنی کے مالک بن جاؤ گے۔" میں نے یہ نئی شرط سنی اور حیران رہ گیا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد میں نے پورن وتی سے کہا۔

"مگر میں تین دن تک بھوکا پیاسا کیسے رہ سکوں گا؟"

"کوئی سوال نہیں کوئی جواب نہیں جس وقت سے جاپ کا آغاز کرو۔ اس سے تین راتیں اور تین دن کا تعین کرلو۔ ہر کام کو کرنے کے لئے محنت کرنا ہوتی ہے۔ تمہیں یہ سب کچھ کرنا ہوگا۔ چلو۔" اس نے باقی لوگوں سے کہا اور وہ سب کے سب جواب کا انتظار کئے بغیر واپسی کے لئے مڑ گئے۔ اس کے بعد وہی ہوا جس کی مجھے توقع تھی۔ یعنی یہ کہ وہ سب آنکھوں سے اوجھل ہوگئے تھے۔ اب میرے سامنے صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔ جو مظلومیت کی پکار تھا لیکن میں آنکھیں بند کرکے وہاں سے واپس پلٹ پڑا اور تھوڑے فاصلے پر جاکر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے مجھے میری کار نظر آرہی تھی جسے کرم داس ڈرائیو کرکے یہاں تک لایا تھا۔ بیچارہ کرم داس پتہ نہیں اسے مرنا چاہئے تھا یا نہیں' لیکن بہرحال انسان اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے نہ جانے کیا کیا کچھ کر ڈالتا ہے اور میں تو اب برائیوں کی آخری حد کو چھو چکا تھا۔ بہت دیر کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ جب اس دشت میں قدم رکھ دیا ہے تو پھر سب کچھ کرنا ہی ہوگا۔ پورنی کی قوتیں میں دیکھ چکا تھا۔ اگر وہ میری غلام بن جائے تو پھر تو کیا ہی بات ہے۔ بہرحال میں تیار ہوگیا۔ تمام چیزیں بھلا کر میں نے ایک جگہ منتخب کی۔ یہ بھی ویسی ہی ایک چوکی تھی لیکن اندرونی حصے میں تھی۔ میں وہ جاپ یاد کرنے لگا جس کے مفہوم کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بس ایک بکواس تھی جو مجھے کرنی تھی۔

میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور پھر میں نے سوچا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں پالتی مار کر وہیں بیٹھ گیا اور اس کے بعد میں نے وہ الفاظ دہرانا شروع کردیئے۔ بہت دیر تک وہ الفاظ دہراتا رہا۔ زبان سوکھ گئی۔ حلق میں کانٹے پڑ گئے' پیاس لگ رہی تھی لیکن میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوسکتا ہوں۔ میں جاری رہا اور وقت گزرتا رہا۔ میں نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھ کر یہ جاپ شروع کیا تھا تاریخ بھی سامنے ہی نظر آرہی تھی بہرحال میں نے آنکھیں بند کرلیں اور مدھم مدھم آواز میں وہ جاپ دہراتا رہا۔

پھر کوئی بڑا سا پتھر یا اینٹ کہیں نیچے گری تھی جس نے مجھے نیم خوابیدگی سے چونکا دیا۔ اِدھر اُدھر دیکھنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ میں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ کچھ بھی نہیں

تھا۔ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی پھر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھا تو چونک پڑا اس وقت سے میں نے جاپ کا آغاز کیا تھا گھڑی کی سوئیاں اس وقت بھی اس جگہ پر تھیں۔ کیا گھڑی بند ہوگئی میں نے سوچا اور سیکنڈ بتانے والی سوئی پر نگاہیں جمادیں۔ سوئی چل رہی تھی لیکن دوسری چیز جو میں نے دیکھی وہ میرے لئے ناقابل یقین تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریخ دیکھنے لگا۔ یہ تاریخ تین دن آگے کی تھی۔ یعنی میں نے سات تاریخ کو جاپ کا آغاز کیا تھا اور اس وقت یہ دس کے ہندسے پر تھی۔ یہ کیا ہوگیا؟ میں نے تو ابھی اس جاپ کا آغاز کیا ہے۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ کیسے ہوا۔ کیا یہ بھی کوئی جادوئی عمل ہے۔ مجھے بھٹکایا گیا ہے دھوکا دیا گیا ہے۔ میری شاندار گھڑی مجھے دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔ ہر چیز کو محسوس کیا بھوک لگ رہی ہے۔ پیاس کا احساس بھی ابتدا میں ہوا تھا اور اب پیاس بھی نہیں لگ رہی تھی۔ سوئی بدستور چل رہی تھی سوچوں کی وجہ سے جاپ تو ختم ہوگیا تھا لیکن عقل ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ بہت دیر تک پریشانی کے انداز میں خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ یہاں سے طبیعت کچھ اکھڑ گئی تھی اور ذہن بھٹک گیا تھا۔ یہ وقت کیوں رک گیا ہے۔ گھڑی کی سوئیاں چل رہی ہیں۔ لیکن وقت بھی وہی ہے پھر گھڑی ایک منٹ آگے بڑھ گئی۔ دو منٹ' تین منٹ' یہ غلط ہے اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا تین دن پورے ہو گئے۔ لیکن ایسا کیسے ہوسکتا ہے کوئی عقل کی بات ہے ساری باتیں مافوق الفطرت تو نہیں ہو سکتیں۔ میری کیفیت بھی یہ نہیں بتا رہی تھی کہ میں تین دن یہاں گزار چکا ہوں۔ بہرحال میں سوچتا رہا اب یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ یہاں بیٹھا رہوں یا کسی طرح سے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں کہ میری گھڑی کو کیا ہوگیا ہے اور آخر کار یہی فاصلہ طے کرتا ہوا اپنی کار تک پہنچ گیا۔

کار پر ہلکی ہلکی گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی لیکن یہ بھی کوئی ایسا ثبوت نہیں تھا جو میرے لئے سکون کا باعث بن سکے۔ ظاہر ہے کار اتنا فاصلہ طے کرکے یہاں تک آئی تھی پھر ایک دم کچھ اور خیال آیا اور میں برق رفتاری سے واپس پلٹا۔ میں نے اس چوکی پر جاکر اس ڈھانچے کو دیکھا جو کرم داس کا تھا۔ ڈھانچے پر گوشت کے جو ٹکڑے چپکے ہوئے تھے وہ سوکھ گئے تھے۔ جو خون کی بوندیں آس پاس پڑی تھیں وہ بھی بالکل سوکھ گئی تھیں۔ ان سے تین دن گزر گئے تھے اور میری تجربے کار نگاہیں کم از کم اس بات کا اندازہ ضرور لگا سکتی تھیں کہ گھنٹے دو گھنٹے یا چار گھنٹے کسی انسانی جسم یا ایسے گوشت کا یہ حال نہیں ہوگا۔ تو

کیا تین دن گزر گئے۔ ہو سکتا ہے ہو سکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔ میں کار کے اسٹیئرنگ پر جا بیٹھا اور میں نے کار اسٹارٹ کر کے وہاں سے واپس موڑ دی۔ میں عجیب سے بھٹکے بھٹکے انداز میں چل رہا تھا۔ شمشان گھاٹ کے پاس سے گزرا تو مجھے کچھ لوگ نظر آئے جو ایک چتا جلا رہے تھے۔ مجھے کچھ خیال آیا اور میں وہاں رک گیا۔ گاڑی سے اتر کر میں ان لوگوں کے پاس جا کھڑا ہوا۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ میں کریا کرم میں حصہ لینے کے لئے آیا ہوں۔ اب شکل وصورت سے یہ اندازہ تو نہیں ہو رہا تھا کہ میں ہندو ہوں یا مسلمان۔ میں نے موقع پا کر ان میں سے ایک آدمی سے پوچھا۔

"بھائی صاحب! آج کیا تاریخ ہے؟"

"دس تاریخ ہے۔" اس نے مغموم لہجے میں کہا۔ مجھے یہ بات اچھی طرح یاد تھی کہ جس دن میں یہاں آیا تھا اس دن سات تاریخ تھی۔ تین دن گزر گئے۔ آہ یہ تو بڑا عجیب ہوا۔ تین دن گزر گئے اور مجھے پتہ تک نہیں چلا۔ میری جسمانی قوتیں جوں کی توں ہیں۔ سب کچھ ایک لمحے کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ میں کار میں بیٹھ کر واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میری کار ہوٹل میں داخل ہو گئی۔ ابھی تک مجھ پر حیرانی کا بھوت سوار تھا۔ بہرحال میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے غسل خانے میں جا کر غسل کیا اور لباس تبدیل کیا۔ پھر ویٹر کو بلایا۔ سیدھا سادھا ویٹر آ گیا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

"آج کیا تاریخ ہے؟"

"دس تاریخ ہے صاحب۔"

"تمہاری ڈیوٹی کب سے ہے یہاں؟"

"اس وقت تو ہماری ہی ڈیوٹی ہوتی ہے صاحب! آپ نے ہمیں پہچانا نہیں کیا؟"

"نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ذرا الجھن میں تھا۔ تمہارے خیال میں میری کتنی دیر کے بعد یہاں واپسی ہوئی ہے؟"

"صاحب آپ تین دن سے نہیں آئے۔ ہم سب سوچ رہے تھے آپ کے بارے میں۔"

"ہاں۔ بس اتفاقیہ طور پر چلا گیا تھا۔ کوئی خاص بات؟"

"سریتا دیوی کئی بار آ چکی ہیں۔ بار بار آپ کو پوچھ چکی ہیں۔"

"اوہو۔ اچھا اچھا۔"

"کہہ گئی تھیں کہ آپ جب بھی واپس آئیں میں آپ کو اطلاع دے دوں کہ آپ

انہیں فون کر دیں۔"

"نمبر دے گئی ہیں اپنا؟"

"ہاں۔" اس نے کہا اور جیب سے ایک چٹ نکال کر میرے سامنے کر دی۔

"شکریہ ویٹر۔" میں نے اسے ایک نوٹ دیتے ہوئے کہا اور وہ گردن جھکا کر سلام کرتا ہوا چلا گیا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سوچنے لگا کہ جادوئی عمل شروع ہو چکا ہے۔ تین دن تین لمحوں کی طرح میرے اوپر سے گزر گئے۔ مجھے پتہ بھی نہیں چلا' اب آگے کیا ہو گا' ذرا غور کرنا پڑے گا' بہرحال جو کچھ بھی ہو گا اس کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔ واقعات جس طرح گزر رہے تھے اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ زندگی میں کوئی بہت ہی نمایاں تبدیلی پیدا ہونے والی ہے۔ بھوک لگ رہی تھی ویٹر سے کھانے کے لئے کچھ منگوایا اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور میں نے ریسیور اٹھا لیا دوسری طرف سے آنے والی آواز کو ایک لمحے میں پہچان لیا تھا۔ سریتا دیوی ہی تھیں۔

"جی سریتا دیوی۔ میں بابر علی بول رہا ہوں۔"

"اوہ مائی گاڈ آپ واپس آ گئے۔ پلیز! میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ تھوڑی دیر میرا انتظار کیجئے۔ میں فوراً پہنچ رہی ہوں۔ کہیں جانے کا ارادہ تو نہیں ہے آپ کا؟"

"بالکل نہیں سریتا دیوی آپ تشریف لائیے۔"

"اوکے میں آ رہی ہوں۔" سریتا دیوی نے کہا اور پھر اس نے فون بند کر دیا۔ اس کے لہجے کی بے چینی مجھے احساس دلا رہی تھی کہ کرم داس کا معاملہ سنگین نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ بہرحال سریتا دیوی نے پہنچنے میں واقعی دیر نہیں لگائی تھی۔ ویٹر برتن اٹھا کر لے گیا تھا اور جیسے ہی وہ باہر نکلا باہر ہلکی سی دستک ہوئی اور اس نے آنے والے کو اندر طلب کر لیا۔ سریتا دیوی فوراً ہی اندر آ گئی تھیں۔ وہ میرے چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ! نیچے آپ کی کار کھڑی ہوئی ہے لیکن کرم داس موجود نہیں ہے۔"

"کرم داس؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟" میں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا اور سریتا دیوی کا چہرہ عجیب سی کیفیت اختیار کر گیا۔

"کرم داس میرا وہ ڈرائیور جو میں نے آپ کو دیا تھا۔"

"کیا وہ گھر پر نہیں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ نہیں تھا؟"

"نہیں۔ سریتا دیوی! میں تو تین دن کے بعد واپس آیا ہوں۔ مجھے اپنے کسی کام سے جانا تھا۔ آپ کا ڈرائیور میرے ساتھ جانے کے لئے تیار تھا لیکن میں نے اس سے کہا کہ میری واپسی دیر سے ہوگی۔ وہ واپس جاسکتا ہے جب میں آؤں گا تو آپ کو فون کرکے اسے طلب کرلوں گا۔"

"آپ........ آپ کیا آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں؟" سریتا دیوی کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔

"جھوٹ بولنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ میں تو آپ کے ان الفاظ پر خود حیران ہورہا ہوں۔ بھلا اس میں جھوٹ بولنے کی بات ہی کیا تھی؟" سریتا دیوی خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار نظر آرہے تھے؟ پھر اس نے کہا۔

"آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتے ہیں؟"

"سریتا دیوی! مجھے آپ کے رویے پر سخت حیرانی ہے۔ ہم لوگ بے شک ایک دوسرے کو بہت زیادہ نہیں جانتے لیکن آپ کو اس بات کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور ہوچکا ہوگا کہ میں کس طرح کا انسان ہوں۔ ایک بہت ہی عجیب موضوع پر بات کررہے ہیں ہم لوگ۔"

"میں جانتی ہوں اچھی طرح جانتی ہوں۔ مگر میں کیا کروں یہ تو میری بات کی تصدیق ہورہی ہے آپ پلیز مجھے تھوڑا سا وقت دے دیجئے۔"

"سریتا دیوی! کیا چاہتی ہیں آپ؟"

"میرے ساتھ چلیں گے۔"

"کہاں؟"

"شاہ گلالی تک۔ وہ بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کرم داس سے آپ شاہ گلالی تک کیسے آگئیں؟"

"پلیز۔ اگر آپ میری یہ الجھن دور کردیں تو میں زندگی بھر آپ کا احسان مانوں گی۔"

"کب چلنا ہے؟"

"بس ابھی تھوڑی دیر کے بعد۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔" میں نے کہا پھر کچھ دیر کے بعد میں سریتا کے ساتھ چل پڑا۔ کار اس وقت میں خود ڈرائیو کررہا تھا سریتا میرے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ اپنی کار میں آئی تھی اور اس کی کار کا ڈرائیور کار لے کر ہماری کار کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ اس کے بارے میں اس نے بتا دیا تھا کہ شاہ گلالی کا آستانہ کافی فاصلے پر تھا اور ذرا آبادی سے ہٹ کر تھا۔ ایک ایسی آبادی جہاں اعلیٰ درجے کے لوگ رہتے ہیں لیکن یہ آستانہ بالکل اس آبادی سے ہٹ کر بنا ہوا تھا البتہ اس کی شان دیکھنے کے قابل تھی۔ پکی سڑک ایک عمارت تک گئی تھی اور سفید رنگ کی یہ عمارت کافی خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ کار اس کے وسیع و عریض لان پر جاکر رک گئی۔ خدام سفید لباس پہنے ہوئے ادھر ادھر آجارہے تھے۔ شاہ صاحب نے اچھا خاصا کام دکھا رکھا تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ سریتا دیوی میرے ساتھ تھی جب ہم کار سے اترتے ہوئے سیڑھیاں عبور کرکے بڑے سے چبوترے پر پہنچے تو اندر سے دو افراد باہر نکل آئے اور انہوں نے سریتا دیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا شان ہے ہمارے گلالی شاہ کی۔ بیٹھے ہوئے تھے گردن جھکائے کچھ سوچ میں ڈوب رہے تھے اچانک گردن اٹھا کر بولے کہ قاسم جاؤ ذرا ہماری سریتا آرہی ہے۔ اسے احترام سے اندر لے آؤ۔"

"میں جانتی ہوں شاہ جی! مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔" سریتا دیوی نے کہا ہم اندر داخل ہوگئے۔ ایک وسیع و عریض کمرے میں ایک انتہائی موٹا ایرانی قالین بچھا ہوا تھا جس کے چاروں طرف تکیے لگے ہوئے تھے۔ سامنے ہی گلالی شاہ پالتی مارے بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر مسکرائے گردن اٹھائی۔

پہلے سریتا کو پھر مجھے دیکھا اور مجھے دیکھ کر ان کے چہرے پر کچھ عجیب سے آثار پھیل گئے۔ سریتا آگے بڑھی اور اس نے گلابی شاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ جو انہوں نے پھیلا دیا تھا۔ یہ ہاتھ اس نے بوسہ دے کر آنکھوں سے لگایا اور ایک طرف بیٹھ گئی۔ گلالی شاہ نے یہ ہاتھ میری جانب بڑھایا تو میں نے اسے دیکھتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹ کر اپنے لئے ایک جگہ سنبھال لی۔ گلالی شاہ نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر شرمندہ سا ہوکر اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔ سریتا دیوی نے کہا۔

"شاہ صاحب! میں اس بات کی تصدیق کے لئے آئی ہوں۔"

"ہاں۔ ہم نے بتا دیا تھا تجھے یہ قاتل ہے اور تیرے ڈرائیور کرم داس کو اس نے قتل کر دیا ہے۔ ویسے یہ اعتراف نہیں کر رہا ہوگا۔ کوئی قاتل اعتراف نہیں کرتا۔ ہم چاہیں تو یہ اعتراف کرلے گا لیکن یہاں اس کے اعتراف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔" میں خاموشی سے گلابی شاہ کی صورت دیکھ رہا تھا۔ سریتا نے کہا۔

"بابر علی صاحب۔ آپ کہتے ہیں کہ میرا ڈرائیور آپ کے ساتھ نہیں تھا اور چلا گیا تھا۔ شاہ صاحب نے مجھے بتادیا تھا کہ وہ قتل ہوچکا ہے اور اب میں اس کا انتظار نہ کروں۔ میں نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ اس کو کس نے قتل کیا تو شاہ صاحب نے کھلے الفاظ میں آپ کا نام لیا۔"

"اپنی ہوس کی خاطر اپنی ضرورت کے لئے۔"

"کیا کہتے ہیں آپ بابر علی صاحب؟"

"ایک پاگل بڈھے کی بات پر اور میں کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ دیوانے کی بکواس پر غور نہیں کیا جاسکتا۔" سریتا جو بیٹھی ہوئی تھی ایک دم سے کھڑی ہوگئی۔ اس کے چہرے پر خشکی پھیل گئی تھی۔ اس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بابر علی صاحب! آپ کو پتہ ہے کہ گلابی شاہ کا مرتبہ کیا ہے؟"

"جتنی تم بے وقوف ہو اتنا ہی یہ شخص بے وقوف ہے۔ ابھی اس نے کہا تھا کہ اگر چاہے تو مجھ سے اعتراف کرا سکتا ہے۔ کیسے اعتراف کرائے گا بھئی تو؟"

"یہ کیا لہجہ اختیار کیا ہے آپ نے؟" گلابی شاہ نے ایک دم ہاتھ اٹھائے تو سریتا دیوی نے کہا۔

"میں یہ برداشت نہیں کرسکتی شاہ جی! میں خادموں کو بلاتی ہوں۔"

"نہیں۔ جو ہم کہہ رہے ہیں وہ مناسب ہے۔ یہ تمہارے سامنے اپنے ہونٹوں سے اعتراف کرے گا۔ ہاں بھئی ہم نے ایک دعویٰ کیا ہے کہ تو قاتل ہے۔ کرم داس کو تو نے ہلاک کردیا ہے۔ تو منع کر رہا ہے۔ ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال اور ہمیں بتا کہ کیا ہم سچ کہہ رہے ہیں یا جھوٹ۔ چل ہماری آنکھوں میں دیکھ۔" ایک لمحے کے لئے تو مجھے کچھ خوف سا محسوس ہوا لیکن پھر نہ جانے اندر سے کیا سمائی کہ میں نے گلابی شاہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ گلابی شاہ کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ اس نے کہا۔

"تیرے ہونٹ' تیری زبان وہ کہے گی جو میں نے سریتا کو بتایا ہے۔ بول کرم داس کو تو نے۔" گلابی شاہ کی آنکھیں میری آنکھوں سے ٹکرا رہی تھیں کہ دفعتاً ہی ایک عجیب

واقعہ ہوا۔ اچانک ہی گلابی شاہ کی آنکھیں پچاک سے پھوٹ گئیں اور ان کی آنکھوں سے خون ابل پڑا۔ گلابی شاہ کی دہشت ناک چیخ بے حد خوفناک تھی۔ وہ ایک دم الٹا لیٹ گیا۔ اور زمین پر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ سریتا کی دہشت ناک چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ فوراً ہی باہر سے خدام دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ انہوں نے بھی گلابی شاہ کی یہ کیفیت دیکھی۔ گلابی شاہ آنکھوں تک ہاتھ لے جارہا تھا لیکن اس کے ہاتھ آنکھوں تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ ادھر میں شدید حیران تھا کہ یہ کیا ہوا کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سریتا کبھی مجھے اور کبھی گلابی شاہ کو دیکھ رہی تھی۔ خدام سوالات کرنے لگے لیکن سریتا نے کہا۔

"خود بخود' اچانک ہی خود بخود۔ آہ۔ اچانک ہی خود بخود۔" بس اس کے بعد اچھا خاصا ہنگامہ رہا خدام گلابی شاہ کو اٹھا کر شاید ہسپتال لے گئے۔ خاصا ہنگامہ ہوگیا تھا۔ سریتا اور میں خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے باہر کی طرف قدم بڑھائے اور اس کے بعد اپنی کار میں آبیٹھا۔ باہر بھی خوب ہنگامہ رہا تھا لیکن خداموں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ یہ بات کسی کو نہیں معلوم تھی کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے۔ سریتا کے انتظار میں رکنا بے کار تھا۔ ویسے بھی اس کی کار یہاں موجود تھی واپسی کا سفر کرتے ہوئے میرا ذہن شدید الجھنوں کا شکار تھا۔ یہ سب کیا ہوا اور کیسے ہوا کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں نے ہوٹل کا رخ کیا تھا ذرا سکون سے بیٹھ کر سوچنا چاہتا تھا کہ اب آگے کے اقدامات کیا ہونے چاہئیں۔ ہوٹل پہنچ کر میں اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔ دروازہ اندر سے بند کرکے میں مسہری پر جا بیٹھا اور اس کے بعد میرا ذہن عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگیا۔ گلابی شاہ کیا چیز تھا۔ اس نے کس طرح یہ بات معلوم کرلی کہ کرم داس میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ بڑے اعتماد سے اس نے یہ بات کہہ دی تھی۔ بہرحال یہ سب کچھ تھا ذرا پریشان کن۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا وہ بھی میرے لئے ناقابل فہم تھا۔

میں اسی سوچ میں گم تھا کہ دفعتاً میرے بند کمرے کے غسل خانے کا دروازہ کھلا اور اس سے کوئی باہر نکل آیا۔ میں نے پہلے تو آہٹ سنی تھی اور اس کے بعد نگاہیں اٹھا کر اب دیکھا تو میری آنکھیں شدت حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ ہلکے گلابی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے لیکن اتنے لمبے کہ اس کے گھٹنوں تک آرہے تھے۔ بالکل ریشم کے گالے معلوم ہو رہے تھے۔ اسی طرح کشادہ پیشانی' روشن آنکھیں' بہت ہی خوبصورت ہونٹ۔ چہرہ ہر طرح کے میک اپ سے بے نیاز تھا۔ جسم پر

کوئی زیور وغیرہ بھی نہ پہنا ہوا تھا۔ بس ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ وہ ننگے پاؤں تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا یہ میرا تصور ہے یا پھر حقیقت۔ یہ حسین لڑکی کون ہے اور میرے بند کمرے میں کیا کر رہی تھی۔ غسل خانے سے اس بے تکلفی سے وہ برآمد ہوئی ہے کہ یقین نہ آئے۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا وہ اور قریب آئی تو میں نے ایک دم اپنی جگہ چھوڑ دی اور کھڑا ہو گیا۔

"ارے ارے بیٹھئے مہاراج! آپ ہمیں ضرور نہیں پہچانے ہوں گے۔ پورنی ہیں ہم آپ کی، یاد نہیں ہے آپ کو اپنی پورنی۔" میں اچھل پڑا اور میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"پورنی۔"

"ہاں مہاراج! ہم نے اپنی جون بدل لی ہے۔ اصل میں کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بتائی نہیں جاسکتیں۔ جادو منتروں کا پھیر ایسا ہی انوکھا ہوتا ہے جو اس راستے سے نہ گزرا ہو اس کے لئے یہ کچھ حیرانی کی بات ہوتی ہے اور جو اس کا انت جانتے ہیں انہیں حیرانی نہیں ہوتی۔ ہم آپ کو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی پورنی ہیں آپ کی داسی اور ہم نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا مہاراج کہ جب ہم آپ کے غلام بن جائیں گے تو آپ کی ہر آگیا کا پالن کریں گے۔ ہماری اصل شکل آپ کو کہاں پسند آتی سو ہم نے یہ روپ دھار لیا تاکہ آپ ہمیں ناپسند نہ کریں۔ مہاراج! وہ گلالی شاہ جو ہے نا وہ تھوڑا سا علم جانتا ہے اپنے علم سے اس نے یہ بات معلوم کرلی کہ آپ نے کرم داس کی بلی دی ہے اور اس نے یہ بات اس عورت کو بتا دی۔ ساری باتیں اپنی جگہ آپ وہاں چلے گئے تھے۔ نہ جاتے تو آپ کوئی اس کے نوکر تو نہیں تھے۔ اس نے آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ کو اپنے بس میں کرنا چاہا تو ہم نے اس کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ ہمارے مہاراج کی آنکھوں میں کوئی آنکھیں ڈالے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"کیا؟ اس کی آنکھیں تم نے پھوڑی تھیں پورنی!"

"ہاں۔ مہاراج دونوں انگلیاں ڈال دی تھیں میں نے اس کی آنکھوں میں۔ پاپی ہمارے مہاراج کو بری نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ سب کچھ کرے مہاراج کی زبان کھلوا لے۔ اب ہو گیا ہمیشہ کے لئے اندھا۔ جیتا رہے یا مر جائے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن پورنی میرے ساتھ تو مشکل پیش آسکتی ہے۔"

"نہیں مہاراج! جب بھی آپ ہمیں تین مرتبہ یہی شبد کہہ کر بلائیں گے جو آپ

نے جاپ کے دوران کہے تھے تو ہم آجائیں گے۔ پھر آپ ہمیں جو بھی آگیا دیں گے ہم وہ پورا کریں گے۔"

"کتنی شکتی ہے تمہاری پورنی؟"

"تول کر تو نہیں بتا سکتی مہاراج! لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ بہت کافی ہے۔"

"ہاں تمہیں واقعی اب تو میرا ساتھ دینا ہوگا۔ میں جن راستوں پر جا چکا ہوں وہاں میرے لئے مشکلات بہت زیادہ ہیں۔"

"آپ تو چنتا ہی نہ کریں مہاراج! آپ کوئی معمولی آدمی نہیں رہے ہیں اب۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اچھا پھر چلتے ہیں۔"

"بات تو سنو۔ تم یہاں میرا انتظار کر رہی تھیں؟"

"ہاں۔"

"تو پھر رکو۔ جانے کی کیا جلدی ہے؟"

"نہیں۔ مہاراج! ہمارا آپ کے پاس رکنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی جانب بڑھی تو میں نے کہا۔

"اس دروازے سے باہر جا رہی ہو۔ اگر کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو۔"

"تو............" وہ رک کر مسکرائی لیکن میں اس کے آگے جواب نہیں دے سکا۔ میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پورنی باہر نکل گئی تھی۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور میں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ کچھ دیر سوچتا رہا اس کے بعد آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور میں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے آنے والی آواز کو میں نے ایک لمحے میں پہچان لیا۔ سریتا دیوی کی آواز ہی تھی۔ یہ عورت وبال جان بنتی جا رہی تھی لیکن کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس وقت پورنی جس طرح میرے پاس آئی اور اس نے پوری تفصیل مجھے بتائی۔ اس نے میرے حوصلے بے حد بلند کر دیئے تھے۔ میں نے فون پر سریتا کی آواز پہچاننے کے بعد کہا۔

"جی سریتا دیوی کہئے کیا بات ہے آپ خیریت سے واپس اپنے گھر پہنچ گئیں؟"

"ہاں میں تو خیریت سے پہنچ گئی لیکن بابر جی آپ کی خیریت مجھے خطرے میں نظر آرہی ہے۔ اصل میں جب انسان بہت زیادہ دولت مند ہو جائے تو بہت سی اہم باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ کیا آپ کو یہ احساس ہے کہ آپ بہت بڑی مشکل میں پھنسنے والے

ہیں؟"

"نہیں۔ مجھے تو واقعی ایسا کوئی احساس نہیں ہے۔ کیوں کیا ہوا؟"

"بات وہی ہے شاہ گلالی نے ہی کہا تھا کہ کرم داس کو آپ نے قتل کر دیا ہے اور جب شاہ گلالی اس کی تصدیق کرنے لگے تو آپ نے انہیں آنکھوں سے محروم کر دیا۔"

"میں نے............؟" میں حیرت سے بولا۔

"کیوں۔ آپ اس بات سے انکار کرتے ہیں؟"

"سریتا جی! آپ وہاں موجود تھیں۔ میں نے تو انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

"لیکن کوئی ترکیب آپ ہی نے استعمال کی' اب یہ تو پولیس ہی معلوم کرے گی آپ سے' لیکن آپ اتنے سندر اتنے جوان اور اتنے پُرکشش ہیں کہ پولیس کے ہاتھوں میں آپ کو پڑنا نہیں چاہئے۔ اصل میں آپ ایک بات پر غور نہیں کر رہے بابر جی۔ وہ یہ کہ میں ایک سوشل ورکر ہوں۔ میرے تعلقات اور میری شخصیت ہر طرح سے تسلیم شدہ ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا یعنی یہ کہ اگر میں اپنی حیثیت سے کام لے کر یہ بیان دے دوں کہ میرے ڈرائیور کرم داس کو آپ نے ہی قتل کیا ہے تو آپ یقین کیجئے کہ کوئی اور گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"یہ تو میرے لئے پریشانی کی بات ہے؟"

"بالکل نہیں۔ بالکل نہیں۔ میں ہوں نا۔ جب میں ہوں تو آپ کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اصل میں میرے اپنے مسائل اتنے ہیں بابر علی جی کہ آپ سوچ نہیں سکتے۔ کئی خیراتی ادارے چلا رہی ہوں۔ نادار اور مفلس لوگوں کی مدد کرتی ہوں۔ اسپتال کو بہت بڑا فنڈ دیتی ہوں۔ میرے خود تو ذرائع آمدنی کچھ بھی نہیں ہیں۔ بس آپ جیسے دیالو لوگ میری مدد کرتے ہیں اور اس سے میں ان سب بیچاروں کا کام چلاتی ہوں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو مشکلوں میں پھنس جاتے ہیں۔ میں اپنے تعلقات سے کام لے کر انہیں مشکلوں سے نکال دیتی ہوں۔ آپ سے یہ درخواست کرنا چاہتی ہوں میں۔"

"جی فرمایئے۔"

"ایک کروڑ روپے کی ضرورت ہے۔ صرف ایک کروڑ' میں سمجھتی ہوں کہ آپ جیسے آدمی کے لئے یہ رقم مہیا کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ سارے مسئلے ختم ہوجائیں گے۔ کرم داس کے پریوار کو بھی سنبھال لیا جائے گا اور بہت سے مسئلے جو پیسے کی وجہ سے مشکل میں پڑے ہوئے ہیں ٹھیک ہوجائیں گے۔ کیا سمجھے آپ؟ ایسی صورت میں آپ کو

فراخدلی سے کام لینا چاہئے۔ ایک کروڑ روپے کی رقم تین دن کے اندر اندر آپ کو مہیا کرنا ہوگی۔ آج سے تیسرے دن ٹھیک ساڑھے تین بجے یہ رقم آپ سے حاصل کرلی جائے گی اور سمجھ لیجئے آپ اس طرح ہوجائیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔ دوسری صورت میں میرے تھوڑے سے تعلقات میرے کام آئیں گے۔ کیا کہتے ہیں آپ؟"

میں ایک لمحے کے لئے خاموش ہوگیا۔ میرے دل میں اب یہ خیال جڑ پکڑ گیا تھا کہ میں ایک بہت بڑی قوت ہوں اور میرے ساتھ کوئی غلط کام کرنا کسی انسان کی بات نہیں ہے لیکن یہ محسوس کرنے کے بعد میں اپنی حیثیت سے لطف اندوز ہونا بھی چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"ابھی تو تین دن باقی ہیں سریتا دیوی! سوچ لینے دیجئے مجھے۔"

"نہیں جس نے سوچا وہ مشکل میں پڑ گیا۔ کچھ سوچئے نہیں آپ کر ڈالئے۔"

"ایک کروڑ روپے میرے پاس نہیں ہیں سریتا دیوی!" میں نے کہا۔ جواب میں سریتا ہنس پڑی پھر بولی۔

"تیسرے دن ساڑھے تین بجے۔ اس سے پہلے آپ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ میرے اس پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ میں ریسیور کو دیکھتا رہا پھر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اب اپنے آپ کو آزمانا بہت ضروری تھا۔ پہلا دن' دوسرا دن اور پھر تیسرا دن شروع ہوگیا۔ کوئی تین بجے کا وقت تھا جب مجھے ٹیلی فون موصول ہوا۔ مجھے چونکہ ساری باتیں یاد تھیں۔ اس لئے مجھے یقین ہوگیا کہ یہ سریتا ہی کا ٹیلی فون ہے اور میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ سریتا ہی کی آواز تھی۔

"ہیلو۔"

"ہاں بول رہا ہوں۔ سریتا دیوی!"

"بدھائی دیتی ہوں آپ کو۔ میں نے تو سوچا تھا کہ شاید آپ یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش میں ہیں لیکن آپ بھی میری ہی طرح بہادر آدمی ہیں۔ آپ کے یہاں رکے رہنے سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے مجھے رقم دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب میں آپ کو بتاؤں۔ یہ رقم آپ کو کیش دینا ہوگی اور میں............"

"ایک منٹ............ ایک منٹ سریتا دیوی! آپ خاصی بے وقوف ہیں۔ اس بات کو

دل سے تسلیم کیجئے۔ میں نے تو آپ کو اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ دوبارہ آپ سے رابطہ قائم کر کے اس موضوع پر بات کروں۔ اور کچھ نہیں تو آپ کی شخصیت سے ہی لطف اٹھاؤں۔ سریتا دیوی پاگلوں کی جنت میں رہنا چھوڑ دیں۔ دنیا کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھئے۔ میں آپ کو ایک پائی دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ آپ میرا جو کچھ بگاڑ سکتی ہیں بگاڑ لیجئے سریتا دیوی!"

سریتا دیوی خاموش ہوگئی تھی پھر مجھے ٹیلیفون کا ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی اور میں خود بھی مسکرا کر ریسیور رکھ کر اپنے بستر پر آگیا تھا اور اب میں سوچ رہا تھا کہ ایک دلچسپ دور کا آغاز ہونے والا ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا تھا کہ سریتا نے میری نگرانی کا معقول بندوبست کیا ہوگا اور یہ خیال رکھا ہوگا کہ میں بھاگ نہ جاؤں اور اب بھی اس کے آدمی میرے آس پاس موجود ہوں گے۔ لیکن مجھے صرف یہ دیکھنا تھا کہ صورت حال کہاں سے کہاں تک پہنچی ہے۔ پورنی میری کیا مدد کر سکتی ہے اور اس کے لئے میں خود اس سے کچھ نہیں کہنا چاہتا بلکہ انتظار کرنا چاہتا تھا۔ سریتا دیوی شاید مجھ پر گہرے اثرات ڈالنا چاہتی تھیں اور یہ ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ وہ بہت بڑی شخصیت ہیں اور جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ سریتا دیوی کی اصل شخصیت کیا ہے۔ انہوں نے خود بھی اعتراف کر لیا تھا کہ ان کے سوشل اور سماجی مسائل اسی طرح حل ہوتے ہیں چنانچہ تین بج کر انتیس منٹ ہوئے تھے کہ میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں چونک پڑا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا اسی وقت دروازہ کھلا اور کچھ لوگ اندر گھس آئے۔ یہ پولیس والے تھے۔ سب سے آگے ایک انسپکٹر اور دو سب انسپکٹر تھے۔ انسپکٹر نے میری طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"بابر علی؟"

"جی۔"

"سر ہم آپ کو ایک قتل کے الزام میں گرفتار کرنے آئے ہیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"مقتول کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کوئی لفظ نہیں۔ ہمیں صرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے تھانے لے آیا جائے۔"

"ایسا ہوتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اس کا جواب آپ کو تھانے میں مل جائے گا۔"

"اگر میں اس وقت جانے سے انکار کروں تو؟"

"تو پھر آپ کو زبردستی ہتھکڑی ڈال کر لے جایا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ بغیر ہتھکڑی کے ہمارے ساتھ چلیں۔"

"ٹھیک ہے جو بہتر ہے وہی ہونا چاہئے۔" میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا لباس تبدیل کر چکا تھا کیونکہ یہ احساس بہرطور ذہن میں تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونا ضرور ہے۔ طریقہ کار ذرا مختلف رکھا تھا۔ ہوٹل کے عملے کے افراد عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے انگلی اٹھا کر سپروائزر کو اشارہ کیا اور وہ میرے قریب آگیا۔

"میرے کمرے میں جو سامان موجود ہے اس میں سے کچھ کم نہیں ہونا چاہئے۔ مال غنیمت مت سمجھ لینا اسے۔ جواب دینا پڑے گا۔ چلئے انسپکٹر۔" پولیس کی جیپ مجھے لے کر چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد میں علاقے کے تھانے پہنچ گیا۔ یہ بات میرے لئے باعث حیرت تھی کہ میری کار پہلے ہی اغوا کر کے تھانے پہنچا دی گئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے مجھے غصہ آیا لیکن میں نے برداشت کیا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ میری کیا حیثیت ہے اور میں کہاں تک پہنچ سکتا ہوں۔ تھانے میں سریتا دیوی موجود تھیں۔ پولیس انسپکٹر کے بڑے سے کمرے میں ایک ایس پی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور سریتا دیوی انہی سے بات کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ سب خاموش ہوگئے۔ سریتا دیوی نے کسی قدر سنجیدہ انداز میں مجھے دیکھ کر کہا۔

"ارے۔ آپ آگئے۔ میں تو سمجھی تھی کہ ان سارے پولیس والوں کی آنکھیں پھوٹ گئی ہوں گی۔"

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا سریتا دیوی! بلکہ یہ بھی کہا تھا میں نے کہ آپ خود گواہ ہیں کہ میں نے شاہ گلالی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اب الزام تو کوئی بھی کسی پر رکھ سکتا ہے۔ یہ تو انسان کے تعلقات پر منحصر ہے۔"

"بہت باتیں بنا رہا ہے بھئی تو۔ مجھے جانتا ہے میرا نام کیا ہے؟" ایس پی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور میں چونک کر ایس پی کو دیکھنے لگا۔

"آپ ایس پی ہیں؟"

"یہ تو میں تجھے ابھی بتا دوں گا۔"

"نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ کیا محکمہ پولیس میں جاہلوں کو بھی بھرتی کیا جاتا ہے؟ کسی

شریف اور معزز آدمی سے مخاطب ہونے کا یہ انداز ہوتا ہے جو آپ نے اختیار کیا ہے ایس پی صاحب۔ کیا سمجھا ہے آپ نے مجھے؟" ایس پی صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ ایک لمحے تک وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر بولا۔

"خیر جو کچھ سمجھا ہے لیکن تو نے غلط سمجھا ہے یار! تیرا ایک ایک لفظ تیرے حساب میں لکھا جا رہا ہے اور یہ سمجھ لے کہ حساب پورا کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک۔ چلئے جناب حساب پورا کریں گے۔ فرمایئے کیسے یاد کیا؟"

"ہونا تو یہ چاہئے کہ پہلے میں تجھے لاک اپ میں بند کردوں۔ تیری مرمت کراؤں اور اس کے بعد اطمینان سے تجھ سے سوالات کروں لیکن سریتا دیوی بار بار منع کر رہی ہیں کہ تیرے ساتھ یہ سلوک نہ کیا جائے۔ اب میں تجھ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ لا بھئی فائل لا۔" ایس پی صاحب شاید اسی انداز میں لوگوں سے بات کرنے کے عادی تھے۔ یہ الفاظ انہوں نے انسپکٹر کو مخاطب کرکے کہے تھے۔ انسپکٹر نے میز پر رکھی ہوئی فائل اٹھا کر ایس پی صاحب کے حوالے کردی۔

"ہوں۔ ہوٹل میں تیرا قیام لمبا نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہاں تھا؟"

"پاتال میں' میں زمین کی گہرائیوں سے نمودار ہوا ہوں اور تمہاری اس دنیا کو دیکھ رہا ہوں۔ اصل میں' میں پاتال کا باسی ہوں۔"

"پاتال کا باسی ہے نہیں کردیا جائے گا بیٹے! بس تھوڑا سا انتظار کرلے۔ ماضی کیا ہے تیرا کچھ نہیں پتہ چل سکا۔"

"میں نے کہا نا ایس پی صاحب پاتال سے نمودار ہوا ہوں۔"

"تجھے پاتال ہی میں دفن کردیا جائے گا بے فکر رہ۔ یہ گاڑی تیری ہے جو باہر کھڑی ہے؟"

"ہاں۔ اور جسے پولیس نے چوری کرلیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوئے اس کا دماغ ہی خراب ہوگیا ہے شاید۔ گوپال مہتا سے مذاق کر رہا ہے۔ ٹھیک ہے بیٹے ٹھیک ہے اب آپ اس کی سفارش کریں۔ ہاں بھئی! شاہ گلالی کی آنکھیں کیسے پھوٹیں؟"

"شرم سے۔" میں نے جواب دیا۔

"اور کرم داس کو کیوں قتل کیا تو نے؟"

"کون کرم داس؟ میں تو کسی کرم داس کو نہیں جانتا۔"

"شرم کرو بابر علی' شرم کرو۔ میں نے تمہیں اس شریف آدمی کو تمہاری مشکل آسان کرنے کے لئے دیا تھا۔ میں کہتی ہوں کہ آخر اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ کیوں مار ڈالا تم نے اسے؟"

"سریتا دیوی! اگر وہ واقعی مرگیا ہے تو آپ کو اس بارے میں زیادہ معلومات حاصل ہوں گی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اسے خود قتل کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے اسے میرے پاس بھیجا اور اس کے بعد اپنے آدمیوں سے قتل کرا دیا۔ اگر وہ قتل ہوا ہے تو اور یہی آپ کی سازش تھی۔ ہوسکتا ہے آپ سے اس کے کچھ ایسے تعلقات ہوں' جنہیں آپ دوسروں کے علم میں لانا چاہتی ہوں اور آپ نے اپنے اس کے تعلقات چھپانے کے لئے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا ہو۔ ہوتا ہے انسان بھٹک ہی جاتا ہے' اور پھر آپ جیسی عمر رسیدہ خاتون کو کوئی نوجوان شخص تو پوچھنے سے رہا۔ اگر ایسا ہے تو آپ اپنی مشکل میں حق بجانب ہیں۔ انسانوں کو اپنی عزت تو چھپانی ہی ہوتی ہے لیکن آپ نے اسے قتل کرا کے اچھا نہیں کیا۔"

"اب تو مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں سریتا دیوی کے سامنے ہی تیری کھال ادھیڑ دوں۔ قاتل تو خود ہے۔ سریتا دیوی جیسی عظیم شخصیت پر تو اس طرح کے گھناؤنے الزام لگا رہا ہے۔ سن یہ بتا تین دن پہلے تو بھوت پور ہاؤس کیوں گیا تھا؟ جواب دے اس بات کا۔"

"بھوت پور ہاؤس؟ یہ کون سی جگہ ہے؟ کیا تمہارا گھر ہے ایس پی صاحب؟" میں نے بے وقوفی سے کہا اور سریتا دیوی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ سوچ رہی ہوگی کہ یہ شخص بھی شاید پاگل ہی ہوگیا ہے۔ بہرحال ایس پی غصے سے پہلو بدلنے لگا۔ میں تیار تھا اور یہ میری زندگی کے لئے ایک انوکھا تجربہ تھا۔ ایس پی اگر کسی جارحیت پر اتر آئے تو میں دیکھنا چاہتا تھا کہ پورنی میری کیا مدد کرسکتی ہے لیکن ایس پی نے بھی خود پر قابو پایا ہوا تھا۔

اس نے پھر کہا۔ "سن۔ بھوت پور ہاؤس میں ایک انسانی ڈھانچہ ملا ہے۔ جسے نوچ نوچ کر کھا لیا گیا ہے لگتا ہے بہت سے بھوکے کتے اس پر چھوڑ دیئے گئے ہوں۔ یہ سب کیسے ہوا یہ تو خیر تیری زبان کھلوا کر معلوم کر ہی لیا جائے گا لیکن ہمیں اس کی وجہ بتا۔"

"ایس پی صاحب اب تک تو ہو رہا تھا مذاق لیکن اب میں سنجیدہ ہوں۔ سنئے میں نے کرم داس کو قتل نہیں کیا۔ اس بیچارے معمولی سے آدمی کو قتل کرکے مجھے کیا مل

جاتا۔ نہ میں بھوت پور ہاؤس کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔ اس شہر میں زیادہ واقفیت نہیں ہے میری کہیں اور سے آیا ہوں آوارہ گرد ہوں اور سیاحتیں کرتا پھرتا ہوں۔ بس یہ سمجھ لیجئے آپ۔ سریتا دیوی سے ایک ہوٹل میں ملاقات ہوگئی تھی۔ اب میں آپ سے اگر یہ کہوں کہ سریتا دیوی ایک بلیک میلر ہیں اور ان کا کام ایسے ہی چلتا ہے تو آپ یہی سمجھیں گے کہ میں ان پر جوابی الزام لگا رہا ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ بہرحال ان سارے معاملات کے بارے میں فیصلہ کرنا آپ ہی کا کام ہے۔"

"فیصلہ تو میں ایسا کروں گا کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گے۔ ابھی ذرا تھوڑی سی تحقیقات کرنی ہے۔ گاڑی اپنی تحویل میں لے لو۔ اس کے کاغذات سے معلومات حاصل کرو کہ یہ گاڑی اس کے قبضے میں کب سے آئی ہے۔ مجھے یہ کوئی بہت بڑا فراڈ معلوم ہوتا ہے۔

"ایس پی صاحب! صرف ایک بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں جو کچھ میرے بارے میں کہیں گے اس پر ذرا غور کر لیجئے گا۔ باقی ساری باتیں ٹھیک ہے بعد میں ہی ہو جائیں گی۔"

"چلو اسے لاک اپ میں ڈال دو۔" ایس پی گوپال مہتا نے انسپکٹر سے کہا اور میں انسپکٹر گوپال مہتا کی صورت دیکھنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔ کیا دیکھ رہے ہو؟"

"سر! یہ سب کچھ غلط ہے جو ہو رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ آدمی نہ تو قاتل ہے نا سریتا دیوی اس کے بارے میں جو کہہ رہی ہیں وہ ٹھیک ہے۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے انسپکٹر۔"

"نہیں سر۔ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔ آپ بھی ذرا غور کر لیجئے۔" گوپال مہتا گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ میں نے اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے ہوئے دیکھے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے سوچتا رہا پھر اس نے سریتا دیوی سے کہا۔

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے سریتا دیوی کہ قتل اس نے ہی کیا ہے۔ یہ کوئی آدم خور نظر آتا ہے آپ کو اور آپ فضول باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ آپ تو خود یہ بات کہہ رہی ہیں کہ اس نے شاہ گلالی کی آنکھوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ لوگ؟"

"بات تو سچ ہے۔ یہ آدمی جو صاحب حیثیت بھی ہے۔ آپ نے اس پر ایک چارج لگا ہے اور پولیس کو بھی مجبور کر رہی ہیں کہ اس کے خلاف کارروائی کریں۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی ٹھوس ثبوت پیش کر سکتی ہیں آپ؟" کمال ہے اب تو میری بھی کھوپڑی پر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ یہ اچانک ان دونوں کی زبان کیسے بدل گئی۔ ایس پی نے کھڑے ہو کر کہا۔

"سر ان خاتون نے ہمیں بہکا دیا تھا۔ اور ایسے ہی نہیں انہوں نے ایک بہت بڑے آدمی سے مجھے ٹیلی فون کرایا تھا اور کہا تھا کہ میں اس مسئلے کو دیکھوں۔ بعد میں ہڈیوں کا وہ احاطہ دریافت ہوگیا اور وہاں شمشان گھاٹ میں کچھ لوگ جو مردے جلانے کے لئے آئے تھے انہوں نے بھی اس کار کی تصدیق کردی ہے۔ یہ کار بھوت نگر ہاؤس سے آئی تھی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ سارا کام بھی اس عورت نے کرایا ہے۔ سریتا دیوی کسی شریف آدمی پر الزام لگانا اچھی بات نہیں ہے۔ آپ ثبوت لے آئیے پھر ہم اس کے خلاف کارروائی کریں گے۔" میں نے ایک گہری سانس لی اور میں سمجھ گیا کہ اچانک ہی ایس پی اور انسپکٹر کی زبان بدلنے میں کوئی اہم راز ہے چنانچہ میرے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

"جی ایس پی صاحب! اب آپ یقیناً مجھے بند کریں گے۔"

"نہیں سر! غلط فہمی کے لئے معافی چاہتے ہیں۔ آپ براہ کرم تشریف لے جاسکتے ہیں۔ انسپکٹر گاڑی کی چابی صاحب کے حوالے کر دو۔" انسپکٹر نے اپنی میز کی دراز سے میری کار کی چابی نکال کر میرے حوالے کردی اور اس کے بعد وہ میرے ساتھ باہر تک آیا۔ باہر آکر اس نے معذرتی انداز میں کہا۔

"معاف کیجئے گا سر! سب کچھ غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا بلکہ اگر آپ یہ بات ثابت کردیں کہ سریتا دیوی نے آپ سے کوئی رقم مانگی ہے تو ہم سریتا دیوی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں گے۔"

"اگر ایسا ہوا انسپکٹر تو میں آپ سے رابطہ کروں گا۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد میں نے اپنی کار کے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کی اور اسے ریورس کرکے باہر نکال لایا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ تماشا تو واقعی بہت دلچسپ ہوا۔ اسی وقت عقب نما آئینے میں مجھے ایک سر کار کی پچھلی سیٹ سے نمودار ہوتا ہوا دکھائی دیا تو میں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ پورنی سیٹ پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ کم بخت

کی مسکراہٹ اس قدر دلکش تھی ایک لمحے کے لئے ذہن اس کی جانب بھٹک جاتا تھا لیکن میں نے خود کو سنبھالا دیا کیونکہ پورنی کا یہ روپ اصل روپ نہیں تھا۔ میں اس کو بھتنی کی شکل میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"پورنی۔"

"میں ہی ہوں مہاراج کہئے کیسی رہی؟"

"بہت ہی دلچسپ مگر پورنی تم ہمیشہ دیر سے آتی ہو۔"

"نہیں مہاراج! آپ یہ بتائیے اگر میں فوراً ہی ہوٹل کے کمرے میں انسپکٹر کو روک دیتی تو کیا آپ کو اپنی بڑائی ظاہر کرنے کا ایسا کوئی موقع ملتا۔ یہ سب کچھ رفتہ رفتہ اچھا لگتا ہے۔ آپ مجھے میرا کام کرنے دیجئے۔ میں جو کچھ کروں گی اپنے مناسب وقت پر ہی کروں گی۔"

"ہوں۔ چلو ٹھیک ہے۔ تم کہتی ہو تو تمہاری یہ بات بھی میں مان لیتا ہوں۔ ویسے سریتا کو سزا دینا اب ضروری ہوگیا ہے میں اسے سزا دیئے بغیر نہیں رہوں گا۔" میں نے کہا۔

"جیسا چاہیں کریں مہاراج۔" میں ہوٹل واپس آگیا تھا۔ رفتہ رفتہ میرے اندر جو اعتماد بیدار ہوتا جارہا تھا اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ تو ابھی ابتدائی کھیل تھے۔ مجھے کم از کم یہ اندازہ ہوگیا کہ اس قسم کے معاملات مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ سریتا دیوی کا معاملہ بڑا انوکھا رہا تھا۔ بہرحال اس کے بعد تقریباً چوبیس گھنٹے گزر گئے نہ تو سریتا دیوی نے مجھ سے کوئی رابطہ قائم کیا تھا۔ نہ ہی میں نے ایسا کوئی قدم اٹھایا جو کسی اور مختلف واقعے کا حامل ہوتا۔ البتہ اتنا وقت گزر جانے کے بعد یہ بات میرے ذہن پر اثر انداز ہونے لگی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ ہوٹل بہت اچھا تھا لیکن زندگی میں کوئی تبدیلی تو ہونی چاہئے کوئی فیصلہ ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ اپنی ان قوتوں سے کیا فائدہ اٹھاؤں۔ دماغ کے سوتے جیسے بند ہوگئے تھے۔ بہت سی سوچیں ذہن سے بالکل نکل گئی تھیں۔ بہرحال پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ خود ہی کوئی تحریک کرنی چاہئے۔ شاہ گلالی کے آستانے کے بارے میں مجھے معلوم تھا۔ جا کر ذرا دیکھوں تو سہی شاہ گلالی کا کیا حال ہے۔ چنانچہ میں اپنی کار میں بیٹھ کر ان راستوں کو تلاش کرتا ہوا گلالی شاہ کے آستانے پر پہنچ گیا۔ آستانہ ویران پڑا ہوا تھا کسی کا وہاں نام و نشان نہیں تھا۔ ایک طرف سے ایک شخص آتا ہوا نظر آیا تو میں نے اس سے مسکرا کر پوچھا۔

"یہ شاہ جی کہاں چلے گئے؟"

"پتہ نہیں صاحب! اب یہاں کوئی نہیں رہتا۔ آستانہ بند پڑا ہوا ہے سنا ہے گلالی شاہ اپنے سے کسی بڑے بزرگ سے ٹکرا گئے تھے اور ان بزرگ نے گلالی شاہ کا جھوٹ پکڑ لیا۔"

"جھوٹ؟"

"ہاں جی سنی سنائی بات کر رہے ہیں۔ اصل بات تو اللہ ہی جانتا ہے۔ سنا ہے گلالی شاہ صرف بنے ہوئے بزرگ تھے۔ حقیقت میں ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ مارے گئے۔" میں وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ ان الفاظ پر ہنسی آرہی تھی کہ گلالی شاہ کو ان سے بڑا بزرگ مل گیا۔ وہ بزرگ تو میں ہی تھا۔ بہرحال ہوٹل واپس آگیا۔ اور کہاں جاتا۔ میں نے شام کے پروگرام دیکھے اتفاق سے اخبارات میں ایک خبر نظر آگئی۔ خبریوں تھی مشہور سماجی کارکن سریتا دیوی ایک بہت بڑے کلب کا افتتاح کر رہی ہیں۔ یہ کلب بہترین دلچسپیوں کا حامل ہوگا۔ وقت تھا ساڑھے نو بجے کا۔ میرے دل میں ایک شرارت کلبلانے لگی۔ سریتا دیوی کو بہرحال خبر تو دینی تھی۔ چنانچہ میں نے بھی فیصلہ کر لیا اور پھر میں نے پورنی کو آواز دی۔ ایک لمحے کے اندر وہ خوبصورت بلا میرے سامنے حاضر ہوگئی۔

"پورنی! سریتا دیوی کو مزہ چکھانا چاہئے۔ کیا خیال ہے کیا کیا جائے؟"

"مارنا چاہتے ہو؟" پورنی نے سوال کیا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ بس یہ سمجھ لو کوئی ایسی دلچسپ سزا جو سریتا دیوی کو ہمیشہ یاد رہے۔"

"ہوجائے گا۔"

"آج رات کو ساڑھے نو بجے ایک کلب کا افتتاح ہو رہا ہے۔ مجھے بھی اس میں شریک ہونا چاہئے اور بس وہاں تم کوئی ایسی ترکیب سوچو کہ لطف آجائے۔"

"لطف آجائے گا۔" پورنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے بڑی اچھی تیاریاں کیں تھیں۔ بہت عمدہ سوٹ پہنا تھا۔ کار تو میری تھی ہی لاجواب۔ کلب کے منتظمین نے یہ جانے بغیر کہ میں کون ہوں کیا ہوں' میری پذیرائی کی تھی۔ ایک بہت بڑے ہال میں اسٹیج بنا ہوا تھا۔ یہاں پر فیتہ لگا ہوا تھا۔ سامنے کلب کا نام پردے میں چھپا ہوا تھا۔ بڑی خوبصورت عمارت تھی۔ مہمانوں کا بہترین استقبال کیا جارہا تھا۔ مجھے بھی ایک سیٹ دے دی گئی اور میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بے شمار افراد آگئے اور پورا ہال کھچا کھچ بھر

گیا۔ اسٹیج پر جو افراد آئے تھے ان میں سریتا دیوی بھی تھیں۔ ایک بہت ہی خوبصورت ساڑھی باندھے ہوئے۔ پھولوں سے لدی ہوئی۔ میزبانوں میں سے ایک نے سریتا دیوی کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہوئے کہا۔

"محترمہ سریتا دیوی کا شمار اتنی بڑی سماجی شخصیات میں ہوتا ہے کہ ان کا تعارف کرانا اپنے آپ کو شرمندہ کرنا ہے۔ وہ کیا ہیں میرا خیال ہے اس وقت کلب میں موجود تمام لوگ ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ ہمارے اس کلب کی تقریب رونمائی سریتا دیوی جیسی شخصیت کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔ محترمہ سریتا دیوی سے درخواست کی جاتی ہے کہ فیتہ کاٹ کر کلب کے نام رونمائی کریں۔"

سریتا دیوی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیں پورنی کیا کرتی ہے۔ حقیقی بات یہ ہے کہ ابھی تک پورنی کی صحیح کارکردگی کے بارے میں مجھے بھی ذرا علم نہیں تھا۔ ایس پی کی حد تک تو اس نے واقعی بڑا کام دکھایا تھا۔ اب سریتا کے لئے وہ کیا کرتی ہے۔ سریتا دیوی تالیوں کی گونج میں اپنی جگہ سے اٹھیں۔ ایک میزبان نے انہیں پلیٹ میں رکھ کر قینچی پیش کی اور سریتا دیوی اس فیتے کی جانب متوجہ ہوگئیں۔ لیکن پھر اچانک ہی ایک ایسا منظر نگاہوں کے سامنے آیا جسے دیکھ کر خود میرے حلق سے بھی آواز نکل گئی تھی۔ سریتا دیوی کے بدن سے اچانک ہی ساڑھی غائب ہوگئی اور وہ بالکل ہی بے لباس ہوگئیں تھیں۔ انہیں خود تو اس کا احساس نہیں ہوسکا لیکن جو خاتون میزبان ہاتھ میں پلیٹ لئے کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھ سے پلیٹ نیچے گر گئی اور وہ وحشت زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ پلیٹ کے ساتھ قینچی بھی نیچے گرنے لگی تھی۔ سریتا دیوی نے خود ہی جھک کر قینچی اٹھائی اور بے شمار قہقہے فضا میں بلند ہوگئے۔ سریتا دیوی نے پلٹ کر لوگوں کی جانب دیکھا۔ یہ واقعہ ایسا تھا کہ فوری طور پر کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آسکا تھا۔ دنیا سریتا دیوی کو دیکھ رہی تھی اور خود سریتا دیوی کو اپنے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ انہوں نے ہنسنے والوں کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مائیک کے سامنے پہنچ گئیں۔ انہیں نقاب کشائی کے بعد مائیک پر کچھ کہنا تھا چنانچہ انہوں نے کہا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹل مین! تہذیب ہمارے معاشرے کا ایک حصہ ہے آپ کی یہ ہنسی سمجھ میں نہیں آئی۔" پھر اچانک ہی میزبانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ سب کچھ جو نگاہوں کے سامنے تھا ناقابل یقین تھا۔ میزبانوں کے پاس اس وقت کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس سے وہ سریتا دیوی کو ڈھک سکیں۔ ایک عمر رسیدہ شخص کو ایک ہی سوجھی۔ میز پر ایک بڑا

میزپوش پڑا ہوا تھا۔ اس نے وہ میزپوش ہاتھوں میں پکڑا اور سریتا دیوی کی جانب بڑھا۔ اس نے اپنی دانست میں سریتا دیوی کو ڈھکنے کی کوشش کی، لیکن سریتا دیوی جھلاہٹ کے عالم میں بولی۔

"کیا آپ پاگل ہوگئے ہیں۔" جواب میں میزبان نے سریتا دیوی سے کچھ کہا۔ تب سریتا دیوی نے اپنے جسم پر نگاہ ڈالی۔ ایک لمحے کے لئے ان کا منہ حیرت سے کھلا پھر اس سے ایک چیخ کی آواز نکلی اور اس کے بعد وہ لہرا کر نیچے گر پڑیں۔ وہ بے ہوش ہوگئی تھیں۔ میزبان نے فوراً ہی میزپوش ان کے جسم پر ڈال دیا اور اس کے بعد جو چاروں طرف شور و غوغا مچا وہ سننے اور دیکھنے کے قابل تھا۔ ابتدائی لمحات میں تو میں خود بھی ششدر رہ گیا تھا لیکن بعد میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ سب پورنی کی کارروائی ہے۔ مجھے یہ پسند آئی تھی اور میں پوری طرح مطمئن تھا پھر یہ ہنگامہ ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس شاندار عمارت کے بیرونی حصے میں پہنچ گیا۔ سریتا دیوی کو اندر لے جایا گیا تھا۔ پھر کیا ہوا اس کے مجھے پتہ نہیں چل سکا۔ پورنی کے اس کارنامے سے میں خوش تھا۔ چنانچہ کچھ لمحوں کے بعد میری کار پارکنگ لاٹ سے باہر نکل آئی اور میں اپنے ہوٹل کی جانب چل پڑا۔ ہوٹل کے کمرے میں واپس آنے کے بعد مجھے خوب ہنسی آئی۔ پورنی کو بار بار طلب کرنا میں نے مناسب نہ سمجھا۔ جو ہو چکا تھا اس کا اندازہ مجھے خود بھی تھا۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کی اور پھر سوچنے لگا کہ سریتا کا کیا ہوا ہوگا۔ اس سے دلچسپ مات اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ سریتا کو کوئی جسمانی نقصان بھی نہیں پہنچا تھا لیکن جو کیفیت اس کی ہوئی تھی اور جس طرح وہ لوگوں کے سامنے رسوا ہوگئی تھی۔ وہ ناقابل یقین سی بات تھی۔ پھر اس کے بعد میں آرام سے سو گیا تھا۔

دوسرے دن ناشتہ کرتے ہوئے میں نے اخبار اٹھایا تو اخبار کے پہلے صفحے پر کلب کے افتتاح کی خبر نظر آئی۔ سریتا دیوی کی اس وقت کی تصویریں پیش کی گئی تھیں جب ان کے جسم پر میزپوش پڑا ہوا تھا اور وہ بے ہوش تھیں۔ فوٹوگرافروں کے کیمروں کی روشنیوں کے جھماکے تو اس وقت بھی بے شمار تھے جب سریتا دیوی مائیک پر لوگوں کو ڈانٹ رہی تھیں اور اپنے آپ سے بے خبر تھیں لیکن ظاہر ہے یہ تصاویر اخبار میں شائع نہیں کی جاسکتی تھیں البتہ خبر میں ساری تفصیلات موجود تھیں۔ اخبارات کسی سے نہیں ڈرتے۔ ہر ایک کے بارے میں بے لاگ تبصرے چھاپتے ہیں۔ سریتا دیوی کے اس واقعہ کے بارے میں حیرت کا اظہار کیا گیا تھا لیکن بعض اخبارات نے خوب مذاق اڑانے والی زبان

استعمال کی تھی۔ بلکہ ایک آدھ نے تو اسے بھی سوشل ورک قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ ایسی نیک خواتین کی معاشرے میں اشد ضرورت ہے جو صحیح معنوں میں ہر جگہ سوشل ورک کرتی ہیں۔ مجھے بڑی ہنسی آئی۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ اب خاموشی ہی اختیار کی جائے۔ ایک دن، دو دن، تین دن میری اپنی تفریحات میرا ساتھ دے رہی تھیں۔ نہ اخراجات کی فکر تھی نہ کوئی اور مشکل۔ زندگی یہ بھی اچھی ہے۔ کم از کم اس میں بلاوجہ کے بوجھ نہیں ہوتے۔ میں وقت گزارتا رہا۔ تین دن گزر گئے۔ ابھی تک مجھ سے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا گیا تھا۔ تیسرے دن میں نے ہی سریتا دیوی کو فون کیا۔ کوئی اجنبی آواز تھی۔

"ہیلو۔ کون ہے؟"

"مجھے سریتا دیوی سے بات کرنی ہے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"بی بی! آپ جو کوئی بھی ہیں سریتا دیوی سے کہہ دیجئے کہ بابر علی ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" کچھ لمحوں کے بعد سریتا دیوی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بابر علی! تم ابھی تک یہیں مر رہے ہو؟"

"ارے ارے۔ یہ آپ کیسی زبان اختیار کر رہی ہیں سریتا دیوی۔"

"نہ جانے کیوں میرا ذہن بار بار تمہاری طرف جاتا ہے۔ تم بتاؤ میری رسوائیوں کے سامان میں تمہارا کردار کیا رہا ہے؟"

"آپ کی ذہانت سے مجھے انکار نہیں ہے سریتا دیوی! کتنے اچھے ماحول میں ملے تھے ہم۔ نہ مجھے شاہ گلالی سے کوئی شکایت تھی اور نہ تم سے۔ بلاوجہ آپ نے مجھ پر قتل کا الزام عائد کیا۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نہیں مانیں اور آپ نے اپنے اختیارات سے کام لے کر وہ حرکت کی اور پھر حرکت اپنی جگہ لیکن اس حرکت کے پس منظر میں آپ جو چاہتی تھیں اس نے مجھے آپ سے سخت نفرت دلادی سریتا دیوی! ارے ایک کروڑ مانگے تھے آپ نے اگر دوست بن کر دس کروڑ مانگتیں تو میں آپ کو انکار نہ کرتا۔ اتنا پیسہ میرے پاس بے کار پڑا ہوا ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں لیکن آپ نے مجھے بلیک میل کرنے کا فیصلہ کیا تو سریتا دیوی! ہر شخص اپنا بچاؤ کرنا جانتا ہے اور بچاؤ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ۔ تو مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کرنا تھا وہ کرلیا۔ اس کے بعد میری باری تو آنی ہی تھی نا۔ آپ نے یہ نہیں سوچا تھا

کہ مجھے بھی کچھ کرنا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے شاہ گلالی کی آنکھیں بلاوجہ ہی تو ختم نہیں ہو گئی تھیں۔ بہرحال آپ نے مزہ چکھ لیا۔ اخبارات میں آپ کے بارے میں بڑی دلچسپ خبریں آتی رہی ہیں۔ تین دن تک دنیا آپ کو نہیں بھولی۔ چلئے ٹھیک ہے لوگ آپ کے حدود اربعے سے واقف ہوگئے۔ ابھی آپ کی سزا کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ میری طرف سے کچھ اور تحفے آپ کو پیش کئے جائیں گے۔ چلئے اب فون بند کر رہا ہوں میرا کچھ بگاڑ سکتی ہیں تو بگاڑ لیں۔"

میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ مجھے بڑی ذہنی تسکین ملی تھی۔ یہ بھی انسانی فطرت کا ایک حصہ ہی ہے۔ دشمن پر برتری حاصل ہوجائے تو وجود میں سکون کا سمندر موجزن ہوجاتا ہے۔ یہی کیفیت تھی میری۔ دماغ اس قدر آگے بڑھ گیا تھا کہ اب کچھ اور سوچنے کی گنجائش نہیں رہی تھی اور میں بقول شخصے ہوا میں اڑ رہا تھا۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ چل رہی تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے آگے مزید کیا کرنا چاہئے۔ بس دل چاہتا تھا کہ دنیا اپنے قدموں تلے لے آؤں۔ اتنی بڑی طاقت حاصل ہوگئی ہے مجھے کہ میرے دشمن میرے سامنے زمین بوس ہوجاتے ہیں کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ برائی مجھ پر مسلط تو ہوگئی تھی لیکن زندگی میں اتنی برائیاں نہیں کی تھیں برائیوں سے اچھی طرح واقف ہوتا۔ اب تک تو صرف ایک ڈمی بنا ہوا تھا۔ خود آگے بڑھ کر کیا کروں۔ ذہن میں یہ صلاحیتیں نہیں تھیں۔ پھر ایک دن میں نے سریتا دیوی کی دوبارہ ٹرائی کیا۔ دوسری طرف سے کسی عورت ہی کی آواز سنائی دی تھی۔ میں نے کہا۔

"سریتا دیوی سے بات کرائیے۔ ان سے کہئے بابر علی بول رہا ہوں۔"

"سریتا تو کئی دن سے کہیں گئی ہوئی ہیں۔"

"کہاں؟"

"سر مجھے نہیں معلوم۔"

"ٹھیک ہے۔ آجائیں تو ان سے کہئے گا کہ بابر علی سے بات کرلیجئے۔"

"بہتر ہے۔" کئی دن کے بعد میں نے پورنی کو طلب کیا۔ وہ آگئی تو میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ واقعی بے حد خوبصورت روپ اختیار کر چکی تھی۔ میں نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"پورنی! تم اپنی اصلی شکل میں میرے سامنے کیوں نہیں آتیں؟" پورنی کے چہرے

پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"دنیا حسن دیکھنا چاہتی ہے۔ اصلیت کبھی اتنی حسین نہیں ہوتی۔ وہ جب سامنے آتی ہے تو لوگ اسے دیکھ کر نگاہیں چرا لیتے ہیں۔ بس یہی بات ہے کہ میں نے اپنا یہ روپ دھار لیا ہے۔"

"پورنی! کیا تمہارے سینے میں دل ہے؟" پورنی نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

"یہ سوال ہم سے نہ کیجئے سر! بہت سی ایسی باتیں ہیں جو صیغہ راز میں رہیں۔"

"میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا تمہارے سینے میں جذبات ہوتے ہیں۔"

"اس کے بارے میں بس ایک بات کہوں گی سر۔ وہ یہ ہے کہ میں ایک زندہ وجود ہوں۔ کیوں ہوں کیا ہوں یہ ایک لمبی اور الگ کہانی ہے لیکن اگر زندگی کی بات کی جاتی ہے تو پھر جذبات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا۔ کیونکہ جذبات زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہوں گی۔" یہ بھی ایک دلچسپ تجربہ تھا کہ کسی مافوق الفطرت وجود سے اس کی اندرونی کیفیت کے بارے میں سوال کیا جائے۔ میں نے سریتا دیوی کے بارے میں کہا۔

"وہ خاتون! شاید زمانے کی نگاہوں سے محفوظ ہونے کے لئے فرار ہوگئی ہیں۔"

"نہیں سر! یہ بات نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بات اصل میں یہ ہے سر کہ آپ کے تمام تر مفادات کی نگرانی کی ذمے داری اب میرے اوپر ہے۔ آپ کو کہاں سے نقصان پہنچ سکتا ہے اور کہاں سے منافع ہو سکتا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنا اب میرے فرائض میں شامل ہے۔ سریتا کی گمشدگی بے معنی نہیں ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ آپ کی طاقت کا توڑ دریافت کرنے کے لئے کسی کال کنڈ میں گئی ہیں۔ کال کنڈ کالے علم کا مرکز ہوتا ہے سر! وہاں سے بہت سی طاقتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ سریتا دیوی کو اس بات کا تو علم ہو ہی گیا ہے کہ اسے سرعام بے لباس کرنے میں آپ کا ہاتھ ہے۔ وہ بھی ایک ضدی عورت ہے اور اس نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ آپ کی طاقت کی کاٹ کرے گی اور اس کے لئے وہ کال کنڈ سے کالا علم حاصل کرنے گئی ہوئی ہے۔"

"ارے واہ۔ یہ تو واقعی ایک دلچسپ خبر ہے لیکن پورنی! ایک بات بتاؤ کیا تمہاری

قوتوں سے زیادہ حیثیت حاصل کر سکتی ہے؟"

"مہاراج کہوں آپ کو یا سر! میرے خیال میں سر ہی مناسب ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ بیر کی ایک شکتی ہوتی ہے۔ میں آپ کی بیر ہوں اور میری شکتی اتنی ہے کہ میں آپ کی حفاظت کر سکوں یا آپ کے چھوٹے موٹے کام کر دوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ دنیا جو آپ کو نظر آرہی ہے نا اس کے باہر بھی ایک دنیا ہے جو نظر نہیں آتی۔ اس دنیا میں مختلف قوتیں موجود ہیں۔ وہ قوتیں ایک دوسرے معاملات میں بے شک دخل انداز نہیں ہوتیں لیکن اس دنیا کا کوئی فرد اگر مجھ سے کوئی مدد چاہتا ہے اور یہ مدد چاہنے والے پر منحصر ہے کہ وہ کس درجے کا آدمی ہے تو ان دیکھی قوتیں ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرتی ہیں۔ سر! آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میں اس طاقت کے سراغ میں ہوں جس نے اس معاملے میں میری نگاہوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اب اگر میں سریتا کے بارے میں معلومات حاصل کروں تو یہ میرے لئے مشکل ہے۔ میں اسے نہیں تلاش کر سکتی کیونکہ وہ کال کنڈ گئی ہے اور کال کنڈ ایک تاریک جزیرہ ہے جس میں جھانکا نہیں جاسکتا۔ سمجھ رہے ہیں آپ میری قوتیں جتنی ہیں آپ کو اچھی طرح علم ہو چکا ہے۔ اس سے آگے میرے لئے صورت حال مشکل ہو جائے گی۔"

"ہوں مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر انسان کی زندگی میں کوئی دشمن نہ ہو تو زندگی ادھوری رہ جاتی ہے۔"

"ایک مشورہ دوں سر۔"

"ہاں بولو۔"

"اب یہ شہر چھوڑ دیجئے۔ آپ کی دنیا تو بہت وسیع ہے۔ اس میں بہت کچھ موجود ہے۔ کہیں بھی اپنے لئے نئی نئی دلچسپیاں تلاش کر لیجئے۔" میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور خود بھی سوچنے لگا کہ واقعی اس ہوٹل میں خاصا وقت گزر چکا ہے۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے پورنی! میں یہاں سے چلنے کے لئے تیار ہوں۔"

"ایک اور بات کہوں سر۔ یہ کار آپ کی شناخت بن چکی ہے۔ اسے بھی یہیں چھوڑ دیجئے۔ آپ کے لئے بھلا کس چیز کی کمی ہے۔ جو بھی چاہیں آپ کو مل سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد پورنی کو رخصت کر دیا۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے دلچسپی سے اس کی تمام باتوں کے بارے میں غور کیا۔ ایک لمحے کے لئے بدن میں

ایک ہلکی سی جھرجھری کا احساس ہوا۔ سریتا غصے سے دیوانی ہو کر کالی شکتی حاصل کرنے کے لئے چلی گئی تھی۔ وہ اپنی ان کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہوتی ہے۔ اب اس کے بارے میں تو کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تھی لیکن بہرحال میری زندگی کے سامنے کوئی صحیح راستہ تو تھا نہیں۔ بس یونہی ایک حسین زندگی کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا تھا اور قدم بہ قدم آگے بڑھتا چلا جارہا تھا۔ آخری فیصلہ یہی کیا کہ اب اس شہر کو چھوڑ دینا چاہئے۔ ہر معاملے میں پورنی کی ضرورت نہیں ہوتی مجھے خود بھی اپنی زندگی میں اپنے اوپر اعتماد کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ ریل کا سفر کروں گا اور مختلف شہروں کے نام میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لئے۔ پھر ان کی قرعہ اندازی کی تو جس شہر کا نام نکلا یہ ایک کافی بڑا شہر تھا اور میں نے پہلے اسے نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ میں نے وہیں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ہوٹل ہی سے ریلوے بکنگ ایجنسی سے معلومات حاصل کی اور فرسٹ کلاس کی ایک سیٹ بک کرالی۔

مجھے دوسرے دن تین بجے روانہ ہونا تھا۔ چنانچہ اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر میں نے ساتھ لیا اور مقررہ وقت پر ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ تنہا کسی بھی یاد سے محروم۔ فرسٹ کلاس کے ایئر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں بہت کم لوگ نظر آرہے تھے۔ ایک طرف ایک خاندان موجود تھا اور مجھ سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک اور خاندان جو ایک عمر رسیدہ خاتون اور چار لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ ساتھ ہی ایک ملازم جیسا آدمی بھی تھا۔ جو ان سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ لوگ اسے مختلف کاموں میں مصروف کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے جسم ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے چہرے تک نمایاں نہیں تھے۔ صرف آنکھیں جھانک رہی تھیں لیکن جب ٹرین وہاں سے چلی تو انہوں نے اپنے چہرے بھی کھول لئے۔ اچھی خوبصورت شوخ و شریر سی لڑکیاں تھیں لیکن ایک لڑکی کی صورت پر میری نگاہ پڑی تو میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ بعض چہرے ایسے ہوتے ہیں جو کسی کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کا کمال رکھتے ہیں۔ حالانکہ ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو باعث تصور ہو۔ پھر بھی یہ چہرے اپنی بناوٹ میں کمال رکھتے ہیں۔ یہ لڑکی بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ سلگتے ہوئے نقوش والی۔ جہاں تک خوبصورتی کی مثال ہے تو حقیقت یہ ہے کہ مالک کائنات نے عورت کے نقوش میں اس قدر دلکشی رکھی ہے کہ انسان ان میں کھوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ لڑکی بھی اپنی ذات میں ایک انجمن تھی۔ میں بے اختیار اسے دیکھتا رہا۔

لڑکی اس وقت میری جانب نہیں دیکھ رہی تھی لیکن پتہ نہیں یہ میری نگاہوں کی گرمی تھی یا صرف اتفاق کہ اس نے مجھے دیکھا اور پھر ایک دم سے کچھ خجل سی ہو گئی۔ میں نے بھی اسے گھورتے رہنا خلافِ اخلاق سمجھا اور نگاہیں اس کی جانب سے پھیر لیں۔ عمر رسیدہ خاتون نے غالباً اپنی لڑکیوں کو اس لئے آزادی دے دی تھی کہ اب وہ اس سفر کے دوران وہ اپنے چہروں کو کب تک چھپائے رکھتیں البتہ ان کے جسم چادروں میں لپٹے ہوئے تھے۔ کوئی اچھا اور شریف خاندان معلوم ہوتا ہے میں نے دل میں سوچا۔ بہرحال اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو ان سوچوں سے آزاد کر لیا۔ ٹرین کا یہ سفر جاری رہا۔ دو گھنٹے' چار گھنٹے' چھ گھنٹے اور آٹھ گھنٹے گزر گئے۔ اس دوران مختلف نقل و حرکت ہوتی رہی تھی۔ لڑکیاں بھی کئی بار اٹھ کر باہر گئی تھیں سوائے اس لڑکی کے۔ چنانچہ ایک بار ایسا بھی ہوا کہ صرف وہ لڑکی اندر رہ گئی۔ عمر رسیدہ خاتون بھی شاید واش روم چلی گئیں۔ میں نے نگاہیں بھر کر اسے دیکھا تو لڑکی کی نگاہیں بھی میری جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ نہ جانے میرے ذہن میں کیا سمائی کہ میرے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ جواب میں وہ سوگوار آنکھیں اس طرح میری جانب اٹھیں کہ میرے اندر ایک عجیب سی خلش بیدار ہو گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ آنکھیں اپنے دکھ کا اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ ایک عجیب سی بے چینی میرے دل میں پیدا ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ اس لڑکی سے کچھ بات کروں لیکن اسی وقت وہ سب واپس آگئیں۔ اور میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا' لیکن نہ جانے کیوں ان شکایت بھری نگاہوں نے میرے دل و دماغ پر ایک انوکھا اثر کر ڈالا تھا۔

میں سفر کا باقی وقت بھی خاموشی سے گزارتا رہا اس دوران عمر رسیدہ خاتون نے میری جانب متوجہ ہونے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ انہیں غالباً اس بات کا احساس تھا کہ چار چار لڑکیوں کے ہمراہ ہیں۔ میں نے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو اس لڑکی کے بارے میں اور اس خاتون کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ اس لڑکی نے میرے ذہن پر ایک عجیب سا اثر کر ڈالا تھا اور میں اسے نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ طویل سفر بالآخر اختتام کو پہنچا اور اس وقت صبح کے ساڑھے دس بج رہے تھے جب ہم نیاز آباد پہنچ گئے۔ نیاز آباد ایک عظیم الشان شہر تھا۔ اونچی اونچی عمارتوں اور خوبصورت سڑکوں کا شہر' میں نے اپنا مختصر سا سامان اٹھایا اور ٹرین سے نیچے اتر گیا۔ میرے ذہن پر جو منصوبہ تھا اس پر عمل کرنا چاہتا تھا باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ بہت سے ٹیکسی ڈرائیور اور دوسری سواریوں والے لوگ مسافروں پر حملہ آور ہو رہے ہیں لیکن میں انتظار کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر

کے بعد وہ خاندان برآمد ہوا اور وہ ملازم ٹائپ کا آدمی ٹیکسی ڈرائیوروں سے بات کرنے لگا۔ پھر انہوں نے دو ٹیکسیوں میں اپنا سامان وغیرہ رکھوایا تھا۔ ایک میں ملازم سامان کے ساتھ بیٹھ گیا دوسری میں وہ پانچوں خواتین سوار ہوگئیں۔ میں نے فوراً ہی ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ جو سامنے ٹیکسی جارہی ہے اس کے پیچھے پیچھے چلو۔" ڈرائیور نے ایک نگاہ مجھے مشکوک انداز میں دیکھا اور ٹیکسی آگے بڑھادی پھر بولا۔

"صاحب! آپ نے بھاؤ نہیں پوچھا بعد میں جھگڑا مت کریں۔"

"بک بک مت کرو جو مانگو گے دوں گا۔" میں نے بھاری لہجے میں کہا اور ڈرائیور خاموشی سے سامنے دیکھنے لگا۔ آگے والی دونوں ٹیکسیاں پُراطمینان انداز میں بڑھی جارہی تھیں۔ میں ان کا تعاقب کرتا رہا۔ ٹیکسیاں مختلف راستوں سے گزرتی رہیں۔ میں نے ڈرائیور سے کہا۔

"وہ ٹیکسیاں آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ خیال رکھنا۔"

"جی صاحب۔ فکر نہ کریں۔" ڈرائیور بولا اور اس کا یہ سفر جاری رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی ایک ایسے علاقے میں داخل ہوگئی جس کے بارے میں میری خاص معلومات تو نہیں تھیں لیکن سن بہت کچھ رکھا تھا۔ اب اتنا بھی نہیں تھا کہ صورتِ حال کو نہ جان سکوں۔ یہ طوائفوں کا علاقہ تھا اور اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اگلی دونوں ٹیکسیاں ایک بالاخانے کے نیچے رک گئیں۔ کئی افراد نیچے اتر آئے اور جلدی جلدی سامان اتارنے لگے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہورہا تھا کہ یہ بالا خانوں ہی کے لوگ ہیں۔ پانچوں عورتیں بھی نیچے اتر گئی تھیں لیکن میرے لیے یہ ایک اور ذہنی جھٹکا تھا کیونکہ ریل کے سفر کے دوران میں نے ان لوگوں کے جو انداز دیکھے تھے اس سے پتہ چلتا تھا کہ کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں لیکن یہ شریف گھرانے یہاں آباد ہیں۔ بہرطور میرے دل و دماغ کی ایک عجیب سی کیفیت رہی اور پھر میں کچھ دیر کے بعد وہاں سے واپس چل پڑا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"ڈرائیور! مجھے کسی بہت اچھے سے ہوٹل لے چلو۔"

ڈرائیور نے ایک بار پھر مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا تھا' لیکن وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ کچھ دیر کے بعد میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے کھڑا تھا۔ ہوٹل کے عملے کے ایک شخص نے فوراً ہی میرا استقبال کیا۔ میرا بیگ اپنی تحویل میں لیا میں نے ڈرائیور

کو وہ بڑے نوٹ دیئے اور ڈرائیور ایک دم سے چونک کر سیدھا ہوگیا۔ کاغذ کے یہ ٹکڑے بھی انسان کی زندگی میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے ڈرائیور کی نگاہوں میں میرے لئے جو تمسخرانہ مسکراہٹ تھی۔ پانچ پانچ سو کے ان دو نوٹوں کو دیکھ کر ایک دم سے رفو چکر ہوگئی۔ بل معمولی سا بنا تھا لیکن معاوضہ اتنا ادا کیا گیا تھا۔ بس اس کے بعد بھلا سب کچھ یاد رکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے کچھ خواتین کا پیچھا کیا تھا۔

میرا سامان اندر پہنچ گیا۔ ہوٹل میں میرے لئے ایک خوبصورت کمرہ بک ہوگیا اور میں ادائیگیاں وغیرہ کرکے اس کمرے میں منتقل ہوگیا۔ انسان کی شرافت اور معزز ہونے کا سب سے بڑا ثبوت اس کی جیب میں موجود رقم سے ملتا ہے۔ اس کے بعد کسی اور تصدیق کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ یقینی طور پر ہوٹل کے مالکان نے مجھے ایک معزز فرد سمجھا ہوگا۔ یہ کمرہ بہت ہی شاندار تھا۔ کسی ایک آدمی کے لئے اتنے بڑے کمرے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن بہرحال زندگی نے مجھے یہ موقع فراہم کیا تھا تو میں کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھاتا۔ اب تو طبیعت میں کچھ اور اعتماد پیدا ہوتا جارہا تھا۔ ہوٹلوں میں رہنا بھی آگیا تھا اور لوگوں کے سامنے اداکاری کرنا بھی جس سے انسان اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی ثابت کر سکے۔ بہرحال ایک طرح سے ایک مطمئن زندگی تھی میرے لئے اور اس میں کوئی اضطراب نہیں تھا لیکن اگر زندگی میں اضطراب نہ ہو تو زندگی بے مزہ ہوکر رہ جاتی ہے۔ اس وقت اس کا بہترین تجربہ ہوا تھا اور کچھ نہیں۔ اس وقت تو سچی بات یہ ہے کہ اپنا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا تھا۔ برائی کے راستوں کی جانب قدم بڑھایا تھا اور بلندیاں طے کرتا چلا جارہا تھا لیکن آج جب غور کرتا ہوں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان فطری طور پر کبھی برا نہیں ہوتا وہ چاہے کتنے ہی غلط راستوں پر نکل جائے لیکن اس کی فطرت میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔ اس وقت میں طاقت کے نشے میں چور تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ میرے لئے کوئی زوال ہی نہیں ہے لیکن اس لڑکی کے نقوش نے میرے دل پر جو اثر کیا تھا وہ نظرانداز نہیں کیا جاسکا۔

پورا دن اور پوری رات گزر گئی۔ اضراب' بے چینی' خلش۔ میں نے سوچا کہ بھلا میرے لئے کیا مشکل ہے کہ میں اس لڑکی کو حاصل کرلوں لیکن اس بازار کے بارے میں مجھے ابھی کچھ خاص تفصیل معلوم نہیں تھی۔ میں اپنے آپ کو تیار کرتا رہا کہ دوبارہ وہاں جاؤں اور معلومات حاصل کروں۔ بہرحال دن کا یہ حصہ بھی گزر گیا۔ شام کو میں نے ایک خوبصورت سا لباس پہنا اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک ٹیکسی

میں بیٹھا ہوا اس بازار کی جانب جا رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں نے پتہ بتایا تو اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"صاحب جی! اگر وہاں نہ جانا چاہیں تو میں آپ کو ایک نئی جگہ لے چلوں۔ ایک نظر ڈال لیجئے۔ جی خوش ہو جائے گا۔"

"جہاں میں نے کہا ہے سیدھے وہاں چلو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ اتفاق کی بات یہ کہ جس جگہ ٹیکسی رکی یہ وہی بالاخانہ تھا جہاں وہ تمام خواتین اوپر گئی تھیں۔ وقت کا آغاز ہو چکا تھا۔ بالاخانوں کی رونقیں نمایاں تھیں۔ سازو آواز ماحول میں رچی ہوئی تھی۔ میرے قدم لرز رہے تھے۔ کچھ بھی تھا بہرحال ہر نئی جگہ انسانوں کے لئے تھوڑی سی دقت کا باعث ہوتی ہے۔ آخر کار میں اوپر پہنچ گیا۔ یہاں کسی کی آمد کو اجنبی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ سبھی مہمان تھے۔ وہ بڑا سا کمرہ جس میں بہت تیز روشنی ہو رہی تھی بے شمار آوازوں سے گونج رہا تھا۔ اس وقت یہاں کا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ سازندے ساز سجا کر دھن ملا رہے تھے۔ تماش بین آپس میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ وہ عمر رسیدہ خاتون جو ٹرین کے سفر میں ایک پاکیزہ شخصیت نظر آ رہی تھیں۔ اس وقت رنگ ہی بدلا ہوا تھا ان کا۔ زمانے کا ایک یہ بھی ڈھنگ ہوتا ہے۔ چولے اس طرح بدلے جاتے ہیں کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے۔ ان چاروں لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں بھی وہاں موجود تھیں۔ اس وقت تو وہ چادر میں لپٹی ہوئی ستی ساوتری لگ رہی تھیں لیکن اس وقت ان کے چہرے میک اپ سے سجے ہوئے تھے۔ اتنی بدلی بدلی لگ رہی تھیں کہ اگر میری نگاہوں میں خاص طور سے نہ ہوتیں تو پہچانی بھی نہ جاتیں۔ انہوں نے البتہ مجھے پہچان لیا۔ لڑکیوں نے ایک دوسرے کے کان میں کچھ کہا۔ پھر ایک لڑکی نے ان عمر رسیدہ خاتون کی طرف منہ کر کے انہیں بھی کچھ بتایا اور عمر رسیدہ خاتون مجھے غور سے دیکھنے لگیں۔ مدہم سے انداز میں مسکرائیں اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر میری جانب آ گئیں۔ مجھ پر تھوڑی سی گھبراہٹ سوار ہو گئی تھی۔ میرے قریب بیٹھ کر انہوں نے کہا۔

"اگر میں تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کر رہی تو ریل کے سفر میں تم ہمارے ساتھ تھے۔"

"جی بالکل میں وہی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"خوب پہنچے یہاں۔ اچھا ایک بات بتاؤ سچ بولنا۔ جان بوجھ کر یہاں آئے ہو یا اتفاقیہ طور پر یہاں پہنچ گئے۔" یہاں میری فطرت میں وہی سرکشی ابھر آئی جس نے اب مجھے

مغرور کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"نہیں۔ جان بوجھ کر یہاں آیا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے ہمارے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔"

"کیوں نہیں۔ بغیر معلومات کے یہاں کیسے پہنچ سکتا تھا؟" میں نے اب بے خوفی سے جواب دیا اور عمر رسیدہ عورت کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر انہوں نے کہا۔

"لڑکیوں میں سے کوئی پسند آ گئی تھی۔" انداز ایسا تھا کہ مجھے بھی جواب دینے میں کوئی جھجک محسوس نہ ہوئی۔ میں نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔"

"بہت کم عمر ہے تمہاری۔ تجربے کار بھی نہیں معلوم ہوتے۔ دیکھو بیٹے! یہ کوٹھوں کی دنیا ہے۔ یہاں صرف دولت کا کھیل ہوتا ہے۔ برا مت ماننا اگر ہماری مجبوریاں نہ ہوتیں تو ہم بھی گھروں میں شریف زادیوں کی طرح بیٹھے ہوتے۔ یہ میں تم سے صرف اس لئے کہہ رہی ہوں کہ مجھے تم صورت ہی سے معصوم نظر آتے ہو۔ اگر انسان کے پاس دولت ہو تو اسے ادھر کا رخ کرنا چاہئے۔ ویسے مجھے بھی کم نہیں لگتے۔ اول درجے کے ڈبے میں سفر کر رہے تھے۔ صاحب حیثیت ہی ہو گے۔ کیوں غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں۔"

"حیثیت اگر دولت سے بنتی ہے تو آپ کی دعا سے میرے پاس بہت کچھ ہے۔"

"کہا تھا نا میں نے شکل سے ہی لگتے ہو۔ میرا نام جانتے ہو؟"

"نہیں۔ جاننا چاہتا ہوں۔"

"مایا دیوی کی بڑی واقفیت ہے جس سے بھی پوچھو گے وہ تمہیں مایا دیوی کے بارے میں بتا دے گا۔ ان دونوں لڑکیوں کو تو تم نے دیکھا ہی ہو گا۔ وہ جو سنہری لباس میں ہے وہ بملا ہے دوسری کملا ہے۔ انجلی ابھی آنے والی ہے۔ جو پسند ہو مجھے بتا دینا۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد ناچ شروع ہو جائے گا۔ اس سے لطف اٹھاؤ بعد میں رک جانا بعد میں باتیں ہوں گی۔" تیسری لڑکی بھی آ گئی۔ مگر وہ نہیں آئی جس کے لئے میں یہاں آیا تھا۔ مایا دیوی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی پھر رقص شروع ہو گیا اور لڑکیاں رقص کرنے لگیں۔ میری نگاہیں منتظر رہیں لیکن وہ چوتھی لڑکی مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ تاہم صبر و سکون سے انتظار کرتا رہا اور پھر کافی وقت گزر گیا۔ رات کے بارہ بجے مہمان جانے لگے لیکن مایا وتی نے مجھ سے کہا کہ میں رکوں۔ سازندوں نے ساز بند کر دیئے تو مایا وتی میرے پاس آ بیٹھیں۔

"ہاں کون سی اچھی لگی ہے ان میں؟"

"آپ نے جس بے تکلفی سے پوچھا ہے میں اس بے تکلفی سے آپ کو بتا رہا ہوں۔ وہ چوتھی لڑکی بھی تو تھی آپ کے پاس' وہ کہاں ہے؟"

"ارے.......... ارے.......... ارے۔ تو کیا تمہاری نگاہیں اس پر تھیں؟"

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں بیٹے اس سے ملنا ممکن نہیں ہے۔ اصل میں وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ وہ تو مہمان ہے ہمارے پاس۔ ایک رئیس زادے نے اسے ہمارے پاس بھیجا ہے کہ ہم اسے مہمان کے طور پر کچھ عرصے کے لئے رکھ لیں بعد میں وہ اسے لے جائے گا۔ اس سے ملنا ممکن نہیں بیٹے۔"

"نہیں مایا وتی جی میں اسی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ہم نے کہا نا ہم میں سے نہیں ہے وہ۔ مہمان کو بھلا ہم تم سے ملنے پر کیسے مجبور کر سکتے ہیں۔"

"مگر وہ رئیس زادے کی کون ہے؟"

"جو کوئی بھی ہے تم اس کے بارے میں مت پوچھو تو بہتر ہے۔ یہ تینوں حاضر ہیں تمہاری خدمت کے لئے۔ تم انہیں حکم دے کر دیکھو۔" اب میرے لئے ضروری تھا کہ اب میں مایا وتی کو دولت کی چمک دکھاؤں چنانچہ میں نے جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں اور مدہم لہجے میں کہا۔

"مایا وتی جی! میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" نوٹوں کی یہ گڈیاں دیکھ کر مایا وتی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ بہت بڑی مالیت تھی ان کی اور مایا وتی جیسی عورت کے لئے اس دولت کو ٹھکرانا ممکن نہیں تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے سکتے میں رہ گئی تھی۔ پھر اس نے باقی لڑکیوں کی طرف دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

"دیکھو۔ میری بات سنو۔ میں تمہیں سچ بتا رہی ہوں۔ میں ملا تو دوں گی تمہیں اس سے ویسے آج یہ بھی ممکن نہیں ہے لیکن یہ میں تمہیں صحیح بتا رہی ہوں کہ اس کا حصول تمہارے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ جس نے اسے میرے پاس بھیجا ہے وہ بڑی طاقت رکھتا ہے اور اس سے لڑنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ میں صرف اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم اتنی ہی ضد کر رہے ہو تو ٹھیک ہے کل آجانا۔ اسے بھی تو تم سے بات چیت

کرنے کے لئے تیار کرنا ہے۔ معاف کرنا میں تمہیں نہ تو دھوکا دے رہی ہوں اور نہ [illegible] کر رہی ہوں۔ بس کچھ ایسی ہی بگڑی ہوئی بات ہے کہ میں اتنا کچھ کہنے پر مجبور ہو رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں کل آجاؤں گا اب اجازت دیجئے۔" میں نے کہا اور پھر میں وہاں سے واپسی کے لئے اٹھ گیا۔ مایا وتی جی نے نوٹوں کی ان گڈیوں کو ہوس بھری نگاہوں سے دیکھا لیکن سچی بات وہی ہے کہ مال مفت دل بے رحم! مجھے بھلا ان گڈیوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ پورنی کے ذریعے میں یہ سب کچھ حاصل کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں انہیں وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔ یہ اندازہ میں نے لگا لیا تھا کہ یہ جگہ دولت کے کھیل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور دولت کے ذریعے یہاں ہر کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔ ہوٹل واپس آگیا لیکن ذہن میں وہی لڑکی گردش کر رہی تھی۔ کون ہے۔ کیا ہے؟ یہ معلوم کرنا بے حد ضروری تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ رات کو دیر تک میں اسے یاد کرتا رہا اور پھر گہری نیند سو گیا۔ دوسرا دن بڑی بے چینی اور اضطراب میں گزرا تھا۔ ایک دو بار پورنی کا خیال آیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ کیوں نہ پورنی سے اس سلسلے میں مدد لی جائے لیکن پھر نہ جانے کیوں خود بخود ارادہ ملتوی ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ اب اس طرح ہر مسئلے میں پورنی کو پکارنا بھی صحیح نہیں ہے۔ کچھ کام اپنے طور پر بھی کرنے چاہئیں۔ دوسرے دن میں پھر تیار ہو کر مایا وتی کے کوٹھے پر پہنچ گیا۔ آج میرا استقبال کچھ اور بہتر انداز میں کیا گیا تھا۔ مایا وتی نے کہا۔

"ابھی ہماری محفل نہیں سجی۔ آپ آئیے میرے ساتھ۔ آپ نے تو اپنا نام بھی نہیں بتایا تھا کل مجھے۔"

"بابر علی ہے میرا نام۔"

"شہنشاہ بابر علی معلوم ہوتے ہیں' آئیے۔" اس کے بعد مایا وتی مجھے لئے ہوئے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی اس نے کہا۔

"نیل کنول اندر موجود ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ پہلے تو وہ بالکل تیار نہیں ہو رہی تھی لیکن جب میں نے یہ حوالہ دیا کہ آپ وہ ہیں جو ٹرین میں ہمارے ساتھ سفر کر رہے تھے تو وہ تیار ہو گئی لیکن بابر علی۔ ایک بات پھر میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ بس میں نے آپ کی خوشی پوری کر دی ہے یعنی اس سے آپ کی ملاقات کرا دی ہے کم از کم یہاں اس کے ساتھ زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر وہ آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتا دیں تو الگ بات ہے۔ ورنہ جس نے اس کو ہمارے یہاں

مہمان بنا کر بھیجا ہے اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ آپ خیال رکھیں اور یہاں اس کے اوپر کسی قسم کی دست درازی نہ کریں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور کہا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں میں ایک شریف آدمی ہوں۔ میں صرف اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر اندر چلے جایئے۔" مایا وتی نے کہا اور میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔

آخر کر میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ خاصا بڑا کمرہ تھا۔ اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ۔ چھت میں روشن فانوس ماحول کو منور کر رہے تھے اور وہ ایک آرام دہ کرسی پر اداس بیٹھی تھی۔ جن حالات سے میں گزر چکا تھا ان میں شرافت اور محبت کا کوئی ایسا تصور باقی نہیں رہا تھا جس کا تعلق دلوں کے گداز سے ہوتا ہے۔ ایک خشک سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی لیکن انسان بہرحال اپنے محور کی جانب واپس لوٹتا ہے۔ اس حسین شکل نے ٹرین میں ہی مجھ پر کچھ ایسے اثرات مرتب کئے تھے کہ اس کے بعد سوچ کے دھارے بولنے لگے تھے۔ حالانکہ پورنی نے اپنے آپ کو انتہائی حسین صورت میں میرے سامنے پیش کیا تھا اور اتنا بے وقوف میں بھی نہیں تھا کہ پورنی کی اندرونی کیفیت سے واقف نہ ہوتا۔ اب یہ بات میں نہیں جانتا تھا کہ یہ بیرو ٹائپ کے لوگ جن کا تعلق کالے علم سے ہوتا ہے۔ اپنے جذبات و احساسات کی کیا کیفیت رکھتے ہیں۔ لیکن پورنی کا اصل روپ بھی مجھے یاد تھا۔ ایک بھیانک روپ جو بہرحال ایک جاپ کے بعد تبدیل ہوا تھا۔ اب میں اسے عارضی تبدیلی ہی سمجھتا تھا۔ اس کے پس پردہ کیا کیا تھا یہ تو مجھے معلوم تھا لیکن یہ حسین وجود یہ حسین لڑکی جو ٹرین میں ہی میرے دل و دماغ کو متاثر کر گئی تھی۔ نہ جانے کیا حیثیت رکھتی تھی میرے لئے' میں نے تو یہ سوچا تھا کہ جب میں کمرے میں داخل ہوں گا تو وہ مجھے دیکھ کر چونکے گی لیکن وہ اس طرح کرسی پر بیٹھی تھی جیسے کوئی سنگی بت اس انداز میں تراش دیا گیا ہو۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے اس انداز پر ایک لمحے کے لئے میں خجل ہوگیا۔ اور اپنی جگہ ٹھٹک کر رک گیا۔ تب وہ آہستہ سے اپنے بدن کو جنبش دے کر بولی۔

"آؤ۔ رک کیوں گئے قرطیس اعظم! میں تو کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ مامینہ کے سفید ڈاکوؤں نے ہمارے محل کو تاراج کر دیا ہے۔ سب مارے گئے ہیں میں تنہا

رہ گئی ہوں۔ وہ مجھے یرغمال بنا کر لے جانا چاہتے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ ایسا ممکن ہے۔ کیا میں واقعی اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دوں۔ قرطیس اعظم کے ہوتے ہوئے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ایسا کہا جاسکتا ہے کہ نینوا کی تاریخ بدل گئی۔ بتاؤ۔ نینوا کے حکمران کیا مجھے مامینہ کے ڈاکوؤں کے حوالے کر دو گے؟"

میرے ہوش اڑ گئے۔ یہ بکواس میری سمجھ میں بالکل نہیں آسکتی تھی۔ میں اپنی جگہ بالکل کھڑا رہا تو وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور نپے تلے قدموں سے میری جانب بڑھنے لگی۔ ایک دلکش اور حسین چال ایک ایسا پُراسرار وجود جسے دیکھ کر صحیح معنوں میں دل کی کیفیت خراب ہوجائے۔ اس کے حسین سراپا اس کی مست چال نے مجھے اور بے خود کر دیا تھا۔ اس کے بدن سے ایک ایسی خوشبو اٹھ رہی تھی جس کا تصور بھی مشکل سے ہی کیا جاسکے اس خوشبو کو کوئی نام نہیں دیا جاسکتا تھا۔ بلاشبہ انسانی تاثرات اپنی پسندیدہ شے کو بہ نہیں کیا سے کیا مقام دے دیتے ہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ حقیقت تو ہوتی ہے۔ وہ میرے مقابل آکھڑی ہوئی اور اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ بلاشبہ ایک ایسا سرور ایک ایسا نشہ مجھ پر طاری ہوگیا تھا جسے میں بیان نہیں کر سکتا وہ کہنے لگی۔

"قرطیس اعظم کیا تمہاری بھی زبان بندی کر دی گئی ہے؟"

"کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ سوال کتنی بار کرو گے مجھ سے۔ مانا کہ تم ایک عظیم سلطنت کے حکمران ہو لیکن اب ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر لمحہ مجھے بھول جاؤ۔ میں کن مشکلات کا شکار ہوں کیا تمہیں اس کا علم نہیں ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے پھر سوال کیا میں یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ لڑکی مجھے بیوقوف بنا رہی ہے یا درحقیقت وہ ذہنی طور پر غیر حاضر ہے۔

"میرا نام نیل کنول ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"یاد آئی نیل کنول۔ صحرائے طوسی میں تم گھوڑے سے گرے تھے اور زخمی ہوگئے تھے تو میں نے ہی تمہیں پانی پلایا تھا اس وقت ہمارا قافلہ صحرائے طوسی کے ایک نخلستان میں رکا ہوا تھا اور میں سنہری سانپ کا پیچھا کرتی ہوئی ریت کے ٹیلوں کے درمیان دوڑ رہی تھی کہ تم مجھے نظر آئے۔ سنہری سانپ تو غائب ہوگیا لیکن تم وہاں موجود رہے۔ قرطیس تم ہر بار مجھے کیوں بھول جاتے ہو؟" میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ

مایا دیوی نے مجھے اس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کہ یہ ذہنی طور پر دیوالیہ ہے۔ بہت زیادہ پس و پیش کیا تھا اس نے مجھے اس سے ملانے کے لئے۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی یا کچھ اور؟ میں نے کہا۔

"میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ کیا تم مجھے بیٹھنے کے لئے نہ کہو گی۔"

"ارے ہاں۔ بات اصل میں یہ ہے مگر نہیں ٹھہرو۔ آؤ بیٹھو' آؤ۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ کیا حماقت تھی۔ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں یہ ساری چیزیں میرے لئے لیکن اس نے میرا ہاتھ پکڑا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سارے جسم میں برقی لہریں دوڑ رہی ہوں۔ میں ایک عجیب سی سنسنی خیز کیفیت کا شکار ہو گیا تھا بہرحال وہ مجھے لئے ہوئے سامنے پڑی ہوئی مسہری تک پہنچی اور کہنے لگی۔

"یہاں بیٹھو یہ وہ جگہ ہے قرطیس اعظم! جہاں تک کسی کی پہنچ نہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ عورت کا حسن ہی اس کی شخصیت کا اصل حصہ ہوتا ہے۔ شکل و صورت تو معبود اعظم کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس کے اندر جو حسن پلتا ہے اصل حیثیت اس کی ہوتی ہے اور وہی اس کے مرکز نگاہ کا انتخاب کرتا ہے۔ میں نے تمہیں یہاں بیٹھنے کی پیش کش کی ہے وہاں صرف وہی پہنچ سکتا ہے جس کا راستہ میرے دل تک ہو۔ بیٹھو۔"

"نیل کنول! تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ اور نہیں بتایا۔" میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا اب یہ اندازہ تو مجھے ہو چکا تھا کہ وہ ایک نیم دیوانی لڑکی ہے۔ نیل کنول کیا ہے اور صحرائے طوسی یا قرطیس اعظم یا مامینہ کے ڈاکو یہ ساری کہانیاں کیا ہیں اس کے بارے میں تو مجھے کچھ نہیں معلوم تھا لیکن اس کی گفتگو میں ایک الگ سی دلکشی تھی۔ وہ مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"تو تم نے مجھے اپنے بارے میں صحیح تفصیل نہیں بتائی۔"

"بس یوں سمجھو۔ قرطیس کبھی تم نے ویران دشت میں ایک تنہا کھڑا ہوا درخت دیکھا ہے جس کے اطراف میں ویرانی چھائی ہوئی ہو۔ ہر طرف ہو کا عالم ہو اور یہ تنہا درخت ہر وقت روتا رہتا ہو اپنی تنہائی سے اکتایا ہوا ہو۔ پھر اچانک ہی کوئی خوبصورت سا خرگوش اس کے دامن میں پہنچ جائے اور اس کی جڑ میں سوراخ بنا کر رہنا شروع کر دے۔ تم جانتے ہو اس وقت اس درخت کی کیا خواہش ہوتی ہے۔ اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ خرگوش اس کے پورے وجود میں سوراخ ہی سوراخ بنا دے۔ میں بھی ایک ایسا ہی درخت ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ رشتے ناطے کیا ہوتے ہیں۔ ماں باپ' بہن' بھائی اور

دوسرے عزیز واقارب۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو خود کو اسی درخت کی مانند ایک صحرا میں تنہا کھڑا پایا۔ اور اس کے بعد میں تنہا ہوں۔ جب تم مجھے صحرائے طوسی میں بے ہوشی کی کیفیت میں ملے تو میرا دل یہ چاہا کہ تم آؤ اور مجھ میں سوراخ بنا کر رہو۔ پھر میرے سارے وجود میں سوراخ ہی سوراخ ہو جائیں اور تم اس میں کھیلتے پھرو۔"

"ٹرین میں سفر کے دوران تم نے مجھے دیکھا تھا؟"

"ہاں اور پہچان لیا تھا اور اب بھی میں نے ایک نگاہ میں تمہیں پہچان لیا۔"

"یہ مایا دیوی کون ہیں؟"

"دنیا میں بہت سے کردار اِدھر سے اُدھر منتشر ہوتے ہیں۔ کوئی کسی نہ کسی کام آ ہی جاتا ہے۔ یہ کون ہیں کیا ہیں یہ تو میں نہیں جانتی لیکن ہے اچھی عورت۔ یہاں جتنے لوگ ہیں وہ میرے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کرتے ہیں۔ رقص و موسیقی کے دلدادہ ہیں یہ لوگ لیکن مجھے اس میں شریک نہیں کرتے۔ پتہ نہیں کیوں؟ ویسے میں بتاؤں تمہیں مامینہ کے ڈاکوؤں نے یہاں تک یہ رسائی حاصل کر لی ہے۔ قرطیس تم نے اب بھی تلوار نہ اٹھائی تو سمجھ لو کہ یہ ڈاکو مجھے نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیں گے۔"

"ٹھیک۔ مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور اطمینان رکھو میں تمہارے لئے کچھ نہ کچھ کروں گا۔ ایک بات بتاؤ میرے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟"

"آہ.......... میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا ہے کہ صحرا کے درخت میں جڑ کے نزدیک ایک سوراخ بناؤ اور میرے وجود میں سما جاؤ۔ میرے محبوب میں نے اپنی زبان سے تم سے اظہارِ محبت کیا ہے۔ ایک عورت کے پاس اس کے یہ الفاظ بہت بڑا سرمایہ ہوتے ہیں اور وہ اس سرمائے کو آسانی سے خرچ نہیں کرتی لیکن میں نے اپنے آپ کو تم پر لٹا دیا ہے۔ مجھے اپنے قرب میں جگہ دو۔ اپنے آپ میں سمو لو مجھے۔ میں محبت کی پیاسی ہوں اور میں نے تم سے ہی پیار کیا ہے۔ سمجھے؟"

"ہاں۔" بہرحال تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور خود مایا دیوی نے اندر جھانکا اور پھر مسکراتی اندر آ گئی۔

"معاف کرنا اب تمہیں یہاں سے جانا ہو گا۔ بہت وقت ہو چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ دوبارہ بھی آؤں گا۔"

"تمہارا راستہ روک دیا جائے گا۔"

"میں راستے خود بنا لیا کرتا ہوں۔" اس وقت مایا دیوی کے اس طرح آجانے سے

مجھے سخت غصہ آیا تھا۔ خیر اتنا تو میں سمجھ چکا تھا کہ دولت کی دیوانی یہ عورتیں صرف پیسے کا عمل جانتی ہیں۔ میں ان پر بہت کچھ لٹا سکتا تھا لیکن جس طرح وہ یہاں آ گئی تھیں' اس میں ایک شبہ' ایک عجیب سا احساس جھلکتا تھا اور مجھے اس احساس سے نفرت ہو رہی تھی۔ یہ حسین لڑکی تو صرف خوشبو کی طرح سونگھنے کے لئے تھی۔ اسے تو ہاتھ لگا کر میلا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اور پھر اس کی باتیں مایا دیوی کے ساتھ باہر نکل کر میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"آؤ۔ میرے ساتھ کسی ایسی جگہ پر چلو جہاں میں اور تم بیٹھ کر باتیں کر سکیں۔"

میرے لہجے کی سختی اور الفاظ کے کھردرے پن نے مایا دیوی کو کچھ متاثر کیا۔ اس نے کہا۔ "تم شاید برا مان گئے میری بات کا۔ اصل بات یہ ہے دیکھو مجھے معاف کرنا۔ جذبات اپنا کوئی راستہ نہیں رکھتے۔ جب وہ امنڈتے ہیں تو ایک ایسے طوفان کی مانند امنڈتے ہیں جو کسی کوزے میں قید کر دیا گیا ہو اور اس وقت یہ خطرہ ہوتا ہے کہ طوفان کی شدت اس کوزے کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہ نہیں ہونا چاہئے اور میں نے اسی لئے کمرے میں داخل ہو کر وقت کے مختصر ہونے کا اعلان کیا تھا۔ یہ میری مجبوری ہے جس کا مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم برا مان گئے ہو۔" وہ مجھے لئے ہوئے ایک اور کمرے میں پہنچ گئی۔ اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولو۔"

"کون ہے یہ لڑکی؟"

"لڑکی ہے۔ کون ہے' کیا ہے اس کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا جاسکتا۔"

"وہ کیا دیوانی ہے؟"

"ہاں۔ وہ عقل و ہوش کی باتیں نہیں کرتی۔"

"کبھی نہیں کرتی؟"

"ہاں کبھی نہیں کرتی۔"

"کتنے عرصے سے تمہارے پاس ہے؟"

"میں نے کہا نا اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا جاسکتا۔ ہر بات کا معلوم کرنا ضروری نہیں ہے۔"

"مایا دیوی! میں اگر اسے حاصل کرنے کی کوشش کروں تو؟"

"تو صرف اور صرف حماقت ہوگی کیونکہ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ایک رئیس نے

اسے میرے پاس امانت کے طور پر رکھوایا ہے۔ تم نے اس سے ایک شریفانہ ملاقات کے لئے کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے تم سے یہ سودا کر لیا۔ اب اگر تم اس سے کوئی مستقل رابطہ کرنا چاہتے ہو تو مجھ پر رحم کھاتے ہوئے ایسا نہ کرو۔ تم چاہو تو اپنی دی ہوئی رقم مجھ سے واپس لے سکتے ہو۔ سمجھے۔"

"ہوں۔ سنو بات سنو۔ دیکھو تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ ذہنی عدم توازن کا شکار ہے۔ میں اس سے ملتے رہنا چاہتا ہوں۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وہ مجھے بہت زیادہ پسند آ گئی ہے اور میں اس سے عشق کرنے لگا ہوں تو غلط نہیں ہے اور اپنے بارے میں' میں تمہیں بتا دوں کہ مجھ سے دولت کی شکل میں جو کچھ مانگو گی میں تمہیں دیتا رہوں گا۔ اس کی طرف سے یہ مت سوچنا کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ باقی میں ذرا مختلف قسم کا انسان ہوں۔ میرے راستے روکنے کی کوشش مت کرنا۔ یہ وعدہ میں کرتا ہوں کہ اسے کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ کیا نام ہے اس کا؟"

"مجھے اس کا نام المایا بتایا گیا ہے۔" مایا دیوی نے کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ لو یہ کچھ رقم اور رکھو میں دوبارہ آؤں گا۔"

"میرے نوجوان ساتھی میں تمہارے جذبوں کی قدر کرتی ہوں۔ بلاشبہ انسانی دل میں محبت کے جذبات پیدا ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے لیکن اگر مناسب سمجھو تو میری مجبوریوں پر غور کر لو۔ مل لو اس سے آ کر جب دل چاہے ملو۔ لیکن براہ کرم اس کے راستے بدلنے کی کوشش مت کرنا۔"

"کسی رئیس نے اسے تمہارے پاس امانت کے طور پر رکھوایا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں۔"

"اور یہ امانت تم اسے کسی مناسب وقت پر ادا کرو گی؟"

"ہاں۔"

"تو بس پھر تمہیں ان تمام چیزوں کی کیا پریشانی ہے۔ میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں اسے کوئی ذہنی یا جسمانی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بس مجھے اس سے ملتے رہنے دینا اور جب تم اسے اس رئیس کے حوالے کرو تو مجھے اس کے بارے میں ضرور اطلاع دے دینا۔ باقی سارے کام بعد کے لئے چھوڑ دو۔ چونکہ اس وقت تک تمہاری ذمے داری تو ختم ہو چکی ہوگی۔" میں نے کہا اور مایا دیوی مجھے دیکھتی رہی پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" میں گردن جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر میں نے کہا۔
"ایک بات بتاؤ۔ اس نے مجھے اپنا نام املایا بتایا ہے اور تم نے بھی یہی نام میرے سامنے دہرایا ہے لیکن پہلے جب تم سے اس کے بارے میں بات ہوئی تو تم نے اسے نیل کنول کہہ کر پکارا تھا۔"

"اس رئیس نے مجھے اسی نام سے روشناس کرایا تھا اور کہا تھا کہ یہ نیل کنول ہے۔ بعد میں اس لڑکی سے میں نے اس کا اصل نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا نام املایا ہے۔ ویسے وہ بہکی بہکی باتیں ہی کرتی ہے اور اپنے آپ کو کبھی کسی ایک جمود پر نہیں رکنے دیتی۔" میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلائی اور اس کے بعد وہاں سے واپسی کی اجازت لے لی۔

اپنی رہائش گاہ پر واپس پہنچ گیا مگر کیا مصیبت گلے لگا لایا تھا۔ کوئی بھی لمحہ چین کا لمحہ نہ گزرا' بڑا بے سکون رہا۔ دوسرے دن کا انتظار کرتا رہا اور پھر دوسرے دن شام کو تیار ہو کر چل پڑا۔ وقت سے کافی پہلے مایا وتی کے کوٹھے پر پہنچ گیا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ شاید دولت کے سہارے میری بھرپور پذیرائی ہوگی لیکن وہاں میں نے سب کے چہرے اترے ہوئے دیکھے۔ سازندوں نے مجھے اندر لے جا کر بٹھایا اور تھوڑی دیر کے بعد مایا وتی آگئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک پیلے رنگ کا رومال پکڑا ہوا تھا جس میں کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ میں نے مایا وتی کو دیکھا اس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔
"کیا بات ہے مایا دیوی! کوئی پریشانی ہوگئی ہے؟"
"ہاں۔ یہ تمہاری دی ہوئی رقم ہے۔ دیکھو لو' گن لو' اور سنبھال لو۔ یہ میں واپس کرنے آئی ہوں۔ بھگوان کے لئے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ دیکھو یہ طوائف کا کوٹھا ہے۔ ہر تماش بین کے لئے کھلا ہوتا ہے۔ یہاں کے جو قاعدے اور ریت رواج ہیں تماش بینوں کو بتا دیئے جاتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ ان کی پابندی کرلیتے ہیں۔ جو نہیں کرتے ان کے ساتھ سختی کرنی پڑتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دولت کی آمد ہم لوگوں کے لئے دنیا کی سب سے بڑی خوشی کا باعث ہوتی ہے لیکن کہیں کہیں ایسی مجبوریاں بھی آجاتی ہیں جن کی وجہ سے ہمیں آنکھوں پر ٹھیکری رکھنی پڑتی ہے۔ یہ پیسے واپس لے لو۔ تم کو اس سے نہیں ملنے دیا جاسکتا۔"

"کیا کہہ رہی ہیں آپ مایا وتی! پہلے ہی آپ نے وعدہ کیا ہے مجھ سے۔"
"نہ صرف وعدہ کیا بلکہ میں نے تمہیں اس سے ملوا بھی دیا۔ لیکن بعد میں مجھے جو

دھمکیاں ملی ہیں۔ میں انہیں برداشت نہیں کرسکتی۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اگر میں نے ذرا بھی پیسے کا لالچ کیا اور نیل کنول کو کسی سے ملنے دیا تو میری بیٹیوں کو قتل کردیا جائے گا۔ میرا کوٹھا اجاڑ دیا جائے گا۔ یہ بات مجھ سے پہلے بھی کہی گئی تھی اور میں نے وعدہ کرلیا تھا کہ میں ایسا ہی کروں گی جیسا مجھ سے کہا جارہا ہے لیکن تم نے جس طرح مجھے مجبور کیا میں اس پر مان گئی۔ بھیا! یہ اپنے پیسے لے لو اور مجھے معاف کردو۔ یہاں حسن و عشق کا کھیل ممکن نہیں ہے۔ اور پھر وہ بھی کسی غیر کی امانت پر۔"
"کون آیا تھا تمہارے پاس مایا دیوی! مجھے بتاؤ۔"
"کیوں۔ کیا میں تمہارے لئے کچھ بتانے کی پابند ہوں۔ جو بات میں نے تم سے منع کردی بس سمجھ لو کہ منع کردی۔ میرے اپنے کچھ مسائل ہیں۔ تم اس سے نہیں مل سکتے۔ جاؤ بھیا تمہیں خدا کا واسطہ۔ یہ اپنی رقم لے جاؤ۔ جاؤ ہم کسی کے ساتھ یہ بدسلوکی نہیں کرتے لیکن جب ہماری اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو پھر ظاہر ہے کیا کیا جائے۔ لو یہ رقم رکھ لو۔"

"ایسی رقم سے یہ تمہارا کمرہ بھر سکتا ہوں میں مایا دیوی۔ ٹھیک ہے جارہا ہوں۔ دیکھوں گا کہ کیا کرسکتا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ سخت غصہ آرہا تھا لیکن تنہائی میں' میں نے مایا دیوی کے بارے میں سوچا۔ اتنا اندازہ تو مجھے ہوچکا تھا کہ طوائفوں کی اس بستی میں دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ ان سے ان کی ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ یقیناً مایا دیوی کا کوئی ایسا ہی مسئلہ ہوگا۔ جس کی وجہ سے اس نے مجھے نیل کنول سے ملنے سے منع کردیا لیکن وہ صورت وہ مورت ایسے نہیں بھلائی جاسکتی تھی۔ چنانچہ میں اس سے ملنے کی ترکیبیں سوچنے لگا اور پھر میں نے اس کی تاک لگائے رکھی۔ اس دن مایا دیوی اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ غالباً کہیں مجرہ کرنے گئی تھی۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ نیل کنول اس کے ساتھ کہیں نہیں آتی جاتی تھی۔ اس دن جب وہ ٹرین میں آرہی تھی تو یقینی طور پر کہیں سے آئی ہوگی۔ میں نے مایا دیوی کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ سازندے بھی اس کے ساتھ تھے۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں کوٹھے پر پہنچ گیا۔ ایک خاں صاحب نے مجھے روکا تھا تو میں نے جیب سے بہت سے نوٹ نکالتے ہوئے اس سے کہا۔

"خاں صاحب! وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ مجھے اس کا پیغام ملا ہے۔ بڑے کمرے میں اس جگہ جہاں تمام مہمان بیٹھتے ہیں۔ آپ اسے میرے پاس بھیج دیجئے۔ ہم بیٹھ کر باتیں

کریں گے۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے بس میں اس سے باتیں کروں گا۔" خاں صاحب نوٹ دیکھ کر باؤلے ہوگئے۔ مجھے لے جاکر بڑے کمرے میں بٹھا دیا اور کہنے لگے۔

"میاں! بات سنو' ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو چپ چاپ بتا دینا۔ آج تو خیر یہاں مل لو۔ سنبھال لیں گے ہم سب کو تھوڑے تھوڑے پیسے دے کر۔ مگر اس کے بعد پتہ بتا دو ہمیں اپنا۔ کوئی نہ کوئی ترکیب بنا کر تمہیں اس سے ملا دیں گے۔"

"واہ کیا نام ہے آپ کا؟"

"چمن۔ چمن خاں کہتے ہیں سب ہمیں۔"

"ٹھیک ہے۔ چمن خاں صاحب! تو یہ رقم اور رکھئے۔ یہ لیجئے یہ سب آپ کی امانت ہے۔ اپنا کام کر لیجئے گا اور میں آپ کو اپنا پتہ بتا دیتا ہوں۔ مجھ سے ملتے رہئے اور مجھے اس کے بارے میں بتاتے رہئے بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ یہاں میرے آدمی ہیں۔ میری کوئی ضرورت ہو تو آپ سے پوری ہو جائے گی۔"

"فکر ہی نہ کریں صاحب!" چمن خاں صاحب نے کہا اور میں خوش ہو گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ چمن خاں صاحب اسے لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ وہ مجھے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھی اور میرے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اسے ہونٹوں سے لگا کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟ ایسا ہوتا ہے۔ بڑے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں قرطیس اعظم! میں نے تو سوچا تھا کہ آپ آگئے تو مجھ پر سے مصیبتوں کا دور ٹل گیا لیکن آپ بھی دوسروں کی مانند نکلے دلاسہ دے کر گم ہو گئے۔ ایسا تو نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تو ظلم ہے۔" میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"نیل کنول! یہ بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں تمہارے لئے؟"

"لو۔ اب بھی پوچھ رہے ہو۔ اب بھی کچھ کہنا باقی رہ گیا ہے۔ صحرا کے درخت کی شاخیں تک مرجھا گئی ہیں۔ مجھے غور سے دیکھو۔ کیا ہو رہا ہے مجھے؟ اور تم ابھی پوچھ کچھ ہی کر رہے ہو۔ ایسے تو نہیں ہوتے دل دار' قرطیس اعظم کا نام تو بڑی بلندیوں پر ہے۔"

"یہ بتاؤ چاہتی کیا ہو؟"

"مجھے لے چلو۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔ احسان مانوں گی تمہارا زندگی بھر' پوری زندگی احسان مانوں گی۔" میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر باہر کچھ آہٹیں سنائی دیں اور اس کے بعد مایا دیوی پھنکارتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے مجھے

دیکھا پھر نیل کنول کو اور اس کے بعد بڑے سخت لہجے میں بولی۔

"اے میاں! وہ جو کہتے ہیں کہ بھلے آدمی کو ایک بات اور بھلے گھوڑے کو ایک چابک' ہم نے بڑی عاجزی اور انکساری سے آپ سے کہہ دیا تھا کہ ہماری مجبوریوں کا خیال رکھیں اور ہمیں مشکل میں نہ ڈالیں لیکن آپ نہیں مانے۔" مجھے بھی ایک دم غصہ آگیا میں نے کہا۔

"جاؤ۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں ابھی آیا ہوں اور اس سے باتیں کر رہا ہوں۔ اگر تم نے زیادہ گڑبڑ کی تو۔"

"تو مار دو گے نا ہمیں۔ ہم ہی مخالفت کر رہے ہیں تمہارے یہاں آنے کی' ٹھیک ہے قتل کر دو ہمیں۔ پر ہماری بچیوں کی زندگی تو خطرے میں مت ڈالو۔ دیکھو ہاتھ جوڑتی ہوں میں تمہارے' پاؤں پکڑتی ہوں میں۔ یہ میری مجبوری ہے۔ بھگوان کی سوگند میں اتنی بد اخلاق نہیں ہوں کہ کسی آنے والے مہمان سے بدتمیزی کروں۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔ ہماری مجبوری کو سمجھو۔ نیل کنول! چلو تم اپنی جگہ سے اٹھو اور اپنے کمرے میں جاؤ۔" نیل کنول نے گہری نگاہوں سے مایا وتی کو دیکھا اور بولی۔

"تو سونات ہے نا' ہاں تو سونات ہے۔ ظاہر ہے تیرا یہ کردار تو مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ایک بات سمجھ لے دادی بامنہ میں تیری تدفین تیری تقدیر کا ایک حصہ ہے۔ میں دیوتاؤں سے گزارش کروں گی کہ برائی کو اس طرح دفن کر دیا جائے کہ اس کا نام ونشان مٹ جائے اور اس کے سر پر صرف خاک اڑتی نظر آئے۔ ٹھیک ہے جا رہی ہوں میں۔ جانتی ہوں اگر نہ گئی تو کیا ہوگا۔"

"تو جا۔ نیل کنول تو جا۔"

"میں چاہوں تو اسے روک سکتا ہوں۔ میں چاہوں تو یہاں ہنگامہ آرائی کر سکتا ہوں۔ لیکن ایک بات میں پھر تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں مایا دیوی! مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کر۔ اگر یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں تو ٹھیک ہے میں اس کا مظاہرہ کر کے دکھا دیتا ہوں۔ نیل کنول تم یہاں سے نہ جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں تمہیں کون روکتا ہے۔" نیل کنول نے ایک نگاہ مجھے دیکھا پھر بولی۔

"ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم ملیں گے ہم ایک ہو جائیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ اس بری جگہ کوئی بدتمیز تمہارے سامنے آئے۔ قرطیس یہ تمہیں نہیں جانتی یہ نہیں جانتی تمہیں۔ میں جا رہی ہوں میری

روح لیکن تیرے لئے جو کچھ میں نے کیا ہے وہی تیرا مقدر بن چکا ہے۔" وہ اٹھی اور پُر وقار انداز میں چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ طوائف کے چہرے پر عجیب سی بے بسی کے آثار تھے۔ پھر وہ میری جانب مڑی اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بہت بری ہوں میں' بہت بری بن چکی ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔ مگر میں کیا کروں میں خود بھی مجبور ہوں۔ آہ' مجھے جس طرح مجبور کیا گیا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہاں بہت سے لوگ ہیں جو برے لوگوں کے ساتھ بد تمیزی کرتے ہیں۔ مگر بات بڑے لوگوں کی ہے تمہاری نہیں۔ مرجاؤں گی مگر تمہاری یہاں بے عزتی نہیں ہونے دوں گی۔ بس مجھ پر رحم کھاؤ۔ میری مجبوریوں کو نگاہوں میں رکھو اور یہاں سے چلے جاؤ' یہاں نہ آؤ۔ میں تم سے اور کس انداز میں بنتی کروں بس یہ میری مجبوری ہے اور اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں تمہیں سر آنکھوں پر بٹھاتی۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا آخر کار میں اسے یہاں سے لے جاؤں گا۔ یہ میرے لئے مشکل کام نہیں ہوگا۔ میں نے تمہیں بتادیا ہے۔" یہ کہہ کر میں وہاں سے چل پڑا۔

آج دل بڑا غم و غصے میں بھرا ہوا تھا۔ میں واپس آیا اور پھر میں نے بہت کچھ غور کرنا شروع کر دیا۔ راستے بدل گئے ہیں۔ محور سے ہٹ گیا ہوں۔ نہ کسی سے مشورہ کرنا تھا نہ کسی کی رائے لینی تھی۔ زندگی تو اپنے طور پر ہی گزار رہا تھا اور اس پر کسی کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی۔ چنانچہ دل نے اگر ایک طلب کی ہے تو پھر انتظار کیسا' اپنی تمام تر قوتوں کو بروئے کار لاؤ۔ فی الحال میں دوسرا ہی طریقہ استعمال کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ کچھ دن کے لئے بالکل خاموشی اختیار کرلی اور یہ طے کرنے لگا کہ طریقہ کار کوئی بہت ہی مناسب ہو۔ یہاں تک کہ میں نے فیصلہ کیا کہ چمن خاں سے اس سلسلے میں بھرپور مدد لی جائے۔ چمن خاں سے ملاقات کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مرد بچہ تھا گھومتا پھرتا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے خفیہ طور پر تلاش کرلیا۔ چمن خاں مجھے دیکھ کر عجیب سے انداز میں گردن ہلانے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

"ہمت نہیں پڑی صاحب! ورنہ ہم خود آپ کے پاس پہنچتے۔ کہئے ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔"

"کس حال میں ہے وہ؟"

"ٹھیک ہے۔ اپنے طور پر رہ رہی ہے۔"

"چمن خاں تمہیں اس کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہیں؟"

"نہیں تعجب کی بات ہے۔ مایا دیوی نے اس کے بارے میں ہر بات ہر ایک سے چھپائی ہے۔ حالانکہ مایا دیوی ایسی نہیں ہے۔ اپنے آدمیوں کو اور ساتھیوں کو اپنی ہر مشکل بتاتی ہے۔"

"یہ بتا سکتے ہو وہ کہاں سے آئی ہے؟"

"صاحب! بالکل پتہ نہیں ہے۔ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ مایا کسی مجرے میں گئی تھی۔ وہاں سے اسے ساتھ لائی ہے اور کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ وہ کون ہے اور کس کی امانت ہے۔ مایا دیوی اس کے بارے میں کچھ عجیب سی نظر آتی ہے کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی بات سے ڈری ہوئی ہے اور کبھی ہمیں یوں لگتا ہے جیسے وہ اس کی تربیت کرنا چاہتی ہے تاکہ صحیح قیمت پر اسے کیش کر سکے۔ یہ تو آپ سمجھتے ہیں سر کہ طوائف کا کوٹھا کیا چیز ہوتی ہے۔"

"چمن خاں! میں اسے وہاں سے نکالنا چاہتا ہوں۔"

"ارے باپ رے باپ صاحب جی یہ بڑا مشکل کام ہے کیونکہ آپ کو ایک بات میں بتا دوں۔ یہ طوائف ٹائپ کی عورتوں کے تعلقات بڑے زبردست ہوتے ہیں۔ بس ہوس کے مارے ہوئے لوگ ان کے دوست بن جاتے ہیں اور ہر جائز اور ناجائز کاموں میں ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ آپ ایسا کریں اس سے ملیں جب دل چاہے اس سے ملیں۔ ہم آپ کو اس تک پہنچا سکتے ہیں لیکن بس باقی کوئی ایسا کام نہ کریں۔ ورنہ تو مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے اور پھر ایک بات تو طے ہے صاحب جی کہ کوٹھے دولت سے چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے مایا دیوی اس کے بدلے کوئی بڑی رقم چاہتی ہوں۔"

"اگر یہ بات ہے چمن خاں تو اس سلسلے میں تم میری نمائندگی کرو۔ مایا دیوی جتنی رقم اس کے بدلے مانگے دگنا کر دو۔ میں ادا کردوں گا اور اس کا دس پرسنٹ تمہیں بھی دوں گا۔"

"بڑی بات ہے صاحب! بڑی بات ہے۔" چمن خاں نے تین دن کے بعد مجھے رپورٹ دی کہ جب اس نے مایا دیوی سے اس طرح کی بات کی تو مایا دیوی بہت خوفزدہ ہو گئی۔ وہ ناراض نہیں ہوئی تھی اس نے کہا کہ چمن خاں! ایک بات سمجھ لو اگر میں نے یا تم نے دونوں میں سے کسی نے نیل کنول کو کسی کے حوالے کرنے کی کوشش کی تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ کوٹھے کے ایک ایک فرد کو قتل کر دیا جائے گا اور ویرانی پھیل جائے

گی۔ اس لئے ایسا کوئی عمل کرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں۔

"ہوں۔ تو پھر ٹھیک ہے اب تو تم نے یہ دیکھ لیا کہ مایا دیوی شرافت سے ہماری بات ماننے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ چمن خاں! پانچ لاکھ روپے دوں گا تمہیں۔ اسے نکال کر لے آؤ۔" چمن خاں کا شاید سر چکرا گیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ دیر تک پانچ لاکھ کی آفر کے نشے میں جھومتے رہے پھر آنکھیں کھول کر کہا۔

"کب اور کہاں؟"

"جگہ کا تعین کر لو اور مجھے بتاؤ کوئی ایسی پُراسرار اور سنسان جگہ ہو جہاں تم اسے لے کر آجاؤ۔"

"یہاں سے تھوڑے فاصلے پر کالی تلیا ہے۔ کالی تلیا کا علاقہ بڑا اچھا رہتا ہے ایسے کاموں کے لئے۔ میں اسے وہاں لے آؤں۔"

"کیا وہ خود تمہارے ساتھ آنے پر تیار ہو جائے گی؟"

"صاحب جی! پانچ لاکھ روپے حاصل کرنے کے لئے تو سارے کام خود بخود ہو جائیں گے۔ آپ برا نہ مانیں میری بات کا۔ نقد رقم لوں گا۔ دو لاکھ ایڈوانس تین لاکھ اس وقت جب اس کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دوں۔"

"یہ دو لاکھ روپے لو۔" میں نے جیب سے رقم نکال کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ چمن خاں تو دو لاکھ روپے چھو کر ہی دیوانے ہو گئے تھے۔ بہرطور انہوں نے مجھے کالی تلیا کا علاقہ دکھایا اور اس کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ میں نے اب اپنے طور پر یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اس دوران مجھے کیا کرنا ہے۔ وقت دوسرے دن کا طے ہوا تھا۔ ایک آرام گاہ دریافت کرنی تھی۔ پورنی کو میں نے ابھی تک اس سلسلے میں اس لئے نہیں استعمال کیا تھا کہ ہو سکتا ہے وہ رقابت کا شکار ہو جائے اور اس کام کے کرنے میں دقت محسوس کرے اس لئے خود ہی کوشش کر کے ایک ایسی جگہ کرائے پر حاصل کی جہاں میں نیل کنول کو رکھ سکتا تھا۔ سوچا تھا اس کے بعد یہ شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ سارے پروگرام ترتیب دے لئے اور پھر مطلوبہ وقت پر کالی تلیا جا پہنچا۔ کار بھی میرے پاس موجود تھی اور میں نے طے کر لیا تھا کہ کالی تلیا سے میں سیدھا اپنے گھر جاؤں گا۔ وہاں تھوڑا سا وقت گزار کر صورتحال کا جائزہ لوں گا اور یہ دیکھوں گا کہ مایا دیوی اس سلسلے میں کیا کرتی ہے۔ اپنے آپ کو بھی ظاہر رکھوں گا اور ظاہر ہے میری اصل رہائش گاہ پر تو وہ ہو گی نہیں چنانچہ مجھ پر کوئی بات ہی نہیں آئے گی۔ بڑی ہمت سے

سارے کام کرتے ہیں اور اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو پھر بحالت مجبوری پورنی کا سہارا لینا پڑے گا۔

کالی تلیا کا علاقہ ویران تھا۔ آبادیاں یہاں سے بہت دور دور تک تھیں۔ پتہ نہیں یہ علاقہ کالی تلیا کے نام سے کیوں مشہور تھا۔ جب کہ یہاں کوئی تالاب وغیرہ نہیں تھا البتہ ایک بہت ہی بڑا سوکھا گڑھا نظر آتا تھا۔ ہو سکتا ہے کسی زمانے میں یہی تالاب ہو لیکن اب اس سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہلکی ہلکی سی آبادی ورنہ زیادہ تر علاقہ ویران اور سنسان ہی رہتا تھا۔ البتہ یہاں تک آنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی چونکہ بہت سی بسیں ' ویگنیں اور گاڑیاں یہاں سے گزرتی تھیں۔ چمن خاں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ رات کو ٹھیک دس بجے یہاں پہنچے گا۔ یہ وقت وہاں پر یعنی کوٹھوں پر پوری پوری مصروفیت کا وقت ہوتا تھا۔ بارہ بجے تک کوٹھوں کے مکینوں کو سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ چمن خاں چونکہ دوسرے کاموں میں مصروف رہا کرتے تھے اس لئے وہ الگ رہتے تھے اور نیل کنول کو وہاں تک لایا نہیں جا سکتا تھا۔ یعنی گانے والوں کی محفلوں میں۔ اس لئے نیل کنول بھی اپنے کمرے میں ہی رہتی تھی۔ چمن خان نے پورا منصوبہ مجھے بتا دیا تھا۔ دس بجے ' ساڑھے دس بجے ' بارہ ' ایک بج گیا لیکن خاں کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ جب گھڑی کی سوئیاں ایک سے بھی آگے گزر گئیں تو میرے ذہن میں مایوسی گھر کرنے لگی لیکن اس کے باوجود میں کار میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ پھر بیٹھے بیٹھے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے آنکھیں ایک دوسرے سے چپکا دیں اور صبح کو اس وقت ہوش آیا جب قرب و جوار میں اچھی خاصی رونق ہو چکی تھی۔ پورا وجود تھکن سے چور ہو رہا تھا۔ چمن خاں پر اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ ناقابل بیان واپس چل پڑا گھر پہنچ گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ وغیرہ کیا اور لیٹ کر گہری نیند سو گیا۔ اب شام کو دیکھوں گا چمن خاں کو۔ بہرحال شام کو غسل وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے تیار ہوا اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں چمن خاں سے ملاقات کی جا سکتی تھی۔ وہاں چمن خاں کا ایک آدمی موجود تھا۔ اس کا نام رحمت تھا۔ رحمت نے کہا۔

"صاحب! چمن خاں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ ہم آپ کا گھر تلاش کر کے آ گئے ہیں ہمیں گھر نہیں ملا۔"

"کیوں خیریت تو ہے؟"

"خیریت تو نہیں ہے صاحب! چمن خاں ہسپتال میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کو وہاں تک لے جا سکتے ہیں۔"

"کیوں۔ خیریت ہسپتال میں؟"

"کچھ نہیں۔ بولتے ہی نہیں ہیں کچھ۔ بس ایک پرچے پر لکھ کر ہم سے کہا تھا رحمت! ذرا صاحب جی کو اطلاع دے دو کہ میں ہسپتال میں ہوں۔ وہ آکر مجھ سے ہسپتال میں مل لیں۔"

"ہوا کیا ہے؟"

"یہ تو آپ ان سے مل کر ہی معلوم کریں صاحب جی! ہم آپ کو لئے چلتے ہیں۔"

ایک خیراتی ہسپتال میں چمن خاں ایک بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ کیفیت عجیب تھی ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے۔ زبان کو لقوہ مار گیا تھا۔ آنکھیں بھیانک انداز میں پھٹی پھٹی ہوئی تھیں۔ بے یارو مددگار پڑے تھے۔ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے ان سے کہا۔

"کیا ہوا چمن خاں! میں آپ کا انتظار کرتا رہا یہ کیا حالت ہے آپ کی۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" چمن خاں نے ہونٹ ہلائے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔ بہت بری حالت تھی بے چارے کی۔ میں نے ایک کاغذ اور قلم ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے بتائیں کیا ہوا ہے۔" چمن خاں نے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی لیکن دونوں ہاتھ اس بری طرح پیچھے کی سمت مڑے ہوئے تھے کہ قلم تو پکڑنا درکنار جنبش تک نہیں کر پا رہے تھے۔ میں حیرت و افسوس کے عالم میں انہیں دیکھتا رہا اور پھر میں نے ڈاکٹر سے اس سلسلے میں رجوع کیا۔

"فالج کا اثر ہے لیکن کچھ اس طرح کہ یقین نہ آئے۔ دماغ بالکل درست کیفیت میں ہے۔ اعضاء مفلوج ہو گئے ہیں۔"

"کیا یہ ٹھیک ہو جائیں گے؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔ بہرحال ہم علاج تو کر رہے ہیں۔"

"آپ ان کے علاج کے لئے پیسے کی بالکل فکر نہ کریں۔ ان کی بہتر نگہداشت کی جائے۔"

"ٹھیک ہے جناب! آپ براہ کرم انہیں پرائیویٹ کمرے میں منتقل کر دیجئے۔ کوئی پرسان حال نہیں ہے ان کا۔"

"کوئی نہیں آیا ان کے ساتھ؟" میں نے خود ڈاکٹر سے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کوئی بھی نہیں ہے۔"

"خیر آپ فکر نہ کریں۔ یہ رقم لیجئے اور باقی سارے کام آپ خود کرا دیجئے۔ میں آپ سے دوبارہ ملاقات کروں گا۔" چمن خاں کی اس کیفیت کا مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ یہ واقعی بڑی پُراسرار بات تھی ایسا اچانک ہی کیسے ہو گیا۔ لیکن ایسے اتفاقات بھی ہو سکتے ہیں۔ بہرحال بہت دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد میرا دل نہ مانا تو میں مایا دیوی کے کوٹھے پر جا پہنچا۔ مایا دیوی مجھے دیکھ کر ایک دم سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ میں نے کہا۔

"مایا دیوی! کیسی ہیں آپ؟"

"اب ٹھیک ہوں بھگوان کی دیا ہے۔"

"یہ اچانک ہی چمن خاں کو کیا ہو گیا؟"

"بس پتہ نہیں کیا ہوا۔ بیمار ہو گئے تھے۔ میں نے بندوں کے ہاتھ ہسپتال پہنچا دیا ہے۔"

"اور اس کے بعد کوئی خبر نہیں لی۔"

"میاں ہمارے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ ہم دوسروں کی تیمارداری کرتے پھریں۔ اپنے ہی پیٹ کا مسئلہ ہے۔"

"نیل کنول کس حال میں ہے؟"

"چلی گئی یہاں سے۔" مایا دیوی نے کہا اور مجھ پر جیسے غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"کیا......... کہاں؟"

"بس بلا لیا جس نے یہاں بھیجا تھا۔ ہم نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ بھیا جی! ہم اس کی حفاظت کرنے میں ناکام رہیں گے۔ لے جاؤ۔ بس آدمی آئے ان کے اور لے گئے۔"

"کب؟" میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پرسوں کی بات ہے۔ پرسوں صبح لے گئے تھے۔" میں خاموشی سے مایا دیوی کو دیکھتا رہا۔ کوئی بات میرے ذہن میں فٹ نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"مایا دیوی! تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"دیکھ لو بھیا! گھر پڑا ہے پورا۔ جھوٹ کیوں بولیں گے تم سے۔ ہاں البتہ یہ سمجھانے کی کوشش ضرور کریں گے کہ یقین کرو اگر بات ہمارے بس کی ہوتی تو ہم بھرپور مدد کرتے تمہاری مگر کیا کریں۔ بس جو کچھ ہوا وہی ہونا تھا۔" میں نے واقعی اس کے گھر کی تلاشی لی۔ نیل کنول کا کمرہ دیکھا وہاں کوئی نام ونشان نہیں تھا نیل کنول کا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن پر غم کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے اور میں ٹوٹے ہوئے انداز میں گھر واپس آ گیا۔

یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ زندگی میں کسی ایک سے دل لگایا اور یہ دل لگانا بھی دل لگی بن کر رہ گیا۔ پھر کئی دن تک بھٹکا بھٹکا سا رہا۔ یہ سوچ رہا تھا کہ دل سے اگر یہ نقش مٹ جائے تو بہت اچھا ہو۔ بھلا ان فضول باتوں کی گنجائش انسانی زندگی میں کہاں ہوتی ہے۔ اگر کوئی پُراسرار چکر چل رہا ہے تو مجھے اس میں اس قدر ملوث نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے آپ کو سنبھالنا بے حد ضروری ہے۔ یہ تمام باتیں سوچتا رہا تھا اور خود کو بہلانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ طبیعت میں ایک عجیب سی بغاوت پیدا ہو رہی تھی۔ کیا کرنا چاہئے۔ پھر اچانک ہی پورنی یاد آئی اور میں نے سب کچھ بھول کر پورنی کو آواز دی۔ پورنی میرے مخصوص الفاظ کے بعد میرے سامنے آ گئی تھی۔ وہ اس وقت بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ مگر میری آنکھوں میں تو کوئی اور ہی بسا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"پورنی! تم نے ہر مرحلے میں میری مدد کی ہے۔ کبھی بھی تم نے اپنی بات کو مجھ پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"غلاموں کو اس کی جرأت کہاں سے ہو سکتی ہے سر!"

"پورنی میں ایک مشکل کا شکار ہو گیا ہوں۔ کیا تم اس کے بارے میں جانتی ہو؟"

"سر! آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم کرنا میری ذمے داری ہے۔"

"تو تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتی تھیں؟"

"نہیں سر۔ اس کے لئے آپ کا حکم نہیں تھا اور آپ کسی مشکل میں مبتلا نہیں تھے۔ وہ تو صرف آپ کے دل کی طلب تھی۔"

"پورنی! کیا تم بتا سکتی ہو کہ مایا دیوی نے مجھ سے جو کچھ کہا وہ ٹھیک کہا؟"

"نہیں میں یہ نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں؟"

"کسی کے دل کے اندر اس طرح جھانکنا تو ذرا مشکل کام ہے۔"

"اچھا.......... اچھا چلو ایک کام تو کرو۔ تم نیل کنول کو تلاش کرو اور اگر وہ تمہیں مل جائے تو جس طرح بھی بن پڑے اسے اٹھا لاؤ۔ میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں میرے لئے یہ کام کرو۔"

"ٹھیک ہے سر!" پورنی نے کہا اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ پھر بہت وقت تک میں پورنی کا انتظار کرتا رہا تھا لیکن کہیں اس کا کوئی نشان نہیں ملا۔ دوسرے دن صبح دس بجے وہ میرے پاس آئی لیکن [illegible] میں بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہاں تم خالی ہاتھ ہو۔"

"جی سر! کوئی بہت بڑی بات ہے۔ کوئی بہت ہی پُراسرار عمل کام کر رہا ہے۔ میں نے اسے ہر جگہ تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہیں ملی۔"

"پورنی تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"سر میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میری شکتی ایک بیر شکتی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں اور شاید یہ میرے عمل سے اونچی بات ہے۔"

"گویا تم اسے نہیں تلاش کر سکتیں۔"

"نہیں سر! اگر کر سکتی تو اسے ساتھ لے کر آتی۔ آپ مجھ سے اب اس کے بارے میں کچھ بھی نہ کہیں۔ میں نے جتنے جتن ہو سکتے تھے کر ڈالے ہیں۔ کوئی کسر باقی نہیں رہی ہے۔" میں نے مایوسی سے گردن لٹکائی اور پھر افسردہ لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔" پھر اس کے بعد میرا ذہن سوچوں میں ڈوبا رہا تھا۔ اس رات میں نے فیصلہ کیا کہ مایا دیوی کے گھر میں گھسوں گا' مایا دیوی پر سختی کر کے اس سے تفصیلات معلوم کروں گا۔ رات کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب میں طوائفوں کے محلے میں پہنچا تو وہاں بجلی گئی ہوئی تھی۔ پورا علاقہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ پھر بھی کسی نہ کسی طرح مایا دیوی کا گھر تلاش کرتا ہوا اس کے کوٹھے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے دستک دی تو کسی کا کوئی جواب نہیں ملا۔ غصے میں آ کر میں نے زور سے دروازے کو اندر کی جانب دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ تاریکی میں دروازہ کیوں کھلا رہ گیا ہے۔ میں نے اندر جا کر آواز دی۔ "مایا دیوی! میری بات سنو تمہارے پاس جلانے کے لئے موم بتی نہیں ہے۔ روشنی کرو میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ مایا دیوی۔ ارے کوئی ہے۔" میں آوازیں لگاتا رہا لیکن ایک بھیانک اور ویران سناٹا۔ اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پھر میں مختلف کمرے جھانکتا رہا۔ سب کچھ اندازے کی بنا پر کر رہا تھا یہاں تک کہ میں اس بڑے کمرے میں پہنچ گیا جو نیل کنول کا تھا۔ اس کمرے میں اب نیل کنول کی خوشبو نہیں پھیلی ہوئی تھی۔ پھر مجھے باہر کچھ آہٹیں سنائی دیں اور میں نے چونک کر ادھر دیکھا پتہ نہیں کون تھا۔ میں نے ایک بار پھر آواز لگائی۔

"دیکھو اگر تم سب چھپ گئے ہو تو میں تمہیں تلاش کر لوں گا اور اس بدتمیزی پر میرا خیال ہے میرا دماغ گھوم جائے۔ میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔ مجھ سے بات کرو کون ہے یہاں؟" لیکن کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ میں باہر نکلا اور میں نے دور تھوڑے فاصلے پر

ایک روشنی کی لو سی لرزتی ہوئی دیکھی۔

"رکو' رک جاؤ' رکو میرے پاس پستول ہے۔" میں نے بلاوجہ ڈینگ ماری۔ روشنی ایک دم سے آگے بڑھنے لگی تھی۔ میں تیزی سے اس کی طرف دوڑا اور پھر میں نے روشنی کو زینہ اترتے دیکھا لیکن یہ زینہ سامنے والا نہیں تھا۔ جدھر سے میں یہاں آیا تھا۔ بلکہ کوئی اور زینہ تھا۔

"دیکھو رک جاؤ۔ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" بلاوجہ میں نے کہا اور سنبھل سنبھل کر سیڑھیاں نیچے اترنے لگا۔ مدہم روشنی بڑی تیزی سے آگے جا رہی تھی اور میں بھی اس تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ دفعتاً ہی مجھے احساس ہوا کہ میں تو بے پناہ سیڑھیاں اترتا چلا جا رہا ہوں۔ یہ کیا چکر ہے۔ بالاخانے کی سیڑھیاں تو زیادہ سے زیادہ پندرہ یا سولہ تھیں جبکہ میں اس وقت ساٹھ ستر سیڑھیاں اتر گیا تھا اور روشنی آگے آگے بھاگی جا رہی تھی۔ ایک دم میرے قدم رک گئے۔ سوفیصدی' سوفیصدی یہ ایک پُراسرار عمل ہے۔ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا میں نے سوچ لیا ہے۔ آہ۔ ناممکن۔ ناممکن میں رک گیا اور میں اس طلسم کے بارے میں غور کرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ یہ آخر کیا چکر ہے۔ واپس چلا جائے اور دیکھا جائے کہ مسئلہ کیا ہے۔ چنانچہ مایوسی کے عالم میں میں واپس مڑا لیکن کوئی تین سیڑھیاں ہی چڑھا تھا کہ میرے سامنے ایک دیوار سی آگئی۔ میں اس دیوار کو ٹٹولنے لگا۔ یہ دیوار عجیب تھی۔ اس سے پہلے تو میں سیدھا سیڑھیاں اترتا آیا تھا لیکن راستے میں کوئی دیوار یا دروازہ نہیں تھا۔ کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی تھی مجھے لیکن اب یہ سب کیا ہے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے خوب اوپر تک ٹٹولا جہاں تک میرے ہاتھ جاسکتے تھے لیکن سوفیصدی یہ ایک سنگی دیوار تھی اور اس میں کوئی رخنہ نہیں تھا۔ یہ اندازہ تو مجھے ہوگیا تھا کہ یہ کوئی پُراسرار طلسم ہے جس میں پھنس کر میں عقل و ہوش کھو بیٹھا ہوں لیکن اب کیا کروں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کروں۔ میں نے ایک بار پھر پوری پوری کوشش کی اور شدید خطرہ مول لیتے ہوئے دروازے کو آخر تک ٹٹولا لیکن صاحب دروازہ ہوتا تو اس میں کوئی رخنہ کنڈی وغیرہ نظر آتی۔ یہ تو ایک سپاٹ دیوار تھی۔

اب کیا کروں۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ روشنی بھی غائب تھی اور گھپ تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ میں ایک لمحے کے لئے ایک سہمی ہوئی سی کیفیت کا شکار ہوگیا اور میں نے ڈری ڈری آواز میں اپنا وہ منتر پڑھا جو پورنی کو بلانے کے لئے ہوتا تھا لیکن کئی بار پورنی کو پکارنے کے باوجود کوئی سرسراہٹ کوئی آواز سنائی نہ دی۔ پورنی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ یہ کیا ہوا۔

واقعی یہ تو ایک بڑی سحرانگیز بات تھی جو بالکل سمجھ میں نہیں آتی تھا۔ قصہ کیا ہے یہ اب کیا کروں۔ اوپر جانے کے راستے بند تھے نیچے کی سیڑھیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کا مقصد ہے کہ مجھے نیچے اترنا چاہئے۔ اب اس روشنی کا بھی نام و نشان نہیں تھا اس گھپ اور گھور تاریکی میں سیڑھیوں کا مسئلہ بھی ٹیڑھا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اب دونوں سمت کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی۔ پتہ نہیں سیڑھیاں کس قدر گہرائی میں گئی ہیں اور کہاں جاکر ختم ہوتی ہیں۔ پاؤں پھسلے تو کہیں پاتال میں نہ جاگروں۔ کیا کروں یہیں بیٹھ جاؤں یا نیچے کی جانب چلوں۔ بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ایک بار پھر واپسی کے دروازے کو ٹٹولا مگر وہ سنگی دیوار مکمل طور سے راستہ روکے کھڑی تھی۔ چنانچہ نیچے اترنے لگا۔ سیڑھیاں گننا بھی بھول گیا تھا۔ بس ایک ایک قدم احتیاط سے رکھتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ یہاں تک کہ شاید آخری سیڑھی بھی آگئی۔ میں نے مزید نیچے اترنے کے لئے پاؤں نیچے مارا لیکن پاؤں سپاٹ زمین سے ٹکرایا۔ بدن میں تیز سرسراہٹیں دوڑنے لگیں۔ میں نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ سپاٹ زمین تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ میں نیچے پہنچ چکا ہوں۔ کہاں؟ اس بات کا صحیح طور پر کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

کچھ دیر گم صم کیفیت میں وہاں کھڑے ہو کر قرب و جوار کا جائزہ لیتا رہا۔ مجھے اپنے انتہائی داہنے سمت ایک روشن سی چیز چمکتی نظر آئی۔ چھوٹا سا سفید دھبا تھا۔ بہرحال میں یہ اندازہ لگاتا رہا کہ یہ جگہ کیسی اور کون سی ہوسکتی ہے۔ تاریکی میں روشنی کی موجودگی انسان کی توجہ خودبخود اپنی جانب مبذول کرتی ہے۔ چنانچہ میں اس روشن دھبے کی جانب بڑھنے لگا۔ مجھے اپنے قرب وجوار کے ماحول کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ زمین بھی نظر نہیں آرہی تھی بس تقدیر پر بھروسہ کرکے ایک ایک قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ آگے ممکن ہے کوئی گڑھا ہو جو مجھے نگلنے کے لئے بے چین ہو۔ جوں جوں آگے بڑھتا رہا سفید دھبا بڑا ہوتا چلا گیا۔ بس یہ اس پُراسرار جگہ کا کرشمہ تھا کہ کسی چیز کی صحیح وضاحت نہیں ہو پا رہی تھی لیکن پھر ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے اور روشنی کا انداز یہ بتانے لگا کہ یہ دھبا ایک ایسا سوراخ ہے جو اس پُراسرار جگہ اور کھلی جگہ کے درمیان راستہ ہے۔ مجھے اس کے علاوہ اور کیا چاہئے تھا۔ عجیب مصیبت میں گرفتار ہوگیا تھا۔

بہرحال اس سوراخ تک پہنچ گیا۔ بس اتنا سوراخ تھا کہ ایک آدمی لیٹ کر اس میں سے گزر سکے۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ دوسری طرف کیا ہے۔ لیکن روشنی اور کھلی ہوا یہ بتا رہی تھی کہ بہرحال ادھر کوئی کھلی جگہ موجود ہے۔ اس علاقے کا ذہن میں تجزیہ کیا جہاں

سے یہ سب مصیبت شروع ہوئی تھی۔ تو اندازہ ہوا کہ آس پاس تو کوئی ایسی جگہ موجود نہیں ہے لیکن بہرحال اس طلسم سے نکلنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ میں اس سوراخ سے رینگ کر باہر آگیا لیکن دوسری طرف جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ہوش اڑ گئے تھے۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہی سب کچھ سچ ہے۔ یا کوئی گڑبڑ ہے۔

تاحدِ نگاہ ویران جنگل پھیلا ہوا تھا۔ درخت' گھاس' پرندے نظر آرہے تھے۔ کافی فاصلے پر دریا کے بہاؤ کا شور بھی سنائی دے رہا تھا جو کافی زوردار تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی بہت ہی زبردست قسم کا دریا بہہ رہا ہے۔ باپ رے باپ یہ کون سا علاقہ ہو سکتا ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور میری متجسس نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لیتی رہیں۔ پھر میں نے پلٹ کر اس عظیم الشان چھتری نما چٹان کو دیکھا جس کے دامن میں سوراخ نظر آرہا تھا۔ یہ کالی چٹان کوئی گنبد نما جگہ معلوم ہوتی تھی اور اس کا اوپر کا حصہ بالکل سپاٹ اور پھسلوان تھا۔ جس پر قدم جمانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کیونکہ اوپر کائی جمی ہوئی تھی اور یہ کائی ایسی تھی کہ اگر کوئی پرندہ بھی اس پر سوار ہونے کی کوشش کرے تو پھسل کر گر جائے۔ نیچے سنگلاخ زمین تھی جس پر گر کر ہڈیاں سرمہ ہو سکتی تھیں۔ البتہ قرب وجوار میں پھیلے ہوئے مناظر غیر دلکش نہیں تھے۔ درخت لمبے لمبے اور اونچے تھے لیکن پھلوں سے بے نیاز۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ یہ پُراسرار اور ناقابلِ یقین علاقہ ہے کون سا؟ کم از کم یہ شہری آبادی کے قریب موجود کوئی علاقہ تو نہیں لگتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ کوئی ویران جنگل ہو۔ مگر زمین کی ان گہرائیوں میں اترنے کے بعد کسی جنگل میں جانا ایک تصوراتی چیز تو ہو سکتی تھی۔ حقیقت نہیں لیکن انسان جب اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے اور اسے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ حقیقت ہے تو پھر ایسی باتوں کو حقیقت ماننا ہی پڑتا ہے۔ نہ ماننے سے کوئی مسئلہ تو حل نہیں ہوتا۔

اب یہ سب سے مشکل بات تھی کہ آج تک میں نے پورنی کے قبضے میں آجانے کے بعد پورنی پر ہی بھروسہ کیا تھا لیکن اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے میں بالکل بے یارومددگار ہوں۔ ویسے بھی یہ ایک غلط بات تھی۔ بے شک ان پُراسرار واقعات نے مجھے اپنے اندر جکڑ لیا تھا۔ لیکن میری عقل تو قائم تھی۔ تھوڑا بہت بھروسہ تو اپنے آپ پر بھی کرنا چاہئے۔ جان بوجھ کر دلدل میں پاؤں رکھو گے تو غرق تو ہونا ہی پڑے گا۔ اب کیا کروں؟ واپس سوراخ سے اندر جاؤں مگر اندر جا کر بھی کیا کرتا۔ جن سیڑھیوں سے اتر کر

آیا تھا وہ تو واپس جانے کا راستہ ہی نہیں دے رہی تھیں۔ وہاں سے کچھ آگے بڑھا۔ جنگل کو دیکھ کر اس خوف کا احساس بھی ہوتا تھا کہ کہیں اس میں درندے نہ ہوں۔ میں تو خالی ہاتھ تھا اور ٹارزن بھی نہیں تھا کہ درندوں سے جان بچالوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وحشی جنگل میں ہی زندگی کا اختتام ہو جائے۔

خوف انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے اور میرے دل میں بھی اس وقت سچی بات ہے خوف پیدا ہو گیا تھا۔ خاص طور سے پورنی نے جب نیل کنول کی بازیابی سے انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ اس کی طاقت تو صرف ایک بیر کی طاقت ہے۔ بہت سے کام وہ بے شک کر سکتی ہے لیکن ہر کام نہیں اور جادو کی اس نگری میں ایک سے ایک بڑی بلا پڑی ہوئی ہے۔ ساری بلاؤں سے تو نہیں نمٹا جاسکتا۔ اب اگر ایسی صورت حال پیش آگئی ہے تو اپنے بچاؤ کے لئے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ بہت سی سوچیں ذہن میں آرہی تھیں۔ آگے بڑھا اور ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں چکنی مٹی کا ڈھیر تھا اور ایک درخت کسی کتبے کی طرح لگا ہوا تھا۔ یہاں بیٹھ کر میں دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ اب کیا کرنا چاہئے میرے لئے زندگی کے راستے تقریباً بند ہو چکے ہیں۔ بہت دیر تک بیٹھا اس سوچ میں ڈوبا رہا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا اور دریا کی جانب رخ کیا۔

میں آگے بڑھتا چلا جارہا تھا اور قرب وجوار کے مناظر میری آنکھوں میں نمایاں ہوتے چلے جارہے تھے۔ خوبصورت پرندے درختوں پر پھدکتے پھر رہے تھے لیکن ابھی تک کوئی بڑا جانور نظر نہیں آیا تھا۔ گلہریاں' خرگوش' ایک دو جگہ نیولے بھی نظر آئے تھے اور بس۔ اس سے بڑا جانور ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ پھر عظیم الشان دریا کا چوڑا پاٹ نظر آگیا۔ بلاشبہ یہ کوئی روایتی دریا تھا لیکن پھر ایک طرف نگاہ اٹھی تو ایک دم بدن میں جھرجھری سی آگئی۔ سفید رنگ کی ایک بڑی کشتی دریا کے کنارے موجود تھی اور ہلکے ہلکے پانی پر ہچکولے کھا رہی تھی۔ کشتی تک جانے کے لئے پانچ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور تھوڑے ہی فاصلے پر کوئی میری طرف پشت کئے بیٹھا لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھر ہمت کر کے اس کی طرف رخ کیا۔ میرے قدموں کی آہٹ پر وہ شخص چونک پڑا اور اس نے کھڑے ہو کر میری جانب دیکھا۔ لمبی چوڑی جسامت کا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا لیکن اس میں کوئی ایسی خاص بات تھی جسے الفاظ تو نہیں دیئے جاسکتے محسوس کیا جاسکتا تھا۔ اس کے چہرے پر پُرجوش تاثرات پھیل گئے اور میرے آگے بڑھتے ہی وہ خود بھی آگے بڑھنے لگا۔ میرے قدموں میں ایک لغزش سی پیدا ہو گئی تھی

لیکن وہ پُراعتماد انداز میں چلتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا۔

"آپ آگئے جناب! آیئے منگلہ سن آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ مہاویرتا نے آپ کے بارے میں بہت سی باتیں مجھے بتائی ہیں۔ کشتی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔" دونوں نام میرے لئے اجنبی تھے۔ یہ منگلہ سن کون ہے اور مہاویرتا کیا ہے۔ کوئی ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"بھائی! شاید تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"کیسی غلط فہمی مہاراج؟"

"جو نام تم نے لیا ہے پہلی بات تو یہ کہ میں اسے نہیں جانتا۔ دوسری بات یہ کہ تمہیں یقیناً غلط فہمی ہو رہی ہے۔ جو نام تم نے لیا ہے وہ میرا انتظار نہیں کر رہا ہوگا۔ بلکہ کوئی اور یہاں آنے والا ہوگا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں مہاراج! منگلہ سن کی شکتی کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی۔ وہ آپ ہی ہیں جسے یہاں آنا تھا اور مہاویرتا کو اس سے ملاقات کرنی تھی۔ آپ آیئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"ایک بات میں تمہیں بتا دوں میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں کسی منگلہ سن کو نہیں جانتا۔ یہ نہ ہو کہ وہاں پہنچنے کے بعد تم اس بات کا اظہار کرو کہ تم سے غلط فہمی ہوگئی ہے اور وہ میں نہیں ہوں جسے تمہیں وہاں لے جانا تھا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہوگا۔"

"آپ آیئے مہاراج۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"شکتی۔"

"اچھا اچھا۔"

"مہاویرتا کی شکتی۔"

"میں ان تمام باتوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"آپ کو سب کچھ معلوم ہوجائے گا مہاراج! آپ آیئے۔" میں خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد ہم کشتی پر پہنچ گئے۔ جس شخص نے اپنا نام شکتی بتایا تھا وہ ایک پُراسرار سی شخصیت کا مالک تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ اول تو میں ویسے ہی مشکل کا شکار تھا اور اوپر سے یہ سب کچھ۔ بہرحال میں آہستہ آہستہ سیڑھیاں طے کرکے کشتی پر پہنچ گیا۔ سہ پہر کا وقت آہستہ آہستہ شام کے دھندلکوں میں گم

ہو رہا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیں آسمان سے برس رہی تھیں اور بھورے رنگ کی گہری دھند ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لیتی جارہی تھی۔ پھر اس نے کشتی آگے بڑھادی اور موٹر بوٹ دریا میں اپنا سفر طے کرنے لگی۔ دریا کیا پورا سمندر ہی تھا۔ اتنا چوڑا پاٹ کہ دیکھ کر ہی دہشت ہو۔ مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ دریا کے دوسرے سرے کی سمت جارہا ہے۔ میں نے غور سے شکتی کو دیکھا۔ اس کے دونوں رخساروں پر سفید رنگ کے اور نہایت لمبے لمبے نشانات تھے اور یوں لگتا تھا جیسے پہلے یہ لمبے لمبے زخم ہوں۔ اس کی شکل انتہائی خوفناک اور مکروہ تھی۔ بہرحال موٹر بوٹ دریا پر پھیلی ہوئی بھوری دھند کو چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھنے لگی اور تھوڑی ہی دیر میں ساحل نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ موٹر بوٹ کی رفتار دریا کے درمیان پہنچ کر کچھ سُست ہوئی اور وہ سیدھی سفر کرنے لگی۔ میں خاموشی سے قرب و جوار کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ موسم اور یہ ماحول ہی اجنبی تھا۔ پہلے تو یہ کہ اتنا بڑا دریا اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو معلوم ہونا چاہئے تھا۔ کبھی کہیں نہ کہیں سے تو کوئی تذکرہ سننے کو ملتا۔ پھر اس پر پھیلی ہوئی دھند جو مقامی موسم سے مناسبت نہیں رکھتی تھی۔ موٹر بوٹ مناسب رفتار سے سیدھی چلی جارہی تھی۔ میں نے بحالت مجبوری سوچا کہ اس شخص سے کچھ بات ہی کروں چنانچہ میں نے اس سے سوال کیا۔

"کیا ہمارا یہ سفر طویل ہے؟" اس نے ایک دم سے چونک کر میری جانب دیکھا اور پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"بیس منٹ یا آدھے گھنٹے تک۔ ویسے پانچ دس منٹ کا فرق ہوسکتا ہے۔ ہم پہنچ ہی جائیں گے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ مزید اس سے آگے بھی کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن نہ جانے کیوں اس نے خاموشی ہی اختیار کئے رکھی۔ میں غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کشمکش کا شکار ہے۔ یکایک اس نے کہا۔

"آپ بہت زیادہ الجھے ہوئے ہیں جناب!"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اگر خاموشی پسند نہیں کرتے تو مجھے منگلہ سن کے بارے میں بتاؤ۔ میں تو تم سے یہ کہہ چکا ہوں کہ میں منگلا سن کے بارے میں نہیں جانتا اور تم کہتے ہو کہ تم پورے اعتماد کے ساتھ مجھے اس کے پاس لئے جارہے ہو اور وہ میرا منتظر ہے۔ یہ ساری ذمے داری تمہارے کاندھے پر ہے اور تمہیں یہ ذمہ داری قبول کرنا ہوگی۔"

"آپ اس سلسلے میں بالکل بے فکر رہیں جناب! اصل میں ہمارے ہاں مہمان آتا ہی

کون ہے۔ لیکن اگر کوئی مہمان آہی جائے تو پھر کم از کم ہم اس کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمیں اس کے ساتھ کیا رویہ رکھنا چاہئے۔"

"اچھا تم یہ بتا سکتے ہو کہ منگلہ سن میرا انتظار کیوں کر رہا تھا؟"

"مہاویرتا کے کام' مہاویرتا ہی جانتے ہیں۔ بھلا ہم جیسے خادموں کو ان کے بارے میں کیا معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔"

"تم منگلہ سن ہی کو مہاویرتا کہتے ہو؟"

"ہاں مہاراج! آپ واقعی ان سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں لیکن آپ ان سے ملیں گے تو آپ کو خوشی ہوگی۔ مہاویر تاریک سنسار میں دو روپ رکھتے ہیں۔ ان کا ایک روپ تو گیان دھیان سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا موجودہ دور کی عکاسی کرتا ہے۔ مہاویرتا جو کچھ کرتے ہیں اگر تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو مہاراج! تو یہ سمجھ لو کہ اسے جاننے کے بعد تم مہاویرتا کی پوجا کرو گے۔" وہ نہ جانے کیا کیا باتیں بتاتا رہا۔ میں نے اس کی شکل پھر ایک بار غور سے دیکھی۔ اسے دیکھ کر مجھے نہ جانے کیوں ایک احساس ہوتا تھا کہ اگر اس شخص کی صورت اس طرح بگاڑ نہ دی جاتی تو یقینی طور پر یہ ایک خوبصورت آدمی ہوتا۔ میں نے اس سے کہا۔

"ایک بات بتاؤ۔ تمہارے چہرے پر یہ زخم کے نشان کیسے ہیں؟"

"بس ایک حادثے کا شکار ہوا تھا مہاراج!" اس نے اس طرح کہا جیسے یہ جواب وہ اپنے آپ کو دے رہا ہو۔ پھر وہ خاموش ہوگیا مگر اس ایک فقرے سے زیادہ اس نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر ہمیں زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دھند میں لپٹا ہوا ساحل نظر آنے لگا۔

☆------☆------☆

یوں لگتا تھا جیسے دریا کے بیچوں بیچ کوئی ٹاپو ہو۔ ہو بھی سکتا ہے۔ مجھے جب اس علاقے کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ ٹاپو' یہ چھوٹا سا جزیرہ آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا اور پھر کچھ دیر کے بعد جزیرے کا منظر صاف دکھائی دینے لگا۔ شکتی نے کشتی کا انجن بند کرکے اسے ایک ابھری چٹان کے قریب بند کر دیا اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔

"نیچے آجائیے۔"

"مگر یہاں تو پانی ہے۔"

"بہت تھوڑا سا ہے مہاراج۔"

"میرے کپڑے بھیگ جائیں گے اور جوتے بھی۔"

"آپ چاہیں تو جوتے اتار لیجئے۔"

"کمال ہے ادھر تو بڑا معقول بندوبست کیا گیا تھا خشکی میں پہنچنے کا۔"

"ادھر دریا کا کنارہ بہت اونچا تھا۔ یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ لہریں پختہ ساحل تک لے جاتی ہیں۔ ویسے آپ کو کچھ فاصلہ چڑھائی کا طے کرنا پڑے گا۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پہلے جوتے اتارے۔ شکتی بھی نیچے اتر گیا تھا۔ ہمارے گرد و پیش ایک وحشت ناک سناٹا طاری تھا۔ کبھی کبھی نم اور تیز ہوائیں چلتیں تو یوں لگتا کہ بہت دور فاصلے پر کوئی عورت درد و کرب سے بے چین ہو کر چیختی اور چلاتی ہے۔ تھوڑے فاصلے پر ویران مکانوں کی ایک لمبی قطار نظر آرہی تھی۔ ٹوٹے پھوٹے پتھر کے بنے مکان ان کی ٹیڑھی دیواریں اور جھکی چھتیں گہری کالی پڑی ہوئی تھیں۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے پٹ غائب تھے اور انہیں صحیح مکانوں کے بجائے کھنڈر کہا جاسکتا تھا۔ کہیں کہیں پرانی اینٹوں کے ڈھیر لگے دکھائی دیتے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سا علاقہ ہے اور کون سا شہر ہے۔ کیا ہے یہ سب کچھ ذرہ برابر اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی قدیم شہر کسی حادثے کا

شکار ہوگیا ہو۔ کوئی خوفناک زلزلہ یا کوئی اور آفت۔ ہوسکتا ہے کہ قرب وجوار میں کوئی آتش فشاں ہو جس نے آتش فشانی کر کے انسانی زندگیوں کو موت کی نیند سلادیا ہو اور اس کے بعد مکمل سکون، سکوت اور خاموشی چھاگئی ہو۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ کیا حادثہ ہوا تھا لیکن کھنڈرات، ملبے کے ڈھیر۔

وہ میری رہنمائی کر رہا تھا اور ہم ایک پتھریلے اور بلند راستے پر چل رہے تھے۔ وہ مجھ سے چند قدم آگے آگے تھا۔ کوئی دس منٹ کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم جس جگہ پہنچے وہاں ایک عظیم الشان کھنڈر نظر آیا تھا جو ہوسکتا ہے زمانہ قدیم میں کسی قلعے کی حیثیت رکھتا ہو۔ آثار یہی بتا رہے تھے چنانچہ میں اس کی رہنمائی میں قلعہ نما قدیم عمارت میں پہنچ گیا۔ اس عظیم عمارت کے چاروں طرف پتھر کی ایک اونچی دیوار تھی۔ جس پر حفاظت کے لئے لوہے کے خاردار تار لگے ہوئے تھے۔ عمارت کا یہ بلند دروازہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ شکتی نے میری جانب دیکھا اور دروازے کے ساتھ لگے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی۔ میں نے دروازے کے دوسری جانب گھنٹی بجنے کی تیز آواز سنی تھی اور پھر فوراً ہی ایک پُرشور آواز کے ساتھ لوہے کا دروازہ کھلا اور میں شدید جھرجھری محسوس کرنے لگا۔ کیونکہ جس شخص نے دروازہ کھولا تھا وہ انسان سے زیادہ شیطان نظر آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے زمانہ قدیم کے قصے کہانیوں کا کوئی دیو دروازے پر آکھڑا ہو۔ مجھے اس کے طرف ہاتھ اور ٹانگیں ہی دکھائی دی تھیں۔ کیونکہ وہ دروازے کے پیچھے کھڑا تھا۔ آخر کار شکتی کی آواز سنائی دی۔

"آپ بے فکری سے اندر داخل ہوجایئے جناب!" میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور دروازے کے اندر آگیا۔ اب یہاں پہنچ کر میں نے اس دیو قامت شخص کو دیکھا جس نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کا قد یقیناً آٹھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا تھا اور جسمانی اعتبار سے وہ اس قدر لمبا چوڑا تھا کہ میرے جیسے چار آدمی اس کے وزن کے برابر ہوتے۔ اس کے ایک ہاتھ میں چابیوں کا ایک موٹا سا گچھا تھا۔ پھر میں نے ایک ہلکی سی سرسراہٹ پر ایک طرف دیکھا تو اس دیو قامت چوکیدار کے قریب ایک سیاہ رنگ کا کتا کھڑا نظر آرہا تھا۔ خدا کی پناہ یہ کیسا کتا تھا۔ وہ بھی اپنے آقا کی طرح قدوقامت اور ڈیل ڈول میں غیر معمولی تھا۔ اگر ایک نگاہ یوں ہی ڈال لی جاتی تو کتے کا قد خچر کی مانند اونچا اور جسم شیر کی طرح قوی اور چست نظر آتا۔ اس کی شکل اس قدر بھیانک تھی کہ اس کی شکل ایک دفعہ دیکھ کر دوسری مرتبہ دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ میں دل ہی دل میں سخت خوفزدہ ہونے لگا کہ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے اور میری یہاں سے گلوخلاصی ممکن بھی ہوگی یا نہیں۔ اسی

ف شکتی کی آواز سنائی دی۔

"آپ اطمینان سے آگے بڑھ جایئے۔ کتا آپ کو کچھ نہیں کہے گا کیونکہ وہ اپنے آقا کے اشارے پر چلتا ہے اور آپ کو بھیما سے بات کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ بھیما بول ہی نہیں سکتا۔" میرے خیال میں یہ الفاظ غیر ضروری تھے۔ بھیما کے بارے میں تو میں جان گیا تھا کہ کون ہوسکتا ہے۔ یقینی طور پر یہ دیو قامت ہی بھیما ہے لیکن شکتی نے نہ جانے یہ الفاظ کیوں ادا کئے ہیں اور اس کا مقصد کیا ہے۔

"کک........ کیا کہنا چاہتے ہو تم۔ بھیما کیوں نہیں بول سکتا؟"

"اس لئے کہ اس کے منہ میں زبان نہیں ہے۔" میں نے حیرت سے شکتی کو دیکھا اور ایک بار پھر اس دیو قامت شخص کی جانب دیکھنے لگا جس کا نام بھیما تھا اور جس نے اتنا بھاری آہنی دروازہ ہاتھ کے ایک ہی جھٹکے سے کھول دیا تھا اور اب دروازہ بند کر کے اس میں تار ڈال رہا تھا اور اس کی چابی گھما رہا تھا۔ میرے بدن میں اب بھی تھرتھری سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے تالہ بند کیا تو مجھے یوں لگا جیسے مجھے ہمیشہ کے لئے اس ہیبت ناک قید خانے میں بند کیا جارہا ہے۔ ایک بار پھر میری نگاہ بھیما کی جانب اٹھ گئی۔ اس کا وزنی اور بڑا سر بالکل گنجا تھا اور کھوپڑی یوں چمک رہی تھی جیسے اس پر تیل کی مالش کر دی گئی ہو۔ اس کا چہرہ انڈے کی طرح گول اور رنگ گہرا سرخ تھا۔ پیشانی تنگ اور سفید۔ بھنوؤں کے نیچے چھوٹی چھوٹی آنکھیں کسی سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کا رنگ گہرا زرد تھا۔ منہ حد سے زیادہ پھیلا ہوا تھا اور جب اس نے منہ کھول کر کتے کو کسی قسم کا اشارہ کیا تو یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ اس کے دانت گول گول لیکن زبان غائب ہے۔ اس کی کمر اور کندھوں پر بیل کی طرح کا کوہان بھی تھا۔ غرض یہ کہ یہ عجیب و غریب مخلوق ناقابل یقین تھی۔ ویسے تو یہاں ہر منظر ہی ناقابل یقین تھا۔ نہ جانے کہاں کہاں سے گزر کر میں یہاں پہنچا تھا۔

پھر اس کے بعد میں نے اس عجیب وغریب مخلوق کا جائزہ لے کر مزید چاروں طرف دیکھا اور مجھے فوراً ہی یہ احساس ہوگیا کہ صورت حال میری توقع سے کہیں زیادہ پُراسرار اور سنسنی خیز ہے۔ میری نگاہوں کے سامنے وسیع وعریض زمین پر ایک باغ پھیلا ہوا تھا لیکن یہ باغ بھی بالکل اجنبی اجنبی سا تھا۔ میرا دل اسے دیکھ کر لرزنے لگا۔ اس باغ میں لاتعداد درخت اور پودے تھے لیکن ان کی شکلیں ایسی بھیانک اور عجیب تھیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھیں۔ مجھے اپنے ہوش وحواس پر شک گزرنے لگا کہ میں کہیں کوئی بھیانک

خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ یقینی طور پر کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو انسان ہوش وحواس کے عالم میں دیکھے لیکن یہ خواب نہیں تھا بلکہ سب کچھ حقیقت تھی۔ درختوں اور پودوں کی شکلیں انتہائی خوفناک تھیں۔ ان میں کوئی بچھو کی شکل کا تھا تو کوئی چھپکلی جیسا۔ اس طرح بہت سے پودے اور درخت تھے جن کی شاخیں اژدھوں کی مانند بل کھاتی زمین تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہاں سے کچھ اور آگے بعض پودے بالکل انسانی کھوپڑی کی شکل و صورت کے تھے۔ ان کی رنگت بھی سفید تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی بے رحم ہاتھ نے یہ کھوپڑیاں جمع کر کے زمین میں گاڑ دی ہیں۔ ان پودوں میں کہیں کہیں پھول بھی لگے ہوئے تھے مگر وہ بھی نرالے تھے۔ ایک پھول ایسا نظر آیا جیسے انسانی ہاتھ کا ڈھانچہ ہو اور اس طرح اس کا پنجہ پھیلا ہوا ہو جیسے اس کی انگلیاں کسی شے کو دبوچ لینا چاہتی ہیں۔

یہ منظر نہایت ہولناک تھا۔ فضا بالکل خاموش تھی اور کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اندرونی طور پر محسوس کیا کہ یہ عجیب و غریب پھول' پودے مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس خوفناک سناٹے میں اچانک ہی ایک اور آواز ابھری اور میں چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے لگا جیسے کوئی رو رہا ہے' سسک رہا ہے۔ یا سرد آہیں بھر رہا ہے۔ میری متجسس نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں اور مجھے فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ یہ آواز کسی پُراسرار پودے سے آ رہی ہے۔ آہ یہ پودے اور درخت اپنی بے کسی اور مظلومیت کا رونا رو رہے تھے۔ اب مجھے اس بات کا مکمل طور پر احساس ہو گیا کہ اب تک کی زندگی میں جو پُراسرار عوامل میرے سامنے آئے ہیں۔ یہ اس سے کہیں زیادہ خوفناک عمل ہے۔ میرے سامنے کسی منگلا سن کا نام لیا گیا تھا جسے شکتی نامی یہ شخص مہاویر تا کہہ کر پکارتا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ آخر وہ کون بے رحم اور ظالم ہے جو اس قدر شیطانی صفات رکھتا ہے۔ مگر ذہن اس قدر ماؤف ہو چکا تھا کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ اچانک ہی میری نگاہیں اس ہیبت ناک باغ کے فرش پر پڑیں اور دہشت سے خون میری رگوں میں جمنے لگا۔ گھاس سبز رنگ کی بجائے سفید تھی۔ دودھ کی مانند سفید اور بے جان جیسے اس میں سے کسی نے تمام شادابی اور نکھار نچوڑ لیا ہو۔ باغ کا جائزہ لینے میں دو یا تین منٹ صرف ہوئے ہوں گے کہ اچانک ہی مجھے شکتی نے مخاطب کیا اور بولا۔

"آگے چلئے جناب!" وہ ایک دوسرے آہنی دروازے کے پاس پہنچ چکا تھا اور عقب سے وہ خوفناک بھیما بھی آ رہا تھا۔ بہرحال یہی دروازہ ہے جس سے داخل ہو کر ہم قلعے کی

عمارت میں داخل ہو سکتے تھے۔ اس سے پہلے ایک مختصر سا پل عبور کرنا پڑا جس کے نیچے ایک گہری خندق میں بدبودار پانی بھرا ہوا تھا۔ دروازے کے قریب لگے ہوئے ایک بٹن کو اس نے اپنی موٹی انگلی سے دبایا اور میرا دل کسی نامعلوم خوف سے کانپ اٹھا۔ پتہ نہیں آئندہ کیا حالات پیش آنے والے ہیں اور مجھے کسی پُراسرار جگہ لے جایا جا رہا تھا۔ میں نے اپنے اعصاب کو قابو میں رکھا اور مقابلے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ اطمینان بھی ہو رہا تھا کہ میرا کچھ نہیں بگڑ سکے گا۔ بہرحال جب شکتی نے دروازے لگا ہوا بٹن دبایا تو فوراً ہی اس آہنی دروازے کے درمیان سے لکڑی کا ایک چھوٹا سا پٹ کھلا اور اندر سے کسی نے جھانک کر یہ دیکھا کہ آنے والا کون ہے۔ پھر مطمئن ہو کر اس نے پورا دروازہ کھول دیا۔ اس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ شکتی میرے آگے تھا میں درمیان میں تھا اور بھیما پیچھے لیکن دروازہ کھولنے والا جو مجھے نظر آیا وہ بھی ایک ناقابلِ یقین شخصیت کا مالک تھا۔ وہ ایک چوڑے چکلے بدن کا شخص تھا جس نے باورچیوں جیسا لباس پہن رکھا تھا لیکن میں نے اسے حیرت انگیز اس لئے کہا کہ وہ مکمل انسانی جسم کا مالک تھا لیکن اس کا چہرہ کتے کے چہرے سے اس قدر مشابہ تھا کہ سرسری نگاہ سے کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ کتا ہے جسے اتفاقیہ طور پر انسانی ہاتھ پاؤں مل گئے ہیں۔

اسے دیکھ کر اتنی ہیبت مجھ پر طاری ہوئی کہ اگر میں کمزور اعصاب کا مالک ہوتا تو اسی وقت میرے دل کی حرکت بند ہو جاتی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مودبانہ انداز میں جھکا اور ایک طرف ہٹ کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے مجھے اندر داخل ہونے کا اشارہ کر رہا ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ دیو نما انسان بھیما بھی اس شخص سے خوفزدہ ہے۔ وہ اس طرح سہم کر کھڑا ہو گیا تھا جیسے کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہو۔ کتے نما آدمی کا منہ کھلا اور اس نے کہا۔

"بھیما تم جاؤ۔" بھیما فوراً ہی باہر چلا گیا۔ بہرحال اب میری باگ ڈور اس کتے جیسی شکل کے آدمی نے سنبھال لی تھی اور یہاں سے شکتی بھی اب باہر چلا گیا تھا۔ اس نے لوہے کا دروازہ بند کیا اس میں دروازہ لگایا اور میری طرف رخ کر کے بولا۔

"آئیے جناب!" میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد میں نے اپنے آپ کو ایک طویل اور تاریک راہداری میں پایا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مختصر سے آتش دان بنے ہوئے تھے جن میں آگ کے سرخ شعلے تیزی سے بھڑک رہے تھے۔ کہیں دور کسی گھڑی کے گھنٹے نے پُرشور آواز میں شام کے سات بجانے کا اعلان کیا۔

راہداری کے بعد اس باورچی نما شخص نے ایک ہال کمرہ عبور کیا جو قدیم فرنیچر اور طرح طرح کے نوادرات سے اٹا پڑا تھا۔ میں حیرت سے ہر شے کو پاگلوں کی طرح تکتا ہوا اس کے پیچھے چلتا رہا۔ اچانک ہی ایک دروازے پر رک کر اس شخص نے آہستہ سے دستک دی اور پھر باہر کا ایک کھٹکا سا دبا کر دروازہ خود ہی کھولا اور پھر ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ مطلب یہ تھا کہ میں اندر جاؤں۔ میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ بھلا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

جو کچھ ہوا تھا وہ میرے ارادوں کے مطابق تو نہیں تھا۔ آہ ابتداء ہی سے ایک ہولناک سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔ میں یہاں تو نہیں آیا تھا۔ میں تو نیل کنول کی تلاش میں تھا۔ بہرحال میں نے اپنے آپ کو ایک بہت ہی خوبصورت کمرے میں پایا۔ اس کمرے کی تمام چیزیں بالکل نئی اور موجودہ دور کی ضرورت کے عین مطابق تھیں۔ درمیان میں ایک لمبی سی میز اور اس پر شیشے کے خوبصورت برتن یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہ ڈرائنگ روم ہے۔ میز پر میں نے دو آدمیوں کو پُرتکلف کھانا بھی رکھتے ہوئے دیکھا۔ ایک طرف آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی اور اس کے قریب شام کا لباس پہنے آرام کرسی پر ایک شخص بیٹھا ہوا میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں بالکل خاموش تھا جبکہ مجھے پہلے اس کی موجودگی کا اندازہ نہیں تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اچانک ہی اس کرسی پر نمودار ہوا ہو۔ ورنہ اگر اس سے پہلے وہ اس کرسی پر موجود ہوتا تو مجھے کم از کم کسی اور جاندار کی موجودگی کا احساس ضرور ہوتا لیکن میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ اچانک نمودار ہوا ہے یا پھر میری نگاہ اس کی طرف نہیں اٹھی تھی۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا لیکن اسے دیکھ کر ایک دم سے ایک عجیب سا احساس دل پر طاری ہوتا تھا۔ وہ سنگ مرمر کی مانند سفید رنگ کا حامل تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور مجھ سے پُرجوش مصافحہ کیا۔ اس کے ہاتھ کی انگلی میں ایک انگوٹھی چمک رہی تھی۔ میری نگاہ اس انگوٹھی اور نگینے پر پڑی تو مجھے ایک اور عجیب سا احساس ہوا۔ انگوٹھی کا رنگ بالکل سیاہ تھا اور اس میں جڑا ہوا نگینہ کسی انسانی آنکھ کی شکل رکھتا تھا۔ یوں لگتا جیسے کوئی انسانی آنکھ خشک کر کے انگوٹھی میں جڑی گئی ہو۔ میرا ذہن اس کی پُراسرار شخصیت کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ اس کے سر کے بال لمبے اور شانوں تک پہنچے تھے۔ چہرے کا رنگ سفیدی مائل سرخ تھا۔ آنکھیں چمکتی دکھائی دیتی تھیں۔ ان آنکھوں کو دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ ان میں ایک عجیب سی قوت پوشیدہ ہے۔ آنکھوں کی پتلیاں اور پلکیں بالکل ساکت تھیں اور جب اس نے مجھ

سے نگاہیں ملائیں تو مجھے یوں لگا جیسے میری تمام قوتیں زائل ہوتی جا رہی ہوں اور کوئی غیر مرئی قوت میرا کلیجہ اپنی مٹھی میں بند کر کے مسل رہی ہو۔

"خوش آمدید میرے عزیز دوست! میرا نام منگلہ سن ہے اور تم مجھ سے واقف نہیں ہو گے۔ آؤ بیٹھو تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں مجھے۔" مجھے یوں لگا جیسے اس کی آواز ایک حکم کا درجہ رکھتی ہو۔ بہرحال میں اس سے کچھ فاصلے پر ہی کرسی پر بیٹھ گیا اور یہ بات میں اچھی طرح محسوس کر رہا تھا کہ اگر میں نہ بیٹھتا تو یقینی طور پر گر پڑتا۔ اس کی آواز میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ اور ایک عجیب سی مقناطیسی قوت تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"منگلہ سن ذرا مختلف قسم کا انسان ہے۔ پہلے میں تم سے اپنا تعارف کرا دوں۔ میں ایک معزز مہمان کی حیثیت سے تمہارا اپنی اس دنیا میں استقبال کرتا ہوں۔ اگر میں تمہیں یہاں بلانا نہ چاہتا تو تمہارا یہاں آنا مشکل تھا۔ کوئی بھی میری مرضی کے بغیر میری اس مملکت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تم یہ بھی سوچ سکتے ہو کہ اب تم یہاں آ گئے ہو اور اب میں جو بھی کہانی چاہوں گھڑ کر سنا سکتا ہوں۔ ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ میں سچ بولتا ہوں اور اس وقت جب تک میری باتیں کہیں سے جھوٹ نہ نکل آئیں۔ تم میری باتوں کو سچ ہی سمجھنا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے میں اپنا تعارف کرا دوں۔ نام تو تمہیں پتہ چل ہی چکا ہے۔ منگلہ سن ہوں میں۔ پہلے میں جنگلوں' پہاڑوں اور گھاؤں میں آوارہ گردی کرنے والا ایک سادھو تھا۔ شہری آبادیوں میں بھیک مانگتا تھا بنیادی بات یہ تھی کہ میں ایک فقیر کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ بھی سادھو تھا۔ برہم چاری تھا لیکن پھر وہ ایک جادوگرنی کے چال میں پھنس گیا جو بڑی شکتی مان تھی۔ میرا باپ سادھو بے شک تھا لیکن ایک خوبصورت اور ہر طرح سے ایک پُرکشش آدمی تھا۔ جادوگرنی نے اسے اپنے جال میں پھانسا اور اس کے بعد اسے ہمیشہ کے لئے اپنا لیا میں ان دونوں کے ملاپ کا نتیجہ ہوں۔ میرے باپ نے بہت کچھ سیکھا اور اس کے بعد میں بھی اسی طرح سنسار گردی کے لئے نکل گیا۔ میری کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میرے ماتا پتا اپنے آپ میں مست تھے۔ اس بات نے مجھے زندگی سے بیزار کر دیا پھر میں نے کچھ ایسے گرو تلاش کئے جو مجھے گیان دھیان دیں۔ میرے شوق مختلف تھے۔ میں تمہیں بہت زیادہ تفصیل نہیں بتاؤں گا بس یوں سمجھ لو کہ بعد میں' میں نے جب گیان حاصل کر لیا تو سوچا کہ زندگی اس طرح پہاڑوں کے دامنوں میں یا کوئی مندر بنا کر نہیں گزارنی چاہئے بلکہ جب تمہارے پاس اتنا کچھ ہے تو تم

اپنی ایک جگہ بناؤ۔ وہاں اپنی مملکت قائم کرو۔ میرا ایک اور پس منظر بھی ہے جس سے میں تمہیں آہستہ آہستہ واقف کراؤں گا۔ لیکن بنیادی چیز یہ ہے کہ میں حسن و عشق کا رسیا ہوں۔ حسین لڑکیاں اور حسین وجود میری زندگی کو راستہ دیتے ہیں۔ حسن پرستی میرے وجود کا ایک حصہ ہے اور میں ہر حسین چیز کو پسند کرتا ہوں۔ اصل بات پر آرہا ہوں اور وہ بات ہے نیل کنول کی۔ نیل کنول کون ہے کیا ہے۔ یہ ابھی تم نہ جانو تو بہتر ہے۔ اس کے بارے میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ وہ میری محبوبہ ہے۔ میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی ہزاروں کوششیں کی ہیں۔ اپنوں سے جدا ہونے کے بعد اور اپنی ضدوں اور میرے غصے کا شکار ہو کر وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے۔ میں نے اس کے اندر جھانکا تو یہی پایا کہ وہ میرے بجائے کسی کو بھی اپنی محبت کا مقام دے سکتی ہے لیکن اب اتنی شکتی حاصل کرنے کے بعد یہ تو ممکن نہیں ہے میرے لئے۔ وہ عورت مجھے ملی۔ طوائف بے شک ہے لیکن اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ اسے راہِ راست پر لے آئے گی اور اسے میری جانب مائل کردے گی لیکن پھر مجھے پتہ چلا کہ تم نے اسے دیکھا اور اس پر عاشق ہو گئے اور اس کا پیچھا کرنے لگے۔ چلو ایک عام آدمی ہوتے تو تم کوئی بات نہیں تھی لیکن مایا دیوی نے مجھے بتایا کہ تم کچھ پُراسرار قوتوں کے مالک بھی ہو۔ دولت مند بھی ہو اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ نیل کنول خود تمہاری طرف متوجہ ہے اور شاید تم سے محبت بھی کرنے لگی ہے۔ مایا دیوی نے خوفزدہ ہو کر مجھ سے درخواست کی کہ نیل کنول کو میں دوبارہ اپنی تحویل میں لے لوں۔ خیر میں اسے دوبارہ یہاں نہیں لایا بلکہ وہ میری مملکت سے دور ہی بھٹک رہی ہے۔ میں نے اس کے لئے مختلف راستے منتخب کردیئے ہیں۔ یہ ساری باتیں بس اپنی جگہ۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ تمہیں اپنے پاس دعوت دوں اور تم سے اپنا حالِ دل کہوں اس لئے میں نے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ بولو کیا تم میرے کسی کام آسکتے ہو؟"

میں سحر زدہ سا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اور میرے اپنے دل میں عجیب و غریب خیالات آرہے تھے۔ منگلا سن ایک انتہائی خوفناک وجود تھا۔ جو کچھ میں نے یہاں دیکھا تھا مجھے اس کا کچھ پس منظر معلوم نہیں تھا۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔ ممکن ہے اس کے ماضی میں کوئی اور کہانی چھپی ہوئی ہو لیکن یہ کہانیاں اگر سچی شکل میں میرے سامنے آبھی جائیں تو مجھے ان سے کیا حاصل ہوگا۔ منگلہ سن کی ظاہری قوت یہ بتاتی تھی کہ میں بہرحال اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جہاں

ـک نیل کنول کا تعلق تھا تو اب اس بات کو میں سچے دل کے ساتھ کہہ سکتا ہوں یہ بھی ـوئی طلسمی عمل ہی تھا کہ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں اتنی نیچے تک اتر گئی تھی کہ اب اسے دل سے نکال پھینکنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ہاں مصلحتاً اگر میں اپنی زبان کو کوئی اور رخ اختیار کرنے دوں تو یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی۔ بہرحال یہ سب کچھ تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ مجھے اس شخص کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ عقل و دانش کا تقاضہ تو یہی تھا کہ ایک انتہائی طاقتور آدمی جب سامنے آجائے تو جذباتی کیفیتوں سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ یہ جذباتی کیفیتیں بہرحال نقصان ہی پہنچا سکتی ہیں۔ بے شک نیل کنول میرے لئے ایک ایسی حقیقت بن چکی ہے جس کی تردید نہیں کی جاسکتی لیکن سب کچھ زندگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ فوراً ہی میں نے اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کی اور کہا۔

"بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے منگلہ سن کہ تمہاری شخصیت نے مجھ پر بھی ایسا ہی ساحرانہ عمل کیا ہے جیسا دوسروں پر ہوسکتا ہے۔ میں تمہارا سب کچھ دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں اور یہ بھی تمہاری شکتی ہی ہے کہ تم نے اس طرح مجھے یہاں اپنے قدموں میں بلا لیا۔ اپنے بارے میں صرف اتنا بتا دوں تمہیں کہ اگر مایا دیوی نے تم سے یہ بات کہی ہے کہ میں کچھ پُراسرار قوتوں کا مالک ہوں تو بس یوں سمجھو کہ یہ ایک چھوٹا سا عمل ہے۔ میں کوئی قوت نہیں رکھتا۔ نیل کنول مجھے بہت پسند ہے اور میں نے اسے حاصل کرنے کے خواب دیکھے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ آسان نہیں ہے۔ وہ اگر تمہاری محبوبہ ہے تو میرے لئے یقیناً ناقابل حصول ہوگی کیونکہ میں حقیقتوں میں زندہ رہنے کا عادی ہوں اور یہ نہیں جانتا کہ تم جیسی بڑی قوت سے اس کا حصول کیسے ممکن ہے۔ جب ایک کام اپنے لئے ممکن ہی نہ ہو تو اسے کرنے کا حصول نہیں کیا جاسکتا اور میں احمقوں کی جنت میں رہنا پسند نہیں کرتا۔" یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میری نگاہیں مسلسل منگلہ سن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے کے نقوش میں ایک فرحت سی پیدا ہوئی ہے اور وہ خوش نظر آرہا ہے۔ پھر اس نے کہا۔

"اور اگر یہ بات ہے تو پھر واقعی تم میرے لئے ایک معزز مہمان کی شکل اختیار کر گئے ہو۔ بہت کم میں دوسروں کے ساتھ کھاتا پیتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ میں کچھ پینا ضرور پسند کروں گا۔ جب میرے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا ہی نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ ملاقات دوستانہ ہوگئی ہے۔" میں نے اپنے ہاتھ کی ایک انگلی اوپر اٹھائی اور اسے دوبار ہلایا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کمرے کی شمالی دیوار کا دروازہ کھلا اور ایک خادمہ

دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی میں نے بس آہٹ پر نگاہیں اٹھا کر اس طرف دیکھا تھا لیکن پھر میری نگاہیں وہاں سے نہ ہٹیں۔ میں بالکل جھوٹ نہیں بول رہا زندگی میں سینکڑوں ہی ایک سے ایک حسین عورتیں دیکھی تھیں لیکن یہ لڑکی جو اس وقت آئی تھی ناقابل یقین حسن کی مالک تھی۔ وہ کسی ماہر سنگ تراش کے فن کا منہ بولتا مجسمہ دکھائی دیتی تھی اور اس سیاہ لبادے میں جو اس کے جسم پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا سفید چہرہ اور سنگ مرمر کے سے بازو یوں دمک رہے تھے جیسے کالی گھٹا میں سے چاند نکل آئے۔ نہ جانے کیوں ایک بار پھر مجھے شبہ سا ہوا کہ اس لڑکی کو میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ مگر کہاں یہ یاد نہیں آیا۔ کچھ ایسا کھویا میں اس کے وجود میں کہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ سامنے پڑی ہوئی میز پر ٹرے رکھ کر واپس چلی گئی اور منگلہ سن مجھے غور سے دیکھتا رہا پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ ایک عمدہ قسم کا قہوہ ہے اور اگر ٹھنڈا ہو جائے تو بے مزہ ہو جاتا ہے۔ ویسے یہ لڑکی تمہیں کچھ زیادہ ہی پسند آ گئی ہے۔ تم نے دیکھا وہ لاکھوں میں ایک ہے۔" میں ایک دم چونک پڑا اور میری نگاہیں منگلہ سن کے چہرے کی جانب اٹھ گئیں۔ وہ مجھے گھور رہا تھا اور اس کی بڑی بڑی نگاہوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ میرے بدن میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرا اس طرح اس لڑکی کو گھورنا منگلہ سن کو پسند نہ آیا ہو۔ تاہم اس نے غصہ ضبط کیا اور اپنا پیالہ اٹھا لیا۔ میرے لرزتے ہوئے ہاتھ بھی پیالے کی طرف بڑھ گئے تھے لیکن میرا ذہن اب بھٹکنے لگا تھا۔ میں اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ معصوم سی لڑکی اس پُراسرار اور سنسان جگہ کس طرح آئی وہ ہے کون؟ منگلہ سن سے اس کا کیا تعلق ہے؟ دونوں کی عمروں میں اتنا فرق تھا کہ انہیں باپ بیٹی بھی سمجھا جا سکتا تھا لیکن ایسا اب ممکن نہیں تھا کیونکہ منگلہ سن اور لڑکی کی شکل و صورت میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اب میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ ایک بار پھر دروازہ کھلا اور وہی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اب اس کے ہاتھوں میں ایک دوسری ٹرے تھی جس میں ڈرائی فروٹ بھرے ہوئے تھے۔ میں نے پھر اس کی طرف دیکھا اور مجھے احساس ہوا کہ اس حسین لڑکی کے چہرے پر خوف اور سراسیمگی نظر آ رہی ہے۔ دفعتاً منگلہ سن نے کہا۔

"رادھیکا! یہ ہمارے مہمان ہیں اور کچھ دن تک یہ مکمل ہمارے مہمان رہیں گے۔ تمہیں ذرا ان کا خیال رکھنا ہو گا۔ انہیں ڈرائی فروٹ پیش کرو۔" لڑکی نے ڈرائی فروٹ کی

پلیٹ ٹرے سے اٹھا کر میری طرف بڑھائی اور پلیٹ رکھنے کے لئے جھکی تو میرے آگے رکھا ہوا ایک ڈیکوریشن پیس اس کا ہاتھ لگنے سے فرش پر گرا۔ شاید گھبراہٹ میں اس سے ایسا ہوا تھا۔ میں جلدی سے نیچے جھکا ہوا اور عین اس وقت جب میرا ہاتھ میز کے نیچے گیا لڑکی نے چپکے سے کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ کاغذ کو محسوس کرتے ہی میں نے اپنی مٹھی کھولی اور پرزہ مٹھی میں دبا لیا۔ اس اثناء میں لڑکی نے ڈیکوریشن پیس اٹھا کر اس کی جگہ رکھ دیا تھا۔ بمشکل تمام چار پانچ سیکنڈ میں یہ سارا کام ہو گیا تھا۔ میں نے عجیب سی شکل بنا کر منگلہ سن کی طرف دیکھا۔ مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس نے کاغذ کا ٹکڑا لیتے ہوئے مجھے نہیں دیکھا ہے۔ لڑکی کمرے سے باہر چلی گئی تھی اور منگلہ سن نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا۔ قہوے کا پیالہ بدستور اس کے ہاتھ میں تھا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

"ٹھیک ہے تم میرے مہمان ہو۔ یہاں تمہیں میرے تجربات کے کچھ نمونے نظر آئیں گے۔ اصل میں انسان جب تنہا ہوتا ہے اور زندگی کی دوسری ضروریات سے فارغ ہوتا ہے تو اسے دلچسپ کھیل سوجھتے ہیں۔ دنیا میرے آگے بہت مختصر ہو گئی ہے۔ جہاں چاہوں جا سکتا ہوں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ جب یہ احساس ہو جائے انسان کو تو پھر وہ یہ سوچتا ہے کہ کوئی ایسا عمل کیا جائے جو نرالا ہو۔ اب میں تمہیں بعد میں یہ بتاؤں گا کہ وہ نرالا عمل کیا ہے فی الحال میں چلتا ہوں اور سنو تمہارا جب تک دل چاہے یہاں بیٹھو اور جب آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں جانا چاہو تو شکتی کو بلا لینا۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔" یہ کہہ کر وہ کرسی سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے پانچ منٹ بعد میں نے گھنٹی بجائی لیکن شکتی کے بجائے وہی کتے جیسی شکل والا عجیب خلقت آدمی نمودار ہوا اور میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں کرسی سے اٹھ گیا تھا۔ اس شخص کو دیکھ کر دل میں ایک عجیب سا ہیجان برپا ہو جاتا تھا۔ میں اٹھا تو اس نے فوراً آگے بڑھ کر میرے لئے دروازہ کھولا اور آہستہ آہستہ میرے آگے آگے چلنے لگا۔ اس کی رہنمائی میں' میں پہلی منزل کے ایک کمرے میں داخل ہو گیا لیکن یہ کمرہ ہماری منزل نہیں تھا۔ اس کمرے سے گزر کر ہم ایک مختصر سی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے اور اس کے بعد چوڑی سنگی سیڑھیاں عبور کر کے دوسری منزل پر پہنچے۔ بہت سی راہداریاں' دالانوں اور برآمدوں کو عبور کر کے آخر کتے جیسی شکل والا شخص ایک کمرے کے سامنے رکا اور اس نے کچھ بولے بغیر کمرے کی طرف اشارہ کر دیا پھر فوراً ہی پلٹ کر واپس چلا گیا۔ میں اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ ایک

لمحے کے لئے ذہن میں آیا کہ یہ کوئی مشینی مخلوق معلوم ہوتی ہے یا پھر انتہائی انوکھے سحر کا شکار ایک شخص' لیکن بڑی بھیانک صورت حال تھی۔ میں اپنے دشمن کا مہمان بنا تھا اور دشمن بھی وہ جو بلاشبہ طاقتور تھا لیکن میں نے اس کے مقابلے میں جو راہ عمل اختیار کی تھی وہ انتہائی مناسب' اور بے حد ضروری تھی کیونکہ میں کسی بھی شکل میں اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ میں نے یہ دیکھا تھا کہ جب سے میں نے اس سے نیل کنول کے حصول سے دست برداری اختیار کی تھی اس کا رویہ ایک دم تبدیل ہوگیا تھا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور صحیح معنوں میں مجھے اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ وہ میرے لئے ایک اچھا دوست ہے۔ جس کمرے میں' میں داخل ہوا تھا اس میں کس چیز کی کمی تھی فرش پر اتنا موٹا قالین بچھا ہوا تھا کہ ٹخنوں تک پاؤں دھنس جاتے تھے۔ شاندار مسہری پر بستر اور دوسری تمام اشیاء موجود تھیں۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ الماریوں میں بے شمار کتابیں لگی ہوئی تھیں چونکہ ماحول کسی قدر سرد تھا اس لئے آتشدان میں مدھم مدھم آگ روشن تھی۔ ایک کھونٹی پر میرے لئے شب خوابی کا لباس ٹنگا ہوا تھا۔ بہرحال مجھے سب سے زیادہ تجسس کاغذ کے اس پرزے پر تھا جو رادھیکا نے میرے ہاتھ میں چپکے سے تھما دیا تھا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا اس وقت کوئی موجود نہیں تھا اور نہ ہی کسی کی موجودگی کے امکانات تھے لیکن اس کے باوجود' دروازے پر جا کر میں نے باہر جھانکا۔ راہداری سنسان پڑی ہوئی تھی۔ دروازہ بند کر کے میں اندر آیا تو میں نے پرزے کو کھول کر دیکھا اس پر لکھا ہوا تھا۔

"میرا نام رادھیکا چٹرجی ہے اور میں ایک بہت بڑے بزنس مین کی بیٹی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ کچھ عرصے قبل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ بزنس مین کی نوجوان بیٹی نے خودکشی کرلی۔ میں زندہ ہوں ایسی بات نہیں ہے۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے نکل جائیے۔ یہاں میری طرح دوسرے بہت سے بدنصیب لوگ مصائب میں گرفتار ہیں۔ ان کی زندگیاں ہر لمحہ خطرے میں گھری ہوئی ہیں۔ آپ یہاں سے نکل جائیں اور اگر ممکن ہو سکے تو نہ صرف میری بلکہ میرے جیسے بہت سے افراد کی مدد کریں۔ ہم سب پر آپ کا یہ احسان ہوگا۔"

کاغذ کا پرزہ میرے ہاتھ میں لرزنے لگا۔ میرے پورے وجود میں ایک سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ واقعی یہ سب کچھ بے حد عجیب ہے۔ وہ شخص جس کے لہجے میں نرمی اور آواز میں مٹھاس ہے اور جو یہ قوت رکھتا ہے کہ اپنے سامنے موجود شخص کو اپنی شرافت

کا یقین دلادے در حقیقت شریف انسان نہیں ہے۔ پتہ نہیں اس بھیانک علاقے میں کتنے اور بدنصیب ہیں۔ مجھے فوراً ہی یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ میں شدید بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک میں آتشدان کی سلگتی ہوئی آگ کی لرزشوں کو دیکھتا رہا۔ منگھ سن تو واقعی ایک بھیانک کردار ہے اور اس وقت میں اس کے آگے بالکل ہی معمولی سی حیثیت رکھتا ہوں۔ پورنی پر ہلکا سا قبضہ کرنے کے بعد میں نے یہ سوچا تھا کہ میں ایک بہت بڑی قوت کا مالک بن گیا ہوں۔ ویسے ایک اور بھی حقیقت تھی پورنی تو مجھے ہر سہولت مہیا کر رہی تھی لیکن میں کچھ زیادہ ہی بھٹکنے لگا تھا۔ نیل کنول بے شک ایک حسین لڑکی تھی لیکن اس سے کہیں زیادہ یہ رادھیکا تھی جو اب اس کے لئے خادموں کی طرح کام کر رہی تھی۔ مجھے زیادہ نہیں بھٹکنا چاہئے تھا۔

بہرحال اب کچھ بھی ہے یہاں تھوڑا بہت وقت تو گزارنا ہی ہے۔ رادھیکا نے مجھ سے مدد کی درخواست کی تھی اور کہا تھا کہ یہاں بہت بدنصیب قیدی ہیں۔ یہ بدنصیب قیدی وہ کتے جیسی شکل والا بھی ہو سکتا تھا وہ شکتی بھی ہو سکتا تھا اور وہ دیو قامت چوکیدار بھی۔ مگر اب سوال یہ کہ کرنا کیا چاہئے۔ نہ جانے کب تک ان سوچوں میں گم رہا اور ذہن تھک گیا۔ بستر اتنا آرام دہ تھا کہ اس پر لیٹا تو نیند آگئی اور سب کچھ ذہن سے غائب ہوگیا۔ پھر شاید دوسری صبح ہی آنکھ کھلی تھی۔ آنکھ کھول کر میں نے قرب وجوار کے ماحول کا جائزہ لیا۔ دماغ پر شدید سنسنی طاری تھی۔ ابھی صبح کا اجالا پھوٹا ہی تھا لیکن جس کمرے میں' میں موجود تھا اس میں تاریکی ہی پھیلی ہوئی تھی اور ایک ہلکی سی گونج فضا میں بلند ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں یہ کیسی گونج تھی۔ میں اس پر کان لگانے لگا۔ یہ آواز کارخانوں میں بجنے والے سائرنوں جیسی تھی۔ میں دیر تک غنودگی کے عالم میں لیٹا یہ آواز سنتا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کمرے کی آسائشوں میں غسل کرنے کا مناسب سامان بھی موجود تھا۔ غسل خانے میں داخل ہوا تو وہاں مجھے شیونگ بکس اور دوسرے لوازمات بھی نظر آئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ کمال ہے ایسا اچھا میزبان تو کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ نہا دھو کر تروتازہ ہوگیا۔ ابھی ساڑھے سات ہی ہوئے تھے کہ دروازہ کھلا اور رادھیکا ناشتے کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں جلدی سے کھڑا ہوگیا تھا۔ یہ لڑکی مجھے واقعی بے پناہ حسین لگتی تھی اور اگر میرے دل و دماغ پر نیل کنول سوار نہ ہوتی تو یقینی طور پر میں اس سے متاثر ہوگیا ہوتا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ یہ نیل کنول سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی لیکن دل کے سودے تو دل سے ہی ہوتے ہیں۔ وہ کچھ ایسی میرے دل کو

بھاگئی تھی کہ میں اسے بھول نہیں سکتا تھا۔ بہرحال میں اسے دیکھتا رہا مجھے محسوس ہوا کہ اس کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات ہیں۔ اس نے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ دی اور ایک نگاہ مجھ پر ڈالی تو میں نے اس سے کہا۔

"تمہارا نام رادھیکا ہے یہ بات میں جانتا ہوں لیکن میں تم سے مزید باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" وہ خاموش کھڑی رہی تو میں ایک دم آگے بڑھا اور میں نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر اسے بند کرنے کی کوشش کہ رادھیکا کی آواز ابھری۔

"دروازہ بند نہ کریں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کیا میرے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ یہاں قیدی ہیں۔"

"اوہ۔ کیا واقعی؟"

"نہ صرف آپ بلکہ یہاں اور بہت سے لوگ بھی قیدی ہیں۔"

"لیکن یہ مجھے قید نہیں کر سکتا۔ میں یہاں سے جب چاہوں جا سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ شاید ایسا ممکن نہ ہو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"وجہ۔ میں یہاں سے باہر جانے کے راستوں سے بخوبی واقف ہوں اور اگر میرے راستے میں کوئی رکاوٹ آئی تو میں اس سے بھی نمٹ سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ آپ ان نامعلوم دیواروں کو عبور نہیں کر سکتے۔ آپ ان پُراسرار روحوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیا آپ کو وہ دیو قامت چوکیدار اور کتے کی شکل والے آدمی کا چہرہ یاد نہیں ہے؟ آپ نہیں جانتے اگر منگلہ سن ایک اشارہ کر دے۔" اس کی آواز لرز گئی۔ دفعتاً ہی اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی نمودار ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ میں ہمدردی سے اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"رادھیکا! رونے سے دنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ میں تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ یہ مہربانی کرو تو میں تمہارا احسان مانوں گا۔" اس کی سسکیاں ہلکی ہونے لگیں۔ میں نے اس سے کہا۔

"یہ بتاؤ۔ وہ چوکیدار اور بقول تمہارے وہ کتے کی شکل والا کون ہے؟" اس نے

روتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"اس پُراسرار عمارت میں اس ویران خانقاہ میں آنے کے بعد بھی آپ یہ سوال کر رہے ہیں۔ آپ اپنی خوشی سے یہاں نہیں پہنچے ہوں گے کسی ایسے ذریعے سے آپ کو لایا گیا ہوگا جو آپ کے لئے نامعلوم ہوگا۔ مجھے بتایئے کیا آپ خوش خوش یہاں اس سے ملاقات کرنے کے لئے آئے ہیں یا مجبوراً؟"

"ہاں۔ میں خوش تو یہاں نہیں آیا بلکہ سمجھ لو کہ کچھ غلطی ہوئی ہے مجھ سے۔"

"وہ ایک پُراسرار مخلوق ہے آپ اسے نہیں جانتے۔ وہ بے پناہ قوتوں کا مالک ہے۔ وہ معمولی آدمی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ کچھ چٹکیوں میں کر ڈالا ہے اس نے' وہ جنونی آدمی ہے۔ اسے خوبصورتی سے نفرت ہے۔ وہ دنیا کی ہر چیز کو بدصورت دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ نے وہ بھیانک باغ نہیں دیکھا جہاں پودے انتہائی بدنما اور انسانی جسموں سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"ہاں میں نے دیکھا ہے۔"

"تو پھر اس کے باوجود آپ۔" رادھیکا کی خوبصورت آنکھوں میں خوف نظر آ رہا تھا اور اس کا چہرہ بری طرح زرد ہو رہا تھا اور پھر اس نے کہا۔

"اور اب 'اب شاید' میں بھی' میں بھی۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا اور وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

"ہاں۔ بہت مختصر وقت جا رہا ہے کہ میں بھی دنیا کی بدنما ترین لڑکی ہو جاؤں گی۔"

"مگر وہ کیوں؟ میں نے تو سنا ہے کہ وہ حسن پرست ہے۔"

"کس سے سنا ہے تم نے' کس سے سنا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم وہ۔ وہ اُف میرے خدا' شاید تم یہ بات نہیں جانتے کہ وہ دونوں بھی نہایت حسین انسان تھے۔ وہ دونوں۔"

"کون؟"

"وہ چوکیدار اور وہ کتے جیسی شکل والا۔ وہ بہت حسین آدمی تھے اور اب میرا بھی ویسا ہی حشر ہونے والا ہے۔"

"رادھیکا تم مجھے کچھ اور بتاؤ گی۔ یہ ہو سکتا ہے میں تم سب کے لئے نجات دہندہ بن جاؤں۔" میں نے کہا وہ ایک لمحے تک خاموش رہی۔ ایک بار اس نے خوفزدہ انداز میں جھرجھری سی لے کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر بولی۔

"یہاں مجھے تقریباً دو ماہ گزر چکے ہیں۔ وہ بہت ہی عجیب و غریب شخصیت ہے۔ قصور

میرا بھی ہے۔ میں نے زندگی میں نہ جانے کون کون سے خواب دیکھے تھے۔ ایک دن میں ساحل سمندر پر گشت کر رہی تھی کہ وہ مجھے نظر آیا۔ بظاہر وہ ایک نارمل اور مناسب شکل و صورت کا آدمی تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر ماسک لگائی ہوئی تھی۔ میک اپ ماسک نے اس کے چہرے کے بدنما نقوش کو چھپا رکھا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور بڑے نرم اور محبت بھرے لہجے میں بولا کہ بی بی! اگر آپ اپنے طور پر کچھ فیصلے کر سکتی ہیں تو میں آپ کو آپ کی زندگی کا ایک گولڈن چانس پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک فلم ڈائریکٹر ہے۔ بے شمار فلمیں بنا چکا ہوں۔ ایک مشہور فلم ڈائریکٹر کا نام لیا تھا اس نے، جس کی فلمیں میں نے بھی دیکھی تھیں۔ اس نے کہا کہ اسے ہمیشہ ایسے چہروں کی تلاش رہتی ہے جو اس کی فلم کے لئے موزوں ترین ہوں اور ایک نئی فلم کے لئے اسے میرا چہرہ بہت مناسب نظر آرہا ہے۔ میں ایک فرم میں ملازمت کرتی تھی۔ میری ماں ہے۔ ایک چھوٹا بھائی ہے۔ میں ان دونوں کی کفالت کرتی تھی کیونکہ میرا باپ مر چکا تھا۔ فلم انڈسٹری میرے لئے ایک سنہرا خواب تھی۔ میں نے سوچا کہ چلو اگر اس طرح سے مجھے ایک خوبصورت چانس مل رہا ہے تو مجھے تیار ہو جانا چاہئے چنانچہ میں نے اس سے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ بڑے محبت بھرے انداز میں اس نے شہر کے ایک آفس میں میرا استقبال کیا۔ میرا آڈیشن لیا گیا، تصویریں بنائی گئیں اور پھر اس نے مجھے ایک بھاری رقم ایڈوانس کے طور پر ادا کی اور کہا کہ فلم یونٹ تھوڑا سا آؤٹ ڈور کام کر رہا ہے اور میری پہلی شوٹنگ وہیں ہوگی۔ وہ مجھے لے کر چل پڑا اور پھر اس عمارت میں آگیا۔ میں اس کے دام فریب میں پھنس کر یہاں آگئی تھی اور اس کے بعد یہاں مجھے یہ ماحول نظر آیا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ مجھے یہاں کیوں لایا ہے؟ وہ مجھے بدصورت بنانا چاہتا ہے۔ مجھے انتہائی بدصورت بنانا چاہتا ہے وہ۔ یہ اس کا شوق ہے، یہ اس کا مشغلہ ہے۔ یہ اس کا عمل ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ بس جیسے یہ کتے جیسی شکل والا شخص اور وہ بیچارہ چوکیدار زندگی گزار رہے ہیں مجھے بھی زندگی کا ایسا ہی کوئی حصہ دے دیا جائے گا اور........ اور مجھے باقی زندگی یہیں گزارنی ہوگی۔ نہ جانے میری ماں اور میرے بھائی کا کیا ہوا ہو۔"

وہ پھر سسک سسک کر رونے لگی۔ دفعتاً ہی ہم لوگ ایک دم چونک پڑے۔ کیونکہ ہمیں وہ آواز پھر سنائی دی تھی جو میں صبح کو سن چکا تھا لیکن اب وہ گونجتی ہوئی آواز لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہزاروں لوگ درد و کرب سے چیخ رہے ہوں۔ یہ آواز اس قدر بھیانک تھی کہ اعصاب کشیدہ ہوئے جا رہے تھے۔ جی چاہتا

تھا کہ دیواروں سے سر ٹکرا کر مر جایا جائے۔ وہ میرے بالکل قریب کھڑی تھی اور اس کا پورا بدن خشک پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ کوئی پانچ منٹ تک یہ منحوس آواز گونجتی رہی اور پھر ایک دم ختم ہو گئی۔ وہ ہولناک سناٹا انتہائی بھیانک تھا جو اس آواز کے ختم ہو جانے سے پیدا ہو گیا تھا۔ رادھیکا خاموشی سے یہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"اور تم جانتے ہو کہ وہ کیا سوچتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سکوت اور خاموشی بہت حسین ہوتی ہے اس لئے اسے بھی ختم ہو جانا چاہئے۔ یہ آواز نہ جانے کیسے پیدا ہوتی ہے لیکن آپ یقین کریں گے کہ اس آواز نے یہاں موجود ایک ایک شخص کو ذہنی طور پر ختم کر دیا ہے۔ ان کے اعصاب اس قدر کمزور ہو گئے ہیں کہ وہ اپنی آزادی کے لئے کوئی جدوجہد نہیں کر سکتے۔ آپ تو ابھی نئے نئے آئے ہیں، لیکن چند دن بعد آپ دیکھئے کہ آپ کے اعصاب اس آواز کی وجہ سے مضمحل ہونے لگیں گے۔ آہ........ آپ یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں جس طرح بھی بن پڑے۔" دفعتاً ہی دروازے کی طرف آہٹ سی ابھری اور میری نگاہ ادھر اٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ منگلہ سن دروازے میں کھڑا قہر آلود نگاہوں سے ہمیں گھور رہا ہے۔ پھر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"آپ شاید ناشتے سے فارغ ہو چکے ہیں۔ میں ٹھیک آٹھ بجے آپ کا انتظار کروں گا۔ آپ میرے کمرے میں آجائیے۔ یہ لڑکی آپ کو وہاں تک لے آئے گی۔" یہ کہہ کر وہ واپس مڑا اور چند لمحوں کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ رادھیکا خاموشی سے کھڑی ہوئی تھی مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا جسم پتھرا گیا ہو۔

"یہ کم بخت یہاں کیسے آنکلا؟"

"آہ........ جو کچھ ہوا ہے بہت برا ہوا ہے۔ غضب ہو گیا ہے۔ اس نے ممکن ہے ہماری باتیں سن لی ہوں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ یہ باتیں سن کر پریشان ہو گیا ہوگا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ وہ بدبخت اپنے آپ کو دیوتا سمجھتا ہے۔ وہ بھگوان کا دوسرا روپ کہتا ہے اپنے آپ کو۔ کہتا ہے کہ بھگوان بھی اسی کی طرح سے ایک ہے اور اس زمین پر بسنے والے اس کے لئے کیڑے مکوڑے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔"

"ایک بات بتاؤ رادھیکا! کیا وہ جادوگر ہے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ وہ ایک پراسرار جادوگر ہے۔ عام طور سے

جادوگر' سادھو اور جوگی ہوا کرتے ہیں' لیکن وہ اپنے آپ کو ایک ماڈرن جادوگر کہتا ہے کہ جادو کو پہاڑوں اور گپھاؤں میں محدود نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ ایک جادوگر کے لئے تو زندگی زیادہ آسان ہوتی ہے اور اس آسان زندگی سے اسے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے ساری باتیں اپنی جگہ۔ میرے بارے میں تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں۔ ہمارے ہاں ایک قول ہے۔ وہ یہ کہ ہر فرعون کے لئے موسیٰ ہوتا ہے۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ۔ میں دیکھوں گا کہ میں اس کے خلاف کیا کر سکتا ہوں اگر ممکن ہو سکا رادھیکا تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔" رادھیکا کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو جھلملانے لگے۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ ناشتہ کر لیجئے۔ وہ آپ کو بلا کر گیا ہے۔ بھگوان آپ کی رکھشا کرے۔" میں ناشتے کی جانب متوجہ ہو گیا اور رادھیکا میرا انتظار کرتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد میں ناشتے سے فارغ ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"آیئے......... وہ آپ کا انتظار کر رہا ہو گا۔" میں رادھیکا کے ساتھ چل پڑا۔ رادھیکا مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی ایک دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ یہ دروازہ بڑا عجیب تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی نیچے کی سمت ڈھلان شروع ہو جاتے تھے۔ وہ بولی۔

"سنبھل کر چلئے۔ آپ کو گہرائیوں میں اترنا ہے۔" میں اس کے ساتھ اس پھسلوان جگہ اترتا رہا' زینوں کی بجائے یہ خاص طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ بہرحال اس کا اختتام ایک وسیع و عریض ہال پر ہوا تھا۔ میں نے اس ہال میں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ چاروں طرف مختلف قسم کی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ انسانی ڈھانچے دیواروں میں لٹکے ہوئے تھے۔ کھوپڑیاں' شیشے کے جار' جانوروں کے سر' یہ ایک ایسی عجیب و غریب جگہ تھی جہاں آتے ہی انسان کا سینہ دہشت سے پھٹ جائے۔ ایک عجیب سی ناخوشگوار بو یہاں پھیلی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ رنگین روشنیاں لگی ہوئی تھیں کہیں نیلی اور کہیں سرخ اور کہیں پیلی۔ ہمارے قدموں کی آہٹ پا کر وہ مڑا اور دفعتاً ہی اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ ایک لمحے تک میری طرف فیصلہ کن انداز میں دیکھتا رہا پھر مدہم لہجے میں بولا۔

اس لڑکی سے تمہاری بہت گہری دوستی ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں اس سے شادی کر لینی چاہئے۔" میں نے خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھا زبان سے کچھ نہ کہا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کے چہرے پر وحشت چھائی ہوئی ہے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ جیسے

اس کا ذہن کوئی خوفناک سازش تیار کر رہا ہے۔ بہرحال میں خاموشی سے اس کے ساتھ کھڑا رہا۔ وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر بولا۔

کیا خیال ہے! اگر ایسا ہے تو پھر تمہیں آفر کرتا ہوں نیل کنول کو اپنے ذہن سے نکال پھینکو۔ ویسے تم بھی کافی حسن پرست معلوم ہوتے ہو۔ میری ہی طرح' پہلے تم نیل کنول کے چکر میں پڑے ہوئے تھے اور اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ رادھیکا تمہارے ذہن پر سوار ہوتی جا رہی ہے۔ چلو ٹھیک ہے۔ آج سے ٹھیک چودہ دن کے بعد رادھیکا کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ میرے پاس تمام انتظامات ہیں۔ ویسے تو خیر شادی بیاہ کا مسئلہ یہ ہے کہ انسان اپنے من میں سوچ لے کہ کون اس کی بیوی ہے کون اس کا پتی ہے۔ بس جیون گزر جاتا ہے۔ کچھ بول ہی تو ہوتے ہیں جو دھرم وغیرہ کا چکر چلاتے ہیں۔ بہرحال کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میرے پاس تمام انتظامات ہیں۔ اگر تم اپنے دین دھرم کے مطابق شادی کرنا چاہو گے تو میں اس سلسلے میں بھی تمام انتظامات کروں گا۔ یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو اور سنو میں شادی سے پہلے تمہیں کوئی کام کرنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ یہ تو سخت ظلم ہو گا کہ انسان کسی سے محبت کرے۔ کسی کے پریم میں ڈوب جائے اور اسے گدھے کی طرح مصروف کر دیا جائے۔ نہیں میرے دوست! میں ایک اچھا ساتھی ایک اچھا دوست ہوں اور پھر مجھے رادھیکا کو بھی تو تیار کرنا پڑے گا۔" اس نے آخری الفاظ چبا چبا کر جس انداز میں کہے اس کا اصل مطلب سمجھ کر میرے تن بدن میں کپکپی سی چھوٹ گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ ظالم اس لڑکی کی صورت بگاڑنے کی کوشش کرے گا۔ میں نے فوراً ہی کہا۔

"سنو۔ میں یہاں شادی کرنے نہیں آیا۔ تم نے میری پوری کہانی سنی ہے اور رادھیکا میری منزل ہے بھی نہیں۔ میں صرف نیل کنول کے لئے یہاں تک آیا ہوں۔ سمجھ رہے ہو؟"

"بیوقوف ہو تم۔ انتہائی بیوقوف! ذرا غور کرو زندگی تمہاری پسند کے مطابق گزر جائے اس سے اچھی کون سی بات ہو سکتی ہے۔ نیل کنول کے بارے میں تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اسے اپنے لئے مایا دیوی کے حوالے کیا تھا۔ اصل میں تم نہیں سمجھتے نیل کنول میری زندگی کا ایک ایسا راز ہے جو شاید کبھی نہ کھلے۔ وہ جسے میں یہاں تک نہیں لایا اور اسے میں نے ایک ایسی جگہ محفوظ کیا ہے جہاں تم کیا تمہارا خیال بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ فضاؤں میں چلنے والی ہوائیں بھی اسے نہیں چھو سکتیں۔ تم نہیں جانتے نیل کنول

سے میرا کیا رشتہ تھا۔ بالکل نہیں جان سکتے اور نہ جان سکو گے۔ رادھیکا۔ رادھیکا تمہاری زندگی کی بہترین ساتھی ہوگی۔ ذرا غور تو کرو اتنی حسین عورت تمہاری ہو رہی ہے اور تم انکار کر رہے ہو۔ اور اس کا اندازہ تو مجھے ہو رہا ہے کہ وہ بھی تمہیں پسند کرنے لگی ہے۔ نہیں میرے دوست! میں تمہاری شادی اس سے ضرور کروں گا۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" میں نے کچھ کہنے کے لئے زبان کھولنا چاہی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا۔

"نہ............ نہ............ نہ اس معاملے میں کچھ مت بولو۔ آج سے ٹھیک چودہ دن کے بعد اس کے ساتھ تمہاری شادی ہو جائے گی اور شادی سے پہلے اب میں نے تمہارے لئے اس جگہ کو کھلا کر دیا ہے۔ مجھے تم سے کوئی کام نہیں لینا۔ بس شادی کرو اور عیش کرو۔ یہ پورا کارخانہ اب تمہارے لئے ہے۔ ہر جگہ' ہر مقام پر جا سکتے ہو جہاں تمہارا دل چاہے۔ سنا رادھیکا' تم نے انہیں ہماری اس عیش گاہ کی سیر کراؤ۔ اور ہاں کھانا ٹھیک ایک بجے۔ کیا سمجھے؟" اس کے انداز میں ایک جنونی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ نہ کہا۔

"جا سکتے ہو اب جا سکتے ہو۔ سمجھے رادھیکا! کیا سمجھیں۔ گھماؤ انہیں معزز مہمان ہیں یہ ہمارے۔ جاؤ۔"

وہ خونخوار لہجے میں بولا اور میں جلدی سے واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ رادھیکا مجھ سے پہلے باہر آگئی تھی۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی اور جب ہم اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو رادھیکا کے قدموں میں لغزش تھی۔ وہ انتہائی خوفزدہ معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"رادھیکا رو مت۔ ساری باتیں میں سمجھ رہا ہوں لیکن یہ مت سمجھنا کہ میں ان باتوں سے خوفزدہ ہوا ہوں۔ وہ اگر کوئی ایسی سازش کرنا چاہتا ہے جو میرے اور تمہارے لئے نقصان دہ ہو تو میں اسے اس سازش میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ میں اب اس قدر بے بس بھی نہیں ہوں۔" رادھیکا کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے لڑھک پڑے۔ اس نے کہا۔

"آہ۔ اگر تم اس شیطان نما انسان کو اچھی طرح جانتے تو اتنی سادگی سے یہ بات نہ کرتے۔ اب میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس کے سینے میں تمہارے خلاف انتقام کوئی ایسا جذبہ ہے جو اسے تم سے شدید نفرت کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔"

"وہ تم نہیں جانتیں۔ ایک لڑکی ہے نیل کنول۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میں نیل کنول کو اس سے چھین لوں گا۔ وہ مجھے ملی تھی اور اس نے میری جانب محبت کا انداز اختیار کیا تھا۔ بس اس وقت سے یہ اس سے منحرف ہو گیا ہے۔"

"حالانکہ یہ ایک انتہائی شیطان صفت انسان ہے اور بدصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اسے خوبصورتی سے نفرت ہے۔ کیا وہ لڑکی خوبصورت ہے؟"

"بے پناہ۔"

"تو پھر یہ اسے بھی بدصورت ہی بنانا چاہتا ہوگا۔ اس کے علاوہ اسے زندگی کے کسی اور شعبے میں لگاؤ نہیں ہے۔"

"ایسا کیوں ہے رادھیکا؟ آخر ایسا کیوں ہے۔" رادھیکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بہرحال اس نے ہمیں آزادی دی تھی۔ چنانچہ میں اس کی اس شیطانی سلطنت کو دیکھنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ اس آزادی کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ میں یہاں سے فرار نہیں ہو سکتا۔ رادھیکا سے میں نے اس جگہ کی سیر کرنے کے لئے کہا اور وہ مجھے لے کر چل پڑی اس نے کہا۔

"ایک مخصوص حصے تک میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں اس کے بعد مجھے روپوش ہونا پڑے گا۔"

"اگر تم میرے پاس سے جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"یہی بہتر ہوگا۔" وہ بولی اور میرے پاس سے چلی گئی۔ بہرحال میں اس خوفناک عمارت کی سیر کے لئے چل پڑا۔ عجیب و غریب عمارت تھی۔ قدیم طرز کا کوئی قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ لاتعداد کمرے' برآمدے' ڈیوڑھیاں' کوٹھریاں اور تہہ خانوں کا ایک عظیم شہر یہاں آباد تھا۔ عام طور پر کمرے خالی تھے لیکن کچھ کمروں میں زمانہ قدیم کا فرنیچر اور کاٹھ کباڑ پڑا دکھائی دے رہا تھا جس پر گرد و غبار کی موٹی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ مکڑیوں نے جگہ جگہ جالے تان رکھے تھے۔ چمگادڑیں لٹکی ہوئی تھیں۔

ابھی میں گھوم ہی رہا تھا کہ اچانک ہی منحوس آواز دوبارہ گونجنی شروع ہو گئی۔ یہ میرے بالکل ہی قریب ایک تہہ خانے میں سے آرہی تھی اور اس قدر تیز تھی کہ مجھے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس آواز نے کچھ ایسی اعصابی کشیدگی پیدا کر دی تھی کہ میں وہاں سے بے تحاشہ بھاگ پڑا اور دوسری طرف چلا گیا۔ میں اس

آواز پر غور کر رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سے سائرن پوری قوت سے بجا دیئے گئے ہوں۔ اعصاب اس طرح متاثر ہو جاتے تھے کہ خدا کی پناہ۔ لگتا تھا جیسے روئیں روئیں سے جان نکلی جا رہی ہے۔ آواز غور و فکر کی ساری صلاحیتیں چھین کر ذہن کو مفلوج کر دیتی تھی۔ میں نے اپنی تمام تر مدافعتی قوتوں سے کام لے کر اپنے ذہن کو اس آواز کی قید سے آزاد کرانا چاہا۔ مگر اس کی گرفت اتنی شدید تھی کہ اس میں ناکام رہا یہاں تک کہ ایک تہہ خانے میں پناہ لینی پڑی۔

میں نے محسوس کیا کہ اس اندھیرے تہہ خانے میں میرے علاوہ اور کوئی ذی روح بھی موجود ہے۔ یہ خیال آتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے چاروں طرف غور سے دیکھا تو ایک گوشے میں لوہے کی سلاخوں کا بنا ہوا ایک پنجرہ سا نظر آیا۔ جس میں بن مانس سے ملتا جلتا ایک انسان اضطراب کی حالت میں اِدھر سے اُدھر گھومتا پھر رہا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ اس کا جسم سفید تھا لیکن جب میں نے نزدیک جا کر اسے دیکھا تو خوف سے میرے جسم کے تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خدا جانے کس بھیانک عمل کے تحت اس کی جسمانی ہیئت تبدیل کی گئی تھی۔ اس کے پورے بدن پر جسمانی ریچھ کی طرح سارے بال سفید اور لمبے تھے لیکن چہرہ سکڑ کر بندر کی مانند چھوٹا سا رہ گیا تھا۔ جونہی اس نے تہہ خانے میں میری موجودگی محسوس کی وہ رک گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سلاخوں سے باہر نکال لئے جیسے مجھے چھونا چاہتا ہو۔ اس کی آنکھوں میں حسرت نظر آ رہی تھی۔ وہ مجھے تکتا رہا۔ میری آنکھیں بھی اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دفعتاً ہی میں نے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے نکل نکل کر چپکے ہوئے رخساروں پر بہتے ہوئے دیکھے۔ اس کے چہرے سے ایسی مایوسی اور بیچارگی ٹپکتی تھی کہ انسان کا دل اندر سے بھر آئے۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ نہیں کہہ پا رہا تھا اور نہ ہی میں اس سے کچھ کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ ایک تہہ خانے میں مجھے پنجرے کے قریب ہی ایک بڑا سا عجیب و غریب پودا دکھائی دیا جس کی شکل بحری جانور آکٹوپس سے ملتی جلتی تھی۔ میں نے اسے نزدیک جا کر دیکھنے کی کوشش کی تو یکایک اس پودے کے لمبے لمبے بازوؤں میں حرکت سی پیدا ہو گئی اور اس سے پیشتر کہ میں پیچھے ہٹ جاتا یہ بازو پنجرے کی سلاخوں سے باہر نکلے اور انہوں نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ سانپ کی طرح میرے بازوؤں سے لپٹ گئے اور لمحہ بہ لمحہ ان کی گرفت سخت ہوتی گئی لیکن پھر یکایک تہہ خانے میں ایک دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور اس دروازے سے منگلہ سن اندر داخل

ہو گیا۔ اس نے جیب سے لمبا چاقو نکال کر پودے کے بازو جلدی سے کاٹ دیئے۔ اس طرح مجھے آزادی ملی۔ میرے چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا اور پیشانی پسینے سے تر تھی۔ میں نے ان بازوؤں سے خون بہتا ہوا دیکھا تھا جو کاٹے گئے تھے۔ منگلہ سن بے اختیار ہنسنے لگا اور کہنے لگا۔

"اس طلسم خانے میں ایسی ایسی چیزیں ہیں میرے دوست کہ تمہاری عقل تمہارا ساتھ چھوڑ دے۔ اگر چند لمحے اور گزر جاتے تو تمہارے خون کا ایک ایک قطرہ اس پودے میں منتقل ہو چکا ہوتا۔ کیا سمجھے؟ دوپہر ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے جتنا دیکھ چکے ہو اسے کافی سمجھو اور پھر ابھی تو وقت ہے لنچ کے لئے آ جاؤ۔ کیا تم صحیح راستوں سے واپس جا سکتے ہو کیونکہ جو راستے میں استعمال کرتا ہوں وہ کسی اور کے استعمال میں نہیں ہوتے۔ تم سمجھ رہے ہو گے۔ کہ جو چیز میری اپنی ہوتی ہے اس پر کسی اور کی ملکیت نہیں ہوتی۔ ہاں! جس طرح شیر کا بچا ہوا دوسرے بہت سے جانور کھا لیتے ہیں اسی طرح میں دوسروں کو بھی موقع دیتا ہوں۔ جیسے اب یہ لڑکی جس نے تمہیں پسند کیا۔ کیا سمجھے میری مراد رادھیکا سے ہے۔ رادھیکا تمہیں دے کر میں تم پر ایک احسان کر رہا ہوں اور تم جو نیل کنول کے بارے میں سوچتے رہتے ہو تمہاری یہ سوچ ہی تمہارے لئے مشکل بن گئی ہے۔ چلو آ جاؤ۔ کھانا تیار ہے۔"

ایک عجیب و غریب مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ پہلا دن' دوسرا دن' تیسرا دن یہاں تک کہ پانچ دن گزر چکے تھے۔ ان پانچ دنوں میں میری مصروفیات انتہائی مایوس کن تھیں۔ مجھ پر وحشتوں کے دورے پڑ رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے آج تک رادھیکا کو نہیں دیکھا تھا یا تو وہ بدبخت ماری گئی تھی یا پھر کسی ایسی جگہ قید کر دی گئی تھی جہاں سے وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتی تھی اور میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ اب وہ کوئی اور بھیانک قدم اٹھانے کا فیصلہ کر رہا ہے۔ وہ جب بھی مجھے ملتا اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ ہوتی اور یہ مسکراہٹ مجھے احساس دلاتی کہ کوئی خطرہ بہت قریب ہے۔ اس دوران میں اپنی دوسری کوشش بھی کرتا رہا تھا یعنی یہ کہ باہر جانے کے راستے کی تلاش' ایسا راستہ جس سے صحیح صورت حال سامنے آئے۔ جہاں تک میرا اپنا اب تک کا معاملہ تھا یعنی پورنی کی مدد تو اس سے تو میں بری طرح بددل ہو چکا تھا۔ یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ پورنی صرف ایک بیر ہے۔ معمولی سی حیثیت کی مالک اور کوئی بہت بڑا کام وہ کبھی نہیں کر سکتی۔ ایسی کسی شخصیت کو اپنی زندگی پر مسلط کرنے سے فائدہ' اصل میں بات وہی ہو جاتی ہے جو کچھ

انسان کو مل جاتا ہے وہ اسے پس منظر میں ڈال دیتا ہے اور اس سے بڑی جو چیز نگاہوں کے سامنے آتی ہے' اس کی طرف رخ کرتا ہے۔ اس جگہ سے باہر جانے کا کوئی خفیہ راستہ بھی نہیں ملا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ کتے کے چہرے والا اب عام طور سے سائے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا ہے لیکن جب بھی میرا اور اس کا سامنا ہوتا تھا اس کا انداز بڑا مؤدب ہو جاتا تھا۔ یہ بھی یقینی طور پر منگلاسن کے حکم سے ہی ہوا تھا۔ آخر کار منگلہ سن نے ایک دن مجھ سے کہا۔

"اور کل تمہاری شادی کا دن ہے۔ تم تو شاید یہ بھول ہی گئے ہوں گے۔"

"نہ جانے تم کیا بات کرتے ہو منگلہ سن۔" میں نے کہا اور وہ ایک دم بگڑ گیا اور بولا۔

"شادی تو ہوگی اور ضرور ہوگی۔ اور یہ شادی میں تمہاری اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ تم نیل کنول کا خیال دل سے نکال دو' سمجھے؟ اگر تم رادھیکا سے منسلک ہو جاؤ گے تو نیل کنول تمہاری طرف منہ کر کے تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گی۔"

بہرحال اسی رات میں اپنے مخصوص کمرے میں سو رہا تھا۔ رات آدھی کے قریب گزری ہوگی کہ کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میں بری طرح نروس ہو گیا اور جب میں جاگا تو یہ دیکھ کر میری حالت اور بھی خراب ہو گئی کہ منگلاسن اور اس کا دیو قامت چوکیدار میرے پاس کھڑا ہوا ہے۔ منگلہ سن نے تیز روشنی کر دی۔ میری آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہو گئی۔ میرا پارہ چڑھ گیا اور میں نے کسی قدر کرخت لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے۔ کیا مہمان بنانے کے بعد اس طرح اجارہ داری قائم کر لی جاتی ہے۔ آدھی رات کے وقت کسی کی نیند خراب کر دینا کوئی اچھی بات ہے؟" میں نے منگلہ سن کی طرف دیکھا اور پھر ایک دم خوفزدہ ہو گیا کیونکہ اس کی شکل اس قدر ڈراؤنی تھی کہ میرا دل لرزنے لگا۔ مجھ پر ایک وحشت سی سوار ہو گئی اور میں اسے دیکھنے لگا۔

"اٹھو۔ اور کپڑے بدل کر تیار ہو جاؤ۔ تمہاری شادی کا وقت آ گیا ہے۔" اس نے بڑے بارعب لہجے میں کہا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں نے اگر اس وقت انکار کیا تو یہ خوفناک چوکیدار جو خونخوار درندے کی مانند مجھے دیکھ رہا ہے۔ نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ میں خاموشی سے اٹھ گیا تو منگلہ سن نے کہا۔

"ہم باہر موجود ہیں۔ لباس تبدیل کرو اور باہر آ جاؤ۔" اس نے چوکیدار کو اشارہ کیا اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔

بہرحال کپڑے وغیرہ تو پہننے ہی پڑے تھے۔ دماغ اس وقت تیزی سے کام کر رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اس شیطان سے نجات حاصل کرنے کی آخری کوشش ضرور کرنی چاہئے۔ مگر طریقہ کار سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بہرحال میں اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ رات کے سناٹے اور گھپ اندھیرے نے اس عظیم عمارت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میرے کمرے کے سامنے کی راہداری میں معمولی سی روشنی ہو رہی تھی۔ راستہ طے کرتے ہوئے میں نے جب ایک کمرے میں جھانکا جس میں روشنی ہو رہی تھی تو میرا دم ہی نکل گیا۔ میں نے دیکھا کہ رادھیکا دلہن کے لباس میں ملبوس کوئی چیز تلاش کر رہی ہے۔ اس کی پشت میری طرف تھی لیکن میں نے اسے فوراً ہی پہچان لیا تھا۔ البتہ کمرے میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ میں رادھیکا کو آواز ہی دینے والا تھا کہ سامنے راہداری کے آخری سرے پر مجھے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور میں ایک دم گھبرا کر آگے بڑھ گیا۔ یہ میں نے اچھا ہی کیا ورنہ میرے اس طرح رک جانے کا نہ جانے منگلہ سن پر کیا ردِ عمل ہوتا۔ اس نے فوراً ہی میری جانب گردن گھمائی تھی اور خوشی بھری آواز میں بولا تھا۔

"آجاؤ............ آجاؤ۔ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔" میں تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا اور پھر ہم ایک ساتھ جمع ہو گئے۔ وہ دیو قامت شخص بھی موجود تھا۔ منگلہ سن نے کہا۔

"آجاؤ۔ چلو' چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا' کتے جیسی شکل والا شخص سب سے آگے تھا۔ اس کے بعد خود منگلاسن پھر میں اور میرے پیچھے وہ دیو قامت شخص' ہم لوگ یہاں رکنے کے بجائے ایک عقبی راہداری کے طرف چل پڑے تھے۔ ہمارا انداز ایک جلوس کا سا تھا۔ منگلہ سن اس وقت بچوں کی طرح خوشی کا اظہار کر رہا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کالے علم والا یہ شخص اپنے جیسے کالے علم والوں سے بہت مختلف ہے۔ وہ جدید ہے جبکہ وہ لوگ قدامت پرست تھے۔ آگے سفر کرتے ہوئے ہم ایک عمارت میں پہنچ گئے۔ یہ ٹوٹے پھوٹے کھنڈر کی شکل رکھتی تھی۔ اس کھنڈر کے آخری حصے میں ایک بند دروازے کے پاس رکنا پڑا جس میں سامنے کی سمت تالا پڑا ہوا تھا۔ دیو قامت شخص پیچھے سے آگے آیا اور اس نے اپنی چابیوں کے گچھے سے ایک چابی نکال کر تالا کھولا اور اس کے بعد ہم ایک ایک کر کے اندر داخل ہو گئے۔

یہ بہت ہی وسیع و عریض کمرہ تھا۔ جس کی چھت بہت اونچی اور مکمل تاریکی میں چھپی ہوئی تھی۔ سامنے ہی ایک چوڑا سا چبوترا تھا جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اس پر دو تین

لمبی لمبی موم بتیاں روشن تھیں جن کی مدھم کانپتی ہوئی روشنی میں ہمارے سائے بدروحوں کی مانند لگ رہے تھے۔ ہر طرف قبرستان کا سا گہرا سکوت طاری تھا۔ اگر سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز سنی جاسکتی تھی۔ سب لوگ ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگے اور چبوترے کے قریب پہنچ گئے۔ تب مجھے ایک اجنبی صورت نظر آئی۔ ایک انتہائی سوکھے جسم والا بوڑھا آدمی جس کی ایک ایک ہڈی اس طرح نمایاں تھی کہ میڈیکل کے اسٹوڈنٹس انسانی جسم کی ہڈیوں کا اس سے بہتر اندازہ اور کہیں سے نہیں لگا سکتے تھے۔ اس کا چہرہ بالکل پیلے رنگ کا اور چمکدار تھا۔ آنکھیں بھی خوب روشن تھیں اور وہ بالکل بے حس وحرکت اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔ مجھ پر ایک سحر سا طاری ہونے لگا اور یہ سب کچھ مجھے ایک خواب سا لگنے لگا۔

اتنے میں دروازہ پھر کھلا اور میں نے رادھیکا کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک سفید لباس میں ملبوس اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ لمبی سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ اس کی چال انتہائی دلکش تھی اور میں اس کے جسم کے نقوش سے یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ رادھیکا ہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔ بوڑھا آدمی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ کچھ عجیب و غریب آوازیں تھیں۔ ایسی آوازیں میں نے فلموں میں سنی تھیں۔ عام طور پر شادیاں کروانے والے پنڈت اس قسم کے اشلوک پڑھا کرتے تھے جو سنسکرت میں ہوا کرتے تھے۔ میں خاموشی سے منگھ سن کی طرف دیکھنے لگا۔ خدا جانے اس خبیث نے کیسی بھیانک شرارت کا منصوبہ اپنے ذہن میں تیار کر رکھا ہے اور اب کچھ ہی لمحے جارہے ہیں کہ یہ منصوبہ ظہور میں آجائے گا۔ منگھ سن کے ہونٹوں پر وہی مکروہ تبسم پھیلا ہوا تھا۔

بوڑھا یہ اشلوک پڑھتا رہا اور اس کے بعد اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے برتن سے کسی دال کے دانے مجھ پر اور رادھیکا پر مارے اور اس کے بعد دونوں ہاتھ پھیلا کر ہمیں دعائیں دینے لگا۔ یہ نہ ہندو رسم و رواج کے مطابق شادی تھی نہ مسلمان یا عیسائی۔ غالباً یہ شادی شیطان کی رسموں کے مطابق تھی۔ بالکل ایسی ہی بات تھی لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میرے ذہن میں نیل کنول کا جو تصور تھا وہ تو شاید ان کا باپ بھی نہیں ختم کر سکتا تھا۔ بوڑھا آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا اور پھر وہیں سے گم ہوگیا۔ پھر اچانک ہی منگھ سن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور میرے دوست! کیا تم اپنی دلہن کو نہیں دیکھو گے۔ آؤ اب یہ تم پر حلال ہوگئی

ہے۔ دیکھو' دیکھو اس کا چہرہ دیکھو۔ اس کا نقاب الٹو۔ تمہارا یہ کام ہے آؤ۔" اس کے آخری الفاظ حکم سے بھرپور تھے۔ میں لرزتے قدموں سے آگے بڑھا۔ رادھیکا بے حس وحرکت پتھر کے مجسمے کی مانند اپنی جگہ کھڑی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر میں نے لرزتے ہاتھوں سے اس کا نقاب اٹھایا۔ اصل میں میرے ذہن میں یہ تصور تھا کہ دیکھوں تو سہی کہ اس شیطان نے بیچاری رادھیکا کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ پھر جیسے ہی میں نے رادھیکا کا چہرہ دیکھا تو انتہائی کوشش کے باوجود میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں دہشت سے کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ آہ۔ میں نے جو چہرہ دیکھا تھا وہ رادھیکا کا چہرہ نہیں تھا۔ رادھیکا تو ایک انتہائی حسین لڑکی تھی جسے ایک بار دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی ہوں اور اب وہ اس قدر بھیانک ہوگئی تھی کہ ایک نگاہ بھی اس پر نہ جمائی جاسکتی تھی۔ وہ کسی شیطانی بلا کا چہرہ تھا۔ ہونٹ کٹے ہوئے اور بڑی بڑی نیلی آنکھوں کی پلکیں غائب تھیں۔ دونوں رخساروں پر سیاہ رنگ کے دائرے سے بنے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے رخسار لوہا گرم کرکے داغ دیئے گئے ہوں۔ ہونٹ کٹ جانے سے اس کے تمام سفید دانت اور جبڑے نظر آرہے تھے جنہوں نے اس کی شکل نہایت خوفناک بنا دی تھی۔ میں نے نقاب الٹی تو بغیر پلکوں کی نیلی اور ویران آنکھیں مجھے تکنے لگیں۔ اُف میرے خدا! ان آنکھوں سے کس بلا کی مایوسی اور حسرت جھلک رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے مجھے یوں لگا جیسے دہشت سے میرے دل کی دھڑکن بند ہونے والی ہے۔ میرے عقب میں منگھ سن کے قہقہے گونج رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"ارے' او بے وقوف شخص! بڑھو' آگے بڑھو' دیکھو یہ تمہاری دلہن دنیا کی حسین ترین لڑکی! وہ انتظار میں کھڑی ہے کہ تم دوبارہ اس کا نقاب الٹ کر اس کے حسن و جمال کا نظارہ کرو۔ سن رہے ہو تم اٹھاؤ اس کا گھونگھٹ' میرے ذہن میں تمہاری اس مشکل کا بہترین حل آیا ہے۔ اچھا ایسا کرتا ہوں میں تمہیں بھی اس دلہن کی طرح حسین بنا دیتا ہوں۔ آؤ ذرا میرے ساتھ چلو۔ آجاؤ۔ دونوں کی جوڑی بہت خوبصورت رہے گی اور پھر اس طلسم کدے میں ایک حسین اضافہ ہوگا۔ چلو آجاؤ۔ آجاؤ۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟ کیا سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو؟ میں تجھے ایک بات بتادوں ساری باتیں اپنی جگہ تیرا منحوس اور کالا علم اپنی جگہ میں تجھے' میں تجھے۔" میرے الفاظ اس کے قہقہے کے آہنگ میں دب گئے۔ اس نے اپنے دیو قامت شخص کو اشارہ کیا اور بولا۔

"اسے لے چلو۔ چلو تم اسے لے چلو۔" میں نے خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا اس وقت میری کیفیت پنجرے میں بند ایک پرندے کی مانند تھی۔ دیو قامت شخص نے میری طرف قدم اٹھایا لیکن عین اس وقت ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آگیا۔ رادھیکا جو ابھی تک بے حس و حرکت کھڑی تھی، متحرک ہو گئی اور آہستہ آہستہ میری جانب بڑھنے لگی۔ منگلا سن کو یہ منظر بہت دلچسپ محسوس ہوا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے واہ، واہ کیا رومانی سین چل رہا ہے۔ رک جاؤ، تم لوگ رک جاؤ، دیکھو دلہن اپنے شوہر سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔" رادھیکا آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی لیکن اس وقت مجھ پر ایک عجیب سی وحشت سوار تھی۔ میں پیچھے ہٹنے لگا یہاں تک کہ میری پیٹھ دیوار سے ٹکرانے لگی۔ اِدھر منگلا سن کو یہ منظر بہت دلچسپ لگ رہا تھا۔ اس کے حلق سے قہقہے ابلنے لگے۔ اس کے وحشیانہ قہقہوں سے دیواریں لرز رہی تھیں۔ لگ رہا تھا جیسے وہ اس تماشے سے بہت خوش ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خوفناک دلہن میرے نزدیک آگئی۔ گرم سانس میرے چہرے کو چھونے لگے۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے کوئی سخت سی چیز میرے ہاتھ میں تھما دی۔ میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا تو وہ ریوالور تھا۔ اُدھر وہ آواز پھر بلند ہوئی۔

"ہاں۔ میرے عظیم دوست! دیکھو وہ جذباتی ہو رہی ہے۔ تمہارے سینے میں سما جانے کے لئے بے چین ہے اور تم ہو کہ گھبرا رہے ہو۔ کیا بے وقوفی ہے یہ۔ کیا تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے۔ بس غلطی اس سے یہ ہوئی کہ اس نے بھی میری بدصورتی کا مذاق اڑایا۔ مجھے بدصورت سمجھ کر اس نے نفرت کی نگاہیں مجھ پر ڈالی ہیں۔ یہ میں کن فضول باتوں میں پڑ گیا۔ کیا سمجھے۔ میں کن فضول باتوں میں پڑ گیا یہ۔" دفعتاً ہی میں نے آہستہ سے رادھیکا کو ایک جانب ہٹایا اور ریوالور سیدھا کر لیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا یہ مذاق اب مجھے ختم کر دینا چاہئے۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور منگلا سن نے میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھا۔ اس کا چہرہ ایک دم سکڑ گیا اور اس کی آنکھوں سے جنون جھلکنے لگا۔ اس نے دیو قامت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ............ یہ کتا۔ یہ کتا ریوالور کہاں سے لے آیا۔ پکڑو اسے اور اس کو نوچ کر ہلاک کر دو۔" اب اچانک ہی دیو قامت شخص آگے بڑھا اور میرے ریوالور سے یکے بعد دیگرے تین شعلے نکلے۔ دیو قامت ایک دھماکے کے ساتھ ہال کے فرش پر گر پڑا۔ کتے جیسی شکل والا جلدی سے چھلانگ لگا کر دیوار سے جا لگا تھا۔ میں نے منگلا سن کی طرف دیکھ

کر کہا۔

"منگلا سن! بہت ذلیل انسان ہے تو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ سب کچھ تُو نے کیوں کیا ہے لیکن............ لیکن تُو، تو اس قابل نہیں ہے کہ اس دنیا میں رہے۔" ابھی میں نے یہی الفاظ کہے تھے کہ اچانک ہی سائرن کی وہ منحوس آواز گونج اٹھی جس نے میرے اعصاب کو پچھلے چند دنوں میں بہت کمزور کر دیا تھا۔ سائرن کی آواز جیسے ہی ابھری میرے پورے وجود میں لرزش پیدا ہونے لگی۔ ہاتھ کانپنے لگا اور شاید یہ منگلا سن کی ایک عجیب و غریب کوشش تھی۔ وہ اس موقع کا منتظر تھا۔ اس نے اپنے لباس سے ایک لمبا چمکتے پھل والا چاقو نکالا اور پوری قوت سے میری طرف پھینکا۔ چاقو کی سنسناہٹ میرے کانوں نے سنی تھی لیکن میرے اعصاب میں اتنی قوت نہیں رہی تھی کہ میں اس سے بچنے کی کوشش کروں لیکن رادھیکا نے اس وقت میرے لئے اپنی قربانی دی۔ وہ فوراً مجھ پر آگری اور چاقو اس کی پشت میں داخل ہو گیا۔

یہ حادثہ اتنی برق رفتاری سے پیش آیا کہ میری عقل چکرا کر رہ گئی لیکن پھر اچانک ہی میں نے ایک اور عجیب و غریب عمل دیکھا۔ کتے جیسی شکل والا شخص اپنی جگہ سے اچھلا تھا اور اس نے پوری قوت سے منگلا سن کی گردن کو پکڑ لیا تھا۔ منگلا سن حیرانی سے ایک لمحے تک تو ساکت رہا لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنی جسمانی قوت کا اظہار شروع کر دیا۔ پتہ نہیں یہ کالے علم کی قوت تھی یا پھر خود اپنے بدن کی قوت کہ اس نے کتے جیسی شکل والے شخص کو اپنے سر سے بلند کر کے زمین پر دے مارا اور پھر اسے جوتے کی ٹھوکروں سے پیٹنے لگا۔ ذرا سی دیر میں اس نے کتے کی شکل والے کو زمین چٹا دی تھی۔ اِدھر رادھیکا ایک جانب بے ہوش پڑی تھی اور اس کا لباس خون سے تر ہو چکا تھا۔ دفعتاً ہی ایک اور تبدیلی رونما ہوئی۔ کتے جیسے منہ والا شخص جو منگلا سن کے ہاتھوں زخمی ہو چکا تھا۔ دفعتاً ہی اپنی جگہ سے اچھل کر مجھ پر آگرا تھا اور اس نے میرے ہاتھوں سے ریوالور چھین لیا۔ اس سے پہلے کہ منگلا سن کچھ سوچے یا سمجھے، اس نے ریوالور کا بقیہ میگزین منگلا سن کے سینے پر ختم کر دیا۔ اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ میری نگاہیں رادھیکا کی جانب اٹھ گئیں۔ رادھیکا کی پشت میں جو خنجر پیوست ہوا تھا۔ وہ ابھی تک اس کی پشت میں ہی گڑا ہوا تھا۔ خنجر غالباً کسی زہر میں بجھا ہوا تھا کیونکہ رادھیکا کا جسم گہرا نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے سینے سے کان لگا کر اس کے دل کی دھڑکن سننا چاہی لیکن وہ مر چکی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت رادھیکا نے اپنی قربانی دے کر میری جان

بچائی۔ اس حسین اور معصوم لڑکی کا یہ حیرت ناک انجام کتنا دلدوز تھا۔

اچانک ہی باہر سے کسی اور عورت کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ میں تیزی سے باہر کی جانب دوڑا۔ میں نے دیکھا کہ میرے پیچھے ہی پیچھے کتے جیسی شکل والا وہ شخص بھی اچھل کر بھاگا تھا۔ میں اور وہ دونوں ایک ساتھ ہی کمرے سے باہر نکلے تھے لیکن اس کے بعد میں حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔ کسی ابھری ہوئی چیز سے ٹھوکر کھا کر میں نے بمشکل تمام اپنے آپ کو گرنے سے بچایا تھا۔ چیخنے والی عورت کو میں نے دیکھا تو میرے کلیجہ اچھل کر حلق میں آگیا۔ آہ.......... وہ.......... وہ رادھیکا ہی تھی۔ زندہ سلامت اپنی اصل شکل میں ہانپتی کانپتی دیوانوں کی طرح دوڑتی ہوئی وہ آگے آئی اور بمشکل تمام اس نے اپنے آپ کو گرنے سے بچایا۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی تھی لیکن نہ جانے کیوں میرے پورے دل و دماغ میں ایک شدید ہیجان برپا تھا۔ اندر موجود بدشکل عورت جس کا چہرہ تو بے شک تبدیل ہوچکا تھا لیکن اس کے بدن کے نقوش بالکل رادھیکا کی طرح تھے۔ وہ.......... وہ کون تھی۔ رادھیکا.......... رادھیکا اپنی اصل شکل میں تھی۔ پھر یہ بھی کوئی طلسم تھا' کوئی سنسنی خیز کہانی تھی۔ میں اس کشمکش کا شکار تھا کہ رادھیکا نے کہا۔

"وہ.......... وہ.......... کہاں ہے؟"

"وہ مرچکا ہے۔ اس عورت نے اسے گولی ماردی ہے جو تمہاری شکل اختیار کئے ہوئے تھی۔ میرا مطلب ہے وہ بدصورت عورت۔"

"آہ۔ مجھے معلوم ہے۔ وہ سومیتا تھی' وہ سومیتا تھی۔ مگر کیا تم سچ کہہ رہے ہو منگلہ سن مرچکا ہے؟"

"ہاں۔ وہ بے جان لاش کی شکل میں اندر پڑا ہوا ہے۔ کیا تم اسے دیکھنا پسند کرو گی؟"

"نہیں۔ نکلو یہاں سے بھگوان کے لئے نکلو۔ یہاں سے چلو' یہاں سے جتنی جلدی ممکن ہوسکے۔ چلو میرے ساتھ۔" رادھیکا نے میرا ہاتھ پکڑا۔ باقی ساری باتیں بھول کر مجھے اس کے ساتھ دوڑنا پڑا تھا۔ ہم دونوں دوڑتے ہوئے کافی دور نکل آئے اور پھر ایک ایسی جگہ جو میرے لئے بالکل اجنبی تھی' رک کر رادھیکا سرخ پتھر کی ایک ٹوٹی ہوئی سل پر بیٹھ گئی۔ اس کی کیفیت کافی خراب نظر آرہی تھی۔ میں بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ میں نے کہا۔

"رادھیکا! تم کیا واقعی زندہ ہو۔ پھر وہ جو مرگئی وہ کون تھی؟"

"سومیتا! بہت اچھی عورت تھی وہ۔ تم نے اس کی بھیانک شکل دیکھی ہوگی۔ وہ پہلی بدبخت عورت تھی جو منگلہ سن جیسے مکروہ شکل کے انسان کو چاہتی تھی مگر منگلہ سن تو جنونی ہے' دیوانہ ہے۔ بلکہ اگر تم کہتے ہو کہ وہ مرچکا ہے تو میں یہ کہوں گی کہ وہ دیوانہ تھا۔ اسے اپنی بدصورتی کا شدید احساس تھا اور وہ ساری دنیا کو بدصورت بنا دینا چاہتا تھا۔ کوئی ایسی کہانی اس کی زندگی سے وابستہ تھی جس نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ حسن سے نفرت کرتا تھا کیونکہ دنیا نے اس کی بدصورتی سے نفرت کی تھی۔ مجھے پوری تفصیل سے تو اس کی داستان نہیں معلوم۔ بس اتنا جانتی ہوں میں اور یہ بھی مجھے سومیتا نے بتایا تھا کہ اپنی نوجوانی کے زمانے میں اسے کسی لڑکی سے محبت ہوگئی تھی اور وہ لڑکی اس سے شدید نفرت کرتی تھی کیونکہ وہ بدصورت تھا۔ نیل کنول نامی لڑکی اس حسین لڑکی کی ہم شکل تھی اور اس حسین لڑکی کو اس نے اپنے ہاتھوں سے مار دیا تھا۔ اسے مارنے کے بعد وہ جنونی ہوگیا اور اس نے ساری دنیا کو بدصورت بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ یہاں اس نے اپنے آپ کو آباد کیا اور نہ جانے کون کون سے علوم سیکھ کر وہ یہاں عمل کرتا رہا۔ یہ اس کی داستان ہے۔ سومیتا بھی اس کی محبوبہ تھی۔ سومیتا نے اس سے نفرت نہیں کی حالانکہ وہ بے پناہ خوبصورت تھی لیکن وہ دنیا میں کسی پر یقین نہیں کرتا تھا۔ جب سومیتا نے اس سے اظہارِ محبت کیا تو اس نے یہی سمجھا کہ سومیتا اسے بے وقوف بنا رہی ہے اور اس کے بعد اس نے سومیتا کو بھیانک اور بدشکل بنا دیا۔ جانتے ہو اب اس کا منصوبہ کیا تھا۔ وہ میری حیثیت سے سومیتا کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا تھا اور اس طرح وہ خوفناک سومیتا کو تمہارے حوالے کرکے اپنی جان چھڑانے کے چکر میں تھا۔ جبکہ سومیتا درحقیقت اسے چاہنے لگی تھی۔ وہ تمہیں بھی بدصورت بنا دیتا اور پھر تم اس کی بیوی کو قبول کر لیتے۔ یہ ساری باتیں سومیتا نے مجھے بتائی تھیں۔ آہ۔ وہ مرگئی بیچاری۔"

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے رادھیکا! کہ ہم یہاں سے کیسے نکل سکتے ہیں؟"

"یہاں سے نکلنے کا راستہ صرف وہی جانتا ہے جو ایک دیو قامت شخص ہے۔ باقی اور کسی کو یہاں سے نکلنے کا راستہ نہیں معلوم۔ میں تمہیں بتاؤں۔ یہاں اور بھی بہت سے قیدی ہیں۔ اگر وہ مرچکا ہے تو آؤ۔ ہم ان قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ ہوسکتا ہے وہ میرا مطلب ہے ان میں سے کوئی باہر نکلنے کا راستہ جانتا ہو۔"

"اس کے علاوہ ہم اس دیو قامت شخص کو بھی تلاش کرتے ہیں۔ پہلے تو وہ یہیں موجود تھا۔ اب پتہ نہیں کہاں غائب ہو۔"

دیو قامت شخص کے بارے میں رادھیکا نے یہ کہا تھا کہ وہ راستہ جانتا ہے چنانچہ انتہائی تلاش کے باوجود جب وہ نہیں ملا تو ہم لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر باہر نکل گیا ہے۔ اس کے بعد رادھیکا ان قیدیوں کے پنجرے تلاش کرنے لگی اور جس طرح میں نے وہ سفید بن مانس دیکھا تھا۔ اسی طرح بہت سے بدصورت اور مکروہ شکلوں کے لوگ ہمیں وہاں پنجروں میں قید ملے جو ہم سے آزادی کی بھیک مانگنے لگے۔ بہرحال چابیاں دیو قامت کے پاس تھیں اور وہ غائب ہو چکا تھا لیکن ان قید خانوں کو توڑنے کی ذمے داری میں نے اپنے سر لے لی بلکہ وہ کتے جیسی شکل والا آدمی بھی ساتھ شامل ہو گیا۔ اسے شدید زخمی کر دیا گیا تھا لیکن وہ ہمت سے کام لے رہا تھا اور لوہے کے کچھ اوزار لے کر اس نے یہ تالے توڑے تھے پھر انسان کی انسان سے مدد کا ایک متاثر کن سلسلہ شروع ہو گیا اور قید سے آزاد ہونے والے صرف اپنے لئے فرار کے راستے نہیں تلاش کرنے لگے بلکہ وہ دوسروں کی مدد کرنے لگے اور کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بے شمار افراد جمع ہو گئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے۔ غالباً ان کی سوچ یہی تھی کہ اب اپنی دنیا میں واپس جانے کے بعد ان کا مقام کیا ہو گا۔ میری زندگی کے لئے انتہائی انوکھا واقعہ تھا یہ۔ پھر وہ راستے تلاش کرنے لگے اور جب ہمیں ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آیا تو تمام لوگ اپنی قوتوں کے ساتھ اس سوراخ کو کشادہ کرنے میں مصروف ہو گئے اور آن کی آن میں دیواریں ڈھا دی گئیں۔ ہمیں باہر جانے کا راستہ مل گیا تھا اور ہم بہرحال آزاد ہو گئے تھے۔ وہ ہولناک طلسم خانہ ایک بھیانک کھنڈر کی شکل میں ہمارے پیچھے تھا۔ رادھیکا میرے ساتھ آ رہی تھی اور میں اور رادھیکا ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے جبکہ باقی افراد منتشر ہو گئے تھے۔ بہت فاصلہ طے ہو گیا تھا کہ اب نہ صرف وہ کھنڈر بلکہ اس علاقے کا اور کوئی نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ تو رادھیکا نے کہا۔

"تھکنا تو نہیں چاہئے ہمیں لیکن میں تھک گئی ہوں۔ وہ دیکھو' وہ سامنے ایک عمارت نظر آ رہی ہے۔ کیوں نہ ہم اس عمارت میں پہنچ جائیں۔ ہو سکتا ہے وہاں ہمیں تھوڑا سا وقت آرام کرنے کے لئے مل جائے۔"

میں نے بھی اس کچی سڑک میں بائیں سمت گہرائیوں میں وہ کالی سی عمارت دیکھ لی۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خوف کا ایک احساس پیدا ہوا لیکن میں نے اسے اپنے ذہن سے کھرچ دیا اور اس عمارت کی جانب چل پڑا۔ رادھیکا میرے قدموں سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔ میں نے کئی بار رادھیکا کے بارے میں سوچا تھا لیکن ابھی ذہن اس طرح

منتشر تھا کہ کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال کافی طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم اس عمارت تک پہنچ گئے۔ ویرانے میں بنی عمارت زیادہ پرانی نہیں تھی اور اس کے طرز تعمیر سے اس طرح کا احساس ہوتا تھا جیسے وہ ڈاک بنگلہ ٹائپ کی چیز ہو۔ عمارت کا پھاٹک باہر سے بند اور اس میں کوئی تالا وغیرہ نہیں لگا تھا۔ ہم لوگ کھڑے یہ سوچتے رہے کہ بغیر اجازت کے اس عمارت میں داخل ہونا مناسب ہو گا یا نہیں۔ میں نے گیٹ کے پاس کھڑے ہو کر کئی بار اندر نگاہیں دوڑائیں لیکن کسی قسم کی کوئی تحریک نظر نہیں آئی تھی۔ تب میں نے لوہے کی موٹی سی کنڈی کو کھولا۔ رادھیکا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے چھوٹے سے احاطے میں داخل ہو گیا۔ یہاں کھڑے ہو کے میں نے آواز لگائی۔

"اگر کوئی ہے تو سامنے آ کر ہم سے بات کرے۔ ہم مسافر ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے پناہ چاہتے ہیں۔" میں کھڑے ہو کر اپنی آواز کی بازگشت سنتا رہا مگر کہیں سے کوئی تحریک نظر نہ آئی تو میں نے گیٹ کو بند کر دیا لیکن کنڈی نہیں لگائی اور اس کے بعد میں نے اندر کی جانب قدم اٹھا دیئے۔ بڑے دروازے کے پاس پہنچ کر میں نے پھر وہی آوازیں لگائیں لیکن اب بھی کوئی آواز نہیں سنائی دی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ ایک عجیب سی ٹھنڈک یہاں پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے دروازے سے داخل ہونے کے بعد ایک ڈیوڑھی نظر آ رہی تھی اور اس ڈیوڑھی کے بعد ایک اور دروازہ۔ میں نے رادھیکا کو دیکھا تو رادھیکا کہنے لگی۔

"ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح ہم اس بھیانک ماحول سے نکل کر آئے ہیں۔ اسی طرح اب بھی ہمیں کسی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہئے۔ تقدیر نے جو بھی فیصلہ ہمارے لئے کیا ہے ہم اس پر عمل کریں گے۔" بہرحال وہ بھی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ہم اس دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک بہت ہی وسیع و عریض ہال نما کمرہ تھا جس میں مکمل گہری خاموشی طاری تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ یہ اندازہ نہیں لگایا تھا میں نے کہ یہاں سے بجلی کے تار گزرتے ہیں یا نہیں اور پھر روشنی کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ بہرحال باہر سے آئے تھے۔ نیم تاریک ماحول میں صورتحال کا گہری نگاہوں سے جائزہ لیا تو مجھے دیوار پر بجلی کے بٹن نظر آئے۔ اس کا مطلب ہے کہ بجلی یہاں آس پاس سے گزرتی ہے اور اس ڈاک بنگلے تک بجلی لائی گئی ہے۔ کئی سوئچ دبائے تو ایک سوئچ دبانے سے پیلی سی ہلکی مدہم روشنی ہو گئی۔ بہت ہی کم پاور کا ایک بلب ایک طرف لگا ہوا تھا لیکن روشنی میں جو چیز نمایاں ہوئی وہ ایک بڑی مسہری تھی جو ایک گوشے میں پڑی ہوئی

تھی۔ پرانے طرز کی بنی ہوئی اور خاصی وسیع و عریض۔ اس مسہری پر ایک انسانی جسم چادر اوڑھ کر سویا ہوا نظر آیا۔ رادھیکا نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"شاید یہ اس عمارت کا مالک ہو۔ مگر ہم نے تو بہت سی آوازیں دی تھیں۔ اس نے سنا ہی نہیں۔"

"سنئے جناب! آپ بے شک سو رہے ہیں اور ہم آپ کے اس آرام میں داخل انداز ہو رہے ہیں۔ اس کے لئے ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔ براہ کرم آپ جاگ کر ہم سے ذرا سی بات چیت کر لیجئے۔ ہم بلا اجازت آپ کے اس گھر میں داخل ہو گئے ہیں لیکن ایسی ہی مشکلات کا شکار ہیں ہم کہ ہم یہاں آنے پر مجبور ہو گئے۔ کیا آپ براہ کرم ہمیں دو منٹ دے سکیں گے۔" میں نے نہایت ہی نرم اور مہذب لہجے میں یہ الفاظ کہے۔ میری اور رادھیکا کی نگاہیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ دفعتاً چادر میں جنبش پیدا ہوئی اور ہمیں یوں لگا جیسے سونے والا جاگ گیا ہو۔ اس نے کروٹ بدلی اور چہرے سے چادر اٹھا دی۔

لیکن اس چہرے کو دیکھ کر ہمارے دل و دماغ کی جو حالت ہوئی۔ اسے کم از کم میں اپنے طور پر سمجھتا ہوں رادھیکا کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں ہوئی ہو گی۔ ہم دونوں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے کہ یہ منگھ سن تھا جو چادر ہٹا کر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ہمیں یوں لگا جیسے ہمارے جسم پتھرا گئے ہوں اور ہم اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کر سکتے ہوں۔ منگھ سن اپنی خوفناک آنکھوں سے ہمیں گھور رہا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر کچھ تبدیلی رونما ہوئی اور اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"کیوں؟ کیسا لگ رہا ہے مجھے زندہ سلامت دیکھ کر؟ تم لوگوں نے میری زندگی کا ایک دور ختم کر دیا۔ خاص طور سے میں تم سے کہتا ہوں نوجوان! تم بلاشبہ ایک تاریخ ساز شخصیت بن کر میری زندگی میں آئے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم مجھے اس قدر نقصان پہنچا سکو گے۔ میں تمہیں مختصراً اپنے بارے میں بتاؤں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تم جو کچھ بھی ہو ایک بہت بڑی خرابی ہے تمہارے اندر۔ وہ یہ کہ تمہارا تعلق میرے دھرم سے نہیں ہے۔ خیر میرا اپنا دھرم تو کالا دھرم ہے لیکن میرے ماتا پتا کا جو دھرم تھا اس کے کچھ اثرات میرے خون میں اب بھی باقی ہیں۔ میں نے انہیں نظر انداز کر کے کالے دھرم کو سیکھا۔ میری زندگی کے بہت سے واقعات بڑے انوکھے ہیں۔ میں خود یہ الفاظ اپنے منہ سے ادا کر رہا ہوں لیکن یہ ایک سچائی ہے۔ کیا سمجھے۔ کیا میری باتیں تمہاری سمجھ میں آ رہی ہیں؟"

اس نے سوال کیا اس وقت تو ہم دونوں پتھر کے انسان بنے ہوئے تھے۔ رادھیکا کی کیفیت بھی میری کیفیت سے مختلف نہیں تھی۔ وہ بھی خوف و دہشت کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے منگھ سن کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے کہے ہوئے الفاظ پر غور کر رہا تھا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور میری نگاہیں یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ اس کے بدن میں ریوالور کی گولیوں سے جتنے سوراخ ہوئے تھے اب اس کی کیا کیفیت تھی۔ اس کے اندر میں نہ تو کسی قسم کی کمزوری پائی جاتی تھی نہ ہی یہ احساس ہو رہا تھا کہ ریوالور کی گولیوں نے اسے کوئی نقصان پہنچایا ہے۔ وہ چادر سمیٹ کر سیدھا بیٹھ گیا تھا اور اس کا لباس بے داغ تھا۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا جیسے اسے مجھ سے کسی بھی طرح کا کوئی خوف نہ ہو اور وہ بالکل مطمئن اور پُرسکون ہو۔ تھوڑی دیر بعد اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تم نے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے اور میری زندگی کے ایک دور کو ختم کر دیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ تمہارا کوئی عظیم الشان کارنامہ ہے۔ تم نے اگر کیا ہے تو صرف ایک عمل کیا ہے وہ یہ کہ مجھے متحرک کر دیا اور نیل کنول سے محبت کا اظہار کر کے اور اسے اپنی جانب مائل کر کے میرے ذہن میں وہ شدید تحریک پھر سے جگا دی جو شدید تو تھی مگر اس قدر نہیں۔ ہو سکتا ہے کبھی نیل کنول دوبارہ میرے سامنے آتی اور مجھ سے اظہار نفرت کرتی تو میں اسے بھی اپنے طلسم کدے میں جانور بنا کر قید کر لیتا۔ ہو سکتا ہے یہ کہانی تمہارے کانوں تک پہنچ چکی ہو۔ اگر نہیں تو ایک بار میں پھر سے اسے مختصر الفاظ میں دہرا دوں۔ میں بدصورت تھا لیکن صورتیں تو میری اپنی بنائی ہوئی نہیں ہوتیں۔ مجھے قدم قدم پر نفرتوں کا شکار ہونا پڑا۔ میرے ماتا پتا تک مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ ماں جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ سارا سنسار ایک طرف اور ماں ایک طرف' اسے اپنا بچہ سنسار میں سب سے زیادہ سندر لگتا ہے اور وہ بادشاہوں کے سامنے بھی یہ کہہ سکتی ہے کہ اس کے بچے سے زیادہ حسین بچہ اور کوئی نہیں ہے۔ چاہے مقابلے پر بادشاہ ہی کی اولاد کیوں نہ ہو۔ یہ ایک سچائی ہے اور ماں سے زیادہ سچائی کسی اور میں نہیں ہوتی۔ لیکن تم اس بات پر بھی یقین کر لو کہ میری ماں مجھ سے نفرت کرتی تھی۔ چار بھائی اور تھے میرے۔ چاروں کو پیار دیا جاتا تھا لیکن میں ہمیشہ سب کی نفرتوں کا شکار رہتا تھا۔ ابتداء میں تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایسا کیوں ہوتا ہے لیکن جب تھوڑا سا ہوش آیا تو مجھے سب اپنے آپ پر ہنستے ہوئے ملے۔ وہ کھل کر کہتے تھے کہ یہ

بدشکل بچے ہمارے درمیان کہاں سے آ گئی۔ میرا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ شکل و صورت تو بھگوان کی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ میں اکثر راتوں کو جاگتا اور دل میں یہ سوچتا کہ کتنے ظالم لوگ ہیں یہ۔ ماں رات کی بارشوں میں مجھے تنہا چھوڑ دیا کرتی تھی۔ شدید سردی میں میرا بدن سکڑ جاتا تھا۔ اکڑ جاتا تھا۔ میرے چاروں بھائیوں کو میری ماں اس طرح سمیٹ کر سوتی تھی جیسے مرغی اپنے چھوٹے بچوں کو پروں میں رکھتی ہے لیکن میرے ساتھ......... میرے ساتھ بالکل نفرت کا سلوک ہوا کرتا تھا اور اس چیز نے آخر کار میرے دل میں نفرت پیدا کردی تھی۔ میں ان لوگوں کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔ جہاں بھی موقع ملتا میں انہیں تکلیف پہنچانے سے گریز نہ کرتا۔ پھر کچھ اور برا ہوا۔ ایک دن میں نے اپنے چاروں بھائیوں کو زہر دے کر مار دیا۔ یہ زہر میں نے ایک خاص بوٹی سے حاصل کیا تھا۔ یہ میری نفرت کی انتہا تھی اور پھر میں وہاں سے فرار ہو گیا۔ میری تلاش کی جا رہی تھی۔ پولیس کو میرے بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔ میں پہاڑوں اور گپھاؤں میں وقت گزارنے لگا اور آخر کار مجھے ایک گپھا میں ایک گیانی دھیانی شخصیت مل گئی اور اس نے مجھے کالا جادو سکھانا شروع کر دیا۔ بس یہ تھا میری اس زندگی کا آغاز۔ بہت کچھ سیکھ لیا میں نے لیکن مجھے خوبصورتی سے نفرت ہو گئی تھی۔ دنیا کی ہر خوبصورت چیز کو میں ختم کر دیتا تھا جو میرے بس میں ہوتا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اس ساری دنیا کو بھیانک اور بدصورت بنانے کے لئے مجھے اور طلسم سیکھنا چاہئے اور میں نے یہ سب کچھ سیکھنا شروع کر دیا۔ بات صرف کالا علم سیکھ کر دوسروں کو نقصان پہنچانے کی نہیں تھی۔ میں اپنے لئے ایک ایسی زندگی چاہتا تھا جو میری من پسند ہو۔ میں نے روپ کلا سے شادی بھی کرلی، لیکن اسے بھی میں نے بدصورت بنا دیا کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ جب بھی میرے قریب آتی ہے میری شکل دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ اس کے دل میں بھی میرے لئے محبت نہیں تھی۔ آخر میں دنیا کی ان نفرتوں کا شکار کیوں ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کے بعد میں نے اپنی زندگی کو یہ روپ دے لیا۔ میں ایک روایتی جادوگر نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں نے جدید پیمانے پر ان تمام چیزوں کو آراستہ کیا اور تم نے یہ دیکھا کہ یہ سب کچھ میں نے کس طرح کر لیا۔ اپنے علم سے کام لے کر میں نے اپنے دو روپ تشکیل کئے۔ ایک وہ جو تمہارے سامنے اس اصل روپ میں ہوں اور میں اس روپ میں زندہ رہوں گا۔ نیل کنول میرا پہلا پیار تھا۔ ہاں تم یقین کرو وہ واحد لڑکی تھی جسے میں نے اپنی زندگی سے زیادہ چاہا اور یہ واحد لڑکی تھی جسے میں بدصورت نہ بنا سکا۔ ہزاروں حسین

لڑکیاں میری زندگی میں آئیں لیکن نیل کنول کا اپنا مقام کوئی بھی نہیں چھین سکا۔ وہ آج بھی میرے لئے اتنی ہی پیاری ہے۔ میں نے مایا دیوی کو اس کے لئے مخصوص کیا تھا کہ نیل کنول کے دل میں وہ میرے لئے پیار پیدا کرے کہ تم بیچ میں آ گئے۔ کیا سمجھے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ اسے ایک بدشکل لڑکی کی صورت میں قبول کرو تو میں اسے دینے کے لئے تیار ہوں۔ میرے سامنے تمہیں ایک عمل کرنا ہوگا جو تمہارے دل سے نیل کنول کا خیال ختم کر دے گا۔ ایسی صورت میں تم رادھیکا کو حاصل کر سکتے ہو۔ دیکھو میں اگر چاہوں تو تمہیں بدترین نقصان پہنچا سکتا ہوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ ایسا کروں۔ اس کا بھی ایک پس منظر ہے۔ جو میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا البتہ اگر تم نیل کنول سے دست برداری کا وعدہ کرلو تو رادھیکا تمہیں دی جا سکتی ہے۔ اسے لے کر نکل جاؤ اور ایسی جگہ پہنچ جاؤ جہاں تمہیں نیل کنول کا تصور بھی نہ آئے۔ رادھیکا اپنی اصل حیثیت سے تمہارے پاس رہے گی۔ بولو کیا کہتے ہو؟"

میرے لئے ایک عجیب سانحہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے دل و دماغ کو ٹٹولا ایک دم نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوا کہ نیل کنول تو اب میری زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ میں اسے تصور میں سے بھی دور نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کسی کے حوالے کر دیا جائے۔ میں نے کہا۔

"دیکھو۔ میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تمہارا وہ طلسم کدہ ختم ہو گیا ہے اور تم مجھے یہاں ایک بار پھر مل گئے ہو۔ جہاں تک تمہارے جادو یا عمل کا تعلق ہے۔ بھول جاؤ اس بات کو۔ میں بھی تھوڑا بہت علم رکھتا ہوں لیکن تمہارے سامنے یقینی طور پر وہ کم ہے۔ نیل کنول کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اگر وہ تمہیں چاہتی ہے تو میں خوشی سے تمہارے حق میں دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔ ایک بار صرف ایسا کرو کہ اسے سامنے لے آؤ اور آزادی سے یہ حق دو کہ وہ مجھے یا تمہیں دونوں میں سے ایک کو پسند کرے۔ اگر وہ تمہاری طرف اعتماد کا اظہار کرتی ہے تو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں خاموشی سے چلا جاؤں گا۔" وہ مجھے خونخوار نگاہوں سے گھورنے لگا پھر بولا۔

"یہ بات تو خود میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے اور تمہاری جانب راغب ہے۔ ایسی صورت میں تو یہ تمہاری بات بالکل ہی بے مقصد اور بے اثر ہو جاتی ہے۔"

"بس تو پھر تم خود ذمہ دار ہو۔ جہاں تک میرا مسئلہ ہے میں نیل کنول کو تلاش

کروں گا اور اسے آخر کار حاصل کر لوں گا۔ یہ میرا اپنا کام ہو گا۔" اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اس نے کہا۔

"تو پھر رادھیکا تمہاری کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔" رادھیکا جو ہم دونوں کی باتیں خاموشی سے سن رہی تھی ایک دم مڑی اور کمرے سے واپس نکل گئی۔ میں چونکا تھا اور پھر میں نے رادھیکا کو آوازیں دینا شروع کر دیں، لیکن اتنا میں بھی جانتا تھا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ بالکل ٹھیک تھا۔ رادھیکا کو بھلا میں کیسے قبول کر سکتا تھا۔ میں نے دو چار آوازیں دیں۔ اسے دروازے کی جانب لپکا بھی لیکن وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ پھر میں نے پلٹ کر منگل سن سے کہا۔

"سنو منگل سن میں..........." لیکن میری بات پوری نہ ہو سکی کیونکہ میں نے سامنے کی مسہری خالی دیکھی تھی۔ منگل سن اس مسہری پر موجود نہیں تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ باہر نکلنے کا صرف یہ ہی ایک راستہ تھا یا پھر وہ دروازہ جو اندر سے بند تھا۔ وہ دروازہ بھی اندر سے بند ہی ملا اور بیرونی راستے پر میں خود موجود تھا۔ مگر منگل سن جیسے پُراسرار آدمی کے لئے کسی بھی جگہ سے غائب ہو جانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میرے خدا.......... وہ پھر نکل گیا تھا اور رادھیکا، دوسرے لمحے مجھے رادھیکا کا خیال آیا تو میں دروازے کی طرف دوڑا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ میں نے اس عمارت کے چپے چپے کا جائزہ لے لیا۔ نہ مجھے رادھیکا ملی اور نہ منگل سن۔ بلکہ میرے سامنے ایک لق و دق ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ آہ.......... یہ جادو نگری بھی کیا چیز ہے۔ انسان اصل زندگی سے ہی ہٹ جاتا ہے اور نہ جانے کیسے کیسے مشکل حالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اب کیا کرنا چاہئے۔ سوائے اس کے کہ تقدیر پر بھروسہ کروں اور آگے بڑھوں۔ چنانچہ وہاں سے چل پڑا۔ قرب وجوار میں جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں کہیں کہیں درخت نظر آرہے تھے۔ ایک عجیب ویران سا ماحول تھا۔ دہشت سی ہوتی تھی اور نہ جانے کیوں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اندر سے بہت کمزور ہو گیا ہوں۔

نہ جانے کب تک اس طرح چلتا رہا۔ پھر سامنے ایک اور عمارت نظر آئی اور میں اس کی جانب چل پڑا۔ دیوانوں کی یہ عمارت کیسی ہوتی ہے۔ اس وقت یہ سوچنے کی گنجائش نہیں تھی۔ انسانوں کی دنیا سے اس قدر دور ہو گیا تھا کہ اب اپنے آپ کو انسان سمجھنا بھی عجیب سا لگتا تھا۔ عمارت میں داخل ہوا۔ کوئی پرانا مندر تھا۔ جگہ جگہ انسانی

ڈھانچے بکھرے ہوئے تھے لیکن اندر ایک عجیب سی ٹھنڈک تھی۔ ایک پُراسرار سی ٹھنڈک، رادھیکا غالباً یہ جان کر مجھ سے دور ہو گئی تھی کہ میں نیل کنول سے محبت کرتا ہوں اور اسے میری قربت میں جگہ ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس مندر نما ٹھنڈی جگہ ایک چبوترے پر بیٹھ گیا۔ دل ودماغ کو سکون دینا چاہتا تھا۔ ایک ایسی وحشت ایک ایسی جلن سارے وجود میں برپا ہو گئی تھی کہ اندر سے طبیعت شدید گھبرا رہی تھی۔

ٹھنڈے فرش نے مجھے کچھ سکون بخشا اور میں نے دماغ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا۔ کافی دیر اسی طرح لیٹا رہا اس کے بعد تھکے تھکے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کیا کروں۔ الٰہی کیا کروں؟ سکون کہاں ہے؟ کہاں مل سکتا ہے مجھے سکون؟ میں یہ سوچتا رہا پھر میں نے اس مندر نما عمارت پر نگاہ ڈالی یہاں رکنا تو بے مقصد ہی تھا۔ چلنا پڑے گا۔ یہ جائزہ لینے کے لئے کہ یہاں کہیں پانی موجود ہے یا نہیں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور چاروں طرف دیکھتا ہوا اس در سے اندر داخل ہو گیا جو غالباً کسی دالان کا در تھا۔ اسے کمرہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لیکن وہاں میں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ایک بار پھر میرے پورے بدن میں دہشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

وہاں کئی انسانی جسم زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ لمبے لمبے جسم جن پر سفید چادریں ڈھکی ہوئی تھیں، بظاہر وہ مردے ہی معلوم ہو رہے تھے۔ چادریں بالکل صاف شفاف تھیں۔ میں نے اپنے اندر ہمت پیدا کی، آگے بڑھا اور ایک مرد کے جسم سے چادر اٹھائی۔ چہرہ دیکھا تو سانس بند ہونے لگی۔ یہ چہرہ میرا شناسا تھا۔ اسی گروپ میں سے ایک تھا جو میرا گروپ تھا۔ یعنی جس میں کہا جاتا تھا کہ میں اس گروپ کا ایک فرد ہوں اور ان میں اضافہ نہیں ہونا چاہئے۔ دوسرا چہرہ، تیسرا چہرہ اور پھر چوتھا چہرہ بھی دیکھا۔ یہاں تک کہ مجھے پورنی بھی وہیں لیٹی ہوئی نظر آئی۔ اپنی اس بدنما شکل میں جو روپ اس نے بدلا تھا وہ بدل گیا تھا۔ اور پھر سب سے زیادہ حیرت ناک بات جو مجھے نظر آئی۔ وہ ناگو بابا کی لاش تھی۔ ناگو بھی اسی صف میں پڑا ہوا تھا۔

میں شدتِ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ یہ بارہ لاشیں میرے لئے ناقابل یقین تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیسے ہو گیا۔ میں ان میں سے ایک ایک کو ٹٹولتا پھرا کسی میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تھی۔ میرے خدا.......... یہاں اس ویران کھنڈر میں مجھے یہی لاشیں ملنی تھیں۔ سب کچھ میری نگاہوں کے سامنے کیوں ہے؟ اب کیا کرنا چاہئے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ سوائے اس کے کہ خاموشی سے یہاں سے بھاگ

جاؤں۔ میں تھوڑے فاصلے پر ایک پتھر پر جا کر بیٹھ گیا۔ بدن میں شدید سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ دفعتاً ہی مجھے ایک ہلکی سی سرسراہٹ کا احساس ہوا۔ یوں لگا جیسے ہوا چل رہی ہو لیکن یہ ہوا جسم کو نہیں لگ رہی تھی۔ سنسناہٹ اور ہلکا ہلکا شور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہ سرسراہٹ بڑھتی چلی گئی اور پھر میں نے ان لاشوں کے جسموں پر پڑی چادروں کو اڑتے ہوئے دیکھا۔ شدید حیرت کی بات یہ تھی کہ اگر ہوا چل بھی رہی تھی تو صرف انہی لاشوں کو لگ رہی تھی۔ میں ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا لیکن ہوا کا کوئی احساس میرے جسم یا لباس پر نہیں تھا۔ یہاں تک کہ تیز ہوا سے لاشیں چادروں سے محروم ہو گئیں اور چادریں اڑ کر دور ایک جگہ جا پڑیں۔ اب تمام لاشیں کھل گئی تھیں اور یہ بھیانک منظر' دنیا کا خوفناک ترین منظر تھا اور اس منظر کی ہولناکی میں اس وقت شدید اضافہ ہو گیا۔ جب اچانک ہی میں نے انہیں اٹھ کر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ وہ سب اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور ان کی نگاہیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ آنکھیں کھل گئی تھیں لیکن سرخ شعلوں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں' ان کے چہرے انتہائی بھیانک ہو رہے تھے۔ ناگو کا چہرہ بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ پھر ناگو کی بھاری آواز ابھری۔

"اور تو نے وہی کیا جس کے لئے تجھے منع کیا گیا تھا۔ ختم کر دیا نا تو نے ہمیں۔ کہا تھا نا میں نے تجھ سے کہ ہم سب بھسم ہو جائیں گے۔ تیرا کچھ نہیں بگڑا کیونکہ تُو وہ نہیں جو ہم ہیں۔ تُو نے اپنی شخصیت پر دہری تہہ ڈال رکھی تھی اور یہی تیری چالاکی تھی۔ کتوں کی طرح رگڑتا ہوا آیا تھا۔ میں نے تجھے جو مقام دیا تھا وہ کتنا بڑا تھا۔ کیا نہیں دیا تجھے؟ پورنی جیسی سیوک مل گئی جس نے تجھے سنسار کی ہر خوشی دے دی۔ پر سسرے بدنصیب ہی تھا۔ برے کرموں والا' برے عمل والا اور وہی کیا تو نے جو تجھے کرنا چاہئے تھا لیکن' یہ نہیں سوچا کہ تیرے ساتھ کیا ہو گا۔ اب بول۔ کیا کریں ہم تیرا؟" وہ سب اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں حیرانی سے ناگو کی صورت دیکھ رہا تھا پھر میں نے کہا۔

"مگر میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں ناگو بابا کہ آخر میں نے کیا کیا ہے؟ وہ کون سی ایسی بات ہوئی ہے جس نے تمہیں مجھ سے اس قدر منحرف کر دیا ہے۔ میں تو خود مشکل میں پھنس گیا تھا پورنی نے میرا کوئی ساتھ نہیں دیا تھا۔"

"مہاویر تا ہے نا تو' شیطان کا خاص شاگرد ہے۔ کالی دیوی کا بھائی ہے۔ ایسی ہی بات ہے نا۔ اتنا مہان کیوں سمجھ لیا تو نے خود کو کہ سب سے جھگڑا مول لیتا پھرے۔ سسرے رہا ناکنویں کا مینڈک' سنسار تیرے سامنے بچھا دیا تھا ہم نے۔ ایک سے ایک حسین ناری تیری

سیوا کے لئے حاضر تھی۔ ایک اشارہ تو کرتا پورنی کیا نہیں لا کر دے دیتی تجھے۔ اور وہ خود ارے کمینے! تو کیا جانتا ہے۔ کون اندر سے کیسا ہے۔ باہر کی صورت الگ ہوتی ہے اندر کی الگ۔ پر تجھے تو وہی کرنا تھا جو تُو کر سکتا تھا کیا رکھا تھا اس لڑکی نے کہا تھا تجھ سے کہ سب کچھ تیرے لئے ہے۔ پھر ایک ہی کے لئے کیوں اپنے آپ کو مخصوص کر دیا تو نے۔ کہا تھا ناں تجھ سے کہ تیرہ کے تیرہ رہنے چاہئیں۔ چودھواں بیچ میں آیا تو کام خراب ہو جائے گا۔ یہ چودھواں بیچ میں کیوں آیا؟ اس کا جواب دے۔"

"بک بک کئے جا رہے ہو۔ بہت سن لی ہے میں نے تمہاری بکواس۔ کون چودھواں؟"

"وہی جس کا نام تو نیل کنول لیتا ہے۔ وہی جس کے لئے تیرے من میں آگ ہی آگ بھبھی ہوئی ہے۔ کیا ہے وہ' کون ہے۔ اور تو کیوں اس کے لئے اپنے سارے جیون کا ناش کر رہا ہے؟"

"اوہ۔ مگر نیل کنول کا ہم لوگوں سے کیا تعلق؟ وہ تو اس سلسلے میں بالکل الگ کی چیز ہے۔"

"ماں ہے تیری' بہن ہے' کون ہے؟ جانتا ہے اسے بتا سکتا ہے اس کے بارے میں کہ وہ ہے کون؟ چل تُو نے اسے نشٹ کر دیا جس نے بڑی تپسیا کی تھی اپنے آپ کو بنانے کے لئے۔ مار دیا بیچارے کو سب کچھ تباہ کر دیا اس کا۔ وہ بھی ہماری برادری کا ایک تھا۔"

"کون؟"

"منگلہ سن! اگر تو یہ سمجھ رہا ہے کہ منگلہ سن مارا گیا تو تُو خود جانتا ہے کہ ایسی بات نہیں ہے۔ کتنے دشمن پیدا کر لئے ہیں تُو نے اپنے لئے اندازہ ہے۔ اب بیٹا! بھگتنا' بھگتنا ہم سب کو' دیکھنا کیا ہوتا ہے کیا نہیں ہوتا۔ سمجھ رہا ہے؟ ارے کمینے! ابھی اس جگہ کھڑے کھڑے تجھے راکھ کا ڈھیر بنایا جا سکتا ہے۔ پر یہ بھی ہمارے دھرم کے خلاف ہے۔ کسی سے بدلہ لینا ہوتا ہے تو ایسے بدلہ لینا چاہئے کہ جس سے بدلہ لیا جائے وہ بھی جیون بھر یاد رکھے۔ کیا سمجھا اب بھگت بیٹا!"

"دیکھو ناگو بابا! میں نے تمہیں..........."

"ارے مت کہہ رے ناگو بابا! ناگو بابا کو جلا کر بھسم کر دیا۔ سارے مار دیئے۔ پورا ریوڑ خالی کر دیا اور اب کر رہا ہے ناگو بابا' ناگو بابا۔ یہ لے۔" یہ کہہ کر اس نے اچانک ہی

منہ سامنے کر کے مجھ پر تھوک دیا۔ میرے چہرے پر، جسم پر بہت سی چھینٹیں پڑی تھیں لیکن خدا کی پناہ! یہ تھوک تھا یا تیزاب۔ پورے بدن میں ایسی سنسنی اور جلن پیدا ہوئی کہ شدتِ تکلیف سے آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں بمشکل تمام اپنے حلق سے نکلنے والی دہاڑوں کو روک سکا تھا لیکن جلدی جلدی اپنے لباس کی آستین سے اپنا چہرہ اور جسم کے وہ حصے صاف کر رہا تھا جو کھلے ہوئے تھے۔ شدید جلن کے احساس نے مجھے ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔ آنکھیں کھول کر ناگو کو دیکھا تو ایک دم پھر حیران رہ گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا بلکہ وہ کھنڈر ہی نہیں تھا۔ ایک بھی فرد نہیں تھا۔ آہ.......... یہ کیا ہو گیا۔ یہ کیا ہو گیا اب کیا کرنا چاہئے۔ میں تو بالکل کھلی جگہ۔ اسی ویرانے میں کھڑا ہوا تھا۔ دفعتاً ہی میں نے شدید تکلیف سے نڈھال ہو کر چھلانگ لگا دی اور پھر نہ جانے کتنی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ حلق سے دھاڑیں نکل رہی تھیں اور دل چاہ رہا تھا کہ پورے بدن کی کھال اتار کر پھینک دوں۔

دوڑتا ہوا نہ جانے کتنے فاصلے پر نکل آیا۔ پھر جب تھکن کا احساس شدید ہوا تو ایک دم آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سامنے ہی ایک چھوٹی سی قدرتی جھیل نظر آ رہی تھی۔ اس جلن کا احساس شدت سے ہوا تو ایک دم آنکھیں کھول کر جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کتنی گہری ہے؟ کیسی ہے؟ لیکن پانی نے جسم میں اور آگ لگا دی تھی۔ پہلے تو صرف ان جگہوں پر جلن ہو رہی تھی جس جگہ تھوک کی چھینٹیں پڑی تھیں لیکن اب پورے بدن میں وہی شدید جلن پیدا ہو رہی تھی۔ آہ.......... یہ کیا ہو گیا۔ یہ کیا ہو گیا اور اب اس سے نجات کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟ بہت دیر تک پانی میں رہا۔ تکلیف کی کیفیت تھی کہ ہوش و حواس اڑائے دے رہی تھی۔

کراہتا ہوا باہر نکلا اور ٹھنڈی زمین پر جھیل کے کنارے لیٹ گیا۔ چھوٹی چھوٹی گھاس اگی ہوئی تھی۔ گھاس پر لیٹ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ جلن میں اب کسی حد تک کمی پیدا ہوتی جا رہی ہے لیکن یہ جو کچھ ہوا ہے انتہائی ہولناک ہے۔ پہلے تو اپنی مشکلات میں پورنی کا سہارا حاصل ہوتا تھا۔ اب کوئی سہارا نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنے احساسات کو آزما رہا تھا۔ جلن آہستہ آہستہ ختم ہو گئی تھی اور بدن میں وہ تکلیف باقی نہیں رہی تھی جس نے ہوش و حواس چھین لئے تھے۔ ایک عجیب سی بے بسی کا احساس دل و دماغ پر طاری تھا۔ میں اس طرح آنکھیں بند کئے لیٹا رہا اور پھر بہت دیر گزر گئی تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے اور کیوں میری یہ کیفیت ہو رہی

ہے۔ طبیعت اندر سے الٹی الٹی سی ہو رہی تھی۔ میں بہت دیر تک اس طرح سوچ میں ڈوبا رہا پھر ذہن میں بہت سے احساسات پیدا ہو گئے۔ نہ جانے کب کب کی باتیں یاد آنے لگیں۔ پورنی سے رابطہ ختم ہونے کا مطلب ہے کہ اب انتہائی خوفناک مصیبتوں کا دور شروع ہو گیا۔ اب تو ایسا کوئی سہارا بھی نہیں رہا تھا۔ پھر اپنا وہ گھر یاد آیا جو پورنی کی وجہ سے مجھے ملا تھا۔ بینکوں میں میری اچھی خاصی رقم بھی موجود تھی۔ چلو اور کچھ نہیں تو کم از کم گھر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر زندگی گزارنے کی کوشش کی جائے۔ کوئی صحیح فیصلہ کرنا تو بڑا مشکل ہے۔ جہاں تک نیل کنول کا تعلق تھا تو سچی بات یہ ہے کہ یہ بھی میرے لئے ایک صبر کے مسئلے کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ بدنصیب زندگی ویسے ہی کون سی کم مشکلات کا شکار تھی کہ ایک اور مشکل میرے وجود سے آ کر چمٹ گئی تھی یعنی نیل کنول! دل میں اپنے آپ کو سمجھایا کہ بابر علی! سب کچھ بیکار ہے۔ ایک سادہ اور عام سی زندگی گزارو۔ ہواؤں میں اڑنے کی کوشش تو بہت کر چکے ہو۔ بڑے نشیب و فراز دیکھ لئے ہیں۔ ان بدروحوں سے بچ جاؤ تو بہت بڑی بات ہے ورنہ وہ بھی ایک مسئلہ بن جائے گا۔ گوشہ نشینی اختیار کر لو اور اگر ساتھ دے تو کسی عام یا سادہ سی لڑکی سے نکاح کر کے عام زندگی گزارنے کی کوشش کرو۔ یہی تمہارے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اپنے آپ کو جن ہواؤں میں اڑانے کی کوشش کی تھی تم نے، وہ ہوائیں تو ختم ہو چکی ہیں۔ بہرحال یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا اور چلتے ہوئے آخری بار جھیل کا تھوڑا سا پانی پینے کے لئے دونوں ہاتھ پانی میں ڈال دیئے لیکن جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر حلق سے ایک دہاڑ سی نکل گئی۔ ہاتھوں سے پانی گر پڑا۔ میرا چہرہ انتہائی بھیانک ہو گیا تھا۔ ہونٹ ضرورت سے زیادہ موٹے۔ آنکھیں گالوں پر پھیل گئی تھیں۔ پھٹی پھٹی اور بھیانک آنکھیں۔ رنگ کالے کوے کی طرح سیاہ، کیا یہ میں ہی ہوں۔ آہ۔ کیا یہ میں ہی ہوں۔ میں نے ایک بار پھر جھیل کے پانی میں اپنا چہرہ دیکھا اور غم سے چیخ پڑا۔

"نہیں۔ یہ ظلم ہے یہ زیادتی ہے۔ یہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ میں اس قدر صبر نہیں کر سکتا۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ تو زندگی ہی ختم ہو گئی۔ اس بھیانک شکل کو لے کر انسانوں کے درمیان جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آہ.......... جسے خود اپنے چہرے سے نفرت کا احساس ہو رہا ہو۔ دوسرے اسے کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔" میری آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے اور حلق سے رونے کی آوازیں، زندگی میں پہلی بار اس بے بسی کے ساتھ رویا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک کبھی آنکھوں سے آنسو نہیں آئے

تھے۔ لیکن آج......... آج کی کیفیت بالکل مختلف ہوگئی تھی۔ بہت بری حالت ہوئی تھی میری۔ بہت ہی بری حالت ہوئی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دوڑتا ہوا نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ بس دل یہ چاہ رہا تھا کہ کہیں کسی گڑھے میں پاؤں پڑے اور وہیں زندگی کا اختتام ہوجائے۔ نہ جانے کب تک بھاگتا رہا۔ پھر جب بدن تھکن سے نڈھال ہوگیا تو جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند ہوگئیں۔ اسے نیند نہیں بلکہ غشی یا بے ہوشی کہا جاسکتا تھا۔ میں بے ہوشی کے عالم میں وہیں پڑا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ پھر نہ جانے کب ہوش آیا تو گزرے ہوئے واقعات یاد آنے لگے۔ اپنے ہاتھوں پر نگاہ ڈالی۔ گہرے سیاہ ہاتھ ہو رہے تھے۔ چہرہ دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ دیکھ بھی نہیں سکتا تھا یہ بھیانک چہرہ' دل میں فیصلہ کیا کہ نہیں زندہ رہنے کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اصولی طور پر اب مجھے خودکشی کرلینی چاہئے۔ نیل کنول کی محبت کا دم بھروں گا۔ نیل کنول بھی اگر مجھے اس حالت میں دیکھ لے گی تو تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گی۔ ایسے کسی شخص کو بھلا زندگی سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے! آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چار پانچ افراد میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں دو عورتیں تھیں اور تین چار مرد تھے اور وہ سب کے سب عقیدت سے نگاہیں جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن مجھے آنکھیں کھولے دیکھ کر ان میں سے ایک شخص اٹھا اور دونوں ہاتھ باندھے ہوئے میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"بابا صاحب! بڑا ستم رسیدہ ہوں۔ رحم فرمائیے۔ میرے لئے کچھ کر دیجئے۔ آپ کا بڑا احسان مانوں گا۔" میں نے حیرانی سے اس کی صورت دیکھی اور کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا بات ہے؟"

"بابا صاحب! کاروبار میں گھاٹا ہی گھاٹا ہو رہا ہے۔ لاکھوں روپیہ مٹی میں مل چکا ہے۔ اب تو نوبت فاقوں تک پہنچ گئی ہے۔ بابا صاحب! کچھ عنایت فرما دیجئے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

"کیا باتیں کرتے ہو؟ میں کوئی بابا صاحب' دادا صاحب نہیں ہوں۔ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

"نہیں بابا صاحب! ہم بڑی آس لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"ارے بابا! جاؤ اپنا کام کرو۔ میں خود مصیبت زدہ ہوں۔"

"آپ مصیبتیں دور کرنے والوں میں سے ہیں۔ ہمیں کچھ دے دیجئے۔" وہ اس

میرے پیچھے پڑا کہ میں مجبور ہوگیا۔ برابر میں گھاس اگی ہوئی تھی۔ میں نے مٹھی بھر گھاس پکڑی اور کہا۔

"لو......... یہ لے جاؤ۔ اس کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔" یہ بات میں نے بھلاہٹ کے عالم میں کہی تھی لیکن اس نے بڑی عقیدت سے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ دوسرے لوگ بھی اسی مشکل کا شکار تھے۔ کسی کی کوئی داستان تھی کسی کی کوئی داستان۔ مجھے اپنے آپ پر ہنسی آنے لگی۔ کیا تماشا بن کر رہ گیا ہوں میں' لیکن بہرحال تقدیر جو کچھ دکھائے وہ کم ہے۔ چنانچہ میں نے الٹی سیدھی حرکتیں کیں اور اس کے بعد جب وہ سب چلے گئے تو قرب وجوار کے ماحول کو دیکھا۔ ایک عجیب سی جگہ تھی۔ کبھی کسی زمانے میں یہاں عمارتیں بنی ہوں گی لیکن اب چھوٹے چھوٹے کھنڈرات چاروں طرف بکھرے نظر آرہے تھے اور یہ جگہ جہاں میں موجود تھا ایک عجیب سی جگہ تھی۔ یہاں ایک ٹوٹا ہوا گنبد پڑا ہوا تھا اور دیواریں سی کھڑی ہوئی تھیں۔ اتفاقیہ طور پر ہی میں یہاں آگیا تھا لیکن جگہ عجیب وغریب بن کر رہ گئی تھی۔ البتہ یہاں تھوڑا بہت وقت گزارنے کے لئے جگہ موجود تھی۔

میں نے دل میں سوچا کہ کیوں نہ یہیں وقت گزاری کی جائے۔ اب شکل اتنی بھیانک ہوچکی تھی کہ شہری آبادی تک پہنچنا بہت ہی مشکل تھا۔ لوگ دہشت زدہ ہوجاتے۔ پتہ نہیں یہ کیسے لوگ تھے جو مجھ سے دعا' تعویذ کرانے آگئے تھے۔ ہوسکتا ہے میری شکل اور میرے انداز نے ہی انہیں اس پر آمادہ کیا ہو۔ بہرحال خوب ہوا ہے یہ سب کچھ میرے ساتھ' لیکن اس میں میرا اپنا قصور کہاں کہاں تک ہے۔ ذرا اس بات پر غور کرنا تھا اور انسان اگر اپنے آپ پر غور کرے تو حقیقتاً بہت سے راز اس پر خود بخود منکشف ہوجاتے ہیں۔ میں نے اپنے ماضی پر نگاہ ڈالی تو بہت سے انوکھے قصے میرے سامنے آگئے۔ آنکھوں سے آنسوں رواں ہوگئے اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔ بس کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ اس شکل و صورت کو دیکھ کر وہ ایک آخری سہارا بھی ذہن سے اوجھل ہوگیا تھا۔ یعنی کنول! اس نے مجھ سے اظہار کیا تھا کہ وہ میری جانب متوجہ ہے لیکن اب اگر اس شکل میں دیکھ لیتی تو کیا وہ بھی دہشت سے آنکھیں بند نہ کرلیتی۔ بس آوارہ گردی' ملنا' جلنا' چلنا' چلتے رہنا جہاں جگہ ملتی وہاں بیٹھ جاتا۔ جو کھانے کو مل جاتا وہ کھا لیتا۔ کئی جگہ لوگوں نے فقیر سمجھ کر کچھ کھانے پینے کی چیزیں مجھے دی تھیں اور میں نے خوشی سے انہیں قبول کرلیا تھا۔ اپنی حرکتوں کے جو نتیجے نکل سکتے تھے۔

اب وہ میرے سامنے آ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں زندگی اس قدر پُرسکون لگ رہی تھی۔ میں نے غور بھی نہیں کیا تھا کہ کون سی جگہ ہے اور قرب وجوار میں کیا کیا کچھ ہے۔ بس دل و دماغ کی ایسی کیفیت رہتی تھی اور نگاہیں بھی اٹھا کر ادھر دیکھنے لگا۔ لوگ آجا رہے تھے۔ ایک جگہ کچھ لوگ کھڑے ہوئے ہاتھ اٹھائے کچھ کر رہے تھے۔ میں نے غور کیا تو اندازہ ہوا کہ وہ فاتحہ خوانی کر رہے ہیں۔ پھول چڑھا رہے ہیں۔ تب میں نے حیران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ یہ قبرستان ہے۔ پھر جس جگہ میں خود بیٹھا ہوا تھا وہاں دیکھا اور اس کے بعد میری روح تک لرز گئی۔ یہ جگہ' یہ جگہ میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ ماں کی موت کے بعد میں بہت ہی بار یہاں آیا تھا۔ فاتحہ خوانی کی تھی۔ قبر پر سنگ مرمر کا ایک کتبہ لگوایا تھا جس پر میری ماں کی تاریخ وفات اور ان کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس وقت میں جس قبر کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ میری ماں کی قبر ہی تھی۔ میرا دل لرز گیا۔ پورے بدن میں دہشت کی جھرجھری دوڑ گئی۔ سارا وجود تھر تھر کانپنے لگا۔ آنکھوں میں نمی کا احساس ہوا اور اس کے بعد میرے حلق سے بے اختیار چیخیں نکلنے لگیں۔ میں اپنی ماں کی قبر سے لپٹ گیا اور مٹی سے اپنا چہرہ رگڑنے لگا۔

"میں نہیں آیا۔ میں نہیں آیا ماں! تم نے مجھے بلایا ہے۔ تم نے مجھے بلایا ہے میں خود نہیں آیا۔ میں.......... میں تو وہ نافرمان بیٹا ہوں جو تم سے بہت دور چلا گیا تھا۔ بہت دور چلا گیا تھا۔" تبھی میرے کانوں میں ایک آواز ابھری۔

"نہیں میں نہیں مانتی یہ قتل کی لکیر ہے۔ آہ۔ میں تو بالکل نہیں مانتی۔ لکیریں جھوٹی ہوتی ہیں پھر تیری لکیریں بتاتی ہیں کہ تو قتل کرے گا۔ قتل کرے گا تو۔" میں نے یہ آواز سنی اور روتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ لکیروں کو میں بھی نہیں مانتا۔ مگر تم نے جو کہا تھا وہ سچ نکلا۔ میں قاتل ہی نہیں میں تو بہت بدکار ہوں ماں۔ بہت ہی بدکار ہوں۔"

"اور وہ جنہوں نے مجھے زندگی سے محروم کیا' اور خود پھلتے پھولتے رہے۔ وہ آج بھی پھل پھول رہے ہیں سب کچھ بھول گیا تو۔ کیونکہ تجھے جو عیش و عشرت ملی تھی۔ جو آسائش تجھے ملی تھی اس کے بعد بھلا ہم لوگوں کی یاد کیا معنی رکھتی ہے۔ بھلا دیا نا سب کچھ تو نے' تو تیں حاصل کیں۔ سب کچھ کیا تو نے' لیکن ہمیں بھول گیا تو۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔"

"ہاں۔ میں بھول گیا تھا تمہیں۔ واقعی میں تمہیں بھول گیا تھا۔ آہ.......... بڑی

غلطی ہوئی مجھ سے۔ معاف کر دو مجھے۔ ماں مجھے معاف کر دو۔ بچہ ہوں تمہارا بھول ہو گئی۔ معاف کر دو مجھے' جو کچھ میری کیفیت ہے اس میں اب تم ہی میرا ایک سہارا بن کر رہ سکتی ہو۔ تمہی میرا سہارا بن سکتی ہو ماں! معاف کر دو مجھے۔ دعا کرو میرے لئے۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے ماں! یہ.......... یہ.......... میں' میں سخت بے چین ہوں سخت کرب کے عالم میں ہوں میں۔ کیا کروں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ماں میں کیا کروں۔" میں چیختا چلاتا رہا۔ روتا پیٹتا رہا۔ لوگوں نے مجھے دکھ بھری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ کوئی بچھڑا ہوا' کسی بچھڑے ہوئے کو یاد کر کے رو رہا ہے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ میرے اندر کیا کچھ تڑپ رہا ہے۔ رات ہوئی اور پھر گہری تاریکی چھا گئی۔ مدھم مدھم روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ یہ ستاروں کی روشنی تھی۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا۔ میں ماں کی قبر پر سر رکھے بیٹھا رہا۔ سوچتا رہا۔ روتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے نیند آ گئی۔ نہ جانے کتنے عرصے کے بعد' کتنے طویل عرصے کے بعد یہ پُرسکون نیند مجھے آئی تھی۔ میں نہ جانے کب تک سوتا رہا کہ اچانک ہی میرے شانے پر کوئی دباؤ محسوس ہوا اور میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ میں نے غور سے دیکھا۔ سفید لباس میں ملبوس ایک عمر رسیدہ شخص میرے قریب کھڑا ہوا تھا۔ اس کی تیز اور روشن نگاہیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں سختی کے تاثرات تھے۔ پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"فیصلہ ہی تو سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ کوئی صحیح فیصلہ زندگی میں بہت بڑا مقام رکھتا ہے۔ فیصلہ غلط ہو گیا تو سمجھو سب کچھ غلط۔ اب تو تُو نے دشمن بنا لئے ہیں۔ بہت سے دشمن ہیں تیرے۔ تو سمجھتا ہے کتنے دشمن ہیں۔ تیرہ دشمن ہیں تیرہ۔ اور سب کے سب روحوں کی شکل میں بدترین قوتوں کے مالک' مقابلہ ہے تیرا ان سے' سوچ لے جو اپنے اوپر مسلط کیا ہے۔ وہی قائم رہے گا۔ اپنا بویا تو کاٹنا ہی پڑتا ہے۔ کیا کیا جا سکتا ہے تیرے لئے' کیا کر سکتے ہیں۔ جو کر چکا ہے اس کا کفارہ ادا کر۔ نہ درویش ہے۔ نہ ولی ہے بلکہ شیطان کی قربتوں میں رہا ہے۔ برائیاں کی ہیں تو نے۔ اب ان برائیوں کا ازالہ کر' کیسے کر سکتا ہے یہ خود جانے' بھلا کسی اور کا کام کہاں سے آیا۔ جا دیکھ دنیا کی وسعتیں کشادہ ہیں۔ یہ لے ہاتھ پھیلا۔" بزرگ نے اپنی مٹھی بھر کر سامنے کی۔ الفاظ سمجھ میں آ رہے تھے اور کانوں میں عجیب سی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں نے اپنا پھیلا ہوا ہاتھ سامنے کر دیا تو بزرگ نے کوئی چیز میرے اس پھیلے ہوئے ہاتھ پر کھول دی۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی۔ خالی مٹھی تھی۔ میری مٹھی بھی خالی ہی رہی۔ بزرگ نے ایک لمحے

تک مجھے دیکھا پھر بولے۔

"وقت تجھے خود بتائے گا کہ تیرے آگے کے اقدامات کیا ہوں گے۔ بس یوں سمجھ لے کہ جو کچھ کیا ہے اس کا کفارہ ادا کرنا ہے اور جس وقت تیرے گناہوں کی معیاد پوری ہوجائے گی اپنا کیا خود بھگت لے گا تو زندگی میں سادگی کا آغاز ہوجائے گا۔ ورنہ بیچ سے راستہ کاٹا تو سمجھ لے کچھ نہیں ملے گا۔ اتفاق کی بات ہے نصیب تھے تیرے کہ صحیح جگہ آگیا۔ ماں کی آغوش سے زیادہ اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔ یا تو ماں کی آغوش یا پھر جنت' اگر کچھ مل سکتا ہے تو یہیں سے مل سکتا ہے۔ کہیں اور سے اتنا پانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تقدیر تجھے اس جنت تک لے آئی اور ایک دن تیرا مستقبل سنوار گئی۔ ورنہ بدنما زندگی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا تیری زندگی میں۔ جا خلق خدا کی بھلائی کے لئے عمل کر۔ یہی تیرا کفارہ ہوگا۔ برائی چھوڑ دے۔ برائیوں سے بچ۔"

یہ کہہ کر وہ سفید لباس والے بزرگ آگے بڑھے اور میری نگاہیں ان کا تعاقب کرنے لگیں۔ پانچ قدم' صرف پانچ قدم طے کئے تھے انہوں نے اور اس کے بعد ان کے وجود کا نام و نشان مٹ گیا تھا۔ میں ایک بار پھر بلک بلک کر رو پڑا۔ حقیقت یہ ہے یہ بزرگ نے جو کچھ کہا تھا ان الفاظ نے میرے دل میں سوراخ کر دیا تھا۔ واقعی ماں کی آغوش دنیا کی جنت ہوتی ہے اور انسان اگر اس جنت تک صحیح انداز میں پہنچ جائے تو پھر بھلا اسے اور چیز کی کیا ضرورت باقی رہ سکتی ہے۔ آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئی تھیں۔ دل پر شدید بوجھ طاری تھا۔ سارا ماحول دھندلا گیا تھا۔ بہت دیر تک آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ لاتعداد خیالات دل میں آرہے تھے۔ ماں کو تو بالکل بھول ہی گیا تھا۔ کہاں کیا ماحول تھا بزرگانِ دین کے قصے ہم ماں بیٹوں کے درمیان ہوا کرتے تھے۔ ماں مجھے ان کی کرامات بتایا کرتی تھیں اور نذر نیاز ہوتی رہا کرتی تھی۔ میں خود بھی ان میں برابر کا حصہ لیا کرتا تھا۔ ماں کے ختم ہوتے ہی ایسا ماحول سے بھٹکا کہ کچھ یاد ہی نہ رہا۔ دل چاہا کہ ان بزرگان سے شکایت کروں کہ حضرت ہر کام خودبخود نہیں ہوجاتا۔ میری ماں کو گاڑی کے نیچے کچل کر مار دیا گیا تھا اور میں خاموشی سے سب کچھ برداشت کرلیتا۔ آپ خود سوچئے ایسا کیسے ممکن تھا۔ یہ سب کچھ اتنی آسانی سے تو نہیں ہوجاتا۔ یہ سوچ دل میں شدت اختیار کرگئی۔

بہرحال سارے شکوے شکایات بے کار تھے۔ دل تو سینکڑوں بار بھر کر آتا ہے لیکن دلدار کیا ملتا ہے؟ زخم لگتے رہتے ہیں۔ مرہم نہیں ملتا۔ پتہ نہیں یہ زخم کیوں لگتے ہیں۔

نیل کنول ایک دکھ بھری یاد بن گئی تھی۔ بھلا ایسا ہوتا ہے دنیا والوں کے ساتھ۔ پورنی نے اتنے سارے عیش کرائے تھے لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔ دشمن پال لئے باقی کچھ نہ ہوسکا۔ آنکھیں کھول کر ان بزرگ کو دیکھا۔ لیکن کون بزرگ کیسا بزرگ۔ ہوسکتا ہے یہ بھی اپنا تصور ہی ہو۔ ماں کی قبر البتہ بالکل قریب تھی۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس جگہ سے اٹھ گیا۔ مٹی کے اس ڈھیر پر اپنے احساسات کو جہاں تک چاہو پہنچا دو۔ ہاں بس وہ ٹھنڈک اب بھی موجود تھی جو کہیں اور نہیں تھی۔ ایک سرد آہ بھر کر وہاں سے چل پڑا۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔ لیکن ایک نصیحت کی گئی تھی ایک ہدایت کی گئی تھی اور میں ایک دم سے سنبھل گیا تھا۔ ماں کی موت کے بعد ہی تو یہ سب کچھ ہوا تھا۔ ان صاحبِ اقتدار لوگوں نے مجھے جیل تک پہنچا دیا تھا تاکہ میں ان کے خلاف زبان نہ کھول سکوں۔ چلو ٹھیک ہے اب دیکھا جائے گا جو کچھ بھی ہوگا۔

بہت فاصلہ طے کرلیا تھا۔ اس آبادی سے نکل گیا اور راستے عبور کرتا ہوا ایک اور آبادی تک پہنچ گیا۔ حلیہ ٹھیک کرنے والا کون تھا جو حلیہ ٹھیک ہوتا۔ شیو بڑھ کر داڑھی کی شکل اختیار کرگیا تھا۔ لباس مٹی سے اٹ گیا تھا۔ رستوں کا سفر' پسینہ' گرد مٹی' ایک عجیب حلیہ ہوگیا تھا۔ تھکن اس طرح سوار ہوئی کہ سارا وجود ٹوٹنے لگا اور اس کے بعد جب اس آبادی کے نشانات نظر آئے تو ایک درخت ہی پناہ گاہ ثابت ہوا۔ درخت کے نیچے لیٹ گیا اور قدرت کے بنائے ہوئے ان مکانات پر غور کرنے لگا جن پر کسی کی اجارہ داری اس طرح نہیں ہوتی کہ ان کے سائے سے بھی محروم کر دیں۔ حالانکہ دنیا والوں نے درخت جنگل بھی اپنا لئے ہیں اور انہیں اپنی ملکیت قرار دیتے ہیں لیکن ابھی قدرت کے بنائے ہوئے یہ مکانات انسانوں کو پناہ دے دیتے ہیں۔ درخت کے نیچے ایسا لیٹا کہ پھر اٹھا ہی نہ گیا۔ نیند آگئی اور پھر نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ کچھ آوازیں آس پاس سے سنائی دیں۔ کسی نے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میاں صاحب! اٹھئے' لیجئے یہ دودھ پی لیجئے ایک گلاس۔" کچھ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ منہ کا مزا بے پناہ خراب تھا۔ شدت کی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے دودھ کا گلاس ہاتھ میں لیا تو ایک اور آواز نے کہا۔

"یہ گولیاں بھی کھا لیجئے اس کے بعد دودھ پی لیجئے۔" میں نے آنکھیں پھاڑ دیں اور حیرت سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

"کیسی گولیاں ہیں؟"

"حکیم صاحب نے دی ہیں۔ آپ کو بخار چڑھا ہوا ہے۔ لیجئے یہ گولیاں کھا کر دودھ کا گلاس پی لیجئے۔" اس نے کہا۔ اندر کا احساس کیا تو پتہ چلا کہ واقعی بخار چڑھا ہوا ہے اور سخت کمزوری ہے۔ بہرحال یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ شدید تھکن سے ایسا ہو سکتا ہے لیکن لوگ خاصے ہمدرد ہیں۔ کسی نے مجھے یہاں دیکھا ہوگا۔ چھو کر دیکھا ہوگا تو بخار لگا ہوگا۔ بہرحال اس کے بعد کھانا وغیرہ بھی مل گیا۔ درخت وہی تھا لیکن دوپہر کو ایک دلچسپ بات ہوئی۔ ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"اس پر دعا کر دیجئے۔ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ سوکھ کر کانٹا ہوا جا رہا ہے۔ آپ کی دعا ہوئی تو ٹھیک ہو جائے گا۔" مجھے ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ ایک شیطان صفت انسان سے یہ عورت دعا کی فرمائش کر رہی تھی۔ بہرحال اس کی تسلی کے لئے بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیا' اور یہی غضب ہوگیا۔ عورت تھوڑی دیر کے بعد چلی گئی تھی لیکن دوسرے دن سے حاجت مندوں کا وہ حملہ ہوا کہ سنبھلنا مشکل ہوگیا۔ پتہ یہ چلا کہ جب سے بچے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ بچے کی حالت ہی بدل گئی تھی اور لوگوں میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ ایک صاحب کرامت شخص بستی کے آخری گوشے پر آکر درخت کے نیچے آباد ہوا ہے۔

دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو دھوکا دیا جائے لیکن امید بھری نگاہیں دیکھ کر یہ تصور دل میں ضرور ابھرتا تھا کہ کاش! میں وہی ہوتا جو یہ لوگ سمجھ رہے ہیں اور میں انہیں کچھ دے سکتا۔ بہرحال وہی انسانیت اور ہمدردی پھر دل میں ابھر آئی۔ جس نے مجھ سے جو کچھ کہا میں نے اس کے لئے دعا کی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اب یہ کیا کہا جا سکتا تھا کہ قدرت جب مہربان ہوتی ہے تو انسان کو سب کچھ مل جاتا ہے۔ دینے والی ذاتِ باری ہے۔ ماں کی دعاؤں نے ایک بار پھر راستے بدل دیئے تھے۔ دشمنوں کا ایک پورا گروہ تھا۔ منگلا سن تھا۔ ان سب سے بچت کم از کم میرے اپنے بس کی بات نہیں تھی۔ دل میں نیل کنول کا زخم تھا' لیکن یہ بات میں جانتا تھا کہ اب جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد نیل کنول کا تصور بھی حماقت ہی ہے۔

یہ ساری باتیں دل و دماغ میں آئی تھیں اور غم کا ایک عجیب سا احساس مجھ پر طاری رہتا تھا۔ ادھر بستی والوں کا یہ عالم تھا کہ ان کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ مجھے بھی بادشاہ بنا دیتے۔ عقیدت مندوں نے نہ جانے کیا کیا انتظامات کرنے شروع کر دیئے تھے۔ درخت کے اردگرد قناتیں لگا دی گئی تھیں۔ پانی کے مٹکے رکھ دیئے گئے تھے۔ اور تو اور کسی ستم ظریف نے درخت پر سبز جھنڈا بھی باندھ دیا تھا اور میں باقاعدہ بزرگ بن گیا تھا۔ کھانے

پینے کی بے شمار اشیاء بھی نذر نیاز چڑھاوے۔

کوئی دس دن ہوئے مجھے یہاں آئے ہوئے۔ بخار وغیرہ اتر گیا تو تھکن بھی دور ہو گئی تھی لیکن ان دس دنوں میں یہ کایا پلٹ ہوئی تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ ایک طرح سے لوگوں نے مجھے پوجنا شروع کر دیا تھا۔ بہت سی اشیاء جمع ہو گئی تھیں۔ کپڑے' پیسے اور نہ جانے کیا کیا۔ کئی ایسے مستقل عقیدت مند تھے جنہوں نے میرے ساتھ ہی ڈیرے ڈال لئے تھے۔ قناتوں سے ایک باقاعدہ رہائش گاہ بنا دی گئی تھی اور عقیدت کے اظہار کے طور پر لوگ کچھ نہ کچھ کرتے ہی جا رہے تھے۔ ادھر یہ خبریں بھی مل رہی تھیں کہ عقیدت مندوں اور ضرورت مندوں کو میری دعاؤں سے فائدے بھی حاصل ہوئے تھے۔ یہ خدا کی دین تھی۔ کرنے والی اسی کی ذات ہوتی ہے۔ وسیلہ کسی کو بنا دیتا ہے وہ اور اسے جسے وہ عزت دینا چاہتا ہے۔ میں اپنے آپ کو کوئی ولی یا درویش نہیں کہلوانا چاہتا لیکن بس لوگ تھے کہ مجھے نہ جانے کیا سے کیا بنانے کے لئے تیار تھے۔

دو افراد خاص طور سے میرے پاس رہا کرتے تھے۔ اس میں سے ایک کا نام فضل اور دوسرے کا کریم تھا۔ دونوں بے کار لوگ تھے۔ بس ادھر ادھر سے مانگ تانگ کر کھا لیا کرتے تھے۔ یہاں انہیں یہ موقع ملا تو انہوں نے اپنی روٹیوں کا بندوبست کر لیا حالانکہ اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا بھی نہیں تھا لیکن میں نے کبھی انہیں منع بھی نہیں کیا تھا۔ کھانے پینے کی جو اشیاء آتیں وہ ہی جمع کرتے۔ نذر' نیاز اور چڑھاوے بھی انہی کی تحویل میں رہا کرتے تھے۔ میری بڑی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن دونوں میرے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ بستی کے بارے میں انہوں نے لاتعداد کہانیاں سنا دیں تھیں اور میں نے بستی نہ دیکھ کر بھی اس کے بارے میں بہت کچھ جان لیا تھا۔ البتہ ایک رات میں نے جب یہ بات سوچی کہ بستی کے لوگوں کو میری وجہ سے فائدہ کیوں حاصل ہو رہا ہے تو مجھے ایک خیال آیا۔ سفید لباس والے بزرگ نے اس دن میری مٹھی میں اپنا ہاتھ دیا تھا اور اس طرح مٹھی کھول دی تھی جیسے کچھ دے رہے ہوں۔ حالانکہ مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ کہیں یہ وہی دین تو نہیں تھی جو لوگوں کے کام آ رہی تھی۔ اگر ایسی بات تھی تو بہت اچھی بات ہے۔ میرا کیا جا رہا ہے لیکن جو نصیحتیں انہوں نے کی تھیں ابھی وہ مکمل طور پر مجھ پر مسلط تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ جو کچھ لوگ مجھے دے رہے ہیں یہ لینا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔ پورنی کے ذریعے تو مجھے جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ اب بھی محفوظ تھا اور اگر میں اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو ناکامی کا سوال ہی

نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہ سب اتنا تھا کہ اس بستی میں بھی قیام کرتا تو یہاں کا رئیس آدمی بن سکتا تھا لیکن بات وہی تھی۔ برائیوں نے بہت سے بروں کے درمیان پہنچا دیا تھا۔ تقدیر نے اگر یہ موقع فراہم کیا تھا تو ان برائیوں کو اپنائے رکھنا بدنصیبی ہی ہوتی۔ میں نے فضل اور کریم سے کہا۔

"فضل، کریم! بستی میں بہت سے غریب غربا ہوں گے۔ ان کے لئے کوئی کچھ کرتا ہے؟"

"کیا کرے گا میاں صاحب! وہ بے چارے خود ہی اپنے لئے جو کر لیتے ہیں وہ کر لیتے ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں یہاں ان کے لئے ہفتے وار لنگر شروع کیا جائے۔ اتنی ساری چیزیں آ کر جمع ہو جاتی ہیں۔ غریبوں کا حق غریبوں کو ملنا چاہئے۔"

"جیسا آپ پسند کریں میاں صاحب! ویسے اگر آپ کہیں تو ہم یہ چیزیں ان لوگوں میں بانٹ آئیں۔"

"نہیں، ایسا کرو۔ باورچیوں کو بلا کر کھانا پکواؤ اور ایک دن یہاں ان کے لئے مقرر کر دو۔"

"ٹھیک ہے۔" اور پھر یہ سب میری خواہش کے مطابق ہی ہو گیا۔ یہاں باقاعدہ مجمع لگ گیا تھا میں نے نہ صرف ان لوگوں کو کھانا کھلوایا بلکہ جو بھی چیزیں یہاں آئی تھیں اور میرے لئے بے کار تھیں۔ وہ میں نے ان لوگوں میں تقسیم کرا دیں۔ اس طرح میری عقیدت اور شہرت مزید بڑھ گئی۔ جبکہ میں ان تمام چیزوں سے بھاگنا چاہتا تھا۔ کوئی ایک مہینہ ہو چکا تھا یہاں۔ اتنا سکون اتنا آرام ملا تھا کہ کہیں جانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن اس رات سرِشام ہی کچھ بے چینی سی دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ بس دورانِ خون کی گڑبڑ ہی معلوم ہوتی تھی۔ رات کو نیند نہیں آئی۔ گیارہ، بارہ، ایک بج گیا۔ آسمان پر پورا چاند نکلا ہوا تھا۔ میں اپنی آرام گاہ سے باہر نکل آیا۔ تاحد نظر گہرا سکوت طاری تھا۔ کوئی انسان کہیں دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ مدھم مدھم ہوا چل رہی تھی لیکن پھر کچھ دیر کے بعد ایک انسانی ہیولا، مجھے اپنی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا اور میں رک کر اسے دیکھنے لگا۔ آنے والے کی رفتار بہت تیز تھی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ میرے قریب پہنچ گیا۔ سیاہ رنگ کے لباس میں ملبوس ایک کرخت چہرے والا آدمی تھا۔ اس نے آتے ہی کرخت لہجے میں کہا۔

"طلبی ہوئی ہے۔ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔" میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اور کوئی تھا ہی نہیں یہاں جو یہ شبہ ہوتا کہ کوئی اس سے مخاطب ہوا ہے۔

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟"

"صرف اتنا کہ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔" آنے والے نے کہا۔

"لیکن کہاں؟"

"پرانی مسجد میں بلایا گیا ہے۔" اس نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے قدم خود بخود اس کے ساتھ ساتھ اٹھ گئے ہوں لیکن سب کچھ میرے لئے اجنبی تھا۔ وہ چہرہ بھی اور پرانی مسجد کا نام بھی لیکن بہرحال میرے قدم اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اس وقت میں پورے وثوق سے یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ آگے بڑھتے ہوئے قدم میری مرضی کے تابع نہیں تھے۔ بس ایک پُراسرار قوت مجھے آگے بڑھا رہی تھی لیکن میرے ہوش وحواس پوری طرح قائم تھے اور میں اپنی اس عجیب وغریب کیفیت کے بارے میں اچھی طرح سوچ سکتا تھا۔

کافی طویل فاصلہ طے کیا جا چکا تھا۔ پھر دور سے مجھے ایک مدہم سی روشنی نظر آئی۔ میری رہبری کرنے والا کا رخ اس طرف تھا ویسے بھی جوں جوں روشنی قریب آ رہی تھی مجھے یہ معلوم ہوتا جا رہا تھا کہ وہ کوئی مسجد ہی ہے لیکن........... باقی سب کیا ہے.......... ایک پُراسرار احساس یہ دماغ پر چھاتا جا رہا تھا۔

☆------☆------☆

آخر کار میں مسجد تک پہنچ گیا۔ رات کی تاریکی میں مسجد کے بقیہ نقوش تو مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ جہاں تک میری رہبری کرنے والا مجھے لے کر پہنچا تھا کوئی غالباً چھ سیڑھیاں تھیں۔ ٹوٹی ہوئی اینٹیں جن میں سے ایک سیڑھی پر میرا پاؤں پھسلتے پھسلتے بچا اور میں ٹھوکر کھا کر اندر پہنچ گیا۔ اندر مدہم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ بڑے سے صحن سے گزرنے کے بعد وسیع دالان میں پہنچا۔ ایک عجیب سی ٹھنڈک رگ وپے میں دوڑ رہی تھی۔ یہاں تک آنے کی تمام تر کارروائی ہی میرے لئے بہت سنسنی خیز تھی کیونکہ ہر لمحہ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ یہاں تک پہنچنے میں میری اپنی قوت ارادی کا دخل نہیں ہے۔ مگر کچھ پُراسرار قوتیں مجھے یہاں تک گھسیٹ کر لائی ہیں۔ میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے قرب وجوار کا جائزہ لیا تو میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں بہت سے لوگ سفید لباس میں ملبوس بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک عجیب سی خوشبو فضا میں بکھری ہوئی تھی۔

سامنے ہی ایک بڑی سی چوکی پر سفید ہی لباس میں ملبوس ایک بزرگ بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ بڑا سا صافہ بندھا ہوا تھا۔ سفید براق داڑھی۔ روشن آنکھیں۔ حالانکہ ماحول میں بہت زیادہ روشنی نہیں تھی لیکن پھر بھی اتنی روشنی ضرور تھی کہ یہاں موجود تمام افراد کے چہرے اور نقوش نظر آجائیں۔ میں انہیں دیکھتا رہا اور اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ میرا رہبر کہیں ایک جگہ گم ہوگیا تھا۔ عقب سے دو افراد نکل کر آئے۔ انہوں نے میرے بازو پکڑے اور مجھے ایک سمت کھڑا کر دیا گیا۔ میرے پیچھے ایک ستون تھا اور ستون کے نیچے ایک چوڑی سی سل بنی ہوئی تھی۔ یہ سل باقی زمین سے کوئی ایک فٹ اونچی تھی۔ مجھے اس سل پر کھڑا کردیا گیا وہ بزرگ جو چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے خاموشی سے آنکھیں بند کئے ایک بڑی سی تسبیح پھیر رہے تھے۔ جن لوگوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر ستون پر کھڑا کیا تھا وہ ایک طرف چلے گئے۔ بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے بزرگ کے سامنے پہنچ کر گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"حضور قاضی صاحب! یہی ہے وہ شخص۔"

"ہوں۔" بزرگ نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر مدہم لہجے میں بولے۔

"کیا نام ہے اس کا؟"

"بابر علی۔"

"یہ اصلی شکل میں تو نہیں ہے۔" بزرگ نے کہا۔

"نہیں۔ اپنے گناہوں اور کرتوتوں کا شکار ہے۔"

"اس کا چہرہ ٹھیک کرو۔" بزرگ نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر اشارہ کیا۔ تبھی بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص اٹھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں تولیا پکڑا ہوا تھا۔ اس تولیے سے اس نے میرا چہرہ لپیٹ دیا۔ اب میرے ہوش و حواس پوری طرح جاگ گئے تھے۔ وہ جو ایک سحرزدہ کی سی کیفیت مجھ پر طاری تھی وہ ختم ہوگئی تھی۔ چند لمحوں کے بعد میرے چہرے پر سے تولیا ہٹا دیا گیا اور تولیا لپیٹنے والے نے تولیا سے میرا چہرہ آہستہ آہستہ رگڑ کر تولیا ہٹالیا۔ میرے ذہن میں ایک شدید سنسنی ہو رہی تھی۔ کیا میرا چہرہ ٹھیک ہوگیا۔ میں دل میں سوچ رہا تھا لیکن ظاہر ہے اس کا کوئی ثبوت میرے پاس نہیں تھا۔ میرے پاس خاموشی اختیار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ بزرگ نے میری صورت دیکھی۔ دیکھتے رہے۔ ان کی روشن آنکھوں کی چمک آج بھی میرے رگ و پے اور ذہن میں موجود ہے۔ کیا حسن تھا ان آنکھوں کا اور دیکھنے کا کیا انداز تھا۔ میں کبھی

نہیں بھولوں گا۔ بہرحال زیادہ جذباتی نہیں ہو رہا۔ انہوں نے مجھے دیکھا پھر گردن ہلا کر بولے۔

"گنجائش ہے۔ ابھی بہت گنجائش ہے۔ اس کی مکروہ شخصیت ابھی تک وہاں نہیں پہنچی جہاں سے واپسی کا راستہ ممکن نہ ہو۔ ویسے بھی اچھی آپا کا بیٹا ہے اور اچھی آپا کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف تمہاری مروت ہے اچھی آپا کہ ہم سب یہاں تمہارے لئے جمع ہوگئے ہیں۔" میں یہ سارے الفاظ سن رہا تھا۔ اب اس قدر دلیر اور سخت مزاج بھی نہیں تھا جو اس ماحول سے خوفزدہ نہ ہوتا۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کون لوگ ہیں۔ کون اچھی آپا اور کون باقی تمام افراد۔ پھر بزرگ نے کہا۔

"چلو۔ شروع کرو۔" پھر ایک اور شخص کھڑا ہوگیا۔ اس نے کہا۔

"ماں، بیٹے بہت اچھا وقت گزار رہے تھے کہ اچھی آپا کے ساتھ حادثہ پیش آیا اور وہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اس کے ذہن میں انتقام کے جذبے ابھرے اور کچھ برے لوگوں نے اس کے ساتھ ناانصافیاں کرکے اسے جیل بھجوا دیا۔ جیل میں شیطان کا پیروکار ناگو اسے ملا اور ناگو نے اسے بھٹکانے کے لئے چھوڑ دیا۔" اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے ایک اور شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا۔

"معزز قاضی صاحب! ذرا غور کریئے۔ یہ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ عملی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ماں کے ساتھ ہونے والے حادثے کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جوان خون، جوان ذہن بھٹکنا تو تھا۔ ایسے کسی نوجوان کے دل میں انتقام کے جذبے نہ پیدا ہوتے تو کیا ہوتا۔ آپ خود سوچئے۔ آپ خود بتایئے پھر اس کے بعد اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اسے باقاعدہ مجرم بنا دیا گیا۔ ابتدا ہی خراب ہوگئی تھی۔ ناواقفیت نے یہ نہ سوچنے دیا کہ کون سے راستے صحیح ہیں اور کون سے غلط۔"

"نہیں اس قدر ناواقف بھی نہیں تھا وہ اس دنیا سے۔ اچھی خاصی عمر تھی۔ سوچ سکتا تھا کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے لیکن غور بھی نہ کیا اور برائی کے راستوں پر دوڑتا چلا گیا۔ آسائشیں ملیں تو سب کچھ بھول گیا کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ بس دوڑنے لگا، عیش و عشرت کی زندگی گزارنے لگا۔ خوب عیش کئے اس نے اور برائیوں کی قبر میں دفن ہوتا چلا گیا۔"

"وہ سب کچھ ٹھیک ہے معزز قاضی صاحب! لیکن تجربہ ہوتا تو یہ سب کچھ نہ کرتا۔ ناتجربہ کاری اور پھر شیطانی عمل قاضی صاحب! شیطان ہمیشہ کچے ذہنوں پر حملہ آور ہوتا

ہے۔ وہ بہت ہی پختہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کی دکھائی ہوئی آسائشوں سے گریز کرتے ہیں۔ یہ تو ایک باقاعدہ بات ہوئی اور اچھی آپا کی وجہ سے ہمیں ان سارے معاملات کو دیکھنا پڑا۔ اگر آپ گہری نگاہوں سے دیکھیں تو اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب شیطانی عمل ہے۔ رشوتیں لی جاتی ہیں۔ مظالم کئے جاتے ہیں تمام کام اسی انداز میں ہو رہے ہیں۔ ایک صرف اس کا مسئلہ تو نہیں ہے۔"

"وہ سب کچھ ٹھیک ہے بہرحال پھر اس کے بعد؟"

"اس کے بعد یہ برائیوں میں ڈوبتا چلا گیا اور اب یہاں تک آپہنچا ہے۔"

"دیکھو بات اصل میں یہ ہے میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ گنجائش ہے۔ گناہ کئے جاتے ہیں۔ گناہ گار اگر گناہوں کی جانب راغب ہو تو اسے صحیح راستوں پر لانے کی کوشش ذرا مشکل ہو جاتی ہے اور اگر کسی کے اندر یہ لچک ہو میں نے جہاں تک اس کے بارے میں سنا ہے کہ یہ فقیر نہیں ہے۔ بنا ہوا درویش نہیں ہے۔ اس نے کبھی یہ بات نہیں کہی کہ یہ کوئی ولی' پیر یا درویش ہے۔ بلکہ دوسروں کی کاوشوں نے اسے یہاں بٹھا دیا ہے۔ کسی نے کچھ دے دیا ہے اس کے ہاتھ میں البتہ تم یہ دیکھو کہ جو چڑھاوے اس پر چڑھے وہ انہیں جمع کر کے اپنے مستقبل کی بہتری کے لئے کوشش نہیں کر رہا یا پھر میری قوتوں سے اسے جو کچھ دیا یہ انہی کے پیچھے نہیں لگا ہوا ہے۔ اس کے اندر ابھی نیکیاں زندہ ہیں اور پھر ہم اچھی آپا کی بات ٹال نہیں سکتے۔ نوجوان دوست! یہ بتاؤ اب کیا چاہتے ہو؟" قاضی صاحب نے مجھ سے سوال کیا تو میرا بند ذہن کسی مٹھی سے آزاد ہو گیا۔ ویسے بھی سب کچھ سن رہا تھا۔ سوچ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا لیکن اس سوال نے میرے ذہن کے بند دریچے کھول دیئے۔ میں نے کہا۔

"جو کچھ میری سمجھ میں آچکا ہے وہ یہ ہے کہ آپ سب لوگ میری بہتری کے خواہاں ہیں' اب کون ہیں کیا ہیں مجھے نہیں معلوم۔ اچھی آپا کون ہیں جنہوں نے میری سفارش کی ہے۔ میں کچھ بھی نہیں جانتا لیکن جہاں تک آپ یہ کہتے ہیں کہ میں برا ہوں تو آپ یقین کیجئے میں برا نہیں ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں انسانوں کو تکلیف پہنچاؤں۔ کچھ لوگ میرے اردگرد بکھر گئے تھے۔ ان میں سے کچھ سنگین لوگ اب بھی موجود ہیں جو مستقبل میں مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں ان سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ میں ان سے خوفزدہ ہوں۔ مجھے مدد درکار ہے۔ میں انسانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں کرنا چاہتا۔ کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر مجھے اس کا موقع دیا جائے

اور مجھے وہ وسائل دیئے جائیں کہ میں دنیا میں ایک اچھا انسان بن کر جی سکوں تو میں یہ کوشش کروں گا۔" چاروں طرف ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ شروع ہو گئی تھی۔ لوگ کچھ کہہ رہے تھے۔ الفاظ میرے کانوں تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ تب قاضی صاحب نے کہا۔

"کیا کہتے ہیں آپ لوگ؟"

"ٹھیک ہے وہ ٹھیک کہتا ہے لیکن جو کچھ کر چکا ہے اس کا کفارہ تو اسے ادا کرنا ہوگا۔"

"ہاں۔ کفارہ ادا کئے بغیر یہ اپنے گناہوں سے نجات نہیں پا سکتا۔"

"تو پھر اسے موقع دے دیا جائے۔ کوئی ایسا عمل کر دیا جائے اس کے لئے۔"

"عمل تو ہو چکا ہے بس اس کی تصدیق کر دی جائے۔ سنو کھڑے ہو جاؤ۔ ادھر آکر کھڑے ہو جاؤ۔" قاضی صاحب نے کہا اور میں ان کے حکم کے مطابق سامنے کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا۔"

"دونوں ہاتھ پھیلا لو۔"

"جی۔" میں نے کہا اور میرے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ بے شمار افراد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر ایک نے آگے بڑھ کر میرے دونوں ہاتھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور الٹے پاؤں واپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ بدستور جاری ہو گیا۔ ان میں سے ایک ایک شخص میرے دونوں ہاتھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتا تھا اور پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا عمل ہے لیکن پیچھے ہٹنے والا مسجد کے دروازے سے ہی باہر نکل جاتا تھا اور وہاں مکمل خاموشی طاری ہو جاتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ایک کر کے تمام لوگ باہر نکل گئے اور یہاں تک کہ قاضی صاحب اپنی جگہ سے اٹھے۔ انہوں نے میرے سامنے آکر اپنے ہونٹوں سے کچھ بدبدایا اور پھر میرے دونوں ہاتھوں پر کچھ پھونک دیا۔ پھر وہ بھی اسی طرح باہر نکل گئے تھے اور چند لمحات کے بعد مسجد خالی ہو گئی تھی۔

مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ اب اس قدر بے وقوف بھی نہیں تھا کہ صورتِ حال کو نہ سمجھ پاتا۔ یہ جو لوگ بھی تھے یقینی طور پر عام لوگ نہیں تھے اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ جنوں کی مسجد تھی۔ وہ جگہ جو جھوٹے مزار کے طور پر بنا رکھی تھی اور جہاں فضل اور کریم رہا کرتے تھے۔ یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی لیکن وہاں جانے کا مطلب یہ تھا کہ پھر وہی سب کچھ شروع ہو جائے۔ اس کے لئے دل نہ چاہا اور میں نے ایک دوسری ہی سمت اختیار کر لی اور تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔

میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ کہاں جانا ہے اور کہاں نہیں جانا۔ چلتا چلا جا رہا تھا اور رات گزرتی جا رہی تھی۔ صبح کو جب روشنی پھوٹی تو دو چمکدار لکیریں نظر آئیں۔ ریلوے لائن تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ چل پڑا اور کوئی ایک گھنٹے کا سفر کر کے آخر کار اس چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کے پاس پہنچ گیا جس کا نام فرید پور تھا۔ ایک پُراسرار عمل کام کر رہا تھا۔ اب تک کی تمام کارروائی میں میرا کوئی ذاتی دخل نہیں تھا۔ بس کارروائی ہو رہی تھی اور میں ایک معمول کی طرح عمل کر رہا تھا۔ میری اپنی کاوشوں کا اس کارروائی میں کوئی دخل نہیں تھا۔ ایک جگہ جا کر بیٹھ گیا اور کچھ دیر کے بعد ٹرین کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ مجھے احساس ہوا کہ مجھے اس ٹرین میں بیٹھنا ہے۔ ٹرین رک گئی۔ مسافروں کی چہل پہل سنائی دینے لگی۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹرین کے ایک ڈبے میں جا کر بیٹھ گیا۔ کوئی دس یا پندرہ منٹ کے بعد ٹرین چل پڑی تھی۔ جب ٹرین کو دو تین زوردار جھٹکے لگے تو جیسے ہوش سا آ گیا۔ چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ گزرے ہوئے لمحات پر غور کیا۔ بہت سی باتیں ذہن میں آنے لگیں۔ باقاعدہ مقدمہ چلا تھا مجھ پر اور اس کے بعد مقدمے کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ ماں کا نام بار بار سامنے آیا تھا اور اس وقت صحیح معنوں میں اگر کوئی صاحب دل سوچے تو ماں کی عظمت سامنے آتی ہے۔ میرے بدترین گناہوں کی ڈھال بن گئی تھی میری ماں اور مجھے بچا لیا تھا اس نے۔ حقیقت یہی تھی واقعی یہی حقیقت تھی۔ دل میں ایک عجیب سی ہوک اٹھی۔ گزرے ہوئے لمحات یاد آئے۔ ایک لمحے کے لئے آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ لیکن خود کو سنبھال لیا اور صرف ایک سوال کیا۔

"مجھے صرف ایک بات بتاؤ ماں، پہلے بھی تمہارے قاتل بچ نکلے تھے۔ اب میں ان کا کیا کروں گا؟" نہ جانے کہاں سے ایک آواز میرے کانوں میں گونجی۔ سرگوشی کا سا انداز تھا لیکن الفاظ صاف پہچانے جاتے تھے۔

"وقت کا انتظار کرو۔ وقت کے فیصلے سب سے بہتر ہوتے ہیں۔"

یہ گویا میرے سوال کا جواب تھا۔ جواب کس نے دیا سرگوشی کا وہ لہجہ کس کا تھا؟ میرے فرشتے تک اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے تھے لیکن بہرحال تھا میرے سوال کا جواب۔ میں نے دل میں سوچا کہ ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو پھر وقت کے فیصلے کا انتظار کرنا ہی مناسب ہو گا۔ ٹرین کی کھڑکھڑاہٹ جاری رہی۔ اسٹیشن آتے رہے اور جاتے رہے۔ یہاں تک کہ کوئی دس یا گیارہ گھنٹے کے سفر کے بعد ٹرین ایک اسٹیشن پر رک گئی اور میرے اندر ایک تحریک پیدا ہو گئی کہ میں نیچے اتر جاؤں چنانچہ میں خاموشی سے نیچے اتر گیا۔ اسٹیشن پر

جو بورڈ لگا ہوا تھا اس پر اعظم گڑھی کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں پلیٹ فارم پر پڑی ہوئی ایک بنچ پر جا بیٹھا اور ٹرین میں اترنے چڑھنے والوں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس دوران پتہ نہیں ٹکٹ چیکر آیا تھا یا نہیں لیکن مجھ سے کسی نے ٹکٹ کے بارے میں بھی نہیں پوچھا تھا۔ اعظم گڑھی کے اسٹیشن پر بیٹھے ہوئے مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ٹرین چل پڑی تھی کہ میں نے دو افراد کو دیکھا جو تیزی تیز قدموں سے چلتے ہوئے میری جانب آ رہے تھے۔ پھر انہوں نے میرے قریب پہنچ کر مجھے سلام کیا اور سرگوشی کے انداز میں بولے۔

"آیئے حکیم صاحب! ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ اسٹیشن سے باہر آنے کے بعد وہ ایک تانگے کے قریب پہنچے۔ مجھے سہارا دے کر تانگے میں سوار کرایا اور پھر ہم لوگ چل پڑے۔ تانگے نے کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک سفر کیا تھا۔ قرب وجوار کی آبادیاں پھیلے ہوئے کھیت پر تمام چیزیں بڑی خوبصورت نظر آ رہی تھیں۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا ہوا ایک سحر زدہ کے سے انداز میں چلتا ہوا آخر کار ایک ایسی جگہ پہنچا جو آبادی کا ایک وسیع و عریض مکان تھا۔ آبادی اچھی خاصی لگ رہی تھی۔ دور دور تک کچے پکے مکانات پھیلے ہوئے تھے۔ کوئی چھوٹا موٹا شہر تھا۔ پتہ نہیں اعظم گڑھی کا ہی کوئی حصہ تھا یا کوئی نئی جگہ تھی۔ ان لوگوں نے مجھے حکیم صاحب کہہ کر پکارا تھا۔ میں تانگے سے اترا اور وہ لوگ مجھے لئے ہوئے اندر چلے گئے۔ ایک بڑا سا چبوترا نما دالان بنا ہوا تھا اور ایک طرف ایک بہت بڑا بیرک جیسا احاطہ جس پر کھپریل کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ مکان کافی وسیع تھا اور خاصا کشادہ نظر آ رہا تھا۔ بڑے سے چبوترے کی سیڑھیاں طے کرنے کے بعد میں ایک کمرے میں داخل ہو گیا اور مجھے لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"یہ آپ کی آرام گاہ ہے۔ ہمیں بتا دیا گیا تھا کہ آپ آنے والے ہیں۔"

"بھائی آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟"

"یہ لیجئے حکیم صاحب! اب اتنے اندھے بھی نہیں ہیں ہم۔ ہمیں اطلاع دے دی گئی تھی۔"

"میرا نام جانتے ہیں آپ؟"

"بابر علی شاہ صاحب۔" ان میں سے ایک نے کہا اور میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ میرا ہی نام پکارا گیا تھا لیکن یہ شاہ کا لفظ میرے نام کے ساتھ پتہ نہیں کیسے لگ گیا تھا۔ بہرحال وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ بستر دوسری

تمام چیزیں اور خاص چیز جو تھی وہ سامنے چھوٹی سی میز پر رکھی ہوئی ایک کتاب تھی۔ میں اس کتاب کے قریب پہنچ گیا اور میں نے اسے اٹھالیا۔ کتاب کے پہلے ہی صفحہ پر لکھا ہوا تھا کہ تمہیں کچھ ذمے داریاں دی جارہی ہیں۔ اس کتاب کو اپنا معاون سمجھنا۔ اس پر نمودار ہونے والی تحریریں تمہارے لئے مشعل راہ ہوں گی۔ یہاں کچھ ایسے عوامل تمہیں پیش آنے والے ہیں جو پریشانی کا باعث ہوں گے۔ بس ایسا ہی گزارہ کرنا ہے۔ صورت حال خود بخود تمہارے سامنے آتی رہے گی۔ وہ دونوں تمہارے دست راست ہیں۔ وہ تمہاری بھرپور مدد کریں گے۔ میں اس تحریر کو پڑھ کر حیران رہ گیا۔ اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں تھی کہ یہ تحریر میرے لئے تھی۔ میرے دل نے کہا کہ قدرت نے مجھے یہ رہنمائی عطا کی ہے تو مجھے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دل کو ایک سکون ایک اطمینان سا ہوا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے اور جب دروازے سے باہر جھانکا تو وہ دونوں سامنے رکھے ہوئے اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے۔

"جی حکیم صاحب۔"

"نہ آپ لوگوں نے اپنا تعارف کرایا اور نہ اپنے بارے میں بتایا۔"

"میرا نام فضل ہے اور یہ کریم ہے۔" انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو میں ششدر رہ گیا۔ انہی دونوں ناموں کو تو میں پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ یہ نام میری ذات سے منسلک ہوگئے ہیں لیکن بہرحال میرے ہونٹوں پر ایک خوشگوار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھائی فضل اینڈ کریم کھانے پینے کے لئے پوچھو گے مجھے؟"

"حضور آپ حکم فرمائیے۔"

"کچھ کھانے پینے کے لئے لاؤ بھائی بھوک لگ رہی ہے۔"

"ابھی حاضر ہوتے ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ٹرے لئے ہوئے اندر آگئے۔ اس میں بہت ہی عمدہ قسم کے پھل کچھ بسکٹ اور چائے کی ایک پیالی رکھی ہوئی تھی۔

"کچھ اور درکار ہو تو فرمائیے۔"

"فی الحال تو یہی کافی ہے لیکن کھانے پینے کا کیا بندوبست ہوگا؟"

"مقررہ وقت پر ہم آپ کو کھانا پینا بھی پیش کریں گے۔ دراصل حکیم صاحب! ہمیں یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جب تک آپ خود ہمیں حکم نہ دیں ہم آپ کو پریشان نہ کریں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ لوگ بھی چائے پی لیتے میرے ساتھ تو۔"

"نہیں ہم خادم ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان احترام کا رشتہ بدستور قائم رہے گا۔" میں خاموشی سے بسکٹ کھانے میں مصروف ہوگیا۔ چائے کی پیالی پی پھر ایک پھل کھایا۔ وہ دونوں باادب کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔

"یہ برتن رکھ آؤ اس کے بعد تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" ان میں سے ایک ٹرے اٹھا کر باہر نکل گیا۔ یہ کریم تھا۔ فضل میرے سامنے ہی بیٹھا رہا میں نے اس سے کہا۔

"فضل! مجھے اس جگہ کے بارے میں بتاؤ۔"

"جی سرکار آپ پوچھئے۔"

"پہلے یہ بتاؤ میرے بارے میں تمہیں کیا بتایا گیا ہے؟"

"حکیم صاحب! ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ آپ یہاں ان معذوروں کا علاج کریں گے جو جگت نام کے ہاتھوں معذور ہوئے ہیں۔ اصل میں یہ دعا مانگی گئی تھی مسجد میں جمعہ کی نماز میں کہ جگت نام کے ذریعے جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس سے پناہ دی جائے اور پھر بڑے مولوی صاحب نے یہ خوشخبری سنائی کہ ایک حکیم صاحب آرہے ہیں۔ یہ جگہ جو ہے جہاں ٹھہرے ہوئے ہیں بہت ہی نامی گرامی حکیم صاحب کا گھر ہے۔ مرحوم یہاں علاج کیا کرتے تھے لوگوں کا۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ یہیں پچھلے احاطے میں ان کی قبر ہے۔ بڑے صاحب کرامات تھے۔ اللہ نے ایسی شفا دی تھی ان کے ہاتھ میں کہ کوئی بڑے سے بڑا مریض ان کے پاس پہنچ جائے شفا پالیتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان جیسا کوئی نہ آیا۔ یہ جگہ ان کے نام پر ہی صاف ستھری رکھی گئی اور پھر جب مسجد کے بڑے امام صاحب نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی تو یہ جگہ صاف ستھری کرلی گئی۔ سارے انتظامات کئے جارہے تھے یہاں۔"

"نام کیا ہے اس علاقے کا' کیا اعظم گڑھی؟"

"نہیں اعظم گڑھی تو پیچھے رہ گئی۔ یہ نانا پور ہے۔ نانا پور بھی بہت پرانی بستی ہے بلکہ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اعظم گڑھی سے بھی پرانی۔ یہاں نانا خاندان رہتا ہے اور یہیں وہ کم بخت اللہ ہمیں معاف کرے جگت نام آگیا ہے۔ کہیں باہر سے آیا تھا بدبخت۔ کالی دیوی کا پجاری ہے۔ کالی کا مندر بنایا ہے اس نے اور لوگوں کو بڑے بڑے نقصانات پہنچا رہا ہے۔ جادوگر ہے اور طرح طرح کی حرکتیں کرتا رہتا ہے اور دیکھو نا ہر جگہ اچھے اور برے آدمی ہوتے ہیں۔ برے آدمیوں نے اسے اپنا گرو مان لیا ہے اور جو لوگ اس کی بات

نہیں مانتے ان کے ساتھ وہ بڑا برا سلوک کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ذہنی اور جسمانی طور پر معذور ہوچکے ہیں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ ہر طرح کے حکیم' وید' ڈاکٹر استعمال کر لئے گئے ہیں لیکن کالے جادو کا کوئی توڑ ہو تو بات بنے۔ آپ کے لئے بڑے امام صاحب نے حکم دیا تھا تو ہم آپ کو لینے پہنچ گئے تھے۔"

"ہوں۔ بڑے امام صاحب کہاں رہتے ہیں؟"

"یہاں بہت بڑی مسجد ہے۔ ویسے تو تین مسجدیں ہیں لیکن بڑی مسجد میں بڑے امام صاحب ہوا کرتے ہیں۔"

"اور جگت نام کہاں ہوتا ہے؟"

"اس نے کالی کا مندر بنا رکھا ہے اور وہیں سے اپنے شیطانی عمل کیا کرتا ہے۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اس کے بعد خاموش ہوگیا۔ داستان ذرا الجھی ہوئی لیکن دلچسپ معلوم ہو رہی تھی۔ نانا پور' نانا خاندان بڑے امام صاحب' جگت نام' کالا جادو۔ یہ ساری چیزیں ایک جانب اشارہ کرتی تھیں اور پھر ماضی میں جو کچھ ہوا تھا میرے ساتھ وہ سامنے آرہا تھا گویا اب میرے لئے ایک نئی سرزمین منتخب کی گئی تھی۔ مجھے اپنا کام سرانجام دینا تھا۔

نانا پور ایک اچھی جگہ تھی۔ تین دن کے قیام کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوا کہ یہاں کا موسم بہت خوشگوار رہتا ہے۔ ادھر فضل کریم مجھے ہر طرح کی معلومات فراہم کرتے رہتے تھے اور مجھے یہ پتہ چلا تھا کہ فضل' کریم یہاں کے قدیم باشندے ہیں۔ نانا پور کا موسم سال میں آٹھ مہینے ابر آلود رہتا ہے اور کبھی کبھی کسی بھی وقت یہاں بارش ہوجایا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں پھلوں کے بے شمار باغات ہیں اور پھل وغیرہ بھی خوب پیدا ہوتے ہیں۔ کئی زمیندار یہاں کام کرتے ہیں لیکن نانا خاندان سب سے بڑا خاندان ہے۔ مسلمان لوگ ہیں اور بڑکھوں کے زمیندار ہیں۔ بہرحال یہ ساری باتیں اس انداز میں چل رہی تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب دیکھیں آگے میرے لئے کون کون سے امتحانات ہیں۔ اب اچھی طرح یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ کفارے کا دور ہے۔ پورنی اور اس کے بعد نیل کنول سارے کے سارے کردار اب پس پشت چلے گئے ہیں۔ یہ معلوم تھا کہ میرے دشمن ناگو بابا وغیرہ جو بہرحال کہتے تو یہ ہیں جو چودھویں شمولیت سے فنا ہوگئے۔ مجھے یہی علم ہوا تھا کہ سارے کے سارے شیطانی روحوں کی مانند زندہ ہیں اور کسی بھی لمحے میرے لئے خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔ خاص طور سے منگلاسن جو میرا رقیب بھی ہے۔ بہرحال کسی

عام آدمی کے ساتھ یہ واقعات کہاں پیش آسکتے ہیں۔ میں اس لحاظ سے دوسروں سے بالکل منفرد ہو کر رہ گیا تھا۔ چوتھے دن ایک عورت اور دو لڑکے جن کی عمریں چودہ یا پندرہ سال کے قریب ہوں گی۔ میرے پاس آئے۔ وہ ایک ایسے شخص کو چارپائی پر ڈال کر لائے تھے جو آدھے دھڑ سے معذور تھا۔ لڑکے دونوں طرف سے چارپائی پکڑے ہوئے تھے۔ عورت یہاں رہائش گاہ کے دروازے پر پہنچ گئی اور اس نے دہائیاں دینا شروع کردیں۔

"حکیم صاحب! دیا کرو ہم پر بھگوان کے لئے دیا کرو۔ ہم تو تھور مرگئے ہیں' ارے مدد کر دو بھیا ہماری۔ دیکھ لو ہمارا تو سنسار ہی لٹ کر رہ گیا ہے۔ لڑکے بھی سسرے ابھی چھوٹے چھوٹے ہیں۔ گھر کے کام نہیں سنبھال سکتے۔ بری حالت ہوتی جارہی ہے۔ رحم کردو حکیم صاحب جی! ہم پر۔" میں باہر نکل آیا اور میں نے چارپائی پر لیٹے ہوئے آدمی کو دیکھا۔ اوپری جسم خوب صحت مند تھا۔ چوڑا سینہ کچھ اس طرح کا جیسے ورزش کرتا رہا ہو۔ لیکن نچلا جسم سوکھتا جارہا تھا اور اوپر کے جسم کی نسبت کافی دبلا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ عورت نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور سسکنے لگی تھی۔

"پاؤں پکڑتے ہیں ہم تمہارے حکیم صاحب۔ جو حکم کرو گے جو چاہو گے دیں گے۔ مگر ہمارے مرد کو اچھا کردو۔"

"کون ہے یہ۔ کیا نام ہے اس کا؟"

"ہنسی راج ہے ہمارا نام مہاراج مصیبت کے مارے ہوئے ہیں۔ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔ بھگوان بھلا کرے جگت نام کا دیکھو ہمارا یہ حال کردیا ہے۔" میں خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے کہا۔

"بتاؤ کیا بات ہے؟"

"ہم بتائیں۔" ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"نہیں۔ یہ بول سکتا ہے اسے ہی بتانے دو۔" میں نے کہا ہنسی راج کہنے لگا۔

"حکیم صاحب جی! ہم بہت زیادہ دین دھرم والے تو نہیں ہیں پر دیکھو ناجی ہر ایک کا کوئی نہ کوئی دھرم تو ہوتا ہے۔ ہم ذات کے اہیر ہیں۔ دین دھرم کو بھی جانتے ہیں۔ جگت نام نے ایک دن ہماری زمین پر سیر کرتے ہوئے ہمیں دیکھا تو ہمارے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا۔

"ہاں تو گھنیشی کا داس ہے۔ مہاراج! اس میں کوئی شک نہیں جب ہم پیدا ہوئے تھے نا آپ یوں سمجھ لو ہماری آٹھ بہنیں تھیں۔ ایک ایک کرکے ساری مرتی گئیں' ماتا پتا

بیٹے کے خواہشمند تھے۔ بیٹیوں کی موت سے بڑے غمزدہ تھے۔ انہوں نے گھنیشی کے مندر میں ہمارے لئے منت مانی اور ہم پیدا ہوگئے۔ تو انہوں نے ہمیں گھنیشی کے چرنوں میں ڈال دیا اس وقت سے ہمارے من میں بھی گھنیشی کی طرح لاج ہے۔ مہاراج کسی کا بھگوان اس کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ پاپی کہنے لگا تو تم گھنیشی کے داس ہو۔ بھئی واہ ایک کام کردو ہمارا اگر کرسکتے ہو تو ہم نے کہا۔

"جی مہاراج! کہو کیا بات ہے؟" اصل میں جگت نام کے نام کے ساتھ بہت سی ایسی کہانیاں ہیں مہاراج جنہیں سن کر من کو ڈر لگتا ہے۔ پتہ نہیں کسے کسے کیا کیا نقصان پہنچا چکا ہے وہ۔ ہم نے سوچا کہ پاپی اگر ہم سے کسی کام کے لئے کہہ رہا ہے تو ہمیں ضرور کردینا چاہئے ورنہ کیسی کیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ہم نے اس سے کہا کہ وہ اپنا کام بتائے اور اس پاپی نے اپنی کمر سے لٹکی ہوئی ایک تھیلی نکالی۔ کہنے لگا۔

"اس میں سات مورتیاں ہیں۔ یہ ساتوں مورتیاں ایک ایک منگل وہ جو کالی تلیا نظر آتی ہے اس میں پھینک دو۔ کالی تلیا مہاراج ایک گندہ جوہڑ ہے۔ بس آپ یہ سمجھ لو کہ وہ کالے جادو کا مرکز ہے۔ پتہ نہیں کیسی کیسی کہانیاں اس کے کنارے جنم لینے لگتی ہیں۔ بہت سے انسانوں کو کھا گئی وہ کالی تلیا۔ ہم نے خوف سے دیکھا کہ نہ جانے کیا چیز ہے جو کالی تلیا میں پھینکنی ہے۔ پھر جب ہم نے تھیلی کھول کر دیکھا تو اس میں جو مورتیاں نظر آئیں وہ گھنیشی کی تھیں۔ گھنیشی کی سات مورتیاں وہ پاپی ہم سے کالی تلیا میں پھینکنے کے لئے کہہ رہا تھا حالانکہ ہمیں بھی جگت نام سے اتنا ہی ڈر لگتا تھا جتنا نانا پور کے دوسرے رہنے والے لوگوں کو لیکن گھنیشی سے ہماری عقیدت نے ہمیں ایک دم دلیر کردیا۔ میں نے وہ مورتیاں اس سے چھین لیں اور غصے سے لرزتے ہوئے کہا۔

"پاپی' ہتھیارے' گندے علم والے! جانتا ہے یہ مورتیاں گھنیشی کی ہیں۔ بھگوان کی سوگند اگر سارا جیون دینا پڑے تو دے دوں گا۔ گھنیشی کے نام کو بٹہ نہیں لگنے دوں گا۔ چلا جا تو میرے سامنے سے ورنہ.......... ورنہ۔" لوگوں نے مجھے روکا تھا ورنہ جگت نام پر حملہ کردیتا۔ وہ ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"تیرا جیون ہمیں چاہئے۔ گھنیشی کی یہ مورتیاں تو ہی کالی تلیا میں پھینکے گا۔ اس وقت ہم انہیں رکھے لے رہے ہیں۔ جس وقت جینے سے تنگ آجائے تو آجانا ہمارے پاس یہ مورتیاں ہم سے لے لینا۔ تلیا میں پھینک دینا۔ معاف کردیں گے ہم تجھے۔ آجائے گا ایک دن۔ جا۔" مہاراج وہ چلا گیا ہم غصے سے لرزتے ہوئے گھر آگئے۔ اس رات تین

بجے کے قریب ہماری طبیعت خراب ہوئی اور پھر ہماری یہ حالت ہوگئی۔ نیچے کا دھڑ مارا گیا مہاراج! چلنے پھرنے کو ترس گئے اور اب آپ دیکھ لیجئے۔ نیچے کا دھڑ سوکھتا جارہا ہے۔ اوپر کا جسم چوڑا ہوگیا ہے۔ پہلوانی کرتے تھے ہم پر اب ساری کی ساری پہلوانی دھری کی دھری رہ گئی ہے۔"

"ہوں۔ تم دوبارہ جگت نام کے پاس گئے؟"

"نہیں مہاراج اس کے پاس جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی بات پر آمادہ ہوگئے ہیں اور وہ مورتیاں اس سے مانگنے گئے ہیں۔ مہاراج اب بھی ہمارے من میں یہی ہے کہ جیون جاتا ہے تو سو بار جائے' پر گھنیشی کی مورتیوں کو جوہڑ میں نہیں پھینکیں گے۔ ارے وہ منش کا ایک مان ہی تو ہوتا ہے جو اس کے سارے جیون کی رکھشا کرتا ہے۔ ٹھیک ہوگئے تو ہوگئے' نہیں تو سنسار میں بہت سے ایسے ہی مرجاتے ہیں۔ ہم بھی مرجائیں گے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کے آنے کی خبر سنی تھی اور لوگ کہہ رہے تھے کہ حکیم صاحب بڑے علم والے ہیں۔ آگئے ہیں آپ کے پاس۔ چاہیں تو ہمیں دوا دے دیں ورنہ بھگوان کی مرضی۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ شخص کسی بھی دین کسی بھی دھرم سے تعلق رکھتا ہے لیکن بہرحال اپنی انا پر قائم ہے البتہ میں کہاں کا حکیم تھا۔ یہ بات میں جانتا تھا میں نے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے بنسی راج تم ایسا کرنا کل اسی وقت آجانا میرے پاس۔ میں دیکھوں گا تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں۔"

"چلو بھئی چلو اٹھاؤ چارپائی ہماری۔" بنسی رام نے کہا اور وہ لوگ چلے گئے اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔ حالات کسی حد تک میرے سامنے آرہے تھے۔ جگت نام یہاں کالے علم کا کاروبار کر رہا تھا اور مجھے اس کے خلاف کام کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ میرے تمام راستے اس کی جانب موڑے گئے تھے بہرحال ان تمام کارروائیوں سے مجھے یقین تھا کہ میں آخر کار جگت نام پر قابو پالوں گا۔ کسی ایک کردار کی ضرورت تو ہوتی ہے۔ جگت نام کے خلاف پرچہ کٹ چکا تھا اور مجھے اسے سزا دینے کے لئے یہاں بھیجا گیا تھا۔ یہ بات بھی میرے ذہن میں آگئی کہ میری رہنما کتاب میری رہنمائی کرے گی اور یہی بات یہ کہ وہ کوئی عام چیز نہیں تھی۔ میں نے اپنے آپ کو پاک صاف کرنے کے بعد کتاب کے اوراق کھول کر دیکھے اور مجھے مایوسی نہیں ہوئی ایک صفحے پر مجھے تحریر نظر آئی۔

"آم کے دو درخت سامنے کی سمت کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پتے توڑ لاؤ۔

چالیس پتے لانے کے بعد یہاں انہیں کھرل کراؤ اور پھر جب وہ باریک پس جائیں تو انہیں گرم پانی میں ڈال دو اور پھر اس کی بیوی سے کہو کہ وہ اس کے جسم کو پتوں کے اس پانی سے دھلائے۔ وہ چونکہ ایک ایسے مذہب سے تعلق رکھتا ہے جس کے لئے اسے کسی نیک اور پاک نام سے غسل نہیں کرایا جاسکتا۔ لیکن تم ایسا کرنا کہ پتے توڑتے وقت ایک لفظ دوہرا لینا پاک لفظ ہے اور اس کے اثرات ان پتوں پر نمودار ہو جائیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ لفظ بھی لکھا ہوا تھا۔ بڑا صحیح علاج تھا۔ میں نے طے کر لیا کہ کل سے اس کا علاج شروع کر دوں گا اور اس کے لئے میں نے فضل اور کریم سے کہہ بھی دیا کہ برتن اور پانی تیار کر لیں۔ کل سے بنسی راج کا علاج ہوگا۔ فضل، کریم بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔ دوسرے دن نہ صرف بنسی راج اس کی بیوی اور دونوں بیٹے آئے بلکہ چار پانچ آدمی اور بھی آگئے۔ نئے آنے والے حکیم صاحب کے بارے میں وہ یہ اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ یہ حکیم صاحب کتنے پانی میں ہیں۔ اب مجھے ان تمام چیزوں سے تو کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ میرا نام کس طرح ہوتا ہے۔ میں تو اپنا کام کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے بڑے اطمینان سے آموں کے درخت کے پاس جاکر دونوں درختوں سے بیس بیس پتے توڑے اور انہیں لے کر آگیا۔ پتے توڑتے وقت میں نے وہی اسم دہرایا تھا اور اس کے بعد کریم سے کہا تھا کہ ان پتوں کو کھرل کردے۔ لوگ میری اس کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔ کھرل کرنے کے بعد پتوں کو پانی کے برتن میں ڈال لیا گیا اور پھر میں نے بنسی راج کی بیوی سے کہا کہ وہ یہاں اس پانی سے اسے نہلا دے۔ بنسی راج کی بیوی اپنے بیٹوں کی مدد سے شوہر کو نہلانے لگی۔ باقی لوگ میرے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے تمام کارروائی سے فارغ ہو کر بنسی راج کی بیوی سے کہا کہ انہیں سات دن تک یہاں آنا ہے۔ بہرحال پہلا دن، دوسرا دن، تیسرا دن، چوتھا دن، پانچواں دن، چھٹے دن بنسی راج اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا تھا اور خوشی سے ناچنے لگا تھا۔ ساتویں دن غسل کرنے کے بعد میں نے اسے فارغ کر دیا اور جو ہونا تھا وہی ہوا۔ یعنی یہ کہ بستی میں دھوم مچ گئی کہ حکیم صاحب نے جگت نام کے جادو کا توڑ کر لیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جب یہ بات جگت نام کے کانوں تک پہنچے گی تو لازمی بات ہے کہ وہ میری جانب متوجہ ہوگا لیکن جگت نام شاید بہت زیادہ مصروف تھا۔ اس کا عمل کیا تھا لیکن ابھی تک میری رہنما کتاب سے مجھے کوئی اور ہدایت نہیں ملی تھی۔ البتہ لوگوں نے اب میرے پاس باقاعدہ آنا جانا شروع کر دیا تھا اور مجھے بہت سے عمل کرنے پڑے تھے۔ مثلاً لوگوں کو چھوٹے موٹے کاموں کے لئے میں کھجوریں دیا

کرتا تھا اور جب قدرت کچھ دینے پر آتی ہے تو اسی طرح دیتی ہے۔ ان کھجوروں سے بھی لوگوں کو چھوٹے موٹے فائدے ہونے لگتے تھے۔ پھر جگت نام کی طرف سے پہلی کارروائی کا آغاز ہوا۔ یہ بات تو اسے پتہ چل گئی ہوگی کہ اس طرح ایک حکیم لوگوں کے علاج کر رہا ہے۔ کئی ایسے افراد بھی آئے تھے جو جگت نام کی مشکل کا شکار تھے اور اس نے انہیں کوئی نقصان پہنچایا تھا لیکن اب انہیں فائدے ہو گئے تھے۔

اس دن دوپہر کا وقت تھا کوئی ایک یا ڈیڑھ بجا تھا۔ گرمی شدید پڑ رہی تھی۔ سورج کا قہر نازل ہو رہا تھا کہ ایک عورت میرے پاس آئی۔ کافی لمبی چوڑی اور بدشکل تھی۔ انداز دیہاتی لگ رہا تھا۔ اس کی گود میں کوئی ایک یا ڈیڑھ سال کا بچہ تھا۔ انتہائی بے ہنگم اور بدہیئت۔ اس کا سر بہت بڑا تھا۔ دھڑ چھوٹا اور پھر ٹانگیں بہت زیادہ لمبی۔ عورت اسے گود میں لئے ہوئے تھی۔ بچے کی ٹانگیں اس کے گھٹنوں تک جارہی تھیں۔ انتہائی بدصورت بچہ تھا۔ ناک نکلی ہوئی تھی منہ سے رال بہہ رہی تھی۔ بہرحال فضل اور کریم بھی منہ بنائے ہوئے آئے تھے چونکہ شدید گرمی میں وہ بھی آرام کر رہے تھے لیکن بہرحال چونکہ وہ میرے پاس آئی تھی اس لئے مجھے اسے دیکھنا پڑا۔

"حکیم جی، ہیراں ہے اس کا نام۔ کیا ہے؟ ہیراں۔" عورت پھٹی پھٹی آواز میں بولی۔

"کہو کیا بات ہے؟"

"لو۔ ہم کیا کہیں تم خود دیکھ لو۔" عورت شیطانی انداز میں مسکراتی ہوئی بولی اور میں چونک کر بچے کے بجائے عورت کو دیکھنے لگا۔ بچہ تو ویسے ہی شیطان زادہ معلوم ہو رہا تھا لیکن عورت بھی کچھ عجیب سی تھی۔ میں نے تعجب بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔

"بتاؤ تو سہی بات کیا ہے؟"

"حلیہ دیکھ رہے ہیں اس کا۔ ڈیڑھ سال کا ہو گیا ہے لیکن نہ بولتا ہے نہ چلتا ہے۔ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے بس آپ دیکھ لو سوکھتا چلا جارہا ہے۔ دوا دے دو اسے حکیم جی۔"

دفعتاً ہی ایک عجیب سا قہقہہ فضا میں گونجا۔ ٹیکا ٹیک۔ دوپہر کے ماحول میں بے حد بھیانک تھا قہقہہ۔ یوں لگا جیسے میرے عقب میں ابھرا ہو۔ میں نے چونک کر پیچھے دیکھا اور پھر بچے کی طرف لیکن پھر یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ بچہ ہنس رہا تھا اس کے چھوٹے چھوٹے دانت نکلے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ایک عجیب سے مسخرے پن کا انداز تھا۔

"کیا یہ بچہ ہنسا ہے؟"

"ہاں۔ ہنستا ہے تو ہنستا ہی چلا جاتا ہے روتا ہے تو روتا ہی چلا جاتا ہے۔ کئی کئی دن

گزر جاتے ہیں اسے روتے اور ہنستے ہوئے۔"

"ابے او حکیم! تیری موت ہی تجھے یہاں گھسیٹ لائی ہے۔ بہت دنوں سے بیٹا تیری باتیں سننے کو مل رہی ہیں۔ حکیم یہ ہے۔ حکیم وہ ہے۔ کون ہے رے تو؟ تجھے معلوم نہیں ہے کہ یہاں جگت نام رہتا ہے اور جہاں جگت نام رہتا ہے۔ وہاں کوئی اور نہیں رہتا۔ انہیں ٹھیک کیا ہے تو نے جنہیں ہم نے خراب کر دیا تھا۔ مصروف تھے ہم ورنہ پہلے ہی دن تجھے دیکھ لیتے۔ اب یہ بات تجھے بتائے دیتے ہیں کہ جتنی جلدی ہو یہاں سے دم دبا کر بھاگ جا۔" یہ آواز بچے کے منہ سے نکل رہی تھی۔ ایک بڑے آدمی کی آواز تھی۔ فضل اور کریم بھی اس وقت یہاں موجود تھے۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے اس بچے کو دیکھ رہے تھے۔ میں اس کے الفاظ سنتا رہا پھر میں نے کہا۔

"تو تم دونوں کو جگت نام نے بھیجا ہے۔"

"ہاں۔ تجھے سمجھانے کے لئے۔ سمجھ میں آئے تو سمجھ لو اور اگر نہیں سمجھے گا تو ٹھیک چوبیس گھنٹے کے بعد تجھے سمجھانے کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ کیا سمجھے؟"

"تو پھر بیٹے! جگت نام سے کہنا کہ بس بہت دن ہوگئے۔ اپنا ساز سامان یہاں سے اٹھائے اور اتنی دور چلا جائے کہ اس کا نام یہاں سننے کو نہ ملے۔ ورنہ ٹھیک چوبیس گھنٹے کے بعد اسے پتہ چل جائے گا کہ اسے آگے کیا کرنا ہے۔" دفعتاً ہی عورت نے بچے کو کندھے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ارے تو کیوں بک بک کئے جا رہا ہے۔ میں ہی جو بات کرلوں گی۔"

"رہنے دے رہنے دے۔ مجھے ہی بولنے دے اس کے لئے تو میں ہی کافی ہوں۔ ڈیڑھ سال کی عمر ہے میری ابھی کہے تو اس کی گردن سے چمٹ جاؤں اور اپنے دانت اس کی گردن میں داخل کر دوں۔ چھڑالے تو بن باپ کا بچہ نہیں۔" بچے نے کہا۔

"چپ کر جا۔ نامی مہاراج نے تجھ سے یہ کہا تھا۔" عورت نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا اور بچہ منہ بسورنے لگا پھر وہ روں روں کرکے رونے لگا اور اس کے بعد اسے خاموش کرنا ممکن نہ ہوا۔

"تو حکیم جی۔ بس اس لئے آئے تھے تمہارے پاس۔ بات سن لی تم نے ہماری۔"

"جاؤ۔ جو کچھ جگت نام نے کہا وہ تم نے مجھے بتایا جو میں نے کہا ہے وہ جگت نام کو بتا دینا۔ تمہارا کام درمیان سے ختم ہو جاتا ہے۔" عورت نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے گھورا اور پھر وہاں سے واپس چلی گئی۔ فضل اور کریم نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ

رہے تھے۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو کریم نے کہا۔

"حکیم صاحب۔ جگت نام نے جو کچھ آپ کے لئے کہلوایا ہے اس کے لئے آپ ہم سے کیا کہتے ہیں؟" میں نے گہری نگاہوں سے ان دونوں کا جائزہ لیا اور پھر کہا۔

"خوفزدہ ہو تم؟"

"نہیں۔ حکیم صاحب ہم خوفزدہ نہیں ہیں۔ چوبیس گھنٹے کی بات کہی ہے اس نے۔ وہ ضرور آپ پر وار کرے گا حکیم صاحب!" فضل نے کہا۔

"وار کرے گا تو وار سہیں گے۔ تم لوگ بالکل فکر مت کرو۔" میں نے کہا۔

درحقیقت اندر سے میں اتنا دلیر نہیں تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ بے شمار افراد نے میرے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے ہیں' بات معمولی نہیں ہوگی اور پھر وہ کتاب جو ہمیشہ میرے لئے راستے متعین کرتی تھی۔ میں موقع پاتے ہی کتاب کے پاس پہنچا اور اسے اٹھا کر اس کے اوراق کھولنے لگا۔ جو نیا صفحہ میرے سامنے آیا اس پر لکھا تھا۔

"سب ٹھیک ہے مطمئن رہو۔" بھلا اس کے بعد کسی اور بات کی کیا گنجائش رہتی ہے۔ وقت گزرتا گیا۔ فضل اور کریم دونوں ہی متجسس تھے۔ ویسے مجھے کبھی کبھی ان دونوں کے کردار پر شدید حیرت ہوتی تھی کیونکہ پہلے بھی دو افراد اسی نام سے میرے سامنے آئے تھے۔ گو ان کے نقوش مختلف تھے لیکن انداز بالکل ایک ہی جیسا تھا۔ اکثر میں اس بارے میں سوچنے لگا تھا کہ یہ دو کردار میری زندگی سے اس طرح کیوں چپک گئے ہیں۔ وقت گزرتا رہا وہ دونوں بڑے متجسس تھے لیکن میں مطمئن تھا۔ حالانکہ میں نے بھی اسے وارننگ دی تھی لیکن وہ صرف ایک جوابی کارروائی تھی اور اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا چنانچہ میں مطمئن تھا۔ جب چوبیس گھنٹے پورے ہوگئے اور کچھ نہ ہوا تو فضل اور کریم بھی خوش ہوگئے۔

"دھت تیرے کی۔ کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ ویسے ایک بات تو ہے کہ جگت نام جو کہتا ہے وہ کرکے دکھاتا ہے۔ مگر ہمارے حکیم جی کے سامنے اس کی کچھ چلی نہیں البتہ حکیم جی ایک بات ہم آپ سے کہے دیتے ہیں۔ دشمن سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"تم لوگ میرے ساتھی ہو اور میں جانتا ہوں کہ تم دشمن سے ضرور ہوشیار رہو گے۔" ضرورت مند ہمارے پاس آتے رہتے تھے۔ پھر ایک دن ستیارام اپنی بیٹی گیتا کو لے کر آیا۔ ایک معزز آدمی تھا اس کی بیٹی گیتا بہت دن سے بیمار تھی۔ میں نے لڑکی کو دیکھا۔ سلگتا ہوا حسین چہرہ۔ اس کی آنکھیں تو بے پناہ خوبصورت تھیں۔ ستیارام کا تعارف فضل

اور کریم نے کرایا تھا۔

"ستیا رام جی! زمیندار ہیں۔ بہت ہی شریف آدمی ہیں ان کی بیٹی گیتا بہت عرصے سے بیمار ہے۔"

"کیا بیماری ہے اسے؟"

"آپ دیکھ رہے ہیں مہاراج بالکل سوکھ کر دبلی ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔"

"مہاراج! سارے علاج کرا دیئے ہیں میں نے۔ اس کی بیماری کسی حکیم' وید یا ڈاکٹر کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کبھی اس پر دورے پڑنے لگتے ہیں میں تو بہت دکھی ہو گیا ہوں۔ اکیلی ہی بیٹی ہے میری۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ بہت کچھ دیا ہے بھگوان نے مجھے۔ میں سب کچھ اپنی بیٹی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بہت دن سے سوچ رہا تھا کہ آپ کے پاس آؤں ہمت نہیں پڑتی تھی' کہیں ہندو مسلمان کا چکر نہ ہو۔ آپ ہم پر توجہ دیں یا نہ دیں۔"

"نہیں۔ دین دھرم اپنی جگہ۔ اور انسانیت اپنی جگہ۔ میں دیکھوں گا کہ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

"اب یہ آپ کے چرنوں میں آئی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اس سے تک یہاں رہے جب تک کہ آپ اس کا علاج نہ کر دیں۔"

"نہیں نہیں۔ یہاں میں اسے کہاں رکھوں گا؟"

"نہیں مہاراج! میری بنتی ہے آپ سے۔ آپ اسے اپنے پاس ہی رکھئے۔" میں پریشان ہو گیا تھا۔ ایک انتہائی حسین اور نوجوان لڑکی تھی۔ گو بیماری نے اسے خاصا نڈھال کر رکھا تھا۔ پھر بھی اس طرح کی ایک ذمے داری قبول کرنا میرے لئے ناممکن تھا۔ میں نے کہا۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اسے لے جاؤ۔ میں ایک آدھ دن کے بعد۔"

"مہاراج! یہ سوچ کر لایا تھا کہ آپ کے چرنوں میں اسے لے کر یا تو ٹھیک کرا کے لے جاؤں گا یا پھر بھگوان کی سوگند اسے کسی اندھے کنویں میں پھینک دوں گا۔ مجھ سے اس کا یہ دکھ دیکھا نہیں جاتا۔"

"ارے نہیں نہیں۔ اب ایسا بھی کیا۔ ٹھیک ہے۔ ایسا کرو کریم برابر والے کمرے میں کنیا کے لئے بستر لگا دو۔ آپ ایسا تو کریں کسی کو اس کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ

دیں۔"

"ایک نوکرانی بھیج سکتا ہوں میں اس کے لئے۔"

"ہاں ایسا کر دیں۔" بہرحال ستیا رام ایک شریف آدمی تھا۔ ویسے بھی اس کی شخصیت بڑی متاثر کن تھی۔ میں اس کی آنکھوں میں آجانے والے آنسوؤں کو نظرانداز نہ کر سکا۔ بہرحال گیتا اس کے کمرے میں منتقل ہو گئی اور میں نے اپنی رہنما کتاب سے اس کے لئے ہدایات لینا ضروری سمجھا لیکن حیرانی کی بات تھی کہ اس کے لئے کوئی ہدایت مجھے کتاب میں نہ ملی۔ کتاب کے اوراق سادہ ہی رہ گئے تھے۔ بات میری سمجھ میں نہ آسکی اور میں کسی قدر الجھ سا گیا لیکن بہرحال وہ نوکرانی جس کا نام رما تھا گیتا کے ساتھ رہنے لگی اور اس نے مجھ سے ملاقات کر کے کہا۔

"مہاراج! من کا روگ بڑا بھاری ہوتا ہے۔ اس کے دل سے اگر دوارکا کا خیال نکل جائے تو یہ ٹھیک ہو جائے گی۔" میں نے تعجب بھری نگاہوں سے اس عورت کو دیکھا اور کہا۔

"یہ دوارکا کون ہے؟"

"بڑی لمبی کہانی ہے مہاراج۔"

"اب جب تم اس کا علاج کرا رہی ہو رما! تو مجھے اس کے بارے میں تمام تفصیلات تو بتانا ہوں گی۔"

"مہاراج دوارکا اس کا پریمی تھا۔ مہاراج ستیا رام کی حویلی میں ہی نوکری کرتا تھا۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا پشتوں کا نوکر تھا۔ اس کا باپ بانکے لعل بھی ستیارام جی کے ہاں ملازم تھا۔ دوارکا کے بارے میں سنا تھا کہ اس حویلی میں پیدا ہوا۔ یہیں جوان ہوا۔ گیتا کی عمر کا تھا۔ بچپن میں دونوں ساتھ ساتھ بھی کھیلے۔ آپ سمجھ لیں انسان تو انسان ہی ہوتا ہے۔ دونوں کے بیچ پریم کہانی شروع ہو گئی۔ بانکے لعل مر گیا دوارکا اپنے کام سرانجام دیتا رہا لیکن پھر ایک دن ستیارام مہاراج نے دوارکا کو گیتا کے ساتھ دیکھ لیا۔ دونوں پریم بندھن میں بندھے ہوئے تھے۔ ستیارام جی نے اور تو کچھ نہ کیا۔ دوارکا کو وہاں سے غائب کرا دیا۔ اب یہ تو بھگوان ہی جانتا ہے کہ دوارکا کہاں چلا گیا اس کا کہیں پتہ نہیں چلا تھا۔ ستیارام جی نے خود بھی یہی کہا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لیکن بس گیتا بیمار ہو گئی اور اس کے بعد سے آہستہ آہستہ اس کی یہ کیفیت ہو گئی۔"

"کیا اس کیفیت کا پتہ گیتا رام جی کو نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کیا وہ نہیں جانتے

کہ یہ کیفیت کس لئے ہے؟"

"بھگوان جانے' اکیلی بیٹی ہے ان کی۔ بیٹی کے لئے بہت پریشان ہیں۔ جگہ جگہ علاج کراتے ہیں مگر من کے روگ کا علاج کرائیں تو بات بنے۔"

"ہوں یہ تو واقعی بڑی پریشانی کی بات ہے رما! میں اس کا علاج تو کر سکتا ہوں لیکن دوار کا کے بارے میں تو کچھ معلوم ہو کہ وہ کہاں چلا گیا۔"

"مہاراج! یہ تو آپ کو ستیارام جی ہی بتا سکتے ہیں۔ پر ایک بات ہم کہے دیتے ہیں کہ اگر ہمارا نام بیچ میں آیا تو آتما ہتیا ہی کرنی پڑے گی ہمیں۔ ستیارام جی بہت اچھے آدمی ہیں۔ مگر اندر سے بہت سخت بھی ہیں وہ۔ دوار کا اگر ان کا ملازم نہ ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ گیتا کی شادی اس سے کرنے کے بارے میں سوچتے۔ اب تو بات ہی بالکل الگ ہے۔"

"ہوں۔ دیکھوں گا میں۔ دیکھوں گا۔" ایک بار پھر میں نے کتاب کے اوراق دیکھے۔ لیکن نہ جانے کیوں کتاب کے یہ اوراق مجھے سادہ ہی نظر آئے۔ یہ انوکھی بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہی تھی۔ بہرحال کوئی زور تو تھا نہیں کسی پر' کسی کو مخاطب بھی نہیں کر سکتا تھا۔ گیتا کی اصل کہانی علم میں آگئی تھی۔ اب اس کے بعد گیتا کے علاج کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔ یہ ذرا غور کرنے والی بات تھی۔ اس دوران لوگ میرے پاس بدستور آجا رہے تھے اور میں ان کے کام آرہا تھا۔ کوئی ایسا عمل نہیں ہوا تھا جس سے یہ سوچا جاتا کہ جگت نام میرے خلاف کارروائی میں مصروف ہے۔ میں نے بھی دل میں یہ سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ اپنے معاملات میں مصروف ہو اور اتنی توجہ نہ دے پا رہا ہو۔ میں نے ابھی تک اس کے کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائی تھی۔ سوائے اس کے کہ اس سے خوفزدہ ہونے والے لوگ اب ذرا مطمئن ہو گئے تھے کہ ان کے لئے کوئی موجود ہے۔ بہرحال چار پانچ دن گزر گئے تھے۔ ابھی تک گیتا سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ ستیا رام دو تین بار آچکا تھا اور میں اسے تسلیاں ہی دیتا رہا تھا۔ پھر ایک دن رما کسی کام سے چلی گئی تھی اور گیتا تنہا تھی۔ وہی دوپہر کا وقت تھا اور سورج کا قہر بدستور زمین والوں پر زندگی تنگ کئے ہوئے تھا۔ شدید گرمی ہو رہی تھی۔ میں نے گرمی سے بچنے کے لئے غسل کیا اور اس کے بعد یونہی ٹہلتا ہوا ایک کمرے میں جھانکا لیکن میرے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ گیتا وہاں موجود ہوگی۔ وہ وہاں تھی۔ کمرے میں آگ روشن تھی اور گیتا کوئی چیز پھاڑ پھاڑ کر اس میں ڈال رہی تھی۔ میں نے حیرانی سے یہ کارروائی دیکھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی بقیہ چیز بھی آگ میں جھونک دی۔ ایک لمحے کے لئے تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کر

رہی ہے لیکن پھر میں نے آگ میں جلتے ہوئے اوراق کی جلد دیکھی۔ دوسرے لمحے میرے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔

"ارے خدا تجھے غارت کرے............ یہ تو نے کیا کیا۔" ایک لمحے میں مجھے جلد دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ میری وہی کتاب تھی جو میری رہنمائی کرتی تھی۔ گیتا نے ایسا کیوں کر ڈالا۔ میں تیزی سے آگے بڑھا کتاب کے اوراق اب کوئلہ ہو چکے تھے۔ میں نے غم آلود نگاہوں سے اسے دیکھا اور غصے سے گیتا کو۔

"یہ کیا کیا تو نے' بے وقوف لڑکی یہ کیا کیا؟" میں غرائی ہوئی آواز میں بولا اس نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولی۔

"میرا روگ جان کر بھی میرا علاج کرنا چاہتے ہو تم۔" میں اس کے الفاظ پر غور کرنے لگا اور پھر میں نے دکھی لہجے میں کہا۔

"مگر تم نے میری کتاب کیوں جلا دی؟"

"من تو چاہتا ہے کہ تمہیں بھی اسی آگ میں جلا دوں۔" وہ بدستور تلخ اور کرخت لہجے میں بولی۔ میں بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔

"تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ اس طرح تم نے مجھ سے میرا مان چھین لیا۔"

"مجھے صرف ایک بات کا جواب دو۔ کیا تم میرا علاج کرو گے؟"

"بابا تمہاری اس بیماری میں میرا کوئی قصور تو نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہارا علاج کرنے کے لئے اتنا سفر طے کر کے آیا ہوں۔"

"مجھے واپس جانے دو مجھے' واپس جانے دو مجھے۔"

"گیتا! سوچا تو یہ تھا کہ تمہارے اس روگ کا علاج کرنے کی کوشش بھی کروں گا۔ لیکن تم نے مجھ سے جو کچھ چھین لیا ہے اس کے بعد تمہیں دوست کہنا یا تمہارے لئے دل میں گداز رکھنا میرے لئے ایک مشکل کام ہے۔ بہرحال کیا کہا جاسکتا ہے۔" پھر میں نے گیتا کے باپ سے ملاقات کی۔ ستیا رام بدستور عقیدت مندی سے میرے پاس آتا رہا تھا میں نے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کے گھریلو معاملات کیا ہیں لیکن اس نئے دور کی نئی نسل کو سمجھنا بڑا مشکل کام ہے۔ آپ اس کی زندگی کے پہلے دن سے اس کی پرورش کرتے ہیں۔ اس کی ہر خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن جہاں آپ نے اس کی خواہش سے منہ موڑا۔ وہاں یہ آپ سے سرکش اور باغی ہو جاتی ہے۔ میں بہت زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں

گا۔ صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی گیتا بالکل ٹھیک ہے۔ جس نوجوان لڑکے سے وہ محبت کرتی ہے اور جسے آپ نے غائب کرادیا ہے۔ اگر اسے اس کی زندگی میں شامل کردیں تو یہ ٹھیک ہوجائے گی۔ بلکہ ٹھیک تو یہ ہے کوئی بیماری نہیں ہے۔ اسے کسی گندی آتما کاشکار نہیں ہے یہ۔ اس کی اپنی آتما کسی کے لئے مچل رہی ہے۔ اگر آپ اس کی آتما کی مانگ پوری کردیتے ہیں تو یہ ٹھیک ہوجائے گی۔ ورنہ یہ ایسے ہی رہے گی۔ اگر یہ میرا کام ہوتا تو میں ضرور کردیتا۔" سیتارام کی گردن جھک گئی تھی پھر اس نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مہاراج۔"

"نہیں جھوٹ بول رہا ہوں آپ سے۔ جھوٹ بول کر آپ کی جیبیں خالی کرانا چاہتا ہوں۔" مجھ پر جھلاہٹ سوار تھی اس کم بخت لڑکی کی وجہ سے میری وہ رہنما کتاب گم ہوگئی تھی جو نہ جانے مجھے کون کون سے راستے دکھانے والی تھی۔ بہرحال سیتارام کو تمام تفصیلات بتانے کے بعد میں وہاں سے نکل آیا۔ ذہن پر شدید جھلاہٹ سوار تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ پتہ نہیں میں اس کتاب کی صحیح حفاظت کرسکا یا نہیں۔ یا ایسا ہی ہونا تھا۔ میری رہنمائی اس سلسلے میں کہیں سے نہیں کی گئی تھی۔ ایک طرح سے اپنے آپ کو لاوارث محسوس کر رہا تھا۔ وہاں سے چل پڑا اور جدھر منہ اٹھا چل پڑا۔ کوئی رستہ کوئی منزل کا تعین نہیں تھا۔ بس چلا جارہا تھا۔ ذہن میں بہت سے خیالات آجارہے تھے۔ اب تو سب کچھ ہی چھوٹ گیا تھا۔ پورنی پر بھی لعنت بھیج دی تھی میں نے۔ سارا کھیل ہی ختم ہوگیا تھا۔ لیکن نیل کنول کم بخت دل کے کسی گوشے میں اٹکی ہوئی تھی۔ یہ بھی باہر نکال کر پھینک دی جائے تو میں بھی ایک نیا انسان بن جاؤں۔ نہ جانے کیسے کیسے روگ دل کو لگا رکھے ہیں۔ ایک طرف وہ کم بخت منگلا سن تھا۔ ناگو کے بارے میں بھی نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کب سامنے آجائے۔ بدترین دشمن پالے ہوئے تھے میں نے۔ بہرحال میرے اس سفر کا اختتام ایک ایسی جگہ ہوا جس کے بارے میں مجھے دن کی روشنی میں کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ ویران سا علاقہ تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے چل کر ڈھلان شروع ہوجائے گی۔ لیکن رات کو جب میں ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا اپنے حالات پر غور کر رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی درندہ یہاں سے نکل آئے اور آنے کے بعد مجھے چیر پھاڑ کر ہلاک کردے تو بہت سی مشکلات کا خاتمہ ہوجائے گا لیکن یہ ایک بچگانہ سوچ تھی۔ آدھی رات کے قریب گزری تھی کہ اچانک ہی مجھے سازوں کی آواز سنائی دی۔ میں حیرت سے چونک پڑا۔ اس ویران علاقے میں یہ ساز کہاں بج رہے

ہیں۔ ان آوازوں کی تلاش میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھا۔ ان ڈھلانوں کے نزدیک پہنچا میں نے دیکھا کہ ڈھلانوں کے اختتام پر ایک پگڈنڈی سی دور تک جاتی ہے اور وہاں ایک عمارت سی ہے جس میں روشنی ہو رہی ہے۔ سازوں کی آواز وہیں سے آرہی تھی۔ کچھ چلتے پھرتے لوگ بھی نظر آرہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ زندگی کی زیادہ پرواہ تو تھی نہیں۔ نہ کسی تھکن کا احساس تھا۔ چنانچہ میں چل پڑا اور کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد آخرکار اس عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ عمارت کے سامنے والے حصے میں قوالیاں ہو رہی تھیں۔ اچھی خاصی رونق تھی۔ یہاں لوگ جتھوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"کون سی جگہ ہے یہ؟"

"بابا صاحب کا مزار ہے۔"

"کیا نام ہے بابا صاحب کا؟"

"بابا صاحب۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔

"ٹھیک۔" میں بھی وہیں بیٹھ گیا اور قوالیاں سننے لگا۔ ایک درویش قسم کا آدمی وہاں موجود تھا اس نے کہا۔

"کوئی منت مراد لے کر آئے ہو کیا؟"

"تم پوری کروگے؟" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور وہ ہنسنے لگا۔ پھر کہنے لگا۔

"نہیں۔ منتیں مرادیں پوری کرنے والی ذات باری تو ایک ہی ہے۔ وہی سب کی دعائیں سنتی ہے اور وہی فیصلے صادر کرتی ہے۔ باقی سب قرب و جوار کے معاملات ہیں لیکن دعا کا مرتبہ جانتے ہو دعا کیا چیز ہوتی ہے؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر کہا۔

"مطلب؟"

"ماں کی دعا ساتھ ہے۔ ورنہ نہ جانے کتنی مصیبتوں کا شکار ہوچکے ہوتے۔" میں نے چونک کر اسے دیکھا فقیر ٹائپ کا آدمی تھا لیکن اس کے الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ میں نے اس سے کہا۔

"آپ مجھے بابا صاحب کے مزار کے بارے میں مزید تفصیلات بتاسکتے ہیں؟"

"زینب بی بی بتاسکتی ہیں۔ وہ یہاں کی منتظم ہیں۔"

"یہ کون ہیں؟"

"دن کی روشنی میں ان سے مل لینا۔" اس نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں

سے چلا گیا۔ لیکن نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک عجیب سا تجسس پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے دن کا انتظار کیا۔ رات کو قوالیاں تین چار بجے تک جاری رہی تھیں۔ اس کے بعد لوگ منتشر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ پاس ہی ایک بستی تھی۔ یہ تمام تفصیلات مجھے رات میں ہی معلوم ہو چکی تھیں۔ صبح کو میں نے زینب بی بی کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو ایک خاتون کے پاس مجھے پہنچا دیا گیا۔ یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا کہ وہ انتہائی نوجوان اور خوبصورت خاتون تھیں۔ میں نے عجیب سے انداز میں انہیں دیکھا تو انہوں نے کہا۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"نہیں۔ بس ایسے ہی آپ کے پاس آ گیا تھا۔ سکونِ دل کے لئے کچھ چاہتا تھا۔ کوئی دعا دے دیجئے۔" وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرا دی۔ بعد میں' میں نے زینب بی بی سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ مجھے اپنی کہانی سنانے پر آمادہ ہو گئی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے والد ایک عالم تھے اور دیپا نامی ایک مشرک اور بہت بدکردار انسان سے ان کا جھگڑا ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں بہت سے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ دیپا نے ان کے والد کو زہر دے کر ہلاک کر دیا لیکن ان کے والد نے بھی ایسے بندوبست کر دیئے تھے اس کے لئے کہ وہ بھی راندہ درگاہ ہو گیا۔ یہ دونوں اپنی اپنی مشکلوں کا شکار ہو گئے تھے لیکن سب سے بڑی مشکل خود زینب بی بی کے لئے پیدا ہو گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احتشام صاحب نے اپنی اکلوتی بیٹی کو بہت سے دینی علوم سے آگاہ کیا تھا اور انہیں کچھ ایسی چیزیں بھی دی تھیں جو روحانیت سے تعلق رکھتی تھیں لیکن جن حالات میں زینب بی بی کو گزارہ کرنا پڑا۔ اس کے بارے میں انہوں نے کہا۔

"بس آپ مجھ سے میری ذاتی زندگی کی گہرائیوں کا مت پوچھئے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ شدید ترین مشکلات کا شکار رہی۔ در در بھٹکتی رہی اور نہ جانے کیسی کیسی مشکلات میں گرفتار رہی والد صاحب نے صرف ایک بات کہی تھی کہ بیٹے! جب یہ محسوس کر لو کہ کوئی ضرورت مند تم سے آس لگا بیٹھا ہے تو پھر اپنے علم' اپنی روحانیت اور اپنی جسمانی طاقتوں کو اس کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے وقف کر دوں۔ یوں سمجھ لو اس وقت تم تنہا نہیں ہوتیں بلکہ تمہارے ساتھ آسمانی قوتیں ہوتی ہیں اور یہ آسمانی قوتیں جگہ جگہ تمہاری مدد کرتی ہیں۔ قدرت کسی کو کسی کی مشکل کا ذریعہ بنا دیتی ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ تم اس کی مشکل کا حل ہو تم تو اپنی مشکل کا حل نہیں ہو۔ کسی اور کی مشکل کا حل کیا ہو سکتی ہو

لیکن یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس سے وہ کیا کام لینا چاہتا ہے اور پھر میرے امتحان کا وقت بھی آ گیا۔ یہ ایک ہندو تھا جو مشکل کا شکار تھا۔ اس نے مجھ سے کچھ درخواستیں کی تھیں۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ وہ مجھے اپنی کوٹھی پر لے گیا تھا۔ اس کا نام وکرم داس تھا۔

وکرم داس کی کوٹھی بھی انتہائی شاندار تھی۔ اسے بڑے احترام سے اس کوٹھی میں لایا گیا اور وکرم داس جی نے کوٹھی کے اندرونی حصے میں ایک کمرہ مخصوص کر دیا.......... ابھی وکرم داس جی نے اپنے اہل خاندان کو اس کے سامنے پیش نہیں کیا تھا.......... باقی لوگ اس کے سامنے غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے.......... تھوڑی دیر بعد بہت سے پھلوں کے برتن لا کر زینب بی بی کے سامنے رکھ دیئے گئے اور وکرم داس نے کہا۔

"بٹیا.......... کہنے کو تو ہمیں تمہیں مہاراج دیوی کہنا چاہئے لیکن بھگوان کی سوگند.......... جتنی کومل تمہاری شکل و صورت ہے اور جتنی بالی تمہاری عمریا ہے اسے دیکھ کر بس یہ دل چاہتا ہے کہ تمہیں بس.......... اپنی بیٹی ہی کہیں.......... بھگوان نے تمہیں جو بھی گیان دیا ہے یا پھر مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمہیں اللہ نے جو کچھ دیا ہے وہ تم دوسروں پر خرچ کر رہی ہو.......... یہ بہت بڑی بات ہے.......... تمہارے من میں نہ کوئی کھوٹ ہے نہ کوئی کرودھ.......... ایسی صورت میں تو بھگوان جسے بھی جو کچھ دے یہ سیدھی سیدھی بھگوان کی دین ہے۔ اس بات کا پورا پورا خیال رکھیں گے کہ تم مسلمان دھرم سے تعلق رکھتی ہو.......... ہم اپنے ہاں پکی ہوئی کوئی چیز تمہیں نہیں کھلائیں گے.......... یہ پھل تو بھگوان کے پکائے ہوئے ہیں اور ان میں نہ کسی ہندو کا ہاتھ ہوتا ہے نہ مسلمان کا.......... ہم یہ تمہارے لئے لائے ہیں.......... اس کے ساتھ ساتھ ہی دودھ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے پوتر کوئی چیز نہیں ہوتی ہم اس سے تمہاری تواضع کر سکتے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے وکرم داس جی.......... آپ نے جو کچھ کیا ہے آپ کا بہت بہت شکریہ.......... میں اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس کروں گی تو آپ سے مانگ لوں گی.......... آپ مجھے صرف یہ بتائیے کہ آپ کا مسئلہ کیا ہے؟" زینب نے کہا..........

اب صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی کہ یہ روپ اپنائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا.......... وہ دیکھ چکی تھی کہ شاستری کا کیا حال ہوا ہے.......... شاستری تو مصیبتوں پر مصیبتوں میں

پھنستا جارہا ہے اور زینب یہ بات جانتی تھی کہ احتشام حسین کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے شاستری اس کے ساتھ ہر وہ سلوک کرے گا جو وہ کر سکتا ہے.......... کوئی بچت کوئی پناہ نہیں تھی۔ چنانچہ اب اسے اپنے آپ پر پوری طرح بھروسہ کرکے اپنے آپ کو چھپائے رکھنا تھا اور اپنی زندگی کا بندوبست کرنا تھا.......... چھوٹی سی عمر میں اتنی بڑی ذمے داری لیکن وقت بہت کچھ دیتا ہے اور جب انسان مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے تو قدرت اس کی مدد کرتی ہے.......... زینب کے وجود میں بڑی پختگی آگئی تھی۔ اور اس نے دنیا کو سمجھ کر اس سے اپنا حق وصول کرنے کا انداز سیکھ لیا تھا۔ بہرحال.......... وکرم داس جی نے کہا۔

"بٹیا.......... پہلے کچھ کھا پی لو.......... آتے ہی اپنی بات شروع کر دینا ہمیں اچھا نہیں لگتا۔"

"یہ چیزیں یہیں رہیں دیجئے.......... وکرم داس جی مہاراج آپ مجھے بتایئے کہ بات کیا ہوئی ہے جس کے لئے آپ مجھے یہاں لائے ہیں؟" وکرم داس جی کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔

"بھگوان نے اتنا دیا ہے ہمیں کہ رکھنے کی جگہ کم پڑ گئی ہے.......... پر اولاد نے کمی کردی.......... بڑی منتیں مرادیں مانی ایک بٹی پیدا ہوئی.......... ہمارے لئے تو یوں سمجھ لو.......... بیٹا.......... بھگوان کا روپ تھی وہ.......... اسے دیکھ کر جیتے تھے.......... اسے دیکھ کر سنسار کا ہر کام کرتے تھے.......... صبح اس کی صورت دیکھ کر اٹھتے تھے تو رات کو اس کی صورت دیکھ کر سوتے تھے لیکن.......... لیکن.........." وکرم داس کی آواز کپکپا گئی اور زینب نے آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا.......... واقعات خاصے دلچسپ محسوس ہو رہے تھے۔ زینب جانتی تھی کہ نہ وہ کوئی درویش ہے نہ کوئی ایسی شخصیت جس کے پاس کچھ ہو لیکن قدرت نے اسے بسم اللہ کا تحفہ دیا تھا.......... اور اس تحفے سے زیادہ اس کا یقین مستحکم تھا.......... اب تک بہت سے کام بنے تھے.......... اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک شیطانی جال میں پھنسی تھی لیکن یہ بھی اس کا ایمان تھا۔ حالات خوفناک سے خوفناک ہوگئے یہ اللہ کا امتحان تھا اور وہ اس امتحان کو اپنی بساط بھر دے رہی تھی لیکن اس نے بسم اللہ کا دامن نہیں چھوڑا تھا اور وہ یہ سمجھتی تھی کہ بسم اللہ ہی کی برکت ہے کہ وہ شیطان.......... دیپک اس کا ابھی تک کچھ نہیں بگاڑ سکا اور وہ عزت و آبرو بچائے ہوئے اس کے چنگل سے نکل آئی.......... یہ اس کے سینے میں ایک مستحکم حیثیت رکھتا تھا.......... بہرحال وہ وکرم داس کی باتیں سنتی رہی.......... جب وکرم داس کچھ لمحے

افسوس میں ڈوبا رہا تو وہ آہستہ سے بولی۔

"آپ خاموش کیوں ہوگئے وکرم داس جی.........." یہاں اس کے سوال میں ایسا کوئی تصور نہیں تھا کہ وہ وکرم داس کی ڈاکٹر بن کر آئی تھی بلکہ نوعمری کے ساتھ ایک تجسس تھا جو اس کے دل میں جاگا تھا.......... وکرم داس جی نے اپنے آپ کو سنبھالا پھر آہستہ سے بولے۔

"بس بٹیا کیا بتائیں ہم!"

"نہیں وکرم داس جی.......... بتایئے۔"

"جوانی آگئی اس پر اور جوانی ایسی آئی کہ بھگوان کسی پر نہ لائے۔ وہ تو مصیبت ہی میں پھنس گئی.........."

"آپ بتایئے۔"

"کیا کہیں.......... اس کمین زادے کے بارے میں.......... نہ جانے کہاں سے آمرا تھا؟ بدشکل صورت حرام.......... پہلے بستی میں داخل ہوا تو رتن حلوائی کی دکان پر پہنچا.......... کہنے لگا بھوک لگی ہے.......... کچھ کھانے کو دو.......... رتن ٹھہرا زمانے بھر کا کنجوس.......... خود نہ کھاتا تھا پیٹ بھر کر.......... اسے کیا دیتا.......... دھتکار دیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کا کباڑہ ہوگیا.......... سڑک پر دو کتے لڑتے ہوئے اس کی دکان پر پہنچ گئے اور اس کے بعد مٹھائیوں کے سارے تھال گرا کر ملیا میٹ کر دیئے اور رتن کا ہزاروں روپے کا نقصان ہوگیا اور ساری مٹھائی زمین پر گر پڑی بلکہ ایک کتے نے رتن کو کاٹ بھی لیا۔ چودہ انجکشن لگے۔ ابھی تک بیمار پڑا ہوا ہے بیچارہ.......... دوبارہ سنبھل ہی نہیں سکا.......... ایسے کئی واقعات ہوئے اور وہ حرام کا جنا یہاں رہنے لگا.......... اس نے صاف کہہ دیا.......... بھوک لگی تھی، رتن سے تھوڑا سا کھانے کو مانگا تو صاف منع کر دیا اس نے.......... اب جو نقصان اسے ہوا ہے۔ اس کا کوئی کیا کر سکتا تھا؟ ایسے کئی واقعات ہوئے تھے ایک دفعہ منیا لعل جی کے باغ سے آم توڑ کر کھالئے تو مالی نے ڈنڈے سے اس کے سر پر وار کیا.......... مالی کو فالج ہوگیا اور باغ کو آگ لگ گئی.......... ایسی کئی باتیں ہوئیں جس سے لوگوں کو اندازہ ہوگیا کہ آنے والا حرام خور جس کا نام دلیپ ہے اور اسے.......... دیپا.......... کے نام سے پکارا جاتا ہے کالے علم کا ماہر ہے بٹیا.......... بہت کوشش کر لی لیکن کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا.......... اس پاپی نے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر اپنا ٹھکانہ بنا لیا.......... پتا نہیں.......... کس نے کچھ دیواریں اٹھا کر اس کے رہنے

کی جگہ بنادی اور اس نے وہیں سے گندے کام شروع کر دیئے......... کسی کی پگڑی اچھالی......... کسی سے مال اینٹھا......... سارے کے سارے پریشان ہیں اس سے.........
پھر ایک بار وہ کمین کا جنا ہماری بٹی کو دیکھنے میں کامیاب ہوگیا......... بٹیا گھومنے پھرنے گئی تھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کہ کہیں اس کے ٹھکانے کے سامنے سے گزر گئی......... بس......... لگ گیا اس کے پیچھے......... ہمارے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"وکرم داس! ہمارا بیاہ کردو اپنی بٹیا سے۔" جو آگ ہمارے من میں لگی ہے وہ تو ہم ہی جانتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے......... ہمیں یوں لگا جیسے ہمارے منہ پر گوبر مل دیا گیا ہو لیکن ہم جانتے تھے کہ وہ نہیں بول رہا بلکہ اس کا کالا علم بول رہا ہے......... برداشت کر گئے' حالانکہ ہم چاہتے تو جو حال ہم اس کا کرتے وہ دیکھنے والے دیکھتے......... پر کیا کیا جاتا؟ گندگی سے تو سبھی ڈرتے ہیں......... بہرحال......... بڑی مشکل لگی رہی......... اس نے دوبارہ اکیلے میں آکر ہم سے کہا۔

"کیا سوچا تم نے وکرم داس جی؟"

"تیرا ستیاناس جائے......... کتے......... ہتھیارے......... تجھے اپنی اوقات معلوم ہے......... اپنی عمر دیکھ......... اپنی شکل دیکھ......... اپنے کرتوت دیکھ اور اس کے بعد اپنی مانگ دیکھ۔" وہ بے غیرت بے حیائی سے ہنستا رہا اور بولا۔

"دیکھو وکرم داس جی......... ہماری بات مان لو۔ جس چیز کو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ حاصل ہوجاتی ہے......... ہم اگر چاہیں تو تمہاری بٹیا......... کتیا کی طرح دم ہلاتی ہوئی ہمارے دوار پر آپڑتی......... پر ہم نے سوچا کہ سنسار کی ساری چیزیں تو ہم اپنی شکتی سے حاصل کرسکتے ہیں......... اپنی دھرم پتنی کو ہم اس کے ماتا پتا کی اجازت سے حاصل کریں گے اس میں ہمیں مزہ آئے گا۔"

"کتے کے جنے کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ ہمارا گھر تباہ کردے گا تو......... جادو ٹونے کرے گا ہم پر......... مار دے گا ہمیں......... اپنی اوقات دیکھ۔ یہ پھول سی بٹی کہیں تجھے دینے کے قابل ہے........." تو وہ ہنستا ہوا بولا۔

"تو ٹھیک ہے وکرم داس......... رشتے داری تو بنائی نہیں تم نے......... ہم تو دوستی کرنا چاہتے تھے۔ دشمنی کی بات ہے تو چلو دشمنی شروع کئے دیتے ہیں......... پر نقصان تمہارا ہوگا۔" میں اسے دھکے دے کر باہر نکال آیا۔ مگر اس کے بعد جو ہوا بٹیا......... اس نے ہمارے حوصلے پست کر دیئے۔"

"کیا ہوا؟"

پہلی بار ہم نے وہ تجوری کھولی جس میں ہمارا بہت سامان بھرا ہوا تھا۔ مگر تجوری میں بچھو بھرے ہوئے تھے......... سونے کے زیورات سانپ بن گئے تھے اور نہ جانے کیا کیا ہوتا رہا تھا۔ کیا کیا جائے......... بس جو بھی ہوا وہ دیکھنے کے قابل تھا......... ہماری پتنی زیورات پہن کر شادی میں گئی تو عورتیں چیخیں مارنے لگیں کیونکہ ہار کی جگہ اس کے گلے میں سانپ لٹکے ہوئے تھے......... دھرم پتنی تو بے ہوش ہوگئی تھی ڈر کے مارے......... بعد میں زیور پھر زیور بن گئے......... ایسے کھیل روزانہ ہونے لگے اور ہماری زندگی برباد ہوگئی......... بات تو بہت لمبی ہے بٹیا......... مگر ہم تمہیں مختصر بتا رہے ہیں......... وہ ہم سے مسلسل یہ کہتا رہا کہ بٹیا اسے دے دی جائے ورنہ وہ اس گھر کو نرگ بنا دے گا......... بات چونکہ ہم نے اپنے تک ہی رکھی تھی......... زیادہ لوگوں کو نہیں بتایا تھا اس بارے میں......... اس سے بٹیا کے رشتے آنے لگے اور ہم نے سوچا کہ اس کی شادی کردیں تاکہ اس پاپی سے ہمیں چھٹکارا مل جائے......... یہاں تک کہ ہم نے کافی سوچ بچار کرکے ایک رشتہ منظور کر لیا۔ یہ رشتہ سروپ جی کے بیٹے موہن کا تھا......... سروپ جی بڑے اچھے خاندان کے مالک تھے اور اچھی خاصی حیثیت کا وچار رکھتے تھے......... اس لئے ہم نے سوچ بچار کرکے ان کے بیٹے کا رشتہ قبول کر لیا۔ بہرحال......... بٹیا......... ساری باتیں طے ہوگئیں......... سارے کام ہم نے خفیہ ہی طے کئے تھے......... یہاں تک کہ موہن کی بارات آگئی......... ہم نے بھی خوب دھوم دھام سے تیاریاں کی تھیں اور آدمی لگا دیئے کہ پاپی دیپا کہیں کوئی گڑبڑ نہ کرے.........
ہم نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ اگر پاپی دیپا اپنے گھر سے ہمارے گھر کی طرف آنے کی کوشش کرے تو لاٹھیاں مار مار کر اس کا بھیجہ نکال دیا جائے......... پولیس کی گڑبڑ ہم برداشت کرلیں گے......... ہمارے آدمی اس کی نگرانی پر لگ گئے۔ مگر انہوں نے جو ہمیں بتایا وہ ہم تمہیں بتا رہے ہیں......... ہوا یہ کہ دیپا ایک لکیر کاٹ کر اس کے بیچ کھڑا ہوگیا اور وہیں کھڑا رہا......... ادھر یہ ہوا کہ بٹیا کی بارات آئی......... سب ٹھیک ٹھاک تھا......... مہمان خوش تھے......... کچھ ایسے خاص آدمی تھے جنہیں دیپا کی بدمعاشی معلوم تھی۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں دیپا کوئی گڑبڑ نہ کردے......... ہم سب بھی پریشان تھے اور ہماری دھرم پتنی بھی......... سارے کے سارے ہی دیپا کی طرف سے پریشان تھے کہ بھگوان کرے یہ شادی آرام سے ہوجائے۔ مگر بٹیا ہماری تقدیر میں یہ نہیں

تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لگن منڈپ تیار ہوگیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ منڈپ میں آگ جل گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پنڈت اشلوک پڑھنے لگا اور پریتی کا پلو، موہن کے پلو سے باندھ دیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پہلا پھیرا ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دوسرا پھیرا ہو رہا تھا کہ پریتی کی چیخ ابھری اور پھر چاروں طرف سے چیخیں ابھرنے لگیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم نے دیکھا کہ موہن۔۔۔۔۔۔۔۔۔ موہن نہیں رہا بلکہ وہ ایک ڈھانچہ بن گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سوکھی ہڈیوں والا ڈھانچہ جس کے ہاتھ پاؤں لٹک رہے تھے اور وہ پریتی کا ایک پلو اپنے ہاتھ میں تھامے لگن منڈپ کے کنارے کنارے آگے بڑھ رہا تھا۔ خود سروپ کی چیخیں ابھرنے لگیں اور پریتی بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بڑی مشکل سے اس ڈھانچے کے ہاتھ سے پریتی کا پلو چھینا گیا اور اسے اٹھا کر اندر لے جایا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ادھر سارے چیخ چلا رہے تھے اور ادھر موہن ایک ڈھانچے کی شکل میں لگن منڈپ کے کنارے کھڑا ہوا بھیانک انداز میں اپنی سوکھی کھوپڑی ہلا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر نہ جانے کیا ہوا بس یوں سمجھو کہ سروپ نے ہمارا گریبان پکڑ لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہنے لگے کہ تم نے دھوکا کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اب تم خود ہی بتاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بٹیا! کہ ہم نے کیا دھوکا کیا؟ ایک گندے علم والا ہمارے پیچھے لگ گیا تھا تو اس میں ہمارا کیا دوش تھا لیکن بات ہی ایسی ہوگئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس ڈھانچے کے ساتھ اپنی پریتی کے پھیرے کر دیتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بٹیا یہ سمجھ لو بٹیا کہ عزت الگ گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ گالیاں الگ کھائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سروپ اور اس کی پتنی دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ پھر انہوں نے یہ طے کیا کہ جو کچھ بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ موہن ہی کے ڈھانچے کو ساتھ لے جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سوکھا ہوا ڈھانچہ ان کے ساتھ چل پڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک عجیب تماشا ہوگیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بیچارے خوبصورت لڑکے کو اسی شکل میں واپس لے جایا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قریب کوئی نہیں آ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سب الگ الگ کہانیاں سنا رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر ایک عجیب بات ہوئی کہ وہ جیسے ہی ہماری بستی سے نکل کر اپنے گھر پہنچا تو اس کی اصل شکل واپس آگئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کا بدن تو اسے واپس مل گیا تھا لیکن اس کا دماغ ٹھیک نہیں رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آج بھی سنا ہے کہ بیچارہ پاگل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سروپ نے اس کے علاج کے لئے نہ جانے کیا کیا جتن کر ڈالے۔ ہم سے تو دشمنی پڑ گئی ہے ان کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمارا نام سن کر تو وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھگوان نے اگر موقع دیا تو وہ ہم سے بدلہ ضرور لیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اب تم خود ہی بتاؤ بٹیا کہ اس میں بدلے کی کیا بات ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ سنسار میں یا اپنے آس پاس جاننے والوں کے ذریعے ہم جو کچھ کر سکتے تھے وہ ہم نے کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بھگوان کی سوگند نہ جانے ہم نے کس کس کے

پاؤں پکڑے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بڑے بڑے سادھو آئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا پر ہماری بات نہیں بنی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ ابھی تمہارے بارے میں سنا تو وہاں پہنچ گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بس کیا بتائیں بٹیا ہم یہ نہیں کہتے کہ تم ہماری بیٹی کو ٹھیک کر دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے حالات کو ٹھیک کر دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بٹیا! اگر کچھ کر سکتی ہو تو اپنے مرشد کے نام پر ہمارے لئے کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انسان کا انسان سے رشتہ تو سب سے مضبوط ہوتا ہے۔ اس رشتے کو سامنے رکھ کر ہم تم سے بنتی کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

وکرم داس کی آواز بھرا گئی اور زینب حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ داستان سننے لگی۔ بھلا اس کا ایسی باتوں سے کیا واسطہ رہا۔ وہ تو ایک معصوم سی بچی تھی جس نے دنیا کو بہت کم دیکھا، لیکن وہ اعتماد۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ احساس جو کہ اس کے دل کو حوصلہ دیتا جا رہا تھا اب اس کے اندر کافی مضبوط ہوگیا تھا اور وہ یہ سوچنے لگی تھی کہ جو کچھ بھی ہے بہرحال۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ شاید اس روپ میں اسی لئے آئی ہے کہ دنیا کے لئے کچھ بھلائی کا سامان پیدا کرے۔ اسے یہ موقع اسی لئے ملا ہے اور وہ یہاں اسی لئے پہنچی ہے کہ وکرم داس کے کام آئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو بڑی عجیب بات تھی۔ اگر یہ بدن یہ روح کا بدن ایسے ہی کسی کام میں اپنا وجود کھو بیٹھے اگر یہ روح فضا میں تحلیل ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کسی نیک کام کے لئے تو اس سے بڑا منصب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ باتیں اسے احتشام نے سکھائی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہر کام اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور ہر کام کے پیچھے اس کی مصلحت چھپی ہوئی ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس مصلحت کا پس منظر کیا ہوتا ہے؟ انسان کبھی نہیں جان سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاں کوئی بھی قدم ایسا نہیں ہوتا جو بے مقصد ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بہرحال کافی دیر تک خاموشی طاری رہی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وکرم داس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کچھ لمحے کے بعد انہوں نے کہا۔

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم برباد ہوگئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لوگ ہم پر انگلیاں اٹھاتے ہیں مگر کسی کی زبان کو کون روک سکتا ہے۔ ہمارے ایک رشتے دار یہاں تھوڑے فاصلے پر ایک بستی میں رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ بھی شادی میں آئے تھے۔ سب کچھ دیکھا تھا انہوں نے اپنی آنکھوں سے۔ کوئی دو مہینے پہلے وہ آئے اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ایک ایسے مہاتما سے بات کی ہے جو پریتی کا علاج کر سکتا ہے۔ ہم تو کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ تیار ہوگئے کہ اس مشکل سے چھٹکارا تو ملے۔ بعد میں دیکھا جائے گا کہ کیا ہوتا ہے؟ بہرحال ہمارے وہ رشتے دار اس مہمان مہاتما کو لے آئے۔ وہ چالیس، پینتالیس سال کا

ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ وہ آیا اس نے پریتی کو دیکھا اور پاپی کے من میں کھوٹ آگیا۔

"یعنی.......... یعنی۔"

"بٹیا.......... ہمارے تمہارے بیچ باپ بیٹی کا رشتہ ہے.......... عمر میں ہم تمہارے پتا سمان ہی ہیں پر مجبوری ہے بٹیا کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکل جائے تو برا مت ماننا بیٹی۔"

"نہیں.......... آپ بتایئے کیا ہوا؟"

"اس نے اس وقت تو کہا کہ وہ علاج کرے گا مگر وہ علاج نہیں ایک طرح سے دیپا سے جنگ ہوگی.......... ہم نے اس سے کہا کہ وہ پیسے کی فکر نہ کرے، جو مانگے گا دیں گے اسے.......... وہ ہنسنے لگا.......... پھر بولا۔

"روپے پیسے کی بات بعد کی ہے.......... وکرم داس پہلے اس دیپا کو دیکھنا ہوگا.......... کیا سمجھے.........."

"جیسے تم چاہو کرو.......... ہم تو تمہارے داس ہیں.......... ہماری بٹیا ٹھیک ہو جائے بس پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"تم اپنی بیٹی کی تندرستی اور صحت چاہتے ہو نا؟"

"ہاں۔"

"اس کے بعد کیا کرو گے؟"

"ارے بھیا.......... بیٹیوں کو گھر سے رخصت کر دیتے ہیں۔ یہی ماں باپ کی خوشی ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے.......... میرے لئے رہائش کا بندوبست بھی کر دو اور ہم نے اس کے لئے ایک جگہ رہائش کا بندوبست کر دیا لیکن اس نے ہمارے اس رشتے دار سے جو کچھ کہا.......... اس سے ہمارے ہوش اڑ گئے۔"

"کیا کہا اس نے؟"

"اس نے کہا کہ پریتی کا ایک ہی علاج ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس کی شادی کر دی جائے.......... اس پاپی کو ہمارے اس رشتے دار نے بتایا کہ ایک بار یہ کوشش ہو چکی ہے اور یہ نتیجہ نکلا۔ تب اس پر وہ کہنے لگا کہ وہ شادی اس سے کر دی جائے تاکہ وہ دیپا کا مقابلہ کر سکے.......... بٹیا.......... میں تمہیں اپنی بیٹی سے ملواؤں گا.......... چاند کی طرح سندر ہے وہ۔ بہت ہی پیاری ہے۔ جو اسے ایک بار دیکھتا ہے وہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ وہ پاپی بھی اس چکر میں پڑ گیا اور اس بات پر ضد کرتا رہا کہ پریتی سے اس کی شادی کر دی

جائے۔ وہ دیپا کو سنبھال لے گا۔"

"ایک بات بتایئے۔"

"ہاں۔"

"جب یہ واقعہ ہوا تو دیپا کا کیا رد عمل ہوا؟"

"پتا نہیں.......... یہ بات پتہ نہیں چل سکی۔"

"نہیں.......... میرا مطلب ہے کہ بارات واپس جانے کے بعد کیا دیپا آپ کے پاس آیا؟"

"نہیں۔"

"اچھا.......... پھر آپ ایک بات اور بتایئے۔"

"ہاں.......... پوچھو۔"

"کیا اسے اس مہاتما کی آمد کے بارے میں معلوم ہوا۔"

"ہاں.......... وہی تو تمہیں بتا رہے ہیں.......... بٹیا اس کی بات سن کر ہم نے فوراً اسے گھر سے نکال دیا۔ مگر وہ واپس نہیں گیا بلکہ اس نے بھی دیپا سے تھوڑے فاصلے پر ایک پرانے درخت کے نیچے اپنا استھان جما لیا اور ابھی تک وہیں بیٹھا ہوا ہے۔"

"کیا؟" زینب پھر چونک پڑی۔

"ہاں۔" وکرم داس ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولے.......... "وہ ابھی تک وہیں موجود ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے.......... کیا دیپا نے اس کے خلاف کچھ نہیں کیا.......... میرا مطلب ہے کہ ایک جنگل میں دو سانپ رہ رہے ہیں۔"

"تم نے اسے شیر نہیں کہا.......... اچھا کیا.......... واقعی وہ سانپ ہیں۔"

"اچھا ایک بات اور بتایئے۔" زینب اب باتوں میں مکمل دلچسپی لے رہی تھی۔

"پوچھو بٹیا.......... پوچھو۔"

اس واقعے کے بعد آپ کی بیٹی کا کیا حال ہوا؟"

"کیا بتائیں؟ بس اسے دیکھ کر تو دل کٹتا ہے بٹیا بھگوان کسی کو ایسا روگ نہ دے تم کیا جانو گی بٹیا' بھگوان نے بے شک تمہیں گیان دھیان دے دیا ہے.......... پر ماتا پتا کا دل تو نہیں دیا ہوگا تمہیں۔ زیادہ سے زیادہ تم اس بارے میں سوچ سکتی ہو.......... پر یہ سوچ بھی ویسی نہیں ہوگی۔"

"اس کا حال کیا ہے؟"

"ملائیں گے.......... تمہیں بھی ملوائیں گے..........بس خاموش رہتی ہے کچھ بولتی نہیں ہے۔"

"اچھا ایک بات بتائیے وہ دیپا جو ہے وہ اب بھی وہیں رہتا ہے؟"

"ویسے کا ویسا.......... ہم نے بھی اپنے آدمی لگا تو رکھے ہیں اور وہ دور دور سے دیپا کو اور اس پاپی کو دیکھتے رہتے ہیں جس کا نام روہن ہے.......... نہ دیپا نے اس کا کچھ بگاڑا نہ روہن نے دیپا سے کچھ کہا۔ دونوں اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں لیکن دونوں کے بیچ کوئی جھگڑا نہیں ہوا.......... ابھی تک دونوں ایک دوسرے سے ملے بھی نہیں ہیں۔ ویسے ہمارے اس رشتے دار نے ایک اور مصیبت لا کر کھڑی کر دی ہے۔ مگر کیا کہیں؟ پہلے ایک تھا اب دو ہو گئے ہیں۔"

"ہوں.......... دیکھئے وکرم داس جی میں کچھ نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں یا پھر اللہ جانتا ہے اور مجھ پر کیا بیتی ہے' یہ ایک الگ کہانی ہے جس کا آپ سے کوئی واسطہ نہیں لیکن میں کوشش کروں گی.......... امید تو ہے کہ اللہ کی دین کسی نیک کام کے لئے رائیگاں نہیں جائے گی لیکن نتیجہ اللہ کی مرضی پر ہے.......... سمجھ رہے ہیں نا آپ؟ اگر کچھ کر سکی تو آپ کی نہیں میری خوش قسمتی ہوگی۔ باقی آپ مجھے نہ کر سکنے پر کوئی الزام نہ دیں۔"

"نہیں بٹیا.......... الزام کی کیا بات ہے؟ ہم سب تو دعائیں کریں گے تمہارے لئے کیونکہ تم ہمارے لئے کام کر رہی ہو۔"

"انشاء اللہ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا.........." زینب نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔ اس کے بعد وکرم داس نے اپنی دھرم پتنی سے زینب کی ملاقات کرائی اور اس کے بعد دور سے اس نے پریتی کو بھی دکھایا۔ در حقیقت بہت حسین لڑکی تھی لیکن کھوئی کھوئی' پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا تھا۔ زینب نے کچھ سوچا پھر بولی۔

"ایک بات بتائیے وکرم داس جی۔"

"ہاں۔"

"کیا میرا قیام آپ کی اسی حویلی میں ہوگا؟"

"میں سمجھا نہیں دیوی جی۔"

"میں چاہتی ہوں کہ میں حویلی سے کچھ دور رہوں.......... اس بات کے امکانات تو

ہیں کہ وہ کمینہ شخص اور دوسرا روہن آپ کی تاک میں تو ضرور رہتا ہوگا۔ میں نہیں چاہتی کہ میں ان لوگوں کی نگاہوں میں آؤں.......... ویسے تو میں ایک معمولی سی شخصیت ہوں لیکن ممکن ہے وہ اپنے گندے علم سے میرے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔"

یہ تو کوئی مشکل ہی نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا بٹیا کہ میرے لئے ایک بزرگ خاتون نے بڑی دعائیں کی تھیں اور ہم لوگ آج تک یہی کہتے ہیں کہ بھگوان انہیں سورگ میں جگہ دے۔ انہی کی دعاؤں سے ہماری بٹیا پیدا ہوئی تھی۔ وہ ایک بزرگ خاتون تھیں۔ ہم انہیں خالہ کہا کرتے تھے۔ خالہ جی کا بیٹا علی سامنے والے گھر میں رہتا ہے۔ بیوی ہے اس کی' بچے ہیں اس کے.......... اچھی خاصی زندگی گزار رہا ہے۔ ہم تمہیں اس کے ہاں ٹھہرا دیتے ہیں اور کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔"

"یہ زیادہ مناسب رہے گا۔"

"یوں بھی مناسب رہے گا کہ وہ مسلمان ہے اور وہاں تمہیں کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"بہت اچھی بات ہے لیکن علی۔"

"ارے بٹیا دیکھو گی تو پتہ چل جائے گا کہ کیسے ہیں وہ لوگ۔" بہرحال تھوڑی دیر کے بعد وکرم داس زینب کو لے کر علی کے گھر پہنچ گیا۔ دروازے پر دستک دی تو ایک شخص باہر آیا۔ وکرم نے جواب دیا۔

"دروازہ کھولو اور مہمان خانہ بھی۔"

"جی.........." اس شخص نے کہا اور ہم اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔

"علی کہاں ہیں؟"

"اندر ہیں۔"

"بلاؤ ذرا انہیں۔"

"جی.........." ملازم بولا۔

"اور چائے بھی تیار کر لو۔"

"جی.......... بہت اچھا۔" زینب حیرت سے یہ کارروائی دیکھ رہی تھی۔ مہمان خانہ بہت آرام دہ تھا۔ دیوان پڑے ہوئے تھے۔ ماحول بہت صاف ستھرا تھا۔ چند ہی منٹ کے بعد ایک شخص اندر داخل ہوا۔ گورا چٹا رنگ۔ چھوٹی سی داڑھی۔ اچھی شخصیت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ اندر داخل ہو کر پہلے زینب کو اور پھر وکرم داس کو دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

"یہ بہن کون ہے ہماری.......... وکرم داس جی؟"

"زینب نام ہے۔ مہمان ہے۔ تمہارے ساتھ رہے گی علی۔"

"اللہ کا احسان ہے کہ اللہ نے مجھے مہمان سے نوازا.......... ویسے آپ جس کام سے گئے تھے وکرم داس جی وہ ہو گیا؟"

"ہاں.......... تمہیں تفصیل تو بتائی تھی ہم نے۔"

"ہاں.......... اوہو.......... اچھا اچھا.......... مگر یہ.......... یہ تو بڑی چھوٹی سی ہیں.......... ایک پیاری سی بچی تو کہہ سکتے ہیں ہم انہیں.......... کوئی درویش یا ولی نہیں کہہ سکتے۔"

"ایک بات بتاؤ علی.......... بقول تمہارے اگر اللہ کسی کو دیتا ہے تو کیا شکل و صورت.......... عمر یا تجربہ دیکھ کر دیتا ہے؟"

"نہیں.......... اللہ تو ہر عمر میں کسی کو کچھ دے سکتا ہے۔" وکرم داس جی ادھر رخ کر کے بولے۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں بیٹا کہ علی کو سب کچھ معلوم ہے.......... ساری باتیں یہ جانتے ہیں.......... تمہارے ہاں میرا مطلب ہے کہ تمہارے پاس جانے کے مسئلے میں بھی میں انہیں ساری تفصیل بتا دی تھی.......... اب.......... یہ تمہارے سامنے ہیں۔" اور سنو علی اب بٹیا تمہارے گھر رہیں گی' دیکھو میری بے عزتی نہ ہو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ.......... بہنوں کی خدمت بھائیوں سے اچھی کوئی اور کر سکتا ہے.......... ویسے آپ مطمئن رہئے انہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور بہن آپ کا نام۔"

"زینب ہے میرا نام.........." زینب نے کہا۔

"بڑی بات ہے۔ آپ اتنی سی عمر میں دنیا کو بہت کچھ دینے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ نے آپ کو اتنا دے دیا ہے کہ آپ اسے سنبھال نہیں پا رہیں اور اس کا دیا ہوا بانٹ بھی رہی ہیں۔" زینب نے گردن جھکالی.......... جو حقیقت تھی وہ تو اس کا دل جانتا تھا' لیکن بہرحال.......... سب کے سامنے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا.......... پھر وکرم داس جی زینب کو وہاں چھوڑ کر چلے گئے اور علی زینب کے سامنے بیٹھ گیا۔

"گھر والی اور بچوں سے ملواؤں گا ابھی.......... اللہ کے فضل سے بڑی اچھی زندگی

گزر رہی ہے ہماری۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ بہن مجھے آپ کی خدمت کرنے کی سعادت ملی.......... میرے بچے بچیاں ہیں.......... کوئی دعائیں ان کے لئے بھی کر دیں.......... ایک بات اور بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں.......... کہئے۔" زینب نے کہا۔

"وکرم داس نے اپنی مشکل آپ کو بتا دی ہوگی.......... اس کی ذات برادری کا معاملہ ہے۔ وہ ہندو ہے اور اس کا گھرانہ مذہبی طور پر بہت کٹر ہے۔ غالباً وہ لوگ اس بات پر ضرور اعتراض کریں گے کہ وہ ہندو ہونے کے باوجود ایک مسلمان سے کام کرا رہا ہے لیکن یہ اس کی مشکل ہے۔ چنانچہ اس بات کو چھپانا پڑے گا کہ آپ یہاں کیوں آئی ہیں۔ آپ کو اس پر اعتراض تو نہیں ہوگا بہن جی۔"

"علی بھائی.......... اچھی بات ہے کہ آپ نے یہ بات کہہ کر مجھے زبان کھولنے کا موقع دیا۔ میں بھی آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ نہ تو میں عامل ہوں اور نہ درویش.......... نہ فقیر' نہ پہنچی ہوئی ہوں۔ انسان ہوں ہاں.......... آپ یوں سمجھ لیجئے کہ وقت اور حالات نے میرے سینے میں کچھ ایسی چیزیں اتار دی ہیں جو میرے لئے کار آمد ہوئی ہیں بس انہی کے سہارے کچھ کر لیتی ہوں.......... مجھ سے کہا گیا ہے کہ اگر انسان کسی مشکل میں ہو تو اس کے دین دھرم پر غور نہ کرو بلکہ جو کچھ بن پڑے کر دو کیونکہ ایسے باپ کی بیٹی ہوں جن کے بارے میں اگر بتاؤں تو آپ یقین نہیں کریں گے۔ بہرحال چھوڑیئے ان باتوں کو۔ یہ داستان جو میں نے سنی ہے اس کے بارے میں نہیں جانتی کہ اس کے لئے کیا کر سکتی ہوں' لیکن اللہ نے اگر میری مدد کی تو شاید کچھ ہو جائے ورنہ مجھے معذور سمجھئے گا۔ ساری باتیں بتا چکی ہوں.......... بستی میں جو کچھ ہوا ہے اس میں میرا قصور نہیں تھا.......... میرا مطلب ہے کہ میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا.......... بس یوں سمجھ لیں کہ یہ اللہ کا حکم تھا کہ وہ مجھے سرفرازی عطا کرے۔ سو اس نے ایسا ہی کیا۔ مجھے نہ تو نام سے دلچسپی ہے اور نہ اس بات کو منظر عام پر لانے کی خواہش ہے۔ اس میں میری ہی بچت ہے۔ اگر کچھ نہ کر سکی تو اس میں مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ آپ میری بات پر حیران نہ ہوں علی بھائی! میں سچ بولتی ہوں اور میں نے جو کچھ کہا ہے۔ سچ ہی کہا ہے۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں.......... بس یوں سمجھ لیجئے کہ ایسے باپ کی بیٹی ہوں جس نے اللہ کے سامنے ہمیشہ گردن جھکائی ہے اور مجھے اس کے سامنے گردن جھکا کر رہنے کی ہدایت کی ہے.......... میں خود بعض مشکلات کا شکار ہوں اور بڑی مشکلوں میں پڑ کر اپنے گھر سے نکلی

ہوں.......... اگر کچھ کرنے میں کامیاب ہوگئی تو ہوسکتا ہے کسی کی دعائیں میری مشکلات کا حل پیش کردیں.........." زینب کی آواز بھرا گئی.......... علی گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"بہن جی.......... یہ معمولی بات نہیں ہے.......... معمولی بات نہیں ہے.......... آپ لڑکی ذات ہوکر بلکہ معاف کیجئے گا پہلے آپ کو بہن کہہ رہا ہوں۔ بہن کہنے کے بعد ایک بھائی اپنی بہن کی تعریف کردے تو کوئی بری بات نہیں ہے۔ آپ انتہائی خوبصورت لڑکی ہیں۔ نوجوان ہیں اور اللہ نے آپ کو ایسی کشش عطا فرمائی ہے کہ کوئی بھی آپ کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے کھو سکتا ہے.......... اس کے باوجود آپ اپنی عزت و آبرو قائم رکھے ہوئے دنیا کے لئے سب کچھ کرتی پھر رہی ہیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے.........."

زینب کی آنکھوں میں آنسو آگئے.......... اس کے دل میں آواز ابھری کہ میں تو اتنی ہمت والی نہیں تھی مگر کیا کروں.......... وقت نے حالات نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے' بہرحال خاموشی چھا گئی۔ علی بھی کچھ سوچنے لگا تھا اور زینب بھی کچھ سوچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد علی نے کہا۔

"ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ وکرم داس ایک اچھا انسان ہے حالانکہ ہم لوگ الگ الگ دین دھرم سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہماری دوستی بہت مضبوط ہے اور میں ہر وقت اس کی بھلائی چاہتا ہوں.......... آپ سے میں ذاتی طور پر ایک درخواست کرتا ہوں کہ چاہے جو کچھ بھی ہوجائے آپ اپنی مقدور بھر اس کے لئے کوشش کریں گی۔"

"کیوں نہیں.......... کیوں نہیں۔" زینب نے جواب دیا۔

"اب آپ کے لئے آرام کا بندوبست کئے دیتا ہوں.......... چند ضروری باتیں کرکے اٹھ جاؤں گا۔ آپ برا نہ مانیں۔"

"نہیں.......... نہیں آپ نے اگر مجھے بہن کہا ہے تو میں برا کیسے مان سکتی ہوں۔"

"میں یہی چاہتا ہوں کہ اپنے خاندان والوں میں آپ کو اپنے ایک دوست کی بہن کی حیثیت سے متعارف کراؤں گا اور اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا.......... ایسا کام میں اپنی بیوی کے سامنے بھی کروں گا۔ یہ مجھے اس لئے کرنا ہے کہ آپ کو چھپانا ہوگا۔ گھر میں بھی کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کروں گا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ ایک عام انسان کی حیثیت سے ہی ان کے سامنے پیش آیئے۔ میرے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ باقی تو چھوٹے ہیں لیکن ایک بیٹا تقریباً آپ کی عمر کا ہے۔ اس سے دو سال چھوٹی ایک بیٹی ہے جو خاصی

نٹ کھٹ اور شوخ ہے۔ عمر تو اچھی خاصی ہوگئی لیکن طبیعت میں بچپنا ہے۔ میری التجا ہے کہ آپ یہاں کسی کی بات کا برا مت منایئے.......... آپ بے شک چھوٹی سی عمر کی ہیں لیکن جسے اللہ کی مدد حاصل ہوجائے وہ بہت بڑا ہوتا ہے۔ میں بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے کسی بچے کی گستاخی میرے لئے سزا نہ بن جائے۔"

"آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔ آپ نے مجھے بہن کہا ہے.......... بس سمجھ لیجئے آپ کی چھوٹی بہن ہوں میں اور وہ بھی مجھے نظر آئیں گے وہ میرے بھتیجے بھتیجیاں ہوں گی۔"

"اللہ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے.......... آپ کے مرتبے میں بے پناہ اضافہ کرے۔ آپ کی ہر مشکل کو حل کرے.........." اس نے کہا اور اس کے بعد باہر نکل گیا..........

زینب کو ہنسی آنے لگی تھی۔ اس کمرے میں خاموش بیٹھی حالات پر غور کرتی ہوئی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کیا ماضی میں اس نے کبھی یہ تصور کیا تھا کہ وہ اس طرح سے منظر عام پر آئے گی۔ مردوں اور عورتوں کے سامنے اس طرح بے حجاب پھرے گی.......... وہ ایک پُرحجاب گھر کی پُرحجاب بیٹی تھی' لیکن تقدیر ایسے ہی فیصلے کرتی ہے.......... البتہ تقدیر کے اس فیصلے پر اسے بے حد خوشی تھی۔ اللہ نے کم از کم اس کے ساتھ یہی احسان اور انصاف کیا کہ اس کے اپنے چہرے کو رسوا نہ کیا.......... یہ بھی بہت بڑا احسان تھا..........

بہرحال.......... زندگی کے بارے میں اس عمر میں ہی زینب کو احتشام حسین نے بہت سی باتیں بتا دی تھیں.......... اگر اس کی تربیت اس طرح سے نہ ہوئی ہوتی تو شاید خوف سے مرہی جاتی اور شاید اتنا زیادہ برداشت نہ کرپاتی جتنا وہ برداشت کر رہی تھی۔ ایک طرف دیبک جیسا شیطان جس سے وہ نکل بھاگی تھی اور ایک طرف اس کا ننھا سا کمزور وجود لیکن شاید اس بستی میں پیش آنے والے واقعے کی نوعیت اسی انداز کی تھی کہ جیسے اسے پہلے امتحان میں کامیابی عطا کی گئی ہو اور اسے بتایا گیا ہو کہ کسی بھی کمزور وجود کے ساتھ اگر اللہ کی مدد حاصل ہوجائے تو پھر کوئی وجود کمزور نہیں رہتا.......... اگر اسے اس روپ میں یہ مقام عطا کیا جارہا ہے تو یقینی طور پر اس کی بہتری کے لئے ہی ہوگا.......... حالانکہ دل سوچتا تھا یہ آرزو لمحہ لمحہ ابھرتی تھی کہ زندگی پھر اس ڈگر پر آجائے۔ حالات وہی رخ اختیار کرلیں.......... وہ چھوٹا سا گھر جہاں ماں کی محبت.......... باپ کی شفقت.......... پیار ہی پیار.......... پیار کا ساگر.......... لیکن اس ساگر کی مچھلی اب خشک زمین پر تڑپ رہی تھی.......... یہ تڑپ کبھی کبھی تو اتنی شدید ہوجاتی کہ آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ نکلتی

لیکن پھر مشیت الٰہی پر قناعت کی جاتی اور اپنے آپ کو سنبھالا جاتا۔ وہ کام سامنے آرہے تھے جو کبھی نہ کئے تھے۔ احتشام حسین نے کئی بار شیطانی قوتوں کے بارے میں بتایا تھا.......... بیٹی کی ذات ہی ان کے لئے تمام توجہ کا محور تھی۔ چنانچہ باپ بیٹی ہمیشہ بیٹھ جایا کرتے تھے اور احتشام اسے دنیا کے بارے میں بتاتے تھے اور یہ بھی بتاتے تھے وہ اسے کہ شیطانی قوتیں کس طرح بروئے کار رہتی ہیں اور کس طرح اپنا عمل کرتی ہیں اور رحمانی قوتیں کس طرح اس برے عمل کا تدارک.......... غرضیکہ اس کے وجود میں اتنا کچھ موجود تھا کہ اس کی عمر اس سے چار گنا چھوٹی تھی.......... اچانک ہی باہر سے آہٹیں سنائی دیں اور پھر علی کی آواز سنائی دی۔

"سنبھل کر.......... سنبھل کر.......... یہ بکریوں کا ریوڑ اگر لائن بنا کر اندر داخل ہو تو کیا زیادہ اچھا نہیں ہو گا۔ اور پھر بہت سے افراد اندر گھس آئے.......... زینب ان میں سے ایک ایک کا جائزہ لینے لگی.......... خاتون جو سب سے آگے تھیں علی کی بیوی معلوم ہوتی تھیں.......... ایک شوخ شریر سی لڑکی ان کے پیچھے تھی.......... دو تین چھوٹے بڑے بچے اس کے ساتھ ہی ایک نوجوان بھی نظر آرہا تھا.......... جسے ایک نگاہ ہی دیکھ کر کہا جاسکتا تھا کہ یہ علی کا بیٹا ہے.......... علی صاحب نے کہا۔

"مل لئے آپ ہماری بہن زینب سے.........." سب نے سلام دعا کی اور زینب نے اس نوجوان لڑکے کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات دیکھے.......... عورت کی نگاہ سے دیکھنے پر کوئی ایسی لڑکی ہو جسے دنیا سے تھوڑی بہت معلومات حاصل ہوگئی ہوں.......... وہ مرد کی نگاہ کو پہچانتی ہے.......... علی کا بیٹا جس کا نام تک زینب کو معلوم نہیں تھا.......... ایک شریف صورت نوجوان تھا لیکن زینب کو دیکھ کر اس کے چہرے پر جو کیفیت پیدا ہوئی وہ ذرا مختلف انداز کی تھی.......... البتہ وہ خوبصورت سی لڑکی جو علی کی بیٹی معلوم ہوتی تھی.......... آگے بڑھ کر بولی۔

"اصل میں قدرت جب کسی کو کچھ دینا چاہتی ہے تو دروازہ کھول دیتی ہے.......... آپ کو میری بات پر حیرت ہوئی ہوگی.......... زینب پھوپھی۔" یہ کہہ کر وہ بے اختیار ہنس پڑی.......... علی کی بیوی نے اسے گھور کر دیکھا پھر بولی۔

"رمشا.......... شرارت نہیں.......... ہر ایک کے ساتھ بدتمیزی نہیں کرتے۔"

"اب آپ دیکھئے نا میری عمر کی تو ہوں گی.......... ابو اگر انہیں بہن کہتے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مگر ہم لوگ انہیں پھوپھی کہیں.......... توبہ.......... توبہ..........

پھوپھی کے نام سے تو ایسا تصور ابھرتا ہے جیسے کوئی بڑے سائز کا غبارہ ہو اور اس میں بہت سی ہوا بھر گئی ہو.......... پھو.......... پھی۔" لڑکی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی.......... شرجیل نے کہا۔

"رمشا.......... ہر وقت کی بدتمیزی اچھی نہیں ہوتی.......... پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ تمہاری باتوں کا کوئی برا مانتا ہے یا نہیں.......... تم خود سوچ لو.......... کیوں امی! میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"شرجیل بھائی.......... شرجیل بھائی.......... خدا کے لئے آپ ایسی باتیں نہ کیا کریں.......... اپنی عمر سے سولہ سال بڑے معلوم ہوتے ہیں' حالانکہ آپ مجھ سے صرف ایک سال بڑے ہیں.......... کیوں نہیں خیال کرتے آپ' جب آپ ایسی نصیحتیں کرتے ہیں تو مجھے لگتا ہے جیسے آپ کے چہرے پر ایک فٹ لمبی داڑھی ہے اور آنکھوں پر موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگی ہوئی ہے۔"

"دیکھئے امی.......... یہ کیسی باتیں کر رہی ہے؟" شرجیل نے کہا.......... عمر رسیدہ خاتون آگے بڑھیں انہوں نے زینب کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگیں۔

"بس.......... اللہ سب کو سلامت رکھے.......... ابھی.......... بیٹی! علی نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا.......... تم اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو۔ تم اس کے دوست کی بہن ہو.......... میری نند ہوئیں' لیکن میری رمشا کے برابر ہو.......... میرے لئے تو رمشا جیسی ہی ہو۔"

"شکریہ.......... ویسے آپ بہت اچھے لوگ ہیں.......... میں آپ کے درمیان آکر بہت خوش ہوئی ہوں۔ زینب نے کہا.......... کچھ لمحوں کے لئے اپنا گھر یاد آگیا تھا.......... ماں بھی ایسی ہی محبت سے سر پر ہاتھ پھیرتی تھیں.......... گھر کے ماحول میں کبھی کبھی ایسی ہی زندگی پیدا ہو جایا کرتی تھی اور یہ شوخی اور شرارت اسے بہت ہی اچھی لگ رہی تھی.......... معمر خاتون نے اپنا بھی تعارف کرایا اور باقی تمام لوگوں کے نام بھی بتا دیئے.......... بہرحال.......... زینب کو یہاں آکر بہت اچھا لگا تھا اور اس کے بعد رقیہ بیگم.......... زینب کو ساتھ لے کر اندر چل پڑیں.......... مکان بہت کشادہ اور وسیع تھا.......... قدیم طرز تعمیر کا ایک دلکش نمونہ جس میں اقدار کی جھلکیاں بھی شامل ہوتی ہیں.......... بڑی اپنائیت اور محبت کے ساتھ زینب کو ایک بڑے کمرے میں لے جایا گیا جو زنانہ کا کمرہ تھا.......... یہاں اس کی خاطر کا پورا پورا بندوبست کیا گیا تھا.......... رمشا اس

کے پاس ہی بیٹھ گئی......... شرجیل جو اس لڑکے کا نام تھا وہ بھی کچھ جھینپا جھینپا سا......... شرمایا شرمایا سا ساتھ ہی تھا......... رمشا نے کہا۔

"تعجب کی بات ہے پھوپھی جان کہ آپ اس طرح پہلی بار ہمارے گھر آئیں' مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے آپ صدیوں سے ہماری شناسا ہیں اور لوگوں نے ہمیں آپ سے چھپا رکھا ہو یا آپ کو ہم سے......... یہ بتائیے اس سے پہلے آپ کبھی ہمارے گھر کیوں نہیں آئیں؟" زینب نے ہنس کر علی کو دیکھا تو علی کہنے لگا۔

"میں نے بتایا تھا......... زینب آپ کو کہ یہ لڑکی بڑی نٹ کھٹ اور شریر ہے۔ سنئے محترمہ رمشا بیگم......... آپ ذرا اپنی زبان کو قابو میں رکھئے۔ آپ کو ان سے اتنا بے تکلف نہیں ہونا چاہئے۔ ہر چیز کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔"

"تو میں نے کیا کہا ہے......... آپ میری مدد کیجئے نا......... پھوپھی صاحبہ! یہ آپ کے بھائی جان......... بھائی صاحب ہمارے اور آپ کے راستے میں آرہے ہیں۔"

"اصل میں زینب بہن بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں۔ ماں باپ ایک ایک پل ان کی تربیت کرتے ہیں۔ انہیں پروان چڑھاتے ہیں......... لیکن ہر وقت ایک خیال دل میں رہتا ہے کہ آخر کار انہیں دوسرے کے گھر چلا جانا ہے۔ بس یہ خیال سختی کرنے سے روکتا ہے اور یہ رمشا صاحبہ اس لئے بگڑ گئی ہیں۔ آپ براہ کرم ان کی بدتمیزی پر مجھے معاف کر دیجئے گا۔"

"ارے......... ارے......... ارے میں نے کیا کہا ہے؟ کیوں پھوپھی جان......... آپ اس طرح برا مان جاتی ہیں؟"

"بھئی......... میں تو اس سلسلے میں کچھ کہوں گا ہی نہیں......... بلکہ میرا خیال ہے مجھے باہر نکل جانا چاہئے۔" شرجیل نے کہا۔

"اصولی طور پر تو آپ کو ویسے ہی باہر نکل جانا چاہئے تھا بھائی جان......... ظاہر ہے یہ خواتین کی محفل ہے اور ہماری مہمان ایک خاتون ہیں......... ٹھیک ہے۔ ہمارا ان سے کوئی رشتہ ہے' لیکن بہرحال ہیں تو خاتون ہی۔ ویسے پیاری پھوپھی جان آپ چاہے اچھا مانیں یا برا' میرا دل تو آپ کو اپنی سہیلی بنانے کو چاہتا ہے۔ پھوپھی ہوں گی آپ ان تمام لوگوں کی......... میں تو آپ کو اپنی دوست کہوں گی۔"

"تمہیں خدا کا واسطہ ذرا ہوش و حواس قائم رکھو۔" علی صاحب نے کہا......... پھر اپنی بیوی سے بولے۔ "رقیہ سنبھالو ذرا اسے۔ یہ کیا چکر چلا ڈالا ہے؟" رقیہ بیگم ہنسنے لگیں

پھر انہوں نے کہا۔

"بھئی......... اب تمہارے دوست کی بہن ہیں......... مان لیتی ہوں تم بھی انہیں بہن کہتے ہو' لیکن رمشا کا مطالبہ بھی غلط نہیں ہے عمر کے لحاظ سے رمشا ہی کی بہن ہونی چاہئے تھی۔ اب آپ نے رشتہ ہی غلط بنا دیا تو میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"خدا تمہیں سمجھے۔ زینب بہن......... خدا کی قسم مجھے بے قصور سمجھ کر معاف کر دینا اصل میں اس طوفان کا مجھے بھی کوئی اندازہ نہیں تھا۔" بہترین لوگ تھے۔ خوش اخلاق......... محبت کرنے والے' حالانکہ چند لمحے یہاں آئے ہوئے' ہوئے تھے لیکن یوں لگتا تھا جیسے طویل عرصے سے ان کا ساتھ ہو......... آخر میں زینب کو کہنا پڑا۔

"بات تو سچ ہے بھائی......... آپ ہم لوگوں کو ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے......... مجھے یہ سب بہت پسند ہے۔"

"زندہ باد۔" رمشا نے نعرہ لگایا اور اس کے بعد علی زینب کو ان لوگوں کے حوالے کر کے باہر نکل گیا......... لیکن زینب کے لئے ایک دلچسپ ماحول پیدا ہو گیا تھا اور اس ماحول میں وہ اپنے آپ کو چند لمحوں کے لئے بھول گئی تھی کہ وہ زینب نہیں بلکہ شیطان کی بیٹی ہے......... یعنی شیطان کی بیٹی کے وجود میں چھپی ہوئی زینب......... علی کا گھر زینب کو بالکل اپنا گھر محسوس ہو رہا تھا۔ اتنے اچھے لوگ تھے کہ زینب سوچ رہی تھی کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں......... خوش اخلاق' محبت کرنے والے......... زیادہ وقت نہیں گزرا تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے طویل عرصے سے ان کے ساتھ رہ رہی ہو اور اس کی کیفیت میں کافی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی......... حالانکہ اب تک ایسے عجیب و غریب ذہنی عذاب میں مبتلا رہی تھی......... جو کچھ چھن گیا تھا وہ واپس آنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور سوچ رہی تھی کہ دیکھو تقدیر میں کیا کیا ٹھوکریں لکھی ہوئی ہیں......... بہرحال اس وقت ایک بالکل ہی الگ صورت حال تھی......... وکرم داس نے بڑی امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور زینب سوچ رہی تھی کہ کیا وہ ان امیدوں پر پورا اتر سکے گی......... بہرحال وقت گزرتا رہا......... رمشا تو اس پر نثار ہو رہی تھی......... شام کو رمشا زینب کے پاس آ گئی اور اسے عاشقانہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تو زینب نے کہا۔

"کیا بات ہے رمشا مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو؟"

"کیا کہوں......... اگر مرد ہوتی نا تو یقین کرو سارے کپڑے پھاڑ لیتی......... اور بس صرف تمہارا نام لے کر گلیوں اور سڑکوں پر شور مچاتی پھرتی۔ اچھا جناب عالی! ذرا تیار

ہو جائیے' کپڑے وغیرہ تبدیل کر لیجئے.......... آپ کا میک اپ میں کروں گی۔"

"کیا..........؟" زینب حیرت سے چونک پڑی۔

"جی ہاں۔"

"نہیں رمشا! میں تمہاری انتہائی احسان مند ہوں۔ جس محبت سے میرے ساتھ پیش آ رہی ہو اس کا صلہ میں تمہیں نہیں دے سکوں گی لیکن میرا حلیہ نہ بدلو۔"

"ارے بابا کپڑے تو بدل لو۔"

"کپڑے۔"

"جی ہاں.......... میرے کپڑے آپ کے بالکل ٹھیک آئیں گے.......... فی الحال آپ ان میں گزارہ کیجئے۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ کپڑے بہت اعلیٰ درجے کے تو نہیں ہیں لیکن پھر بھی۔"

"ٹھیک ہے بدلے لیتی ہوں اس سے آگے کچھ نہیں۔"

"بابا ٹھیک ہے.......... کیوں خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو.........." رمشا نے ہنستے ہوئے کہا.......... زینب نے رمشا کا دیا ہوا لباس پہن لیا.......... بال وغیرہ درست کر لئے.......... پھر رمشا نے کہا۔

"اب چلنا ہے آپ کو۔"

"کہاں؟" زینب چونک کر بولی۔

"وکرم داس چاچا کے ہاں بلایا گیا ہے آپ کو۔"

"ٹھیک ہے.......... جیسی مرضی.......... جانا تو ہے.........." کچھ دیر کے بعد علی' شرجیل.......... زینب اور رمشا اور اس کے ساتھ ہی رقیہ چچی.......... سب وکرم داس کی حویلی میں داخل ہو گئے.......... وکرم داس ان کی دھرم پتنی اور کچھ اور لوگوں نے ہمارا استقبال کیا اور بڑی اپنائیت سے اندر لے گئے تھے.......... وکرم داس نے ذرا تفصیلات سے گریز کیا تھا.......... زیادہ لوگوں کو زینب کے بارے میں نہیں بتانا چاہتا تھا۔ بہرحال زینب کو ایک خوبصورت ڈرائنگ روم میں لے جایا گیا جہاں میزوں پر باہر کے پھل' بسکٹ وغیرہ سجے ہوئے تھے.......... اس کے بعد زینب نے پریتی کو دیکھا اور واقعی سوچ میں ڈوب گئی.......... ایسے دلکش چہرے کم ہی نظر آتے ہیں.......... موی رنگ گہری دلکش آنکھیں' ستواں ناک' حسین تراش کے ہونٹ' بال گھٹاؤں کے جیسے امڈتے ہوئے' لیکن پورا چہرہ تصویر یاس و غم بنا ہوا.......... خاموش آ کر بیٹھ گئی تھی.......... وکرم داس کی

دھرم پتنی نے کہا۔

"یہ پریتی ہے ہماری بیٹی.........." زینب خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی.......... پھر اس نے کہا۔

"پریتی جی آئیے ہمارے ساتھ پھل کھائیے۔" پریتی نے خاموشی سے زینب کے کہنے پر ایک پھل اٹھا لیا.......... زینب بولی۔

"پریتی جی بہت خاموش رہتی ہیں۔" پریتی چونک کر اسے دیکھنے لگی لیکن وکرم داس کی دھرم پتنی بولیں۔

"ہاں یہ کچھ بیمار ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"یہ تو بھگوان ہی جانے۔"

"آپ مجھ سے باتیں کریں پریتی جی.......... میں آپ کی سہیلی ہوں۔" زینب نے کہا اور پریتی اسے دیکھنے لگی' پھر آہستہ سے بولی۔

"آپ کچھ خیال نہ کریں.......... بس تھوڑی سی بیمار ہوں اور کوئی بات نہیں ہے.........." زینب نے اس کی خوبصورت آواز کو بھی محسوس کیا تھا۔ وکرم داس جی فوراً بولے۔

"بہن جی.......... آپ اگر یہاں آتی جاتی رہیں گی تو یہ آپ سے بے تکلف ہو جائے گی۔"

"ہاں.......... میں ضرور آؤں گی.......... یہ تو میری بہت ہی پیاری سہیلی ہے۔"

زینب نے کہا اور پھر اس کی نگاہیں رمشا اور شرجیل پر پڑ گئیں.......... دونوں اسے دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں شرارت کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ پتہ نہیں کیا شرارت ان کے دل میں مچل رہی تھی.......... کافی دیر تک زینب وغیرہ وکرم داس کے گھر رکے رہے.......... مقصد تو صرف پریتی سے تعارف کرانا اور اسے زینب کے سامنے لانا تھا۔ جب سب اٹھے تو وکرم داس نے کہا۔

"آپ کے آنے سے بہن جی گھر میں بہت رونق ہو گئی ہے.......... اب آپ یہ بتائیے کہ کب آئیں گی آپ؟"

"کل.........." زینب نے جواب دیا۔

"وعدہ ہے؟"

"ہاں میں جو کہتی ہوں اسے پورا کرتی ہوں۔" زینب بولی اور اس کے بعد سب وہاں سے واپس چل پڑے.......... بہرحال علی چچا بھی بہت اچھے تھے.......... کہنے لگے۔

"ویسے تو وکرم داس بہت نارمل آدمی ہے۔ تم نے اس کے ہاں کچھ کھایا پیا نہیں.......... صرف کچھ پھل لئے۔"

"ہاں.......... مجھے اس کے لئے مجبور نہ کریں.......... علی چچا۔ میں جو بھی مناسب سمجھوں گی وہ کروں گی۔"

"ارے.......... نہیں نہیں.......... معافی چاہتا ہوں۔ اگر مجھ سے کوئی غلط بات ہوگئی ہو۔"

"ویسے پریتی کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی.......... پہلے وہ کس طرح کی تھی؟" زینب نے سوال کیا۔

"پہلے بالکل ایسی نہیں تھی۔ اس کی فطرت میں شوخی تو پہلے بھی نہیں تھی، لیکن اب بہت زیادہ سنجیدہ ہوگئی ہے.......... ایک عجیب غریب کیفیت ہے اس کی۔ ہوسکتا ہے تم سے بھی بے تکلف نہ ہو لیکن تم نے کوئی اندازہ لگایا اس کے بارے میں۔"

"ہاں کیوں نہیں.......... تھوڑا بہت۔"

"بات اصل میں یہ ہے بیٹی کہ میں بھی اس بچی سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی اپنی رمشا سے.......... اس لئے بے حد پریشان رہتا ہوں۔ بس یوں سمجھو وہ میرا ہم مذہب تو نہیں ہے، لیکن میرے لئے بھائیوں جیسا ہے.......... بچپن سے ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بڑا پیار ہے۔ اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے لیکن میں دن بھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ، اس کی مشکل کا حل دریافت ہوجائے.........." علی باتیں کرتے رہے۔ زینب نے کہا۔

"علی چچا! آپ ایک بار مجھے اس کے بارے میں تمام تفصیلات بتائیے۔"

"ہاں.......... ہاں کیوں نہیں.......... مجھے ساری تفصیلات بتا دی گئی ہیں۔ چنانچہ میں بات بتانے میں کوئی دقت نہیں محسوس کرتا.......... اصل میں تم بس یہ سوچو کہ دلیپ کالے علوم کا ماہر ہے۔ اس نے کہیں سے بچی کو دیکھ لیا اور اس کے پیچھے پڑ گیا بعد میں وہ کم بخت روہن آگیا اور اس طرح بچی دو شیطانوں کے بیچ میں پھنس گئی۔"

"بہت ہی افسوس کی بات ہے یہ.......... اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ ہوگا کیا؟"

"بیٹی.......... اگر تمہیں اللہ نے علم دیا ہے تو اپنی ایک ہم جنس کی مدد کرو.........."

انسانیت کے رشتے سے بھی یہ تم پر فرض ہوتا ہے۔"

"دیکھئے علی چچا.......... میں نہ ولی ہوں نہ درویش.......... بلکہ ان کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں، بس یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ کی رہنمائی میں ہمت کرتی ہوں اور اللہ مجھے عزت عطا کردیتا ہے۔ میں کوشش تو کروں گی پریتی کے لئے لیکن دعائیں آپ کو کرنا ہوں گی، کیونکہ بہرحال بزرگوں کی دعاؤں کے بغیر انسان دنیا میں کچھ نہیں کرسکتا۔ مسئلہ یہ ہے میرے ساتھ کہ بدقسمتی سے میں عورت ذات ہوں۔ ہر جگہ آزادی سے نہیں آجا سکتی۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بھی ضرورت پیش آئے شرجیل کو اپنے ساتھ شامل کرلینا۔ رمشا کی ضرورت پیش آئے تو رمشا بھی حاضر ہے۔ ہم صرف پریتی کی زندگی اور اس کی بہتری چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے.......... بہرحال میں انتہائی کوشش کروں گی۔"

"ویسے اسے دیکھ کر کوئی اندازہ لگا سکی ہو تم؟"

"ابھی کچھ نہیں، میں ذرا انہیں بھی دیکھ لوں جنہوں نے یہ چکر چلایا ہے.......... شرط یہ ہے کہ مجھے ان کے ٹھکانوں پر لے جانا آپ کا کام ہے۔"

"تم وہاں جاؤ گی؟" علی چچا تشویش سے بولے۔

"ضروری ہے.......... وہاں جائے بغیر بھلا کیا ہوسکتا ہے؟"

"خطرناک جگہ ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا تمہیں اور خاص طور سے ایک مسلمان لڑکی کے لئے، ویسے تم بہتر سمجھتی ہو۔" زینب سوچ میں ڈوب گئی اور پھر بولی۔

"اللہ مالک ہے.......... میں تمہیں سوچ کر بتاؤں گی کہ ہمیں آگے کیا کرنا ہے.........."

علی چچا کے جاتے ہی شرجیل اور رمشا حملہ آور ہوگئے، ان دونوں کے بارے میں زینب کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ شرارت میں بے مثال ہیں، دونوں نے سنجیدہ چہرے بنائے ہوئے تھے اور تشویش زدہ نظر آرہے تھے پھر شرجیل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خدا آپ کو ہر مشکل سے محفوظ رکھے۔"

"اللہ آپ کو بری گھڑی سے بچائے۔" رمشا نے مسکرا کر کہا۔

"آپ دونوں خیریت سے ہیں.........." زینب نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں.......... لیکن آپ کی خیریت کے لئے ذرا فکر مند ہیں۔"

"کیا میں خیریت سے نہیں ہوں؟"

"بس صرف یہ احساس ہے کہ عمر کا یہ دور بڑا سنگین ہوتا ہے.......... اور جوانی دیوانی کہلاتی ہے.......... عشق ذات نہیں پوچھتا لیکن دوسرے پوچھ لیتے ہیں اور ایسے پوچھتے ہیں کہ بعض اوقات شجرہ نسب یاد آجاتا ہے.......... سمجھانا ہمارا کام ہے اور سمجھنا سمجھداروں کا.......... وہ لڑکی ان دونوں شیطانوں کے جال میں گرفتار ہے.......... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دونوں پریتی کو تو آزاد کردیں اور زینب بہن آجائیں چکر میں.......... اب بتایئے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی.......... آپ کا علاج کس سے کرائیں گے ہم لوگ؟"

زینب کو ہنسی آگئی.......... اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے.......... میں بھی تو انسان ہی ہوں۔"

"مطلب.......... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ اگر ان دونوں کی توجہ مجھ پر ہوجاتی ہے اور وہ بیچاری پریتی کو چھوڑ دیتے ہیں تو یہ تو اچھی ہی بات ہوگی.......... بھلا اس میں بری بات کیا ہے؟"

"گویا آپ.......... آپ ان شیطانوں سے دوستی کے لئے تیار ہیں؟"

"دوستی کے لئے نہیں دشمنی کے لئے۔"

"مطلب؟"

"دشمن کو دوست بنا کر مارنا زیادہ آسان رہتا ہے۔"

"ارے باپ رے.......... اس کا مطلب ہے.......... آپ کی دشمنی تو بڑی خطرناک ثابت ہوگی۔"

"خیر.......... بہرحال.......... پریتی کے لئے' کچھ نہ کچھ کرنا تو بہت ضروری ہے۔"

رمشا ایک دم اداس ہوگئی کہنے لگی۔ "آپ یقین کریں وہ میری بہترین سہیلی تھی' لیکن اب وہ کسی سے سروکار نہیں رکھتی.......... بالکل خاموش زندگی گزار رہی ہے۔"

"اس کی کوئی اور وجہ تو تمہارے علم میں نہیں ہے رمشا؟"

"تفصیل سے بتاؤں گی اور ایمانداری سے۔ ویسے آپ یقین کریں وہ بہت اچھی لڑکی ہے.......... ویسے ایک بات کہوں آپ سے.......... یہ آپ کے خیال میں کیا پریتی کالے جادو ہی کے زیراثر ہے یا کوئی پیلا.......... نیلا.......... سفید جادو بھی اس پر اثر انداز ہوگیا ہے؟"

شرجیل نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کوئی عشق و محبت کا کھیل.......... معاف کیجئے گا زینب میں ذرا بے تکلف آدمی ہوں.......... بہرحال خیر.........." رمشا کہنے لگی۔

"میرے خیال میں ابو آرہے ہیں.......... میں باہر جارہی ہوں۔" شرجیل بھی کان دبا کر باہر نکل گیا۔ آنے والے علی چچا اکیلے نہیں تھے۔ بلکہ وکرم داس بھی ان کے ساتھ تھا اور قریب آکر انہوں نے کہا۔

"معاف کیجئے گا.......... بے چینیاں اتنی اونچی ہوگئی ہیں کہ اب ایک منٹ کے لئے چین نہیں آتا۔ ویسے آپ نے پریتی کو دیکھا؟"

"ہاں.......... کیوں نہیں۔"

"کیا میری مشکل حل ہوجائے گی؟"

"آپ کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے.......... میں بھی اللہ کی ذات سے پُرامید ہوں۔" زینب نے کہا۔

"بھگوان کرے آپ کو کامیابی حاصل ہو۔"

"ویسے اس علاقے کے بارے میں بتایئے جہاں وہ دونوں شیطان گٹھ جوڑ کر بیٹھے ہیں۔"

"ہاں.......... میں آپ کو بتاتا ہوں.........." اور پھر وہ دونوں ہی زینب کو اس علاقے کے بارے میں تفصیل بتاتے رہے۔ پھر وکرم داس نے کہا۔

"کل آپ ہمارے گھر آئیں گی دیوی جی؟"

"کل تو نہیں آؤں گی.......... بس یوں سمجھ لیجئے جیسے ہی ضرورت پیش آئی آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔" زینب نے جواب دیا اور وکرم داس خاموش ہوگیا۔ کافی دیر تک وہ وہاں بیٹھے رہے تھے اور پھر اس کے بعد وکرم داس اٹھ گیا.......... کہنے لگا۔

"میں چلتا ہوں۔ اب تو من ہر وقت آپ ہی میں لگا رہتا ہے۔"

دوسرے دن ناشتہ ہوا.......... شرجیل کسی کام سے شہر چلا گیا تھا۔ علی چچا دوپہر کے کھانے تک موجود تھے۔ کھانے کے بعد وہ بھی کسی کام سے چلے گئے اور کہہ گئے کہ رات کو واپس آئیں گے.......... زینب اس وقت تنہا رہ گئی تھی۔ س نے علی چچا کے جانے کے بعد رمشا سے کہا۔

"رمشا میں بھی ذرا باہر جاؤں گی۔"

"کیا؟" رمشا چونک پڑی۔

"ہاں کیوں؟"

"نہیں.......... نہیں تم اکیلی جاؤ گی۔"

"تم نہ جانے کیا سوچ رہے ہو میرے بارے میں.......... ارے بابا میں تمہارے والدین کے سائے میں نہیں ہوں۔ بلکہ میرے سر پر آسمان کے سوا کسی اور کا سایہ نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن باہر چلچلاتی دھوپ پڑ رہی ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"رنگ میلا ہو جائے گا۔" رمشا بولی اور زینب ہنس پڑی کہنے لگی۔

"بس۔ مجھے اپنے رنگ کے کالے ہونے کا کوئی افسوس نہیں ہے.......... میں چلتی ہوں۔"

زینب نے اپنے لباس پر ایک چادر اوڑھی اور چہرہ اس چادر میں ایسے ڈھک لیا کہ کسی کو اندازہ نہ ہو سکے کہ وہ کون ہے اور اس کے بعد وہ باہر نکل آئی۔ اب وہ اسی بستی کا جائزہ لے رہی تھی.......... اس علاقے کے بارے میں اس نے مکمل معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احتشام حسین نے اسے بیٹیوں کی طرح پالا تھا اور ایسی بیٹیوں کی طرح جنہیں سات پردوں میں رکھا جاتا ہے۔ نیک اور دین دار آدمی تھے بڑی احتیاط رکھتے تھے لیکن تقدیر جن راستوں پر چلا دیتی ہے ان راستوں سے گریز آسان نہیں ہوتا.......... اور اب مصائب کی دھوپ سر پر پھیلی ہوئی تھی.......... اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت باہر اس قدر گرمی تھی کہ گلیاں اور بازار ویران پڑے ہوئے تھے۔ تانگے والے گھنے درختوں کی چھاؤں میں گھوڑے کھول کر خالی تانگوں میں سو گئے تھے.......... بڑی ہمت پیدا ہو گئی تھی زینب کے اندر۔ راستوں کے بارے میں وہ معلومات حاصل کر چکی تھی۔ چنانچہ وہ چلتی رہی اور پھر بستی سے باہر ویرانوں میں نکل آئی۔

پن چکی کی مخصوص آواز پیچھے رہ گئی تھی اور اب ریت کے بگولے نظر آ رہے تھے۔ جو گرم ہوا کے بھنور میں چکرا کر اس طرح گزر جاتے جیسے ان کے اندر انسان چھپے ہوئے ہوں.......... کھیت کٹے ہوئے پڑے تھے۔ تاحد نگاہ کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک شمشان گھاٹ نظر آیا جس کے انتہائی سرے پر زمانہ قدیم کے کھنڈرات بکھرے ہوئے تھے۔ اسی علاقے کی نشاندہی کی گئی تھی لیکن ابھی فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ درمیان میں جگہ جگہ درخت بکھرے ہوئے تھے جن میں لومڑیاں آرام کرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں مگر وہ ہلکی سی آہٹ پر اچھل کر دوڑ پڑتی تھیں.......... جگہ جگہ جلی ہوئی

لکڑیوں کے ڈھیر اور انسانی ہڈیاں آ جاتی تھیں۔ وہ چلتی رہی۔ کافی آگے ایک درخت کی چھاؤں میں اس نے ایک رنگین لباس متحرک دیکھا۔ کوئی انسان تھا۔ اتنا فاصلہ طے کرنے ہی کوئی انسان نظر آیا تھا چنانچہ وہ تیزی سے آگے چل پڑی اور اس کے قریب پہنچ گئی.......... پھر اسے رونے کی آوازیں سنائی دیں.......... یہ آوازیں نسوانی تھیں۔

وہ حیران ہو کر آگے بڑھی اور پھر اس نے لہنگے اور چولی میں ملبوس ایک دیہاتی لڑکی کو دیکھا۔ لہنگا اتنا خوبصورت تھا۔ لڑکی اسے دیکھ کر خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنی بغل میں ایک پوٹلی دبائی ہوئی تھی اور وہ سہمی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بہت حسین لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ سے زیادہ نہیں ہو گی۔ حسین ترین نقوش دھوپ سے تمتما رہے تھے۔ کھلے ہوئے بدن کے حصے پسینے میں ڈوب گئے تھے۔ رونے کی آواز اس کی تھی۔ اس کی کاجل بھری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کے چمکدار سفید رخساروں پر کچھ لکیریں بن گئی تھیں۔ وہ حیران ہو کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"تم کیا کر رہی ہو یہاں؟"

"راستہ بھول گئے ہیں باجی.......... ہمارا مرد ہمیں لے کر جا رہا تھا۔ راستے میں ڈکیت پڑ گئے ہیں ہمارے مرد کو اٹھا کر لے گئے اور ہم رہ گئے۔ ہم تو راستہ بھی نہیں جانتے.........." زینب کا دل ایک دم نرم ہو گیا اس نے کہا۔

"مگر ڈاکو تمہارے مرد کو کیوں اٹھا کر لے گئے؟"

"ہمیں کیا معلوم.......... ہمیں تو ڈر لگ رہا ہے۔ دیکھو اس پوٹلی میں کتنے سارے گہنے ہیں.......... باجی یہ گہنے ہم سے لے لو ہمیں ہمارے گھر پہنچا دو۔" اس نے کہا اور سینے سے لپٹی ہوئی پوٹلی پھینک دی۔ پوٹلی کھل گئی اس میں سے بہت سے سونے اور چاندی کے زیورات گر کر جگمگانے لگے۔ زینب نے ایک نگاہ انہیں دیکھا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ لڑکی کی روتی ہوئی آنکھیں ہنس رہی ہیں.......... اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی پھر وہ بولی۔

"کون ہو تم باجی.......... کہیں سے آ رہی ہو؟" زینب اس کے بدلے ہوئے انداز پر چونک پڑی تھی.......... لڑکی کہنے لگی۔

"باجی آؤ ہمارے ساتھ چلو تھوڑی ہی دور ہمارا گھر ہے.......... یہ گہنے تم اٹھا لو اور ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلو.........." زینب کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی تھی۔ لڑکی کی آواز میں ایک تمتماہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ اچانک ہی زینب کو کچھ خیال آیا اور اس

نے چونک کر ایک بار پھر لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ وہ بدستور مسکراتی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی.......... زینب کی نگاہیں پھسلتی ہوئی اس کے بدن سے پیروں تک گئیں اور دوسرے لمحے اس کے پورے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے.......... لڑکی کے پاؤں پیچھے کی جانب مڑے ہوئے تھے.......... زینب کے ذہن میں ایک ہی خیال ابھرا.......... چڑیل.......... عام حالات میں کوئی بھی شخص خوف سے دیوانہ ہوسکتا تھا اور دہشت سے اس کی حالت خراب ہوسکتی تھی۔ یہی ان بدروحوں کا کردار ہوتا ہے.......... خوف کھاجانے والی ہستی پھر زندگی نہیں پاسکتی' لیکن زینب چونکہ ایک عالم کی بیٹی تھی اور بچپن ہی سے اسے علوم سکھائے گئے تھے اور بتایا گیا تھا کہ بلاؤں سے کیسے بچا جاسکتا ہے۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر درود شریف پڑھا اور پڑھ کر لڑکی کی طرف پھونک مار دی۔ ابھی ایک ہی بار درود شریف پڑھ کر اس نے ادھر پھونکا تھا' لڑکی کے حلق سے اچانک ہی ایک دلدوز چیخ نکلی۔ اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا تھا.......... زینب کے ہونٹ دوبارہ درود پاک کا ورد کرنے لگے تھے.......... لڑکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"یہ کیا کر رہی ہو باجی؟"

زینب نے دوسری بار درود شریف پڑھ کر اس پر پھونک مار دی اور اچانک ہی لڑکی کا حسین چہرہ تاریک پڑنے لگا.......... پھر اس کی ایک آنکھ میں گڑھا نمودار ہوگیا.......... ہونٹ مڑ گئے.......... رنگ کوئلے کی طرح سیاہ ہوگیا۔ اس نے دوسری زوردار چیخ ماری اور بولی۔

"ارے ماں رے ماں.......... ارے او حرام جادی.......... ارے تیرا ستیا ناس.......... تیرا بیڑہ غرق۔ اے.......... کیوں مارے ہے ہمیں.........." وہ دوہری ہوکر بل کھانے لگی اور اس وقت درخت کی ایک شاخ پر دو پاؤں نظر آئے.......... دوسرے لمحے کوئی درخت سے نیچے کود گیا۔ یہ ایک کالے رنگ کا توانا آدمی تھا لیکن اس کا سارا بدن موجود تھا.......... بس شانوں کے پاس تک وہ انسان تھا اور اس سے اوپر کچھ نہیں تھا۔ اچانک ہی مردانہ آواز ابھری۔

"بھاگ جا ری کمینی مرجائے گی.......... ارے بھاگ۔" اور عورت یا لڑکی چیخ مار کر واپس بھاگ پڑی لیکن کٹے ہوئے سر والا مرد زینب کے سامنے رک گیا۔

"او حرام جادی.......... او حرام جادی.......... ابھی ہم تجھے بتاتے ہیں۔" چڑیل جو مسلسل بل کھا رہی تھی رک گئی اور پھر بولی۔

"کسے پکار رہا ہے رے جندو..........؟"

"ارے ہماری ذرا کھوپڑی تو دے.......... ابھی بتاتے ہیں اسے.........." عورت جو بھاگنے کے لئے تیار ہوگئی تھی رک گئی' پھر اس نے ایک درخت کے نیچے سے یا جڑ سے ایک اور جھولی اٹھائی اور اس میں سے کچھ نکالنے لگی.......... یہ ایک انسانی سر تھا.......... کالا چہرہ.......... موٹے موٹے نقوش.......... آنکھیں گہری گہری سرخ سر گھٹا ہوا.......... درمیان میں چوہے کی دم جیسی اٹھی ہوئی چوٹی۔ لڑکی نے انسانی سر اس کے قریب پہنچا دیا جسے اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور شانوں پر رکھنے لگا لیکن اس نے سر الٹا رکھ لیا۔ اس کا سینہ سامنے تھا اور چہرہ دوسری طرف پھر وہ بولا۔

"کون ہے ری تو.......... ذرا سامنے تو آ۔" اور پھر وہ پلٹ کر زینب کی طرف دیکھنے لگا اب اس کی کمر اور چہرہ سامنے تھا اور سینہ دوسری طرف پھر بولا۔

"ہت تیرا ستیاناس.......... کھوپڑی بھی الٹی تان لی ہے ہم نے.......... ادھر نہیں ادھر۔" وہ بولا اور خود ہی گھوم گیا لیکن اب اس کا چہرہ دوسری طرف ہوگیا۔ اب اس نے دونوں ہاتھ دوبارہ سر پر رکھے اور پلٹ کر چہرہ گھمایا.......... ایک بار پھر اس کی سرخ آنکھیں زینب کو دیکھ رہی تھیں.......... یہ تمام مناظر ایسے تھے کہ کوئی عام شخص ہوتا تو دل کی حرکت ہی رک جاتی اس کی' لیکن زینب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھی اور اس کے ہونٹ بدبدا رہے تھے۔ اب ایسے خوفناک مناظر اس کے لئے غیر اہم ہوگئے تھے اور "درود پاک" کے ورد نے اس کے اندر ایک انوکھی قوت بیدار کردی تھی جسے وہ خود بھی کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔ کٹے ہوئے سر والا اسے گھورتا رہا.......... پھر اس کی پھٹی پھٹی آواز ابھری۔

"کاہے بیچاری بچی کو ستا رہی تھی ری تو.......... ہمیں نہیں جانتی ہے کیا؟"

"جانتی ہوں تجھے اور بتاتی ہوں۔" زینب نے کہا اور ایک بار پھر درود پاک پڑھنے لگی.......... اچانک ہی وہ گھبرا کر عورت کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

بھاگ ری بھاگ.......... ہم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ عورت خطرناک ہے۔" عورت کا چہرہ بے حد بھیانک ہوگیا تھا۔ اس کی ایک آنکھ کی جگہ گڑھا نمودار تھا۔ دانت باہر نکل آئے تھے۔ بدن کے کھلے ہوئے حصوں میں سے ہڈیاں جھانک رہی تھیں۔ مگر لباس ویسے کا ویسا ہی تھا' پھر دونوں پلٹ کر بھاگے.......... مرد الٹا ہی بھاگ رہا تھا اور عورت اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔ زینب سکون سے ان دونوں کو دیکھتی رہی۔ چند ہی قدم دوڑنے

کے بعد دونوں ہوا میں تحلیل ہوگئے اور زینب نے درود پاک کی پھونک اپنے سینے پر ماری لیکن پھر اچانک ہی اسے اپنی بے خوفی کا احساس ہوا۔ اس قدر خوفناک صورت حال کے باوجود اس کے اندر خوف کا احساس نہیں جاگا تھا بلکہ اس نے یہ سب کچھ بہت ہی معمول سمجھ کر ڈالا تھا۔ وہ الفاظ اس کی روح میں مسرت ابھار رہے تھے۔ اس کے اندر اعتماد پیدا کر رہے تھے۔ احتشام نے بچپن سے جو روح اس کے اندر پھونکی تھی اب اس کی پختگی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا............ بے شک باپ سے جدا ہوگئی تھی لیکن اب اسے بہت اعتماد ہوگیا تھا اپنے آپ پر بھی اور موجودہ حالات پر بھی۔ اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ وکرم داس کے مسئلے میں وہ ضرور کامیابی حاصل کرے گی............

بڑی خوبصورت باتیں تھیں یہ............ بڑا حسین تصور تھا اور وہ اس تصور سے سرشار ہوتی جارہی تھی............ حالانکہ ایک لڑکی کا یہ منصب نہیں تھا لیکن زینب احتشام حسین کی بیٹی تھی وہ دونوں جو یقینی طور پر بدروحیں تھیں غائب ہوگئے تھے۔ "درود شریف" کے ورد نے انہیں دفع کر دیا تھا چنانچہ زینب آگے بڑھ گئی۔ چلچلاتی دھوپ مسلسل حشر سامانیاں کر رہی تھی اور اس کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی چیلوں کی آواز آجاتی تھی اور ماحول میں ایک اور بھیانک کیفیت پیدا ہوجاتی تھی۔ دور سے وہ کھنڈرات نظر آرہے تھے جن کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہی دیپا اور روہن کے طلسمی ٹھکانے ہیں۔ سفلی علوم کے ماہر یہاں اپنا ہر کام کرتے ہیں چنانچہ وہ آگے بڑھتی رہی۔ بہت فاصلے پر برگد کے درخت کا ایک طویل سا سلسلہ نظر آرہا تھا............ دور سے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بدروحیں آپس میں سر جوڑے کھڑی ہوں۔ انہی درختوں کے دامن میں دیپا نے اپنا ٹھکانہ بنایا تھا............ یہاں ہُو کا عالم طاری تھا۔ اول تو یہ علاقہ ہی ویرانے کا ایک ایسا حصہ تھا جو بے مصرف تھا اور ادھر سے انسانوں کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ دوسری چیز اس وقت کی تیز دھوپ اور شدید گرمی تھی جس نے اس ماحول کو آگ بنا رکھا تھا اور آگ کے اس سمندر میں جھلسنے کے لئے کون گھر سے باہر نکلتا۔ کالے رنگ کے دو برتن تھے۔ کچھ کپڑے بھی پڑے ہوئے تھے اور ایسی نہ جانے کیا کیا چیزیں جو سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ زینب ابھی ان چیزوں کے پاس پہنچی ہی تھی کہ درختوں کے عقب سے لمبے چوڑے جسم والا ایک سادھو نما شخص باہر نکل آیا............ شکل و صورت عام سادھوؤں سے مختلف نہیں تھی، بکھرے ہوئے مٹی میں اٹے ہوئے بال۔ بڑھی ہوئی داڑھی، اس کے بدن پر ریچھ کی طرح لمبے لمبے سیاہ بال تھے............ لباس بہت مختصر پہنا ہوا تھا۔ برگد کے

چوڑے تنے کے پیچھے سے باہر نکل آیا اور حیرانی سے زینب کو دیکھنے لگا............ زینب بھی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بہت سفید تھیں اور پتلیاں بہت چھوٹی چھوٹی۔ ایک عجیب سی کیفیت ان آنکھوں میں پائی جاتی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور شوق کے آثار تھے۔

"ارے واہ ری کون ہے تُو............ کون ہے ری............ بڑی سندر ہے............ سوگند سات شیطانوں کی تُو تو بڑی سندر ہے ری............ بھینٹ چڑھانے آئی ہے کیا؟ ارے اسے کہتے ہیں دیوی جب دینے پر آتی ہے تو ایسے ہی دے دیتی ہے۔ واہ ری واہ............ ارے بتا تو دے اپنے بارے میں............ کون ہے تو؟ کدھر سے آئی ہے............ ہم تو تیرے لئے سنسار کو الٹ کر رکھ دیں گے............ بتا ذرا اپنے بارے میں............ جلدی سے بتا۔"

"تیرا نام دیپا ہے؟"

"دلیپ جی مہاراج............ جانتی ہوتا ہمیں؟"

"دیپا............ میں تجھ سے وکرم داس کی بیٹی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ایں............ تو اس کے بارے میں کیا بات کرے گی............ ارے تو اپنے بارے میں بات کر............ دیپا جی مہاراج تجھے وہ دے سکتے ہیں جو تیرے من میں ہو............ پتی سے جھگڑا ہوگیا ہے............ ساس سسر کے لئے کچھ کرانا چاہتی ہے............ کچھ کرانا چاہتی ہے............ ایسا غائب کر دیں گے انہیں سوگند سات شیطانوں کی کہ نام ونشان مٹ جائے گا ان کا۔ ساس کو کتیا بنا کر دروازے پر باندھ سکتی ہے تو اگر دیپا مہاراج چاہیں۔ سسر پریشان کرتا ہے............ تو سسر کو بکرا بنا دیں گے............ بکرا............ تو کہہ کر دیکھ، مگر اس کا کیا قصہ ہے جس کا تُو نام لے رہی ہے............ وکرم داس نے بھیجا ہے تجھے ہمارے پاس............ کچھ سودا کرنا چاہتا ہے ہم سے............ ارے واہ رے وکرم داس رے جواب میں لونڈیا بھیجی تو اتنی بڑھیا بھیجی اتنی خوبصورت کہ بھول جائیں گے اس کی سسری بٹیا کو............ چل بھائی ٹھیک ہے بھول جائیں گے۔"

"بکواس کئے جارہا ہے کتے میرے بارے میں معلوم کرنا ہے تو اپنے علم سے معلوم کر۔"

"ایں............ کتا کہا تم نے ہمیں۔"

"یہ کتے کی توہین ہے............" زینب بولی۔

"سوچ لے.......... سوچ لے.......... دیپا جی مہاراج سنسار کے مہان ترین انسان ہیں.......... ناراض ہوگئے تو تیرا کیا بنے گا سندری.......... ناک چھ انچ لمبی ہوجائے گی.......... ہونٹ لٹک جائیں گے.......... آنکھیں بھینگی ہوجائیں گی۔ سر کے بال سفید ہوجائیں گے۔ کمر جھک جائے گی۔ پھر کیا ہوگا تیرا.......... کیا دیپا مہاراج ایسا نہیں کرسکتے؟"

"ہاں یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں دیپا کہ تُو کیا کرسکتا ہے۔"

"ارے واہ ری واہ.......... آج تک مردوں سے مرد لڑتے رہے ہیں.......... پہلوانی کے میدان میں بھی.......... علم کے میدان میں بھی.......... ہر میدان میں.......... آج یہ پہلی لڑکی آئی ہے جو للکار رہی ہے تو دیپا کو.......... چل ٹھیک ہے اب تو یہ بتا کہ تو آئی کیسے؟ وکرم داس سے تیرا کیا تعلق ہے؟"

"تجھے معلوم ہے بے وقوف آدمی کہ تجھے تیرا علم یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ وکرم داس سے میرا کیا تعلق ہے۔ تو وکرم داس کی بیٹی کے چکر سے نکل جا.........." زینب کے ان الفاظ پر دیپا ہنس پڑا۔ بڑا مکروہ چہرہ تھا اس کا اس کے بعد وہ بولا۔

"تُونے اسے دیکھا تو ہوگا؟"

"کسے؟"

"اسی کی بات کر رہا ہوں جس کا نام پریتی ہے.......... پر ایک بات میں تجھے بتاؤں کہ تجھ سے زیادہ سندر ہے وہ.......... اس میں کوئی شک نہیں کہ تیرا اپنا روپ الگ ہے پر تونے صبح کے سورج کی پہلی کرن کو دیکھا ہے اگر نہیں دیکھا؟ تو کل دن کی روشنی میں دیکھنا.......... ہمارے اسی جھونپڑے کے باہر.......... کیسی پوتر.......... کیسی معصوم اور کیسی سندر ہوتی ہے۔ بس ایسے ہی پریتی ہے' ہمارا دل نہ آجاتا اس پر تو کیا کرتا.......... کیوں صحیح کہہ رہے ہیں نا ہم؟"

"وہ تیرے باپ کی ملکیت تو نہیں ہے دیپا.......... تُونے ایک شریف آدمی کو کس لئے اور کیوں پریشان کر رکھا ہے؟"

"کون شریف آدمی وکرم داس.......... ارے چھوڑ ری چھوڑ انہیں۔ میرے پاس سوداگر بن کر آیا تھا حرام کا جنا' تو چھوڑ اپنی بات کر' تو بھی کوئی سودا کرنے آئی ہے کیا؟"

"میں تجھ سے کیا سودا کروں گی۔ میں تو تجھے صرف یہ بتانے آئی ہوں دیپا کہ اپنا یہ کاٹھ کباڑ یہاں سے اٹھا اور یہاں سے بھاگ جا.......... اس جادو نگری کو خود اپنے ہاتھوں

سے ختم کردے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔"

دیپا کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے.......... کچھ دیر وہ دیکھتا رہا اور پھر ہنس کر بولا۔

"دوسری لڑکی نہ ہوتی تو ان الفاظ کے بعد تیری زبان تیرے منہ میں نہ ہوتی.......... پر ہم چاہتے ہیں تیرا سب کچھ تیرے پاس ہی رہے کیا سمجھی.......... دو منٹ ہمارے ساتھ اپنا بھی دل بہلا ہمارا بھی دل بہلا.......... جو من میں آئے مانگ لے.......... دے دیں گے تجھے.......... کیا سمجھی۔ چلی جانا اس کے بعد اور مت پڑنا وکرم داس کے پھیر میں.......... جا اندر جا.......... جاکر نہا دھولے.......... ہم تیرے لئے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتے ہیں۔"

"دیکھ دیپا جو کچھ تُو کہہ رہا ہے اس کے نتیجے میں تیرے ساتھ تو بہت برا سلوک ہونا چاہئے مگر میں چاہتی ہوں کہ تجھے سمجھاؤں۔"

"ارے کمال کی عورت ہے۔ دیپا کے سامنے آکر بڑے بڑوں کا کلیجہ کانپنے لگتا ہے۔ تُو عورت ہے کون سا گیان لے کر آئی ہے ہمارے پاس.......... چل اس کے بارے میں بتا دے۔"

"تو اس کے بعد تُو کیا کرے گا؟"

"اس کے بعد جو کریں گے وہ تیرے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"میرے حق میں کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے یہ تو کیا جانے دیپا.......... چل نکل جا یہاں سے.......... اٹھا اپنا ساز و سامان۔"

"ارے کمال ہے بھیا! ہمارے گھر میں آکر ہم سے ہمارا گھر خالی کرا رہی ہے۔"

"تو تُو میری بات نہیں مانے گا۔"

"چل کہہ دیا.......... نہیں مانیں گے' اب بول۔"

"ٹھیک.......... صحیح ہے.......... پھر کام شروع کرتے ہیں۔"

"ہاں یہی تو ہم بھی کہہ رہے ہیں کہ آجا اندر آجا.......... دیکھ لینا دیپا مردوں کا مرد نہ نکلے تو پھر بات ہی کیا.........." دیپا شیطانی نگاہوں سے زینب کو دیکھتا رہا.......... زینب کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے دیپا تین دن دے رہی ہوں تجھے.......... صرف تین دن.......... تین دن اور تین راتیں اور اگر چوتھے دن کی صبح تو یہاں نظر آیا تو پھر اسی شمشان گھاٹ

میں لوگ تیری راکھ تلاش کرتے پھریں گے۔"

"ارے بس.......... بھاگی میدان چھوڑ کر.......... ابھی غصہ نہیں آیا ہمیں.......... ابھی تو ہمیں اپنا کام کرنا ہے.......... چل آجا.......... آجا مان لے ہماری بات۔" وہ بولا اور زینب کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

"تو.......... تُو انسان نہیں بنے گا.........." جواب میں وہ ہنس پڑا پھر بولا۔

"اچھے انسان بنیں گے ہم تو کہ جیون بھر تجھے یاد رہیں گے.......... جانے کا نام نہیں لے گی تو یہاں سے.......... پر تو ہے کیا بلا یہ سمجھ نہیں آیا ہمیں۔ خیر ساری باتیں بعد میں سمجھ لیں گے.......... اب دوپہر کا وقت ہے تو نے یہاں آکر خواہ مخواہ ہمیں پریشان کر دیا۔ یا تو اندر آجا یا پھر باہر بھاگ جا دفع ہو جا۔"

جو وقت میں نے تجھے دیا ہے اس میں یہاں سے نکل جانا.......... میں جا رہی ہوں.........." زینب نے کہا اور واپس مڑی لیکن ابھی اس نے دو قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ اچانک گہرا گڑھا نظر آیا.......... یہ گڑھا پہلے یہاں موجود نہیں تھا.......... ابھی تو اس راستے سے گزر کر یہاں آئی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں.......... گڑھے کی چوڑائی کوئی آٹھ فٹ کے قریب تھی لیکن یہ گڑھا یہاں کہاں سے نمودار ہو گیا.......... اسے حیرت ہوئی لیکن پھر اس نے "بسم اللہ" پڑھی اور پھر ایک لمبی چھلانگ لگا دی.......... کوئی چند ہی قدم آگے بڑھی ہوگی کہ پھر ایسا ہی گڑھا نظر آیا اور وہ حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی.......... یہ گڑھا پہلے گڑھے سے بھی کوئی چار فٹ چوڑا تھا.......... آٹھ فٹ کی لمبی چھلانگ تو زینب نے لگا دی تھی لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ تو کافی چوڑا گڑھا ہے.......... ایک بار پھر اس نے سوچا کہ بسم اللہ کہہ کر اس گڑھے کو بھی چھلانگ لگا کر عبور کر جائے لیکن ایک عورت ہونے کی حیثیت سے یہ سب کچھ بڑا عجیب محسوس ہو رہا تھا.......... اچانک ہی اس کے دل میں ایک تصور ابھرا۔ یہ کالی طاقت کی قوتیں ہیں اور اگر ان کے مقابلے میں پھر اسی انداز میں آیا جائے تو کامیابی یقینی ہو جائے گی..........

اس نے "بسم اللہ" کہہ کر "درود شریف" پڑھا اور پھر آنکھیں بند کر کے آگے قدم بڑھا دیئے.......... خلا پر چلنے کا انداز بڑا عجیب تھا.......... وہ اس گڑھے کے اوپر چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی.......... اندازے سے تقریباً کافی آگے بڑھ گئی تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا وہ گڑھا عبور کر چکی تھی.......... اس نے پیچھے مڑ کر اس گڑھے کو دیکھا لیکن گڑھا پیچھے نہیں آگے تھا.......... اور پہلے سے بھی زیادہ چوڑا تھا اب اسے اندازہ ہو گیا کہ دیپا

ایسی حرکتیں کر رہا ہے.......... یہ گڑھے اس کا راستہ روکنے کے لئے تھے لیکن اب اسے اعتماد ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھتی رہی اور گڑھا عبور کرتی رہی.......... تھوڑی دیر کے بعد وہ اس جگہ سے کافی آگے نکل آئی پھر اسے کوئی گڑھا نظر نہیں آیا.......... البتہ اب وہ ان کھنڈرات کے قریب تھی جو دھوپ میں جل کر سیاہ ہو چکے تھے۔ غالباً شبنم کی نمی اور دھوپ کی تیزی نے انہیں یہ رنگ بخشا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ ان کھنڈرات میں داخل ہو کر تھوڑی دیر سکون کی سانس لے.......... ڈر اور خوف کا ہر تصور اس کے ذہن سے نکل چکا تھا..........

وہ ایک ٹوٹے کھنڈر میں داخل ہو گئی لیکن اندر سے یہ کھنڈر بہت شاندار تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھی اور ایک ٹوٹے ستون کے پاس کھڑی ہو گئی.......... موسم کی ٹھنڈک بڑی خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک ہی اسے کچھ سرسراہٹوں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر جو چیز اس کے سامنے آئی وہ بڑی عجیب و غریب تھی.......... وہ انسان نما جانور تھا یا جانور نما انسان.......... سر پر سینگ اگے ہوئے تھے۔ زبان کوئی آدھ فٹ آگے نکلی ہوئی تھی' ہونٹ سرخ تھے جیسے خون پی کر آیا ہو' اس کے بدن میں مچھلیاں تڑپ رہی تھیں.......... بڑا تندرست و توانا تھا.......... حلیہ بہت ہی عجیب۔ چند لمحوں کے بعد وہ آگے بڑھا۔ ہاتھ اوپر کیا' سر سے سینگ اتار کر ایک طرف پھینک دیئے.......... اب ایک مکروہ صورت آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"روہن ہے ہمارا نام.......... کیسی ہے تُو.......... کیسے آگئی یہاں..........؟" بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ زینب سمجھ گئی کہ یہ وہ دوسرا آدمی ہے جس کے بارے میں وکرم داس نے بتایا تھا۔ روہن ہنستا ہوا دو قدم پیچھے ہٹا اور بولا۔

"کون ہے ری تُو اور یہاں کیا کر رہی ہے؟ چل چھوڑ ان باتوں کو.......... مہمان ہے ہماری تُو بیٹھ تیری کچھ خاطر مدارت کریں۔"

"تو روہن ہے نا؟"

"ہاں مگر تُو کون ہے؟"

"ابھی تک تو میں تیری دشمن نہیں ہوں۔ اگر تو میری بات مان لے تو۔"

"لے آئی تو بات منوانے کے لئے۔ ارے کالا علم وہ کرتا ہے جو سامنے ہے۔ نام ہے اس کتیا کے پلے کا دیپا.......... ہم کالا پیلا علم نہیں کرتے.......... ارے ہم تو بس پریم روگی ہیں.......... پریم کے مارے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ ویسے ایک بات کہیں..........

سندر تو بھی ہے.......... آجا سندر مہمان کو کون مہمان بنانا پسند نہیں کرے گا.......... چل آجا۔"

"ہوں روہن.......... میں تیرے پاس ایک کام سے آئی ہوں.......... ایسا کر۔"

"ہاں.......... ہاں.......... ہاں.......... جو کام کہے گی مان لیں گے.......... آجا اندر تو آ.........." وہ واپسی کے لئے مڑ گیا.......... زینب نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئی.......... اندر ایک جگہ بالکل درست حالت میں تھی.......... کچھ پتھر وہاں پڑے ہوئے تھے.......... مگر بہت ٹھنڈی تھی.......... باہر کی چلچلاتی دھوپ میں یہ حصہ بالکل ایئر کنڈیشنڈ محسوس ہو رہا تھا.......... روہن نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بیٹھ جا.........." زینب بیٹھ گئی۔ روہن اس سے کچھ فاصلے پر ایک پتھر پر بیٹھ گیا پھر بولا۔

"چل بڑی عجیب بات ہے.......... ہم لوگ تو بدنام ہیں کالی شکتی والے کہلاتے ہیں.......... پر ایک سندرتا اس طرح یہاں آجائے.......... یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ چل بول کیسے آنا ہوا؟؟"

"تجھ سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو کر.......... ہم کب منع کر رہے ہیں۔"

"روہن تو وکرم داس کی بیٹی پریتی کا پیچھا چھوڑ دے۔"

"ایں.......... تیرا اس سے کیا واسطہ ہے؟؟"

"کچھ نہیں۔ وہ بس ایک انسان ہے۔"

"بس یا کچھ اور؟"

"بس اتنا ہی ہے۔"

"انسان تو میں بھی ہوں ری۔ اگر بات صرف انسانیت کی ہے تو بتا مجھے.......... میں کیا برا کر رہا ہوں؟؟"

"تو کیا چاہتا ہے روہن.......... تو اچھا خاصا ہے.......... جو کچھ میں نے تیرے بارے میں سنا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ تو نے گندے علم کا کاروبار کر رکھا ہے اور لوگوں کو تجھ سے نقصان پہنچتا ہے۔"

"میں نے گندے علم کا کاروبار نہیں کر رکھا.......... وکرم داس جی مہاراج نے مجھے

اس گندے علم کے مالک کے مقابلے کے لئے بلایا۔ تھا میں نے کہا بھائی چلو.......... اٹھا پٹخ کر لیں گے' پر اس کا صلہ کیا ملے گا ہمیں..........؟" وہ ہنس پڑا پھر بولا۔ "اور یہ سن کر دوڑ پڑے مہاراج وکرم داس.......... ہم پر.......... ارے ہمارے بارے میں بھی انہی لوگوں سے پوچھ لے جواب انہیں الٹی سیدھی سمجھا رہے ہیں مگر چھوڑو تمہیں کیا پڑی۔ ہمیں بتاؤ ہمارے پاس کیسے آئی ہو.......... نہیں ہمارا تو تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے.......... پر ایک سندر ناری اگر کسی کے پاس آجائے تو انسان کا من تو من ہی ہے نا بھٹک جاتا ہے چلو خیر ہم اتنے برے آدمی نہیں ہیں.......... پریتی کو پریم کرتے ہیں اور حاصل کرنا چاہتے ہیں.......... تم بیچ میں ٹانگ نہ اڑاؤ تو تمہاری مہربانی ہوگی.......... دعائیں دیں گے تمہیں۔"

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تو پریتی کا پیچھا چھوڑ دے۔ باقی تو یہاں جو کچھ کر رہا ہے اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔" زینب بولی پھر وہ ہنسنے لگا اور بولا۔

"واہ ری طوطے کی گھر والی.......... جو پڑھایا گیا ہے وہی بول رہی ہے.......... ہم یہ کہتے ہیں کہ وکرم داس نے آخر تجھے ہمارے پاس کیوں بھیجا ہے.......... رشوت کے طور پر بھیجا ہے تو رشوت تو بڑی سندر ہے۔ پر ہم نے ایک قسم کھائی ہے.......... وہ یہ کہ حاصل کریں گے تو صرف پریتی کو۔ اور اس سے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک پریتی ہمارے ہاتھ میں نہ آجائے۔"

"نہیں بھیا.......... اچھا ایک بات بتا.......... کیا تو پریتی سے پریم کرتا ہے؟"

"بڑا پریم کرتے ہیں.......... دیکھا تو ہوگا تو نے اسے.......... اری اگر پریم نہ کرتے تو اس گرم دوپہر میں تیرے ٹھنڈے اور میٹھے شریر سے مزے نہ اڑاتے.......... دیکھ لے.......... کیا اچھے آدمی ہیں ہم.......... ہم نے.......... بس یوں سمجھ لے کہ اپنے آپ کو پریتی کے نام پر وقف کر دیا ہے۔"

"نہیں.......... مگر وہ تجھے نہیں چاہتی۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے..........؟ عمر تو تیری بھی زیادہ نہیں ہے.......... اچھا یہ بتا تیرے من میں کسی کے لئے پریم ہے؟؟"

"چھوڑ ان باتوں کو.......... تو پریتی سے پریم کرتا ہے؟؟"

"پکا پریم۔"

"مگر تو نہایت بے غیرت عاشق ہے۔" زینب نے کہا اور وہ چونک پڑا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ تیری پریتی کا ایک اور دعویدار تجھ سے کچھ فاصلے پر پڑا ہے اور وہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ پریتی کو حاصل کر کے چھوڑے گا۔" زینب نے محسوس کیا کہ اس کے ان الفاظ نے روہن کو سنجیدہ کر دیا.......... کچھ لمحے وہ سوچتا رہا پھر غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"وہ پریتی کے چرنوں کی دھول بھی نہ پاسکے گا.......... اس کے پاس ہے کیا.......... تھوڑے بہت جادو منتر سیکھ لئے ہیں اس نے اور یہی اس کا گیان ہے.......... میں جب چاہوں گا اس کی گردن مروڑ کر پھینک دوں گا۔"

"مشکل ہے روہن.......... مشکل ہے.......... میں ابھی اس کے پاس بھی گئی تھی اور میں نے دیکھا کہ وہ بہت اچھی قوتیں رکھتا ہے.......... روہن! مشکل نظر آتا ہے کہ اگر تو ایسا کر سکتا تو اب تک کر ڈالتا۔" روہن ایک لمحے تک غصے سے کھولتا رہا اور اس کے بعد زینب کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"چکر چلا رہی ہے.......... صورت دیکھو.......... من موہنی اور گن دیکھو چالاکی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اری تجھے کیا یہ ہمارا آپس کا جھگڑا ہے۔ ہم آپس میں نمٹ لیں گے.......... جہاں تک معاملہ رہا دیپا کا تو وہ کتیا کا پلا ہمارا راستہ کیا روکے گا؟ ہم جب چاہیں گے اسے ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔" زینب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولی۔

"ہر وہ آدمی جو دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا.......... ایسے ہی بڑے بڑے دعوے کرتا ہے.......... چل ٹھیک ہے.......... مجھے کیا میں تو بس اپنے ہی کام سے ادھر آنکلی تھی.........."

"مگر ایک بات کہے جا.......... اصل بات تو بتا تو ہے کون..........؟ اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ ایک لڑکی اتنی دلیر نہیں ہو سکتی.......... تیرا گیان دھیان بھی کچھ اور ہی ہے.......... کسی چکر میں نظر آتی ہے ہمیں۔"

"میرا چکر تو بس اتنا ہے روہن کہ تم دونوں بیچارے وکرم داس کو پریشان کر رہے ہو.......... وکرم داس میرے چاچا کا دوست ہے.......... میرے چاچا کو شاید تم لوگ جانتے ہو.......... علی ہے ان کا نام' ان کے ہاں آئی تھی تو وکرم داس سے ملاقات ہو گئی.......... میں نے تمہارے جادو منتروں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے اور میرے پاس تمہارے جادو منتروں کا توڑ بھی ہے۔ کیا سمجھے؟ میں تو تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ پریتی کو چھوڑ

دو.......... اگر میں نے تمہارے خلاف کام شروع کیا تو پھر تمہارے لئے کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔"

"ہوں.......... تو یہ معاملہ ہے.......... وکرم داس نے یہ چکر چلایا ہے.......... مگر تو ایک بات سن لے تو ہم سے جھگڑا مت کر.......... ہم نے بڑے دکھ اٹھائے ہیں ہم تجھ سے جھگڑا کرنا نہیں چاہتے جہاں تک معاملہ اس حرام کے پلے کا ہے تو لگتا ہے بات اب بڑھ گئی ہے.......... وکرم داس اپنی ضد میں اپنی بیٹی کو نقصان پہنچا دے گا۔ اس لئے پہلے ہم دیپا کو ٹھکانے لگائے دیتے ہیں تو دیکھنا چاہے تو رات کو آجانا اور اگر رات کو ادھر آنے کی ہمت نہ پڑے تو کل جا کر اس کا استھان دیکھ لینا.......... دیپا تجھے کل وہاں نہیں ملے گا۔" زینب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا تیر نشانے پر لگا ہے چنانچہ وہ ہنس کر بولی۔

"اگر تو ایسا کر سکتا تو اب تک کر چکا ہوتا.......... روہن میں دعویٰ سے کہتی ہوں کہ تو دیپا سے ڈرتا ہے۔"

"اس کے بعد تو اس طرف مت آنا.......... ہاتھ جوڑ کر بنتی کرتے ہیں تجھ سے.......... ہاتھ جوڑ کر بنتی کرتے ہیں.......... عورت ذات ہے.......... اگر تجھے مار بھی دیا ہم نے تو ہمیں خوشی نہیں ہوگی.......... چل جا یہاں سے۔ علی کے ہاں آئی ہے.......... ادھر ہی رہ.......... عورت کی طرح رہ۔ عزت سے رہ۔ اگر ہم پریم کے مارے نہ ہوتے تو تجھے یہاں آنے کا لطف آجاتا۔ بس کیا کریں سوگند کھائی ہے ہم نے.......... کہ اگر اپنی عورت بنائیں گے تو صرف پریتی کو بنائیں گے۔ اس لئے ہم نے تجھ سے کوئی بری بات نہیں کی.......... مشورہ دیتے ہیں کہ تو پریتی کے جھگڑے میں نہ پڑ۔"

"ارے پریتی کے لئے ہی تو میں پریشان ہوں.......... دیپا مجھے تجھ پر بھاری نظر آتا ہے۔"

تو سن رہی ہے نا جو ہم تجھے کہہ رہے ہیں.......... تو ایسا کر کہ خود اپنا حساب دیپا سے کر لینا.......... سمجھیں.......... جا دیپا کو مار دے.......... ہم کچھ نہیں کہیں گے.......... اور تو.......... مگر چھوڑ ان باتوں کو بس.......... جا.......... چلی جا یہاں سے.......... اچھا نہیں ہوگا۔ چلی جا' جو ہوگا اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ معلوم کر لینا۔" اور پھر زینب نے اسے وہاں سے واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ چلا گیا لیکن زینب کافی دیر تک وہاں کھڑی ماحول کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی کوششیں کارگر رہی ہیں۔ پھر جب وہ وہاں سے واپس چلی تو دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی..........

اب تک یہ دونوں سوئے ہوئے تھے اور پریتی کو پریشان کر رہے تھے۔ لیکن اب زینب نے ان دونوں کے درمیان جنگ چلوا دی تھی اور اسے خوشی تھی کہ اب اس جنگ کا نتیجہ ان میں سے کم از کم ایک کے کم ہو جانے پر نکلے گا اور اس کے بعد دوسرے کے سلسلے میں بعد میں غور کیا جاسکتا ہے۔

☆------☆------☆

علی پریشان تھا.......... زینب کی گمشدگی اس کے لئے حیرانی کا باعث تھی.......... پھر جب اس نے زینب کو دیکھا تو دوڑ کر قریب پہنچ گیا۔

"بٹیا.......... کہاں چلی گئی تھیں تم؟"

"بس.......... علی چاچا.......... آوارہ گردی کرنے نکلی تھی۔"

"ارے بٹیا.......... ساری باتیں اپنی جگہ.......... اللہ نے تمہیں بہت کچھ دے دیا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم بڑے حیران ہیں.......... تمہاری چچی سے بات ہو رہی تھی.......... رقیہ کہہ رہی تھی کہ صورت شکل کی چاند جیسی بچی ہے اور پڑ گئی ہے ان وحشیانہ چکروں میں.......... پتا نہیں کس ماں کی لعل ہے۔ کیا واقعات پیش آئے ہیں اس کے ساتھ جو یوں دربدر نکل آئی ہے..........؟ لڑکی ذات کو کبھی ایسا تو نہیں دیکھا تھا۔ جوگن ہے بنجارن ہے۔ جو کچھ بھی ہے پر لگتی ایسی ہے جیسے انتہائی شریف گھرانے سے تعلق ہو۔ بٹی زمانہ بہت برا ہے۔ جو کچھ بھی ہے اللہ تمہارا محافظ ہو۔ علم و عمل بے شک انسان کو بہت بلند کر دیتے ہیں لیکن بٹی دنیا کو تو قبول کرنا ہی ہوتا ہے اور دنیا بڑی بری جگہ ہے.......... ذرا چہرہ دیکھو اپنا دھوپ سے کالا پڑ گیا ہے۔ دھوپ میں تمہیں باہر نہیں نکلنا چاہئے تھا.......... لو لگ جاتی.......... بیمار پڑ جاتی تو کیا ہوتا.........." زینب ہنسنے لگی پھر بولی۔

چچا.......... بہت عرصے بعد محبت بھرے الفاظ سنے ہیں یہ میں نے.......... کبھی میرے ابو میری کسی غلطی پر مجھ سے ناراض ہوا کرتے تھے.......... آج ان کی یاد تازہ ہوگئی ہے.......... بس.......... یوں سمجھ لیجئے آپ کی بستی دیکھنے نکل گئی تھی.......... یہ جائزہ لینے نکل گئی تھی کہ اس بستی میں شیطانوں نے کیسا قبضہ جما رکھا ہے۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے بٹی! لیکن اللہ نہ کرے.......... تمہیں کوئی پریشانی ہو جاتی تو؟"

"آپ کی دعائیں جو میرے ساتھ ہیں علی چاچا۔"

"بیٹی.......... یہ مت سمجھنا کہ تمہارا کوئی سرپرست موجود نہیں ہے۔ جو چاہو گی کرلوگی.......... میں.......... بڑی بات ہے یہ.......... چلو آؤ اندر آؤ۔" یہی کیفیت رقیہ چچی کی تھی۔ انہوں نے بھی زینب کو ایک دم برا کہنا شروع کر دیا تھا لیکن علی سخت لہجے میں بولا۔

"زینب بی بی.......... سچی بات یہ ہے کہ تمہارے لئے دل میں ایسا ہی پیار پیدا ہوگیا ہے.......... لگتا ہے جیسے اپنی ہی بچی باہر نکل گئی ہو.......... سچ جانو.......... اگر یوں میری بیٹی باہر نکل گئی ہوتی تو اس کو بھی ہم ایسا ہی ڈانٹتے۔"

"آپ.......... خدا کے لئے آپ.......... باقی الفاظ کہیں.......... آپ ان الفاظ اور لہجے کی قیمت نہیں جانتے.......... خوش نصیبوں کو یہ ڈانٹ ملتی ہے.......... مجھ سے میری یہ خوش بختی نہ چھینئے۔ آپ نے مجھے رمشا کا درجہ دیا ہے.......... اس لئے آپ میرے اور چچی کے درمیان نہ آیئے۔"

"ٹھیک ہے.......... ہمیں تو دوستی میں تمہاری سرپرستی کے لئے منتخب کیا گیا تھا.......... اب تم ہمیں اتنا بڑا درجہ دے رہی ہو تو ہم یہی کہیں گے کہ اللہ تمہیں اس سے ہزاروں بڑا درجہ دے، جو تمہیں مل چکا ہے۔" بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں زینب کو بہت محبت ملی تھی۔ رمشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلئے.......... اب آپ غسل کر لیجئے اور چہرے پر جو دھوپ کی چادر پھیل گئی ہے نا.......... اسے ذرا رگڑ رگڑ کر صاف کیجئے.......... چاند میں داغ نہیں لگنا چاہئے.......... میں چائے تیار کرکے لاتی ہوں.........." رمشا نے کہا اور زینب خاموشی سے اندر چل پڑی.......... علی چاچا سر کھجاتے رہ گئے تھے.......... بہرحال زینب غسل کرتے ہوئے ان دونوں مرداروں کے بارے میں سوچ رہی تھی.......... ویسے اسے روہن کا کردار بڑا عجیب سا محسوس ہورہا تھا.......... یوں لگتا تھا جیسے روہن کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو پریتی کے سلسلے میں جب کہ دیپا اس کی نسبت خاصا غلط نظر آتا تھا.......... پھر شام ہوگئی.......... دن بھر کی لو اور تپش کے بعد یہ شام بڑی ٹھنڈی تھی.......... چائے وغیرہ پی لی گئی.......... سات بجے کے قریب علی چاچا زینب کے پاس آگئے اور بولے۔

"کھنڈرات کے علاقے میں گئی تھی زینب بی بی؟"

"جی ہاں.......... اور رات کو بھی ادھر جانا ہے۔"

"نا.......... مگر کیوں؟" علی چاچا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کام ہے علی چاچا۔" علی چاچا سر کھجانے لگے تھے۔ کچھ لمحے وہ خاموش کھڑے رہے پھر آہستہ سے بولے۔

"بس بڑا پریشان ہوگیا ہوں.......... بٹیا بڑی الجھن میں پھنس گیا ہوں۔"

"کیوں چچا؟"

"تمہاری وہ عزت و احترام نہیں ہو رہا جو ہونا چاہئے.......... اس گھر کے لوگ سیدھے سادھے اور بے وقوف ہیں.......... تم سے اس قدر بے تکلف ہوگئے ہیں کہ مجھے خوف آنے لگا ہے.......... بٹیا! اصل میں تمہارا تعارف ہی اس انداز میں ہوا ہے کہ وہ تمہیں سمجھ نہیں پائے اور پھر تمہاری عمران کے لگ بھگ ہے اور پھر میں خود.......... بھلا یہ باتیں پوچھنے کی ہیں جو میں پوچھ رہا ہوں۔" زینب ہنسنے لگی پھر بولی۔

"آپ خود یہ ساری بات سوچ رہے ہیں علی چاچا جبکہ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ ان لوگوں کی بے تکلفی مجھے اپنے گھر کا ماحول یاد دلاتی ہے اور مجھے اچھا لگتا ہے.......... میں بھی بھائی بہن اور ماں باپ والی ہوں۔"

"وہ لوگ کہاں ہیں بٹیا؟" علی چاچا نے بے اختیار پوچھا۔

"بس.......... مجھ سے وہ گھر چھن گیا ہے.......... میں نہیں جانتی کہ اب وہ کہاں ہیں۔" زینب نے جواب دیا اور علی چاچا خاموش ہوگئے۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولے۔

"تو کیا رات کو ان کھنڈرات میں تم دوبارہ جاؤ گی؟"

"ہاں.......... شاید میرے کام کی ابتداء ہو جائے۔"

"ابتدا!؟"

"ہاں۔"

"کیسی ابتدا؟" وہ بولے اور زینب انہیں ترچھی نگاہوں سے دیکھنے لگی تو انہوں نے جلدی سے کہا۔

"میرا مطلب کچھ نہیں.......... بٹیا! بس میں تو صرف اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں.......... علی چاچا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"بی بی.......... اللہ کے نام پر کہتا ہوں کہ اپنا خیال رکھنا۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔" زینب نے ادب سے جواب دیا........ وہ سمجھ رہی تھی
کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن بہرحال........ اس میں کوئی شک نہیں کہ زینب اس ماحول
میں آکر ایک عجیب سی خوشی محسوس کر رہی تھی........ ایسا احساس بہت عرصہ پہلے اس
سے چھن گیا تھا........ ماں باپ جدا ہوگئے تھے لیکن ان کی محبتوں کی جھلکیاں نظر آرہی
تھیں........ کسی نہ کسی مشکل میں علی چچا بھی اس کے لئے فکر مند تھے مگر کچھ کہہ نہیں
پارہے تھے........ مطلب یہی تھا کہ وہ لڑکی ہے........ نوجوان ہے اور معاملہ کالے
جادوگروں کا ہے۔ بات تو انہیں معلوم ہو ہی گئی ہوگی........ وکرم داس نے تفصیل بتادی
ہوگی........ وہ سوچ رہے ہوں گے کہ کہیں وہ شیطان اسے کوئی نقصان نہ پہنچا
دیں........ بہرحال........ یہ ان کی سوچ تھی لیکن زینب کے دل میں جو جذبے پروان
چڑھ رہے تھے وہ شاید اس کے اپنے جذبے تھے بھی نہیں بلکہ ڈور کسی اور طرف سے
ہلائی جارہی تھی........ وہ تو صرف ایک ذریعہ تھی اور یہ ذریعہ عمل کے مطابق سوچ رہا
تھا اور عمل جاری تھا پھر رات کو جب عشاء کا وقت ختم ہوگیا........ کھانا کھالیا گیا تو زینب
تیار ہوگئی۔ اسے اندازہ تھا کہ رات کو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ جو بیج وہ بو رہی تھی وہ ایک
دم سے بڑھ رہا ہوگا اور اس اندازے سے وہ خوش بھی تھی کہ کام کا آغاز تو ہوا۔ جوڑے
داریاں اس کے سپرد ہوگئی تھیں........ ان کی تکمیل تو کرنی ہی چاہئے تھی چنانچہ انتہائی
خاموشی سے وہ گھر سے باہر نکل آئی اور جانے پہچانے راستے طے کرنے لگی........
چھوٹے قصبے اور دیہات سورج کے چھپنے کے ساتھ ساتھ ہی تاریک ہوجاتے ہیں........
یہی کیفیت یہاں کی تھی۔ حالانکہ پہلے پہر کا آغاز ہی ہوا تھا مگر گلیاں بازار اس طرح سنسان
پڑے ہوئے ہیں جیسے آدھی رات گزر گئی ہو........ وہ چلتی رہی اور فاصلے کم ہوتے
گئے........ سڑکوں پر کتوں کا راج تھا........ بھونک رہے تھے لڑ رہے تھے........ وہ ان
سے بچتی بچاتی آگے بڑھ رہی تھی........

آبادی کی روشنیاں پیچھے رہ گئیں اور اس کی رفتار تیز ہوگئی........ رات کے
پُراسرار سنسان ماحول میں بڑے سے بڑا جگر والا کوئی نوجوان ایک خوبصورت لڑکی کو اس
طرح بڑھتے ہوئے دیکھ لیتا تو اس کی اپنی حالت بھی خراب ہوجاتی........ ایسے سنسان اور
ویران ماحول میں نظر آنے والے خوفناک راستوں پر تو مرد بھی نظر نہیں آسکتے تھے لیکن
زینب احتشام کی بیٹی تھی اور احتشام حسین نے اسے جن علوم سے آراستہ کیا تھا وہ بے
مثال تھے........ اللہ کے نام کے ہر لفظ میں تاثیر ہوتی ہے........ ڈرنے والے اگر

صرف خوف خدا رکھیں تو باقی خوف ان کے راستوں میں بچھ جاتے ہیں........ وہ جگہ
بھی آگئی جہاں اس نے اس بھیانک جوڑے کو دیکھا تھا یعنی بے سر کا آدمی اور چھن چھناتی
گھنگرو بجاتی چڑیل........ لیکن اب وہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا........ پھر وہ اس
دوراہے پر پہنچ گئی جہاں سے ایک راستہ دیپا کی طرف جاتا تھا اور دوسرا روہن کی
طرف........ اسے فیصلہ کرنا تھا کہ کس طرف جائے اور رخ دیپا کی جانب ہوگیا۔ دونوں
کے بارے میں اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ دونوں سفلی علوم جانتے ہیں........ اگر روہن کا
دعویٰ درست ہے تو ان کے درمیان جادو کی معرکہ آرائی شروع ہوچکی ہوگی........ یا
ممکن ہے اس وقت تک ہو بھی چکی ہو........

سامنے درختوں کا سلسلہ نظر آرہا تھا اور اس کے دوسری طرف دیپا کا ڈیرہ
تھا........ وہ ایک درخت کے پیچھے کھڑی ہوگئی........ اچانک ہی سرسراہٹ سنائی دی
اور زینب چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگی........ مگر آواز دوبارہ نہیں سنائی دی
تھی........ ہوسکتا ہے کہ کوئی گیدڑ یا دوسرا جانور ہو........ پھر اچانک ہی درختوں کے
دوسری طرف سے روشنی سی نظر آئی اور وہ ادھر دیکھنے لگی........ روشنی متحرک
تھی........ چند لمحات وہ اسے دیکھتی رہی اور پھر درختوں کے عقب سے باہر نکل
آئی........ اس نے ایک روشن مشعل دیکھی' لیکن اس سے شعلے نہیں نکل رہے
تھے........ غور سے دیکھنے پر اندازہ ہوا کہ انسانی کھوپڑی ہے جو ایک لکڑی میں اڑسی
ہوئی ہے........ روشنی اس کھوپڑی سے پھوٹ رہی تھی اور لکڑی کی یہی مشعل متحرک
تھی........ روشنی کے نیچے یہ معمہ بھی حل ہوگیا........ مشعل کسی انسان کے ہاتھ میں
تھی اور اس ویران اور بھیانک علاقے میں وہ انسان دیپا کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا؟
لیکن دیپا اس وقت بہت مختلف نظر آرہا تھا........ اس کے گلے میں کھوپڑیوں کے ہار
پڑے ہوئے تھے........ ان کھوپڑیوں کی آنکھوں کے گڑھے بھی روشن تھے........ وہ
مشعل اونچی کئے زینب کی جانب بڑھ رہا تھا........ زینب نے سوچا کہ اس کا مطلب ہے
کہ اسے اس کی آمد کا علم ہوگیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو چھپانا مناسب نہیں سمجھا
اور آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی دیپا کے سامنے آگئی........ دیپا نے ہاتھ سیدھا کیا
اور مشعل کے نیچے حصے کو درخت کے نچلے تنے میں زور سے مارا........ درخت کا ٹھوس
اور مضبوط تنا ایسا نہیں تھا کہ کسی کی معمولی ضرب سے اس میں سوراخ ہوجائے لیکن
مشعل کوئی آدھ فٹ کے قریب درخت میں پیوست ہوگئی........ دیپا نے اسے چھوڑ دیا

اور آس پاس روشنی پھیل گئی.......... پھر وہ غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اری او حرام زادی.......... کیوں اپنی جان گنوانے پر تلی ہوئی ہے.......... ہمارا صبر کیوں سمیٹ رہی ہے؟ مرد ہیں ہم ارادے برے ہوگئے تو کیا ہوگا.......... تونے سوچا؟ بار بار آجاتی ہے.......... یہ ایسی جگہ نہیں ہے۔ ہم تو چل تجھے معاف کردیں گے لیکن تو نہیں جانتی کہ یہاں کون کون آتا جاتا ہے.......... کوئی بھی گردن مروڑ دے گا تیری.......... باز نہیں آرہی.......... جوانی بار گزری ہے کیا.......... اری جا.......... کسی کے آگے گردن دے دے.......... گردن کٹ کر الگ ہوجائے گی تو جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا اور ہر بار یہاں کیوں آمرتی ہے.......... ہمارا امتحان لینے کے لئے۔"

الفاظ بہت برے تھے لیکن جب انسان کے اندر طاقتوں کا بسیرا ہوتا ہے تو برداشت کی قوت بھی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے.......... زینب نے زندگی میں کبھی مردوں سے مقابلہ نہیں کیا تھا لیکن جو زندگی اسے اب نصیب ہوئی تھی اس میں بہت سے تجربات بھی شامل تھے چنانچہ اس نے دیپا کی بات کا برا نہ مانا اور مسکرا کر بولی۔

"بس.......... دیپا دیکھنا چاہتی تھی کہ تم کیا کر رہے ہو۔"

"اگر کچھ زیادہ دیکھ لیا تونے تو زندگی بھر روتی رہے گی.......... چھوٹی سی عمر ہے.......... کھانے پینے کے دن ہیں اور پڑ گئی ہے ان چکروں میں دیکھ.......... آخری بار کہہ رہا ہوں کہ آئندہ ادھر مت آنا۔"

"تجھ سے کچھ باتیں کرنا رہ گئی تھیں.......... دیپا! سو وہ کرنے چلی آئی۔"

"شکر کر کالی راتوں کا موسم ہے.......... نکلا ہوتا چاند تو مزہ آجاتا تجھے۔"

"کیوں چاند سے کیا ہوتا ہے؟" زینب نے سوال کیا اور دیپا پھر ہنس پڑا۔

"چاندنی راتوں میں یہاں سبھا لگی ہوتی ہے.......... بیروں کی.......... سارے کے سارے اپنی کہانیاں سناتے ہیں.......... لڑتے ہیں.......... جھگڑتے ہیں، ایک دوسرے کو مارتے ہیں.......... بھنبھوڑتے ہیں اور اگر کوئی بیچ میں آجائے تو اسے بھی چت کر دیتے ہیں۔"

"ارے.......... دیا رے دیا.......... تب تو واقعی اچھا ہوا دیپا کہ میں چاندنی راتوں میں نہ آئی۔ اچھا تو ایک بات بتاؤ تمہیں پتا ہے کہ روہن، وکرم داس کی بیٹی پریتی کو حاصل کرنے کے چکر میں ہے.......... کیا سمجھے؟ اور وہ جو کچھ کرنے والا ہے تمہیں اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوگا۔"

"آگے بول.......... آگے بول۔"

"روہن اگر تمہیں شکست دے کر پریتی پر قابو پالے تو کیسا رہے..........؟"

"بڑی انوکھی ہے بھئی تو۔ ارے تو جانتی نہیں کہ ہم نے اس سسرے کو آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے.......... نہ اس نے ہم پر وار کیا نہ ہم نے اس پر.......... ہم انتظار کر رہے ہیں کہ روہن پریتی کی طرف ہاتھ بڑھائے.......... اور جب وکرم داس کا ناک میں دم آجائے تو آخر میں وہ دوڑیں.......... اپنی بستی کے سب سے مہان سادھو دیپا کی طرف اور ہم کہیں کہ ٹھیک ہے بھائی.......... پریتی ہمیں دے دو سارے کام ہی ٹھیک کرلیں گے.......... اگر ہم نے پہلے سے روہن کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو پھر بھلا وکرم داس جی کو کیا پڑی ہے کہ ہماری بات مانیں.......... انتظار کر رہے ہیں ہم۔ جب تک یہ ہمیں نہیں چھیڑتا ہم بھی اسے نہیں چھیڑیں گے۔"

"اور اگر روہن کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ تمہارا ارادہ کیا ہے.......... تو کیا تمہیں چھوڑ دے گا..........؟" زینب نے پوچھا۔

"یہ تو بعد کی باتیں ہیں.......... جھگڑا تو ہوگا ہمارا اس سے.......... کیونکہ ہم دونوں ایک ہی بیر کھانا چاہتے ہیں.......... تمہیں اندازہ نہیں ہوگا اس لئے کہ تم بھی ایک لڑکی ہو.......... اگر تم نے پریتی کو دیکھا ہے تو تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ چاند اور سورج کی کرن بھی اتنی سندر نہیں ہوتی جتنی سندر وہ ہے.......... اب ہم انتظار کر رہے ہیں.......... سے خود فیصلہ کردے گا.......... ہم یہ چاہتے ہیں کہ بیچ کی جگہ خالی رہے.......... روہن خود ہماری طرف بڑھے تو ہم اسے سنبھال لیں.........."

اچانک ہی فضا میں ایک عجیب سی آواز ابھری اور زینب چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگی لیکن ایک لمحے کے اندر اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ آوازیں دیپا کے گلے میں پڑی کھوپڑیوں میں سے آرہی ہیں.......... مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ جو جو انسانی آوازوں کا روپ اختیار کرتی جارہی تھی.......... یہ کھوپڑیاں کچھ کہہ رہی تھیں.......... منمناتی آوازیں.......... بھاری آوازیں.......... باریک آوازیں.......... کسی کھوپڑی کے منہ سے معصوم بچے جیسی آوازیں نکل رہی تھیں تو کوئی نسوانی آواز میں چیخ رہی تھی.......... ان کے الفاظ تو سمجھ نہیں آرہے تھے لیکن دیپا کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ جیسے اسے کوئی خاص اطلاع ملی ہو.......... اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے کئی قدم پیچھے ہٹا اور پیچھے چل کر تھوڑے فاصلے پر ایک بڑے سے پتھر پر چڑھ گیا..........وہ کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہا

تھا..........

زینب کی آنکھیں بھی اس طرف اٹھ گئیں جس طرف دیپا نے نگاہیں جما دی تھیں.......... تاریکی میں زینب نے بھی متحرک ہیولے کو دیکھ لیا تھا جو اس سمت آرہا تھا۔ پھر یہ ہیولا اس کی نگاہوں میں روشن ہوگیا.......... کالے رنگ کا ایک انتہائی لمبا چوڑا بھینسا تھا اور اس بھینسے کی پشت پر روہن سوار تھا.......... بھینسا اس سمت بڑھ رہا تھا.......... روہن نے اپنے سر پر پروں کا ایک تاج پہن رکھا تھا' لیکن جو چیز زینب نے اس کے بدن پر دیکھی وہ اس کے بہت سے ہاتھ تھے جو اس کے جسم پر لگے ہوئے تھے.......... ان ہاتھوں میں طرح طرح کے ہتھیار دبے ہوئے تھے.......... کسی میں لمبی سی ہڈی.......... کسی میں کلہاڑی.......... کسی میں نیزہ۔ وہ بھینسے کو دوڑاتا اس سمت آرہا تھا.......... دیپا پتھر سے نیچے اتر آیا.......... اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے' زمین کی طرف چہرہ جھکایا اور چکر سے کاٹنے لگا.......... پھر ایک دم سیدھا ہوگیا.......... اس کے حلق سے ایک ہولناک چیخ نکلی.......... دوبارہ اسی انداز میں چیخا.......... پھر اس کا بدن بری طرح کانپنے لگا اور ایک لمحے کے بعد دوبارہ ساکت ہوگیا.......... اچانک اس کی نظر زینب پر پڑی تو وہ گردن گھما کر بولا۔

"بھاگ جا.......... کتیا کی پلی.......... یہاں سے بھاگ جا.......... اس حرام خور کو مستی آگئی ہے.......... لڑنے آرہا ہے ہم سے.......... جا.......... تو بھاگ جا یہاں سے.......... ارے کیوں آمری ہے ہمارے بیچ میں.......... جاتی ہے یا دوں لات تیرے منہ پر۔" لیکن لات زینب کے منہ پر مارنے کے بجائے وہ خود درختوں کے پیچھے بھاگ گیا.......... زینب اندازہ لگا چکی تھی کہ اسے اس جگہ نہیں ہونا چاہئے چنانچہ اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے کے بعد وہ اس درخت کے چوڑے تنے کے پیچھے پہنچ گئی جو برگد کا درخت تھا اور بہت دور تک پھیلا ہوا تھا.......... بھینسا آہستہ آہستہ قریب آتا جارہا تھا اور اب وہ رک گیا تھا.......... دیپا بھی سامنے آگیا اس نے اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کئے تھے.......... گردن جھکائی ہوئی تھی اور زینب نے جادو کا یہ کھیل بڑی سنسنی خیز کیفیت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا.......... اس نے دیکھا کہ دیپا کی نگاہوں سے نیلی شعاعیں نکل رہی ہیں.......... بالکل سیدھی لکیروں کی طرح وہ زمین پر پڑ رہی تھیں اور زمین پر پھلجھڑیاں سی پڑ رہی تھیں اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا بات ہے.......... کیسے آیا ہے تو؟"

"ہمارا نام روہن ہے.......... تو ہمیں جانتا ہے.......... کیا تُو نے ہمارے بارے میں معلوم کرلیا ہے کہ ہم کون ہیں؟"

"کرایا تھا پتا تیرے بارے میں.......... کالی کے داس.......... جب بات کالی کے داسوں کی آجاتی ہے تو من کے سارے پھیر نکال دیئے جاتے ہیں.......... کیا سمجھا.......... ہم کنٹھ کر رہے ہیں اور تُو خود ہمارے دوار آیا ہے۔"

"موت آئی ہے تیری.......... میں بھینٹ لینے آیا ہوں تیری.......... کیا سمجھا؟"

"آسان تو نہیں ہوگا.......... کالی کے داس کالی کے کھیل کھیلتے ہیں۔"

"تو یہ کھیل بھی کالی ہی کا ہے.........." دفعتاً ہی روہن کے ہاتھ سے نیزہ سنسناتا ہوا نکلا اور دیپا کے سینے میں جالگا.......... دیپا کے سینے میں ایک بڑا سوراخ ہوگیا.......... لیکن زینب نے دوسرا منظر بھی دیکھا.......... اِس نے اُسے ششدر کردیا۔ نیزہ دیپا کے سینے سے نکل کر عقب میں موجود درخت کے تنے میں پیوست ہوگیا.......... دیپا نے ایک بھیانک آواز میں قہقہہ لگایا اور بھیانک آواز میں چیخا۔

"اب میری سنبھال روہن.........." پھر وہ دونوں ہاتھ زمین پر لگا کر ہاتھوں اور پیروں کے بل چل کر چکر لگانے لگا.......... اس وقت روہن نے اپنے بھینسے کو اس پر چڑھا دیا۔ شاید دیپا کو اس کا احساس نہیں تھا.......... وہ خود بھی کوئی جادوئی عمل کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا.......... اس نے یہ سوچا ہوگا کہ اب روہن اس کو کوئی دوسرا ہتھیار پھینک کر مارے گا اور وہ اس سے بچاؤ کرے گا لیکن روہن نے بڑی چالاکی سے کام لیا تھا اور بھینسا ہی اس پر دوڑا دیا تھا.......... نتیجے میں دیپا بھینسے کی لپیٹ میں آگیا اور بھینسا اسے روندتا ہوا دوسری طرف نکل گیا.......... دیپا زمین پر جاپڑا تھا' روہن نے کچھ فاصلے پر جاکر بھینسے کا رخ تبدیل کرلیا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا ہتھیار جو کلہاڑی کی شکل میں تھا دیپا پر کھینچ مارا.......... نشانہ پکا تھا۔ کلہاڑا دیپا کی گردن پر پڑا اور دیپا کی گردن کئی فٹ دور جاپڑی لیکن دوسرا منظر اور بھی زیادہ سنسنی خیز اور خوفناک تھا.......... اچانک ہی دیپا کا دھڑ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے ایک سمت دوڑنے لگا.......... سامنے ایک لمبے تنے والا درخت نظر آرہا تھا.......... دیپا کا بے سر جسم پھرتی سے درخت کے تنے پر چڑھنے لگا لیکن روہن نے فوراً ہی بھینسے کو دوڑایا اور اس درخت کے قریب پہنچ گیا.......... پھر اس نے دیپا کے جسم پر مختلف ہتھیاروں سے بے شمار وار کئے اور اسے نیچے گرا دیا لیکن زینب نے ایک اور خوفناک منظر دیکھا جو روہن کی نگاہوں سے محفوظ تھا.......... پھر وہ سر تھوڑا

سا بلند ہوا اور زینب کے چہرے کے سامنے کی سیدھ میں آ گیا اور اس کے بعد اس نے منہ سے ایک سرگوشی کی آواز نکلی۔

لڑکی اپنا شریر مجھے ادھار دے دے............ وعدہ کرتا ہوں کہ واپس دے دوں گا............ اس پاپی کو نیچا دکھانے کے بعد............ جلدی کر............ اپنا شریر مجھے دے دے............ ہاتھ بڑھا کر میرے سر کو اپنے سر پر رکھ لے............ ارے دیر ہو رہی ہے۔ اگر وہ پلٹ پڑا تو برا ہو جائے گا............" دیپا کا سر آہستہ آہستہ زینب کی جانب بڑھنے لگا اور پھر اس کے اور زینب کے چہرے میں ایک فٹ کا فاصلہ رہ گیا............ اچانک ہی زینب نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا اور ایک زور دار تھپڑ اس کے کٹے ہوئے سر پر رسید کر دیا............ سر بہت دور جا کر گرا تھا............ اس کے گرنے کی آواز بھی پیدا ہوئی تھی اور روہن اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی زینب کے کانوں میں ایک گھٹی گھٹی سی چیخ ابھری اور عقب میں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چیز گری ہو............ زینب نے خوفزدہ انداز میں پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی............ دوسری طرف دیپا کے سر کو روہن نے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اس کے بعد سے نیزے میں پرو کر اپنے کندھے پر لاد لیا............ اس کے مختلف ہاتھ اپنے ہتھیاروں سے دیپا کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر چکے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے روہن کو زینب کی یہاں موجودگی کا علم نہ ہو............ اس نے اپنا کام سرانجام دیا............ دیپا کا سر اپنے نیزے میں سنبھالا اور بھینسے کا رخ تبدیل کر دیا............ بھینسا اسی جانب دوڑ پڑا جدھر سے آیا تھا............ زینب سنسنی خیز نگاہوں سے بھینسے کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور اس کے وجود میں کپکپاہٹیں ابھر رہی تھیں............ دماغ سن ہو گیا تھا............ اگر دماغ کام کرتا ہوتا تو شاید اس وقت بے ہوش ہو جانے کو دنیا کے ہر کام پر ترجیح دیتی' لیکن اس کے اندر بھی نہ جانے کون سی قوتیں تھیں جو اس ہولناک نظارے کو ہوش و حواس کے ساتھ برداشت کئے ہوئے تھی............ اس سے زیادہ بھیانک لڑائی شاید ہی کسی نے اس کائنات میں دیکھی ہو............ بڑی دہشت ناک جنگ تھی یہ............ فضا میں ایک عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی تھی جس کا جائزہ لینے کے بعد زینب کو اندازہ ہوا کہ یہ بدبو دیپا کے جسم کے ان ٹکڑوں سے اُڑ رہی ہے جو اب پانی کی طرح پگھل کر بہہ رہے تھے............ بدبو ناقابل برداشت تھی چنانچہ زینب نے سوچا کہ اب یہاں رکنا بے مقصد ہی ہے............ پھر اچانک ہی جب وہ واپس پلٹی تو اسے کراہتی ہوئی ایک خوفزدہ آواز سنائی دی۔

"زینب بیٹی............ بیٹی............" وہ اس آواز کو ایک لمحے تک نہ پہچان سکی لیکن پھر اسے اپنے عقب میں ابھرنے والی سرسراہٹوں کا احساس ہوا............ وہ سرسراہٹیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہوا تھا............ تب اس نے اس آواز پر غور کیا اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ یہ آواز علی چاچا کی تھی............ علی چاچا زمین پر بیٹھے ہوئے تھے............ زینب تیزی سے ان کی جانب دوڑی اور ان کے قریب پہنچ گئی۔

"ارے............ علی چاچا۔" زینب نے شدید حیرانی سے کہا۔

"مجھے معاف کر دینا بیٹا۔ مجھے معاف کر دینا تمہارے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا آہ میرا بدن بیکار ہو گیا ہے۔ مجھے فالج ہو گیا ہے۔ اب میں اٹھ نہیں سکتا۔" علی چاچا تھر تھر کانپ رہے تھے۔

☆======☆======☆

اچانک زینب بی بی کو کچھ احساس ہوا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہونے لگے۔ میں ان کے اچانک خاموش ہو جانے سے حیران رہ گیا تھا۔ پھر جب میں نے ان کے تاثرات کا جائزہ لیا تو مجھ پر اور حیرانی طاری ہو گئی۔ میں اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ یہ عجیب کیفیت تھی۔ کچھ دیر یہ کیفیت طاری رہی پھر زینب کی آواز ابھری۔

"آپ' آپ اس طرح مجھ تک کیوں پہنچے' کیا میرا امتحان مقصود تھا؟

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے مزید حیرانی سے کہا۔

"آپ............ آپ بابر علی ہیں نا............" اس نے کہا اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ "یہ سب کیا ہے؟" میں نے سوچا۔

زینب کی سوالیہ نگاہیں میرا جائزہ لے رہی تھیں اور میں بھی خاموشی سے اسے دیکھنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ لمحے خاموشی رہی اس کے بعد زینب نے کہا۔

"میں نے سوال کیا ہے آپ اس کا جواب دیجئے۔ کیا میرا امتحان لینا مقصود تھا؟"

"اور یہ بات آپ جانتی ہیں زینب بی بی کہ آپ کے سامنے جھوٹ بولنا ممکن نہیں ہے۔ میں تو جانتا بھی نہیں ہوں کہ آپ کون سے امتحان کی بات کر رہی ہیں۔"

زینب کے چہرے پر کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وہ مجھے دیکھتی رہی سوچتی رہی۔ پھر کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"خوش نصیبی کسی کی میراث نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جس کی پیشانی روشن کردے یہ تو اللہ کا کام ہے۔ آپ کو شاید خود احساس نہیں ہے کہ آپ ایک ایسے پھل دار درخت بن چکے ہیں جو جڑ سے سرے تک شیریں پھلوں سے لدا ہوا ہے اور اب یہ پھل آپ کو خود تقسیم کرنے ہیں' سمجھ رہے ہیں نا آپ۔ آہ میں جو کچھ دیکھ رہی ہوں وہ ناقابل یقین ہے۔ کسی ایک انسان کو اتنا کچھ نہیں ملتا۔ سبحان اللہ' سبحان اللہ اور پھر اپنے آپ سے اس قدر ناواقف بابر علی صاحب۔ اللہ نے آپ کو بڑی دولتوں سے نوازا ہے۔ بھلا آپ کو کیا مشورہ دے سکتی ہوں یا کیا کہہ سکتی ہوں۔ میں تو آپ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں۔ بہت بڑے ہیں آپ' بہت بڑے ہیں۔" مجھے ہنسی آگئی میں نے کہا۔

"خیر میں کتنا بڑا ہوں یہ تو میں خود جانتا ہوں۔ ایک اتنا محروم انسان جسے زندگی میں بہت کچھ ملا لیکن اس نے اس سے کچھ حاصل نہ کیا۔"

"اچھا ایک منٹ رک جائیے۔" زینب نے کہا اور پھر اس نے اپنے سفید ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لئے اور آنکھیں بند کئے دیر تک بیٹھی رہی اس کے بعد اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم ایک ایسی آئیڈیل شخصیت ہیں آپ اور مجھے ہنسی تو اس بات پر آئی ہے کہ اپنے آپ سے اس قدر ناشناسا۔ اصل میں آپ کی والدہ نے آپ کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ شاید اچھی بی کے نام سے جانی جاتی ہیں وہ۔ مجھے یہی بتایا گیا ہے انہوں نے بڑے بڑے عظیم لوگوں سے رابطے کئے ہیں۔ آپ کے لئے لڑائی کی ہے۔ کہا ہے کہ قصور آپ کا نہیں ہے۔ آپ بھٹک گئے تھے۔ آپ کو بھٹکایا گیا تھا اور راستے کی ایک ٹھوکر غلط ہو جائے تو سنبھالنے والے ہاتھ دوڑ پڑتے ہیں۔ اب یہ ہاتھ کس کے ہیں یہ تقدیر کا فیصلہ ہے' لیکن آپ واقعی واقعات کا مجموعہ ہیں۔ وہ جو آپ کی طلب ہے آپ ہی کے لئے ہے لیکن ذرا دیر سے۔ مجھے معاف کیجئے گا۔ آپ مجھ سے کہیں زیادہ بڑی حیثیت کے مالک ہیں' لیکن اپنے آپ سے ناواقف اگر میں آپ کو کچھ بتا دوں تو یہ نہ سمجھئے گا اپنے آپ کو آپ سے کسی بھی شکل میں بڑا محسوس کر رہی ہوں بلکہ یہ میرا فرض ہے۔ بس یوں جیسے کوئی کسی بزرگ کو پانی کا برتن اٹھا کر دیتا ہے۔ وہ بزرگ کو پانی دیتا ہے بزرگ سے بڑا نہیں ہو جاتا۔ آپ اپنے آپ کو غسل دیجئے۔ جائیے سیدھے چلے جائیے۔ آپ کا رخ شمال مغرب کی طرف ہو گا اور پھر وہاں سے آگے بڑھنا ہو گا آپ کو لیکن ایک مقصد پورا کرنے کے بعد سمجھ رہے ہیں نا؟"

"سنو' میں بہت ہی بھٹکا ہوا انسان ہوں اگر تمہیں میری زندگی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں معلوم ہوا تو میں بتاؤں۔"

"نہیں۔ میں نے معلوم کیا ہے۔ اس میں بہت کچھ ہے لیکن میں دہراؤں گی نہیں۔ آپ بس یوں کیجئے کہ شمال مغرب کی طرف سفر کا آغاز کر دیجئے اور یہ آپ اسی وقت کر سکیں گے جب آپ کے سامنے کوئی نہیں ہو گا۔" زینب بی بی نے کہا اور پھر اپنا چادر نما دوپٹہ انہوں نے اپنے سر سے اتارا اسے کھولا' پھیلا کر پورے جسم اور سر پر ڈالا اور اس کے بعد دوپٹے کا ایک پلو چہرے پر لے لیا۔ ایک دم سے یوں محسوس ہوا جیسے ہوا کا ایک تیز جھکڑ چلا ہو۔ آنکھیں خود بخود بند ہو گئی تھیں اور ایسا صرف ایک لمحے کے لئے ہوا تھا۔ ہوائیں بدن کو چھوتی ہوئی گزر گئیں۔ اور جب ایک لمحے کے لئے جھپکی اور پلکیں کھلیں تو منظر بدل چکا تھا۔

ایک ویرانہ' دور دور تک خاموشی اور سناٹے کا راج' زینب اور اس ماحول کا نام ونشان تک نہیں تھا جس میں ایک لمحے پہلے موجود تھا۔ آہ۔ یہ روحانی دنیا تو اس کائنات کی سب سے عجیب چیز ہے۔ سائنس نے ایسے ایسے عجوبے اس کائنات کو دیئے ہیں جن کے بارے میں عقل سوچ سوچ کر حیران رہ جاتی ہے' لیکن عمارت انسان اس طرح پلک جھپکتے غائب ہو جائیں۔ ماحول اور منظر اس طرح بدل جائے۔ یہ صرف روحانیت ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔ میں اس لق و دق صحرا میں خاموشی سے کھڑا چاروں طرف نگاہیں دوڑاتا رہا۔ اصل میں یہ واقعات اب میرے لئے اس قدر اہمیت کے حامل نہیں تھے کہ میں ان پر عقل کھو بیٹھتا۔ ہاں اگر میں کوئی عام انسان ہوتا تو یقینی طور پر دیوانگی کا شکار ہو جاتا۔ یہ سوچ کر ہی کہ منظر اور ماحول ایک لمحے میں اس طرح سے بدل سکتا ہے۔ زینب نے چادر اوڑھ لی تھی اور غائب ہو گئی تھی اور اب میں یہاں اس لق و دق صحرا میں خاموش کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

تب زینب کے الفاظ یاد آئے کہ مجھے شمال مغرب کی طرف سفر کرنا ہو گا۔ راستے کا تعین کیا۔ ان تمام باتوں پر عمل کرنا تو میری زندگی کا ایک مقصد بن چکا تھا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں شمال مغرب کی طرف چل پڑا اور آنکھیں بند کئے آگے بڑھتا رہا۔ نہ راستے کی ٹھوکروں کا خیال تھا نہ کسی ایسے درندے کا جو اچانک کسی طرف سے نکل کر مجھ پر حملہ آور ہو۔ جب بھی اپنے اطراف میں نظر دوڑاتا' لمبی لمبی جھاڑیاں' درخت' جنگل پتہ نہیں کیا کیا نظر آتا۔ اونچے نیچے ٹیلے' گہری گھاٹیاں بس چل رہا تھا ایک دیوانے انسان کی مانند۔

پیروں پر ورم آتا جا رہا تھا لیکن اب بھلا کسے کسی چیز کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ پھر مجھے ایک بستی کے آثار نظر آئے اور میں نے دل میں سوچا کہ جلد از جلد یہ فاصلے طے کر لوں تاکہ زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکوں' بہرحال نہ تو درویش تھا نہ مجذوب تھا کہ بھوک پیاس سے نگاہیں چرا سکتا۔ بستی تک پہنچنے کے لئے سفر کی رفتار تیز کر لی۔ اچھی خاصی آبادی تھی۔ چاروں طرف خوبصورت مکانات بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے مکان کے سامنے ایک درخت کے نیچے پڑاؤ ڈال لیا۔ تھکن نے نڈھال کر رکھا تھا۔ بہت ہی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ شدید بھوک اور پیاس نے ہاتھ پاؤں بے جان کر دیے تھے لیکن اتنی ہمت نہیں تھی کہ اب کہیں جا کر اپنے لئے خوراک تلاش کروں۔ درخت کے نیچے جس حال میں بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر لوگ میرے بارے میں کیا سمجھ سکتے تھے۔ اس کا مجھے اندازہ تھا۔

پھر تقدیر نے ایک نیا کھیل دکھایا۔ وہ ایک گھوڑا گاڑی تھی جس میں کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ کوچوان گھوڑا گاڑی کو چلا رہا تھا اور چند افراد ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ ان میں کچھ بھکاری بھی تھے جو ہاتھ پھیلائے دعائیں دیتے ہوئے گاڑی کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ دور سے مجھے دیکھ لیا گیا اور گاڑی کا رخ اس جانب ہو گیا۔ پھر گاڑی میرے پاس آ کر رک گئی اور اچانک ہی دو سفید ہاتھ گھوڑا گاڑی سے باہر نکلے۔ ان میں کھانے پینے کی اشیاء تھیں۔ یہ اشیاء جھک کر مجھے خیرات کی گئیں۔ میں نے تعجب سے نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور دوسرے لمحے میرے سارے وجود میں شدید سنسنی دوڑ گئی۔ کھانے پینے کی اشیاء میرے ہاتھوں میں رہ گئیں اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس گھوڑا گاڑی کو دیکھتا رہ گیا۔ میرا پورا وجود سنسنا رہا تھا اور حالت خراب ہوتی جا رہی تھی کیونکہ میں نے گھوڑا گاڑی میں جو چہرہ دیکھا تھا وہ نیل کنول کا چہرہ تھا۔ آہ بہت عرصے کے بعد وہ مجھے نظر آئی تھی۔ وہی جھکی جھکی آنکھیں وہی مسکراتے ہوئے ہونٹ جو بے کسی کے عالم میں بھی مسکراتے تھے۔ اس نے شاید مجھے نہیں دیکھا تھا اور اگر دیکھا بھی ہو گا تو پہچانا نہیں تھا۔ گھوڑا گاڑی دور چلی گئی میں ہاتھوں میں کھانے پینے کی اشیاء لئے ہوئے اسے دیکھتا رہا تبھی مجھے ایک آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے بابا جی! کھانا نہیں کھاؤ گے کیا؟" میں نے چونک کر گردن گھمائی ایک نوجوان تھا۔ پھٹے پرانے لباس میں ملبوس چہرے سے ایک عجیب سی کیفیت ٹپکتی تھی۔ وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔

"کھانا کھا لو بابا صاحب۔ میں آپ کو پانی لا کر دیتا ہوں۔ کھا لیجئے کھانا۔" میں اپنے ہوش و حواس درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مٹی کے ایک برتن میں پانی لے کر آیا اور مجھ سے بولا۔

"ارے آپ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" میں چونکا بھوک اور پیاس کی شدت نے ایک بار پھر مجھے جگا دیا۔ نیل کنول کو تو دیکھا تھا لیکن بھوک پیاس اپنی جگہ تھی۔ میں کھانا کھانے لگا اچانک ہی مجھے کچھ خیال آیا تو میں نے اس نوجوان سے کہا۔

"لو تم بھی کھا لو۔" نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے کہا۔

"بابا صاحب! میں کھا چکا ہوں۔ تقدیر نے بھیک کی روٹی لکھ دی تھی وہ بھی کھا لی۔ اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی اس منزل کے راہی نہیں ہیں۔ کیوں غلط کہہ رہا ہوں کیا؟" میں نے کھانا شروع کر دیا۔ چند لمحات خاموشی سے کھانے کے بعد میں نے اس سے پھر کہا۔

"لو کچھ تھوڑا سا کھا لو۔"

"نہیں آپ یقین کریں اسی نے مجھے بھی دیا تھا۔ میں نے لے کر کھا لیا چونکہ دو دن کا فاقہ ہو چکا تھا اور میرے خیال میں دو دن کے فاقے کے بعد اس طرح کی اشیاء کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں مزاح کا عنصر تھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کھانے پینے کی جو اشیاء مجھے دی گئی تھیں انہیں معدے میں اتارنے کے بعد میں نے پانی پیا اور پھر چونک کر اسے دیکھا۔

"تم بہت اچھے انسان ہو اللہ تمہیں خوش رکھے۔ کیا نام ہے تمہارا؟ تم نے مجھے پانی لا کر دیا ہے۔"

"بس اتنی سی بات پر میں اچھا انسان ہو گیا بابا صاحب! پتہ نہیں کس مطلب سے آپ کے پاس آ بیٹھا ہوں۔"

"خیر یہ بات نہ کرو۔ اس کائنات میں انسان صرف اپنی ذات سے عشق کرتا ہے۔ باقی سب بے کار باتیں ہیں۔ ہو گی کوئی بات تمہارے بھی سینے میں۔ تم کیا جانو میرے سینے میں کیا کیا ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"علی ہے میرا نام۔"

"اچھا۔ بہت عظیم نام ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

"بابا صاحب! آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"میرا نام بابر علی ہے۔ بس بابر کا اضافہ ہے اس میں۔"

"خوب اضافہ ہے۔ ویسے بابا صاحب! ایک عجیب سی کیفیت محسوس کی تھی میں نے آپ کے چہرے پر۔"

"کیا مطلب؟"

"نوجوان آدمی کے دل میں کسی نوجوان اور حسین لڑکی کو دیکھ کر اگر یہ تصور نہ ابھرے تو اس کی جوانی پر لعنت ہے۔"

"بہت بولتے ہو۔ بے تکا بولتے ہو۔ ویسے یہ کون تھی؟"

"پہلے تو مجھے بھی نہیں معلوم تھا لیکن اب پتہ چل گیا ہے اس کے بارے میں۔ وہ نیل کنول ہے۔ مہاراج امرناتھ کی بیٹی۔ رانا امرناتھ یہاں بہت بڑے زمیندار ہیں۔"

"کہاں رہتی ہے وہ؟"

"وہ سامنے جو آپ کو اینٹوں سے چنا ہوا احاطہ نظر آ رہا ہے نا وہ رانا امرناتھ کی حویلی ہے یہ لڑکی روزانہ خیرات بانٹنے نکلتی ہے۔ سنا ہے بیمار ہے اور دان پن کرنے نکلتی ہے۔"

رانا امرناتھ، نیل کنول پھر اس کے بعد بھلا مجھے رانا امرناتھ کی حویلی جانے سے کون روک سکتا تھا۔ علی کو میں نے وہیں چھوڑا تھا اور رانا امرناتھ کی حویلی چل پڑا تھا۔ جب میں حویلی کے دروازے پر پہنچا تو ایک دربان نے مجھے روکا اور پوچھا۔

"کہاں جانا چاہتے ہو بھائی؟" میں نے ایک دم سے سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں نے کہا۔

"نیل کنول بیمار ہے نا۔ اس کا علاج کرنے آیا ہوں۔"

"آجاؤ۔ آجاؤ۔" اس نے کہا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ مجھے اتنی آسانی سے حویلی میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ بڑی عظیم الشان حویلی تھی۔ سامنے کے حصے پر لاتعداد در بنے ہوئے تھے۔ ایک در کے نیچے مجھے بٹھا دیا گیا اور دربان رانا امرناتھ کو اطلاع دینے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندر بلا لیا گیا اور میں دو آدمیوں کے ساتھ چل پڑا۔ وہ لوگ مجھے حویلی کے اندرونی حصے میں لے گئے۔ ایک راہداری طے کرنے کے بعد مجھے نیچے سیڑھیوں میں اترنا پڑا۔ یقینی طور پر یہ زیر زمین کوئی جگہ تھی۔ بہرحال میں وہاں پہنچ گیا۔ جگہ واقعی بہت شاندار تھی۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ پردے پڑے ہوئے تھے۔

مجھے ایک صوفے پر بٹھا دیا گیا اور مجھے لانے والے وہاں سے چلے گئے۔ ایک گھنٹہ، دو گھنٹے، تین گھنٹے۔ کوئی واپس نہیں آیا تو میں حیران ہو کر دروازے کی جانب بڑھا لیکن جب دروازے پر پہنچ کر میں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو دروازہ مجھے باہر سے بند ملا۔ یہ میرے لئے انتہائی حیران کن بات تھی۔ یہ کیا قصہ ہے نہ کوئی مجھ سے ملا نہ کسی نے مجھ سے بات کی اور وہ لوگ مجھے بند کر کے چلے گئے۔ دروازہ پیٹا لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ اب تو میں عجیب سی پریشانی کا شکار ہو گیا تھا۔ کوئی آٹھ گھنٹے مجھے اس طرح گزر گئے اس کے بعد دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا۔ اس نے کھانے کا تھال نیچے رکھا اور پھر فوراً ہی واپس پلٹ گیا۔ پانی بھی یہاں موجود تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ حویلی والوں نے مجھے قید کر دیا ہے۔ کسی سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن کس سے پوچھتا۔ بہرحال تقدیر پر بھروسہ کرنے کے بعد کھانا کھا لیا پانی پی لیا اور پھر لیٹ گیا، لیکن ذہن پر سوچوں کی یلغار تھی۔ یہ قصہ کیا ہے پھر رات ہو گئی۔ دوسری صبح پھر اس طرح دروازہ کھلا اور ناشتے کی چیزیں اندر رکھ دی گئیں۔ میں نے چیخ کر کہا۔

"میری بات تو سنو بھائی! ارے سنو۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میری بات تو سن لو۔" لیکن کھانا لانے والا فوراً ہی واپس پلٹ کر چلا گیا۔ اس طرح مجھے یہاں اس تہہ خانے میں پانچ دن قید رہنا پڑا۔ چھٹے دن جب دروازہ کھلا تو میں بری طرح زندگی سے عاجز آ چکا تھا لیکن دروازے سے اتر کر آنے والی نیل کنول تھی۔ میں اسے دیکھ کر سحر زدہ ہو گیا۔ آخری سیڑھی سے اترنے کے بعد وہ مجھ سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھ گئی، لیکن میں نے اسے زور سے پکارا۔

"نیل کنول۔" اس نے مجھے جس انداز میں دیکھا تھا وہ عجیب سا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکایت تھی۔

"نیل کنول تم مجھے پہچان گئی ہو نا؟"

"تمہیں نہیں پہچانوں گی بے وفا! خود غرض۔" اس نے کہا۔

"میں بے وفا، خود غرض۔"

"تو اور کیا۔ زندگی میں کیا نہیں کیا تھا تمہارے لئے۔ زندگی آسان اور خوبصورت بنا دی تھی۔ اپنی شکل و صورت بدل لی تھی۔ جتنا چاہتے حسن اپنے اندر پیدا کیا جا سکتا تھا۔ نہ بتاتی تو تمہارے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہوتا کہ میری اصل کیا ہے۔ سب کچھ جتنا دیا اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا۔ مگر تم نے، تم نے ٹھکرا دیا۔ پتہ نہیں کیسے کیسے پھیر میں

پڑ گئے کتنی بری بات ہے۔"

میں حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ پتہ نہیں کیا بکواس کر رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اس کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میرے دل میں خوف و دہشت ابھر آئی۔ یہ پورنی تھی۔ نیل کنول نہیں تھی بلکہ پورنی نے نیل کنول کا روپ دھارا تھا۔ دفعتاً ہی عقب سے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور پھر میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے لئے ناقابل یقین تھا۔ سب سے آگے ناگو تھا اور اس کے پیچھے وہ بھیانک صورتیں جو مجھ سمیت مل کر تیرہ ہوتی تھیں۔ وہ سارے کے سارے اپنے اسی خوفناک روپ میں سیڑھیاں اتر کر چلے آ رہے تھے۔ سب کی آنکھوں میں خون کی پرچھائیاں تھیں۔ پورنی پیچھے ہٹ گئی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں بہت ہی برے پھیر میں پڑ گیا ہوں۔ میں نے دہشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری مٹھیاں کسی چیز سے بھر گئی ہوں۔ میرے ہاتھ بڑے بڑے ہو گئے ہیں۔ ناگو خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"میں رانا امرناتھ ہوں۔"

"تم ناگو، تم تو مر چکے تھے؟" جواب میں ناگو نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"ہم کبھی نہیں مر سکتے سمجھے۔ ہم امر ہیں۔ تم سو دفعہ ہمیں مارو گے، ہم جی جائیں گے کبھی نہیں مار سکتے تم ہمیں، سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"لیکن ناگو بابا۔"

"مت کہو مجھے ناگو بابا۔ بے ضمیر انسان، ہم لوگوں نے کیا احسانات نہیں کئے تھے تم پر۔"

"مگر میں نے تمہارے ساتھ کیا برا کیا یہ تو بتاؤ؟"

"کہا تھا ناں۔ چودھواں شامل نہیں ہونا چاہئے ہم میں۔ عشق کرنے لگے اس نیل کنول سے، ہیں۔ چودھویں تھی یا نہیں۔ ارے سارا سنسار ایک طرف اور ہم تیرہ ایک طرف۔ جو چاہتے کر سکتے تھے۔ سب کچھ بتا دیا تھا الف سے لے کر ے تک کہ سنسار کا سارا حسن تمہارے چرنوں میں سمیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ عورت ہے کیا چیز جس طرح بھی چاہو گے تم اپنی من پسند عورت کو حاصل کر سکتے۔ ہو دولت کا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ سب کچھ تھا تمہارے لئے۔ پر تمہیں جو عشق کی سوجھی تھی یہ نہیں سوچا تھا کہ جو لوگ تمہارے لئے سب کچھ کرنے کا باعث بنے ہیں انہیں کوئی نقصان پہنچ جائے گا۔ کر دیا نا ہمیں برباد۔ تباہ کر دیا تم نے اور اس کے بعد کہتے ہو کہ میں نے کیا کیا ہے۔ کیا معصومیت

ہے تمہارے اندر۔"

"مگر.........."

"کچھ مگر، وگر نہیں ہم تو مرے ہیں تمہیں بھی ہمارے ساتھ مرنا ہو گا، سمجھے؟"

"سنو تم مجھے نہیں مار سکتے۔"

"ارے جا۔ اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے۔" ناگو نے کہا اور اچانک ہی مجھے اپنے ہاتھوں کی مٹھی میں ایک عجیب سی کلبلاہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے چونک کر مٹھیاں کھولیں۔ اس میں چھوٹے چھوٹے کالے رنگ کے کیڑے بھرے ہوئے تھے۔ ایک دم سے میں نے خوفزدہ ہو کر مٹھیاں کھول کر ہاتھ جھاڑے اور سارے کیڑے زمین پر گر پڑے۔ سامنے کھڑے تیرہ افراد نے ان کیڑوں کو تعجب سے دیکھا اور پھر اچانک ہی ان کے چہروں پر خوف کے آثار پھیل گئے۔ میں نے خود بھی حیرانی سے ان کیڑوں کو دیکھا تھا جو اپنا حجم بڑھاتے جا رہے تھے اور پھر وہ اچانک ہی ان سب پر حملہ آور ہو گئے۔ وہ ان کی پنڈلیوں سے چپک گئے تھے اور ان کی دہشت بھری چیخیں فضا میں گونجنے لگی تھیں۔

"یہ.......... یہ.......... یہ، اوہ.......... یہ.......... یہ..........۔" وہ خوف بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے اور میں خاموش کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے دل کو ایک اطمینان سا تھا۔ یہ وہ ہوا تھا جو میرے دل میں تھا، لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جو میرے دل میں ہے وہ کسی ایسی شکل میں نمودار ہو جائے گا۔ وہ کیڑے ان کے جسموں کو کھانے لگے۔ وہ ان کے جسموں سے لپٹ گئے تھے اور وہ سب تہہ خانے میں دوڑتے پھر رہے تھے۔ ایک عجیب و غریب منظر تھا۔ ایک انتہائی وحشت ناک عمل جسے دیکھ کر دل دھڑکنا بھول جائے۔ وہ زمین پر گر رہے تھے اور کیڑے انہیں کھا رہے تھے۔ ان کے جسم آہستہ آہستہ گوشت سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔ پھر وہ سب ڈھانچوں کی شکل میں پڑے رہ گئے۔ جگہ جگہ نچا ہوا گوشت ان کے جسم سے چپکا ہوا تھا۔ کیڑے ان کی آنکھیں تک کھا گئے تھے اور کچھ لمحوں کے بعد وہاں سارا کھیل ختم ہو گیا۔ میں حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر دفعتاً ہی زمین میں ایک جگہ ایک سوراخ نمودار ہونے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے مٹی اس سوراخ میں دھنستی جا رہی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے سوراخ خاصا بڑا ہو گیا اور وہ سارے کیڑے یلغار کر کے اس سوراخ کی جانب دوڑنے لگے۔ وہ ایک قطار کی شکل میں اس سوراخ میں گھستے جا رہے تھے۔ اور ان کا حجم چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔ پھر آخری کیڑا بھی اس سوراخ میں داخل ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے وحشت زدہ نگاہوں

سے تہہ خانے کا جائزہ لیا لیکن یہ کیا۔ ایک دم ہی میری آنکھوں میں خوف و دہشت نظر آنے لگی۔ میں تو ایک بالکل کھلی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ نہ تہہ خانہ تھا اور نہ وہ عمارت۔ میرے خدا.......... میرے خدا یہ طلسمی دنیا بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ ساری سائنس اس کے سامنے بے اثر بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ سارے انسانی ڈھانچے میرے سامنے پڑے ہوئے تھے اور وہ عمارت غائب تھی۔ البتہ تھوڑے فاصلے پر وہ درخت موجود تھا جہاں میں تھوڑی دیر قبل بیٹھا ہوا تھا اور وہیں میں علی کو چھوڑ کر گیا تھا۔ اچانک ہی میرے کانوں میں ایک مدھم سی سرگوشی گونجی۔

"اگر ان لوگوں سے دائمی نجات چاہتا ہے تو انہیں دفن کردے۔ یہ اگر کھلے آسمان کے نیچے پڑے رہے تو ایک بار پھر ان کے جسموں میں عفریتی زندگی بیدار ہو جائے گی اور یہ ایک بار پھر تیری راہ پر لگ جائیں گے۔ نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو ان سب کو گڑھا کھود کر دفن کردے۔ وہ لڑکا تیری مدد کر سکتا ہے جو سامنے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ وہ تیرے لئے ایک اچھا ساتھی ثابت ہوگا۔ اسے مستقل اپنے ساتھ رکھو۔" اتنی واضح اور نمایاں سرگوشی تھی اور اس سرگوشی میں انتہائی نمایاں ہدایت تھی۔ میں بھلا اس سے منکر کیسے ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا علی کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا تم کچھ انسانی جسموں کو زمین میں دفن کرنے کے لئے میری مدد کر سکو گے۔"

"انسانی جسم۔ زمین میں دفن؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ دیکھو سامنے انسانی پنجر پڑے ہوئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں انہیں دفن کرنا بڑا ضروری ہے۔"

"وہ اس طرف ایک قدرتی گڑھا سا بنا ہوا ہے۔ تم چاہو تو اس گڑھے میں انہیں دفن کر سکتے ہو۔ ہم انہیں مٹی سے دبا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے آؤ۔" علی نے بے لوث میرے ساتھ یہ کام کیا اور میں اس کا ممنون ہو گیا لیکن جو حیرت ناک واقعات پیش آئے تھے وہ میرے لئے ناقابل یقین تھے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کتنا ہولناک ہے۔ واقعی اگر وہ کھلے آسمان کے نیچے پڑے رہتے تو شیطانی قوتیں انہیں دوبارہ زندگی دے دیتیں اور اس کے بعد پھر وہی سب کچھ ہوتا۔ وہی سب کچھ ہوتا۔ بس کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس طلسمی عمل کی وسعتیں کہاں تک ہیں۔ غرض یہ کہ ان سب کی تدفین ہو گئی۔ علی کو ساتھ رکھنے کا اشارہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔

"سنو۔ تم کیا کرتے ہو علی؟" علی نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"بابا صاحب۔ زندگی میں پتہ نہیں کیسے کیسے واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ میں تو ان لوگوں کو دیکھتا ہوں۔ صبح کو مزدوری کرنے کے لئے نکلتے ہیں۔ دن بھر شدید محنت کرتے ہیں اور شام کو جب گھر واپس جاتے ہیں تو ان کے لئے ان کے گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور ان کے اہل خانہ ان کے منتظر ہیں۔ سوچتا ہوں کہ کیسا لگتا ہوگا انہیں۔ بابا صاحب! سچی بات یہ ہے کہ انسان زندگی میں یہی سب کچھ چاہتا ہے اور جو ان چاہتوں سے ہٹ جاتا ہے وہ نااہل تو نہیں ہوتا۔ بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس کے سوچنے کا انداز بدل جاتا ہے۔"

"میں نے تم سے تمہارے بارے میں پوچھا تھا۔"

"کیا بتاؤں بس یوں سمجھ لیجئے کہ بتانے کو بہت کچھ ہے، لیکن دل نہیں چاہتا۔ ایک شخص بھی اس کائنات میں ایسا نہیں ہے جس سے میں یہ کہہ سکوں کہ بھائی! مجھے اپنا ساتھ اور قرب دے دو۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔ تمہاری خدمت کروں گا۔ تمہارے لئے زندگی کی ہر سانس وقف کر دوں گا۔ ایک شخص، صرف ایک شخص۔ چھوڑو یہ تو میری دکھ بھری کہانی ہے۔ تم سناؤ نیل کنول سے ملے؟"

"تمہیں یاد ہے؟"

"ہاں۔"

"اور امرناتھ؟"

"امرناتھ بھی یاد ہے۔"

"مگر تم نے کہا تھا کہ امرناتھ کی حویلی وہ ہے۔"

"ہاں وہی ہے۔"

"لیکن وہاں امرناتھ تو نہیں رہتا۔"

"نہیں رہتا؟"

"ہاں۔"

"کیا بات کر رہے ہو؟ رانا امرناتھ جی وہیں رہتے ہیں اس بستی میں مجھے کافی دن گزر چکے ہیں۔ نیل کنول کو بھی اس انداز میں جانتا ہوں اور رانا امرناتھ کو بھی۔"

میرا دل ایک بار پھر دھڑکنے لگا۔ وہ نیل کنول کوئی اور تھی جو مجھے ملی تھی۔ اور جو

واقعات نظر آئے وہ کچھ اور تھے اور اصلیت کچھ اور ہے۔ یہ سوچ میرے ذہن پر حاوی ہوتی جارہی تھی۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے لیکن پھر خود ہی دل کو تسلی دی نیل کنول کا پیچھا کرتا ہوا وہاں پہنچا تھا لیکن نیل کنول نہیں ملی۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا جب مجھے میری منزل کا نشان ملے۔ اگر ایسی بات ہے تو ضد تو مجھے نہیں کرنی چاہئے۔ پہلے بھی مجھے یہی ہدایت کی گئی تھی کہ وقت کی لگام پکڑے رہوں۔ وقت جب بھی جو مناسب فیصلہ کرے گا وہ عالم وجود میں آجائے گا۔ فوراً ہی اس جگہ سے جانے کا ارادہ کر لیا اور پھر علی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ علی! تم نے اس تھوڑے سے وقت میں میری جو مدد کی ہے اس کے لئے میں تمہارا ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔" علی نے چونکی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ میں اصل میں اس کی زبان میں یہ سننے کا منتظر تھا کہ وہ میرا ساتھ دے گا۔ میں نے کہا۔

"تو میں چلوں۔"

"جاؤ۔ دنیا اس طرح چلی جاتی ہے۔ یہی میں بتا رہا تھا کہ تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں ہے کوئی یہ نہیں کہتا کہ علی میرے ساتھ چلو۔"

"میں کہہ سکتا ہوں علی! میں کہہ سکتا ہوں اگر تم خود میرے ساتھ جانا پسند کرو۔" علی کے چہرے پر ایک دم خوشی کے تاثرات نظر آئے اس نے کہا۔

"اور میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ایک ایک سانس تمہاری رفاقت میں گزرے گی۔ بابر علی! کبھی مجھے اپنے آپ سے مختلف نہیں پاؤ گے۔ ایک زندگی ہے میری۔ ایک انوکھی کہانی ہے میری زندگی سے وابستہ۔ پھر کبھی سناؤں گا۔ بولو چلوں تمہارے ساتھ؟"

"چلو۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا پھر میں علی کے ساتھ وہاں سے چل پڑا۔ ذہن آزاد چھوڑ چکا تھا۔ شروع میں اچھی خاصی رفتار تیز تھی۔ ہم سفر کرتے رہے۔ تیز دھوپ پڑ رہی تھی اور اس کی شدت اور تپش اتنی تھی کہ بدن کے کھلے ہوئے حصے جلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ اتنی شدید پیاس لگ رہی تھی کہ اب چکر آنے لگے تھے۔ علی پورے صبر کے ساتھ میرا ساتھ دے رہا تھا اچانک ہی اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اُدھر...... اُدھر دیکھو بابر......! اُدھر۔" میں نے اس کے اشارے پر نظر دوڑائی۔ بہت دور گہرائیوں میں کچھ درخت نظر آرہے تھے۔ اس وقت چھاؤں قدرت کی

نعمت تھی چنانچہ ہم تیز رفتاری سے اس جانب چل پڑے۔ درختوں کا فاصلہ کافی تھا۔ جب ہم درختوں کے قریب پہنچے تو صحیح معنوں میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تماشہ نظر آیا۔ وہاں بے آب و گیاہ چٹانوں میں انسان سے اللہ کی محبت کے جیتے جاگتے ثبوت مل رہے تھے۔ درختوں کے دوسری جانب چٹانی سلسلہ تھا اور ایک چٹان سے پانی کے قطرے زمین پر ٹپک رہے تھے اور پتھریلی شفاف گہرائیوں میں ایک ننھی سی جھیل بن گئی تھی۔ پانی اتنا شفاف تھا کہ تہہ کے پتھر تک نظر آرہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ناریل کے درختوں کا ایک طویل سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ روح خوش ہوگئی ناریل کے درخت اللہ کی نعمت کا وہ حصہ ہوتے ہیں جن کے قریب پہنچ کر زندگی کی صحیح حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ کھانے کے لئے میٹھا گودا۔ پینے کے لئے میٹھا پانی۔ یہ صحراؤں میں بکھرے ہوئے نعمت کا اظہار ہوتے ہیں۔ بہرحال اس کے بعد بھلا اس کی کیا گنجائش تھی کہ سوچنا سمجھنا پڑتا۔ ناریل خوب توڑے انہیں کھایا۔ پانی پیا۔ اس کے بعد چشمے کے پانی سے پورے بدن کو بھگو لیا اور پھر جو زمین پر لیٹے تو ساری تپش ختم ہوگئی اور ایسی گہری نیند سوئے کہ سورج ڈھل گیا۔ رات کی تاریکیاں زمین کے سینے پر اتر آئیں۔ آنکھ کھلی تو علی گہری نیند سو رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور بہت دیر تک خاموشی سے اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر علی بھی جاگ گیا اور میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ارے واہ۔ ہم تو ایسا لگتا ہے جیسے اپنے گھر کے روم میں سوتے رہے ہوں۔" میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"ہاں علی! گھر کا بیڈ روم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ قدرت کا بیڈ روم ہے۔"

"کیا پروگرام ہے اب؟"

"ظاہر ہے ان ویرانوں میں تو زندگی نہیں بسر کی جاسکتی۔ آگے چلتے ہیں۔"

ہم کھانے پینے کے بعد بہت سے ناریلوں کا ذخیرہ اپنے ساتھ لے کر آگے چل پڑے۔ پتہ نہیں یہ ویرانے کتنے وسیع تھے۔ آدھی رات تک چلتے رہنے کے بعد جب تھکن کا احساس ہوا تو ایک جگہ آرام کے لئے اپنائی پھر صبح ہوگئی۔ صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں سفر کیا۔ دوپہر کو ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں گھرے قدرتی درخت تھے۔ ان درختوں کے نیچے قیام کیا۔ یہاں ناریل کے درخت نہیں تھے چنانچہ اپنے ساتھ لایا ہوا ناریل کا ذخیرہ استعمال کیا اور اس طرح ہم تین دن تک اپنی آسانی کے مطابق سفر کرتے رہے۔ خدا کی قدرت کہ راستے میں کوئی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا جسے کسی واقعہ کے طور پر

یاد رکھا جاتا۔ پھر ایک بلندی سے ہمیں ایک عمارت نظر آئی۔ سامنے نظر آنے والی روشنی کے پس منظر میں بہت سی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ لگتا تھا کوئی بڑا شہر ہے۔ کیونکہ آسمان پر دن کا عکس یہاں سے بھی محسوس کیا جاسکتا تھا۔ ہم اس جانب چل پڑے اور پھر تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر ایک جگہ رکے۔ لیکن ہم جس جگہ رکے تھے وہ روشنیوں کی آبادی سے کافی دور تھی اور ایک بلند سی جگہ تھی۔ یہاں چھوٹے چھوٹے پتھروں سے ایک اونچی عمارت جیسی چیز چنی ہوئی تھی۔ البتہ یہ پہاڑی پتھروں سے چنا ہوا بلند کمرہ جیسا' بڑی عجیب جگہ تھی کیونکہ اس کے اطراف میں اونچی اونچی کچی دیواریں اٹھا کر ایک احاطہ بنایا گیا تھا۔ ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس بلند جگہ سے اوپر پہنچے اور پھر ہم نے اس کمرے کا جائزہ لیا جو پتھروں سے چنا ہوا تھا اور جس کی چھت بھی پتھروں ہی سے بنائی گئی تھی کسی خاص انداز میں لیکن یہاں کسی انسان کا وجود نظر نہیں آرہا تھا۔ ہم یہاں کا جائزہ لیتے رہے۔ ایک طرف پتھروں ہی سے چن کر ایک چبوترا سا بنایا گیا تھا۔ دوسری طرف پانی کے لئے مٹکے رکھے ہوئے تھے جن میں پینے کا پانی تھا اور گلاس اور پانی نکالنے والا برتن بھی۔ احاطے کی وسعت کافی تھی۔ درخت بھی لگے ہوئے تھے جن کی چھاؤں زمین تک پھیلی ہوئی تھی۔ اوپر کچھ جھنڈے جیسے بھی لگے ہوئے تھے۔ جن سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ یہ ایک مزار ہے لیکن یہاں مکمل ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی یہاں موجود نہیں تھا یا اگر ہوگا تو اس وسیع و عریض کمرے کے اندر ہوگا۔ ہم نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ہم تو روشنی دیکھ کر چلے آئے اور علی کے بیان کے مطابق دوسری طرف ایک وسیع وعریض آبادی صاف نظر آرہی تھی۔ مدھم مدھم روشنیاں اس آبادی میں زندگی کا پتہ دیتی تھیں اور یہ جگہ اس سے بالکل مختلف تھی۔ کسی پہاڑی کٹاؤ کی بلندی پر یہ مزار بنایا گیا تھا۔ بستی نیچے کی سمت آباد تھی۔

"کیا خوبصورت جگہ ہے۔" علی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کسی بزرگ کا قیام ہے یہاں لیکن کوئی نظر نہیں آرہا۔"

"دیکھ لیں گے ظاہر ہے دن کی روشنی میں کوئی نظر آئے گا۔ آؤ ان درختوں کے نیچے پناہ لیں۔ اس کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ صاحب خانہ کے کام میں مداخلت بے جا ہوگی۔" ہم نے ایک صاف ستھری جگہ تلاش کی اور وہاں آرام کرنے لگے۔ علی تو تھوڑی دیر کے بعد ہی سوگیا تھا لیکن میں خاموشی سے لیٹا ہوا

اطراف کا جائزہ لیتا رہا۔ ذہن میں خیالات کی پچھڑ چل رہی تھی۔ بہرحال بہت دیر اسی طرح گزر گئی اور پھر مجھ پر بھی غنودگی طاری ہونے لگی۔ اچانک ہی مجھے کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں۔ آہٹیں واضح اور نمایاں تھیں بالکل انسانی قدموں جیسی آواز تھی۔ میں چونک کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ علی گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے درخت کے تنے سے ٹیک لگائی اور یہ سوچنے لگا کہ آنے والا کون ہے لیکن کافی دیر گزر گئی کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے سوچا کہ یہ شاید یہ میری سماعت کا واہمہ ہو چنانچہ پھر ایک بار مجھ پر غنودگی سی طاری ہوگئی لیکن روشنی ابھری اور آواز بھی ساتھ ساتھ ہی پھر ایک کے بعد دیگرے مجھے کچھ افراد نظر آئے جو سایوں کی مانند اوپر آرہے تھے۔ انہوں نے کوئی سامان اٹھایا ہوا تھا۔ وہ پتھروں کے اس دروازے کے بغلی حصے سے گزرتے ہوئے عقبی حصے میں پہنچ گئے۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھتا رہا۔ پتہ نہیں کون تھے اور کیا چیز لے کر آئے تھے۔ بہرحال مجھے اس بات کا شبہ تھا کہ کہیں یہاں ہماری موجودگی کسی کے لئے قابل اعتراض نہ ہو۔ بہت دیر تک میں انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ پلٹ کر واپس آئیں لیکن پھر مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی اور اس کے بعد پتہ نہیں کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔ یہ آنکھ صبح کو اس وقت کھلی تھی جب درختوں پر پرندوں نے بے پناہ شور مچانا شروع کردیا تھا۔ بڑا سہانا وقت تھا آسمان سے جیسے نور برس رہا تھا۔ نگاہ کی آخری حد تک ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔ علی بھی جاگ گیا تھا اس نے مجھے دیکھا اور ہنس کر بولا۔

"واہ صحیح معنوں میں کسی دوست کی ہم نشینی کا احساس ہو رہا ہے۔" میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور علی کے ساتھ اس جگہ آگیا۔ جہاں سے گہرائیوں میں بکھرا ہوا شہر نظر آرہا تھا۔ ہم دیر تک اسے دیکھتے رہے علی کے منہ سے نکلا۔

"کافی بڑی آبادی ہے۔ وسیع اور خوبصورت۔ ارے وہ دیکھئے۔" اچانک ہی علی نے اشارہ کیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو دو آدمی ان پتھروں سے چنے ہوئے وسیع و عریض کمرے کے بغلی حصے سے نکلتے ہوئے آرہے تھے۔ ان کی نگاہ ہم پر پڑی تو وہ دونوں ٹھٹھک کر رک گئے۔ ان کے چہروں پر عجیب سے تاثرات نظر آئے۔ پھر وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے ہمارے پاس آگئے۔ شکل و صورت سے اچھے آدمی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ تندرست اور توانا اور بگڑے ہوئے چہروں والے۔ ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔

"کون ہو تم لوگ اور کیا کر رہے ہو؟"

"ارے بھائی! نہ سلام نہ دعا' مسافر ہیں۔ یہاں آگئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تمہارا گھر ہے اس کے لئے تم سے معافی چاہتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ تھکن ہمیں یہاں لے آئی۔"

"صبح ہی صبح تم یہاں پہنچ گئے۔ دیکھا نہیں کہ احاطے میں آنے کے لئے راستہ بنا ہوا ہے۔"

"کیا تم یہاں گھومتے پھرے ہو؟"

"نہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ رات کو یہاں آئے تھے اور روشنی دیکھ کر اس طرف چلے آئے تھے۔ احساس یہ ہوا کہ کسی بزرگ کا مزار ہے تو سوچا کہ سلام بھی کرتے چلیں اور رات بھی یہاں گزار لیں۔"

"تو تم نے رات یہاں گزاری ہے؟"

"ہاں۔ اس درخت کے نیچے۔" میں نے جواب دیا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"

"بس آوارہ گرد ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ زندگی کا سفر طے کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔"

"فضول باتیں کر رہے ہو۔ تم اس جگہ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"ابھی کیا جان سکتے ہیں۔ ابھی تو تم ہمیں پہلے انسان نظر آئے ہو تم سے یہاں کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں؟" دونوں نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔ پھر ان میں سے ایک بولا۔

"بہت بے وقوف آدمی ہو تم۔ یہ بڑی خطرناک جگہ ہے۔"

"مگر ہمارا تو خیال ہے یہ کسی بزرگ کا مزار ہے۔"

"مزار ہی ہے لیکن آس پاس سے کبھی کبھی درندے بھی سلام کرنے چلے آتے ہیں۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"بھائی! درندے اگر سلام کرنے آتے ہیں تو پھر درندے کہاں رہے۔ وہ تو بزرگ کے عقیدت مند ہو گئے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی بزرگ کی عقیدت مندی میں یہاں آنے والے درندے ہوں یا انسان ان کے دلوں میں نیک جذبے ہی ہوا کرتے ہیں۔" دونوں عجیب سی نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگے۔ پتہ نہیں انہوں نے ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کیا لیکن بہرحال خاموش ہی رہے اور سوچ میں ڈوب گئے۔

"کیا سوچنے لگے بھائی! تم اپنے بارے میں بھی تو ہمیں بتاؤ۔ کیا ہمارا خیال غلط ہے؟ کیا یہ کسی بزرگ کا مزار نہیں ہے؟"

"کیا بات کرتے ہو۔ یہ شاہ بڑے کا مزار ہے اور شاہ بڑے کے بارے میں اگر تم نہیں جانتے تو یوں سمجھ لو کہ زندگی میں کچھ بھی نہیں کیا تم نے یہاں۔"

"مگر تم کون ہو؟"

"غلام ہیں بڑے شاہ کے۔ ان کے دربار میں حاضری دیتے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ کیا یہاں آنے والے درندے انسانوں کو ہلاک کر دیتے ہیں؟"

"نہیں' لیکن لوگ دن کی روشنی میں آتے ہیں اور دھوپ ڈھلے چلے جاتے ہیں تاکہ اگر درندے ہوں تو انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔"

"ایک بات بتائیے درندے نے آپ کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟" میں نے سوال کیا۔

"بڑے شاہ کے غلاموں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"کیا کہوں۔ بس شام ہونے سے پہلے یہاں سے بھاگ جانا سمجھے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ میں مسکراتی نگاہوں سے انہیں جاتے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے علی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا کہتے ہو علی؟"

"عجیب سی باتیں ہیں مگر ہمیں کیا۔"

"بس یہیں اپنا ٹھکانہ بنائیں گے۔" میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ علی چونک کر مجھے دیکھنے لگا' لیکن اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ بہت دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد علی کہنے لگا۔

"ویسے بابر علی! یہ جگہ ویسے تو ایک عام سی جگہ معلوم ہوتی ہے میرا مطلب ہے ایک مزار شریف جہاں کسی کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔ البتہ ان لوگوں نے جو انداز اختیار کیا تھا اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ کسی کو یہاں مستقل طور پر نہیں رہنے دینا چاہتے۔" میں نے مسکراتے ہوئے علی کو دیکھا اور کہا۔

"مگر علی میرا دل کہتا ہے کہ ہمارا یہیں رکنا زیادہ بہتر ہوگا ہمارے لئے۔"

"اور اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو۔"

"تو دیکھ لیں گے جو بھی گڑبڑ ہوئی اس کا کوئی نہ کوئی حل تو نکل آئے گا۔ اوہو دیکھو' شاید کچھ لوگ آرہے ہیں۔" ہم وہاں سے ہٹ گئے اور ہم نے ایک ایسی جگہ تلاش کرلی۔ جہاں ہم چھپ کر وہاں کا جائزہ لے سکتے تھے۔ یہ آنے والے عقیدت مند تھے۔ پھول' ہار' چادریں اور پھر اس بڑے وسیع وعریض کمرے کا دروازہ بھی کھل گیا۔ لوگ اندر داخل ہوگئے۔ رفتہ رفتہ خاصی چہل پہل پیدا ہوگئی۔ میں نے کہا۔

"علی! دنیا وہاں آجا رہی ہے صرف ہم پر ہی تو پابندی نہیں ہوگی۔ آؤ ذرا ہم بھی زیارت کریں۔" علی نے میری بات سے اتفاق کیا تھا چنانچہ ہم عقیدت مندوں کی مانند اس کھلے دروازے کی جانب چل پڑے۔ اندر ایک بلند وبالا مزار موجود تھا جو پھولوں اور چادروں سے ڈھکا ہوا تھا۔ رش بڑھتا ہی جارہا تھا۔ پھر کھانے پینے کی کچھ چیزیں بیچنے کے لئے بھی آگئے اور ان کا آنا ہمارے لئے بڑا ہی مبارک ثابت ہوا چونکہ ہم نے بھی کچھ چیزیں خریدنی تھیں اور ہمارا گزارا ہوگیا تھا۔ یہ بڑی اچھی بات تھی۔ بہرحال اس طرح پورا دن گزر گیا لیکن جیسے ہی سورج نے ڈھلان کا راستہ اختیار کیا۔ لوگوں نے واپسی شروع کردی۔ جیسے جیسے سورج ڈوبتا چلا گیا۔ گھبرائے ہوئے لوگ تیزی سے وہاں سے جانے لگے۔ غالباً اس جگہ کے بارے میں یہ روایت خاص طور سے جاری کی گئی تھی۔ پھر سورج چھپا تو وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ البتہ ہم نے اپنا پرانا ٹھکانا سنبھال لیا۔ مزار کا دروازہ اندر سے بند ہوگیا تھا اور پھر جب ہر طرف گہرا سناٹا پھیلا تو اوپر چراغ روشن ہوگیا۔ ہم بڑی دلچسپی سے اس انوکھی جگہ کا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر اچانک ہی ہمیں اپنے عقب میں قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور ہم نے چونک کر دیکھا۔ یہ وہی دونوں افراد تھے جو پہلے ہمیں مل چکے تھے اور ہماری یہاں موجودگی پر انہوں نے اعتراض کیا تھا۔ انہوں نے پھر ہمیں دیکھ لیا اور تیز رفتاری سے چلتے ہوئے ہمارے پاس پہنچ گئے۔

"تمہارا دماغ خراب ہے جو تم ابھی تک یہاں موجود ہو؟"

"ہاں بھائی! دماغ بھی خراب ہے اور کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے ہمارے پاس۔ ہمیں یہاں کچھ وقت گزارنا ہے۔"

"بیوقوفو! ہم نے جو کچھ تم سے کہا ہے وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آیا؟"

"یہی کہ یہاں کبھی کبھی درندے آجاتے ہیں کئی وارداتیں بھی ہوچکی ہیں۔"

"تعجب کی بات ہے اللہ والے بزرگ ہیں ان کے قدموں میں تو امن وآشتی ہونی

چاہئے۔"

"تم اعتراض کررہے ہو اس بات پر۔"

"نہیں کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وہ دونوں کچھ دیر سوچتے رہے پھر واپس پلٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئے اور ان میں سے ایک کے ہاتھ میں کھانے کے برتن تھے۔

"بھوکے مرنے سے بہتر ہے کہ جو دال دلیہ ہے وہ کھالیں۔ کیا کریں زبردستی کے مہمانوں کی خاطر مدارت تو کرنی ہی پڑتی ہے۔"

"ارے نہیں۔ یہ تکلیف مت کرو۔"

"بس بس.......... لیکن خدا کے واسطے کل چلے جانا یہاں سے۔ تم لوگوں نے ہماری بلاوجہ کی ذمے داریاں بڑھادی ہیں اور کچھ پریشانیاں بھی پیدا کردی ہیں ہمارے دل میں۔ کھانا کھاؤ۔" کھانا بہت اچھا تھا تازہ پکا ہوا تھا۔ علی نے کہا۔

"یوں لگتا ہے یہاں ان لوگوں نے رہنے کے لئے کوئی جگہ بنائی ہوئی ہے۔"

"مزار کے مجاور ہیں اور تم دیکھ رہے ہو علی اچھے خاصے چڑھاوے آتے ہیں مزار پر۔ کون ایسی چیزوں کو چھوڑنا پسند کرتا ہے بلکہ شاید ان لوگوں نے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے یہاں درندوں وغیرہ کا قصہ چھیڑا ہوا ہے تاکہ لوگ ان کی آسائشوں میں دخل اندازی نہ کریں۔ ایک طویل تجربہ رہا ہے مجھے بھائی اس زندگی کا۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ عقیدت کے نام پر کس طرح دوسروں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ چلو کھانا کھاؤ۔"

کھانا بہت عمدہ تھا ہم نے کھانا کھایا پانی پیا لیکن پانی پیتے ہی سر بری طرح چکرانے لگا۔ عجیب سی کیفیت ہوگئی تھی۔ ہر چیز گھومتی ہوئی لگ رہی تھی۔ علی تو چند ہی منٹ میں لمبا لمبا لیٹ گیا۔ میری بھی آواز بند ہوگئی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخوں' لیکن آواز حلق سے نہیں نکل رہی تھی۔ آہستہ آہستہ ہوش وحواس رخصت ہوگئے اور پھر میں بھی لمبا لمبا ہی لیٹ گیا تھا۔ ظاہر ہے زندہ انسان کو ہوش تو آتا ہی ہے۔ مجھے جب ہوش آیا تو شاید صبح ہوگئی تھی۔ اجنبی جگہ تھی کہیں کہیں سے دھوپ کی لکیریں چھن چھن کر زمین تک آرہی تھیں اور اردگرد کا ماحول خوب اچھی طرح روشن ہوگیا تھا۔ میں نے حیران نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ بدن کے نیچے کھردرا سنگی فرش تھا اور قرب وجوار میں وہی پتھریلی دیواریں نظر آرہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے کسی غار کا دہانہ ہو جس سے روشنی آرہی ہے اور ہم اس غار میں پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے فوراً ہی ایک دم

سے علی یاد آیا۔ میں نے سوچا کہ وہ میرے پاس ہے یا نہیں۔ ویسے اس پہاڑی غار میں ہمارا اس طرح موجود ہونا تعجب خیز تھا لیکن دوسرے لمحے ایک اور احساس ہوا اور وہ یہ کہ ہاتھ پاؤں نہایت مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں۔ میں نے دیوار اور چھت تو دیکھ لی تھی۔ فرش پر علی کے تصور سے نگاہیں دوڑائیں تو وہ بھی ایک دیوار ہی سے لگا بیٹھا ہوا نظر آیا۔ مجھ سے پہلے جاگ گیا تھا مگر عجیب سے انداز میں بیٹھا ہوا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے سو رہا ہو۔ ہم گزرے ہوئے لمحات پر غور کرنے لگے اور کچھ ہی لمحوں کے بعد ہمیں فوراً ہی یہ احساس ہو گیا کہ کوئی بے ہوش کرنے والی چیز ہمیں دی گئی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ سب کچھ یاد آ گیا جو ہوا تھا۔ میں نے اپنے حواس جمع کئے اور علی کو آواز دی تو علی چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"تم ٹھیک ہو علی؟"

"بالکل ٹھیک ہوں آپ دیکھ لیجئے۔ بس ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔" اس نے اس انداز میں کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ میں آہستہ سے کھسکتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے علی کو دیکھا۔

"کیا صورتِ حال ہے؟"

"کیا کیا جائے۔ لگ رہا ہے کہ زندگی ایک بالکل نئے ماحول سے روشناس ہو رہی ہے۔"

"کیسی لگ رہی ہے یہ زندگی؟"

"آپ یقین کریں بہت اچھی۔ کم از کم اس میں کوئی تبدیلی تو ہے۔ یکسانیت تو انسان کو آدھا مار دیتی ہے۔" ابھی ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ ہمیں آہٹ محسوس ہوئی اور پھر کچھ لمحوں کے بعد چند افراد کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ ہمارے لئے عجیب ہی تھے۔ ہم نے پہلے ان کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ ان کی نگاہیں ہمیں گھور رہی تھیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں۔ اب تم اپنے حواس قابو میں کرو اور تم سے جو کچھ پوچھا جائے اس کا جواب دو ورنہ نتیجہ یہ ہو گا کہ زندگی بھر کے لئے ہاتھ پیروں سے محروم ہو جاؤ گے۔ سڑکوں پر گھسٹتے پھرو گے۔ تم سے جو کچھ پوچھا جائے۔ صاف اور سچ بتاؤ۔"

"آپ یہ بتائیے کہ کیا ہم اسی مزار پر ہیں جہاں ہم بے ہوش ہوئے تھے؟"

"میں نے کہا نا بکواس بند کرو اور زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ جو کچھ تم سے پوچھا جا رہا ہے صرف وہ بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے آپ کی مرضی۔ پوچھئے۔"

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟"

"کیا مطلب ۔ بھیجا سے کیا مراد ہے ہم خود اپنے پیروں سے چل کر جہاں آئے ہیں۔"

"گویا سچ بولنے کے موڈ میں نہیں ہو۔"

"بالکل سچ بولنے کے موڈ میں ہیں۔ آپ ہمیں کیا سمجھ رہے ہیں؟"

"شاہ مراد۔ شاہ مراد کے آدمی ہو تم۔"

"واہ۔ نام تو یہ بھی اچھا ہے اور بڑے شاہ کا نام بھی اچھا ہے مگر یہ شاہ مراد کون ہے ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے اور سنو ہم مسافر ہیں اور یہ جانے بغیر اس طرف نکل آئے تھے کہ یہ کون سا شہر ہے۔ ہم نے ابھی تک اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کیں۔ جنگل کی جانب سے ادھر پہنچے تھے یہ چراغ نظر آیا تو اس کی جانب چل پڑے۔ اس سے پہلے نہ کبھی اس شہر میں آئے اور نہ اس مزار پر۔"

"بکواس کر رہے ہو۔ بالکل بکواس کر رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ شاہ مراد ان دنوں ہمارے چکر میں پڑا ہوا ہے۔.......... لیکن........... لیکن۔"

"ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ جھوٹ نہیں بولیں گے اور ہم جھوٹ نہیں بولے۔ لیکن اگر آپ ہمارے ان الفاظ کو جھوٹ سمجھتے ہیں تو آپ کا حق ہے کہ جس طرح چاہیں ہمارے بارے میں تصدیق کر لیں۔ اگر جھوٹ نکلے تو ہمیں سزا دیں اور اگر سچ ہے تو ہمیں یہاں تھوڑے سے آرام کے لئے جگہ دے دیجئے۔"

"تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔"

"دیکھو دوست! تقدیر موت کے لئے وقت اور جگہ متعین کرتی ہے۔ اگر یہیں ہماری موت لکھی ہے تو بھلا اسے کون روک سکتا ہے۔" آنے والے دانت پیسنے لگے پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"بہت زیادہ نیک دل بننے کی کوشش مت کرو۔ ابھی تمہارے ساتھ کوئی سختی نہیں کی جا رہی ہے۔ ہمیں شاہ بڑے کا انتظار ہے۔ اگر شاہ بڑے تمہیں معاف کر دیں تو ٹھیک ہے ورنہ تم جانتے ہو ہم تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ تمہیں اپاہج کر دیا جائے گا۔ تمہاری زبان کاٹ دی جائے گی اور ہاتھ پاؤں توڑ دیئے جائیں گے اور اس کے بعد تمہیں مزار سے دور پھنکوا دیا جائے گا۔ تم یہ نہیں کہہ پاؤ گے کہ کس نے تمہارے ساتھ یہ

سلوک کیا ہے۔"

"اچھا ایک بات بتائیے شاہ مراد سے آپ کی کوئی دشمنی ہے؟ یہ تو مزاروں کا معاملہ ہے۔ یہ مزار ہے بھی یا نہیں یا پھر آپ لوگوں نے کوئی اور چکر چلا ڈالا ہے؟"

"دیکھو فضول بکواس سے گریز کرو۔ یہاں پڑے رہو۔ اس وقت تک جب تک شاہ بڑے تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرلیں اگر تم نے اپنے ہاتھ پاؤں کھولنے کی کوشش کی تو تمہارے ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے۔ جب تک شاہ بڑے تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کردیں تمہیں اسی جگہ رہنا پڑے گا۔ ہاتھ اس لئے کھول دیئے جارہے ہیں تمہارے کہ اپنے چھوٹے موٹے کام کرسکو۔ ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لئے ناشتہ پہنچ جائے گا۔ کھانا پینا اور یہاں مرتے رہنا۔ خبردار! یہاں سے نکلنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ اس دروازے کے آگے ایک چھوٹی سی سرنگ ہے اور سرنگ کے دوسرے حصے پر زبردست پہرہ ہے۔ پہرے دار یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم سرنگ کے دہانے تک کیسے پہنچے۔ انہیں جو ہدایت ملی اس پر عمل کریں گے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ ٹھیک ہے ان کی رسیاں کھول دو اور پیروں میں زنجیر ڈال کر تالے لگا دو تاکہ یہ تالا نہ کھول سکیں۔" ہمارے ہاتھوں کی رسیاں کھول دی گئیں۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر ان سے کہا تھا۔

"ہم سے آپ کو شکایت نہیں ہوگی جناب۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟" ان میں سے ایک نے انگلی اٹھا کر پوچھا۔

"بابر علی ہے میرا نام اور یہ میرا چھوٹا بھائی علی ہے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ چلو جو کچھ کہا گیا ہے اس پر عمل کرنا۔" اور آہستہ آہستہ وہ لوگ چلتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ہمیں یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ ابھی ہمارے ساتھ کوئی سختی نہیں کی جائے گی البتہ جب اس بات کا اطمینان ہوگیا کہ وہ لوگ دور جاچکے ہیں تو علی نے کہا۔

"مجھے تو یہ کوئی بہت ہی بڑی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔" میں سوالیہ نگاہوں سے علی کو دیکھنے لگا تو علی پُرخیال لہجے میں بولا۔

"پتہ نہیں بابر علی آپ کو اس سلسلے میں کوئی تجربہ ہے یا نہیں۔ منشیات کی تجارت کرنے والوں نے اور اسمگلنگ کرنے والوں نے ایسے ایسے جال پھیلائے ہوئے ہیں کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہیروئن کی فروخت ہوتی ہے اور باقاعدہ ڈرگ مافیا اس سلسلے میں کام کرتے ہیں۔ مجھے تو واقعی یہ جگہ بڑی خوفناک لگ رہی ہے۔ ارے ہاں! آپ کو یاد

میں کچھ لوگ کچھ سامان لے کر چڑھے تھے اور پھر پتھروں سے بنے ہوئے اس کمرے کے پیچھے غائب ہوگئے تھے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے لیکن میں اب دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جگہ صرف ایک ڈھونگ ہے بلکہ کمرے کے اندر جو قبر بنائی گئی ہے اور جس کی زیارت کرنے کے لئے لوگ آتے ہیں۔ وہ بھی ڈھونگ ہی ہے۔ معصوم اور سادہ لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ان سے چڑھاوے وصول کئے جاتے ہیں اور پھر پتہ نہیں یہاں کیا کیا ہوتا ہوگا۔"

"واقعی! یہ تو سنگین صورتِ حال ہے۔" میں نے کہا اور پھر میرے ذہن میں ایک تصور پیدا ہوا۔ ہوسکتا ہے یہاں مجھے کسی اہم مقصد کے تحت بھیجا گیا ہو۔ بہرحال یہ سارا مسئلہ بعد میں ہی پتہ چل سکتا تھا۔ علی نے کہا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے۔ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی جائے یا پھر صورتِ حال کا اندازہ لگایا جائے؟"

"علی تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"سچ کہوں۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ زندگی میں کوئی تبدیلی بہت ضروری ہے۔ ہم مار پیٹ بھی کرسکتے ہیں۔ دھائیں دھوں بھی کرسکتے ہیں لیکن فائدہ کیا ہوگا۔ کچھ کرکے جائیں تو مزہ بھی آئے گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اب دیکھو کتنے دن تک یہ لوگ ہمیں قید رکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے فی الحال تو سکون سے ہی وقت گزاریں گے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی اہم صورتِ حال ہمارے علم میں آئی تو پھر فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔" کوئی آدھے گھنٹے کے بعد وہ لوگ آئے اور انہوں نے کھانے پینے کے لئے ہمیں بہت سی اشیاء پیش کیں۔ بہرحال کھانا وغیرہ کھا لیا گیا۔ اچھا خاصا کھانا کھایا تھا۔ دوپہر کو البتہ کچھ نہیں دیا گیا لیکن صبح کو جتنی مقدار میں ناشتہ دیا گیا تھا۔ وہ کافی تھا۔ دوپہر ہوگئی۔ کوئی پانچ بجے کے قریب بھوک لگی تھی۔ ساڑھے چھ بجے غار میں کوئی داخل ہوا۔ یہ روشنی کے دیئے لئے ہوئے تھا۔ غاروں کے ابھرے پتھروں پر یہ چراغ رکھ دیئے گئے۔ اوپر سے روشنی بخشنے والے چراغ تاریک ہوگئے تھے اور اب یہ سرسوں کے تیل کے روشنی والے چراغ غار کی دیواروں پر لرزتے ہوئے سائے پیدا کر رہے تھے۔ وہ لوگ کچھ دیر کے لئے ساکت کھڑے رہے اور تھوڑی دیر گزری تھی کہ دروازے سے ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ مشعلیں اٹھائے ہوئے تھے۔ آنے والا سیاہ لمبے لبادے میں ملبوس تھا۔ اس کے بال جٹاؤں

کی شکل میں بکھرے ہوئے تھے۔ چند افراد ہماری جانب بڑھے اور انہوں نے ہماری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر ہمیں کھڑا کر دیا۔ اب غار میں دس بارہ افراد موجود ہوگئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے ایک مشعل ہاتھ میں لی اور ہمارے چہرے کے قریب کر دی۔ لمبے قدو قامت والا شخص غور سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"ایک بات بتاؤ۔ پولیس کے مخبر ہو یا شاہ مراد کے آدمی ہو؟ دیکھو! جو کچھ کہنا سچ کہنا۔"

"تم میں سے ہر شخص سچ کہنے کی بات کرتا ہے لیکن سچ کو سچ نہیں مانتا۔"

"اگر تم سچ بولنا چاہتے ہو تو بولو۔ میں اس کی پرکھ کرلیتا ہوں۔"

"ہم بس آوارہ گرد ہیں۔ شہر شہر مارے مارے پھرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ کبھی کہیں جاپڑتے ہیں کبھی کہیں۔ نہ کوئی گھر بار ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم لوگوں نے ان سے کہا تھا کہ اگر ہماری بات جھوٹ نکلے تو اپنے اصولوں کے مطابق عمل کرلینا۔ ہم اسے اپنی تقدیر سمجھ لیں گے۔ نہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے نہ کسی شاہ مراد وغیرہ کو ہم جانتے ہیں۔"

"اور تم لوگ کہتے ہو کہ تم سچ بول رہے ہو۔"

"اس کے بعد ہم میں سے کوئی شخص کوئی جواب نہیں دے گا' سمجھے۔" دفعتاً ہی کالے لبادے والا ایک آدمی کی طرف مڑ کر بولا۔

"رحیم خاں! یہ لوگ سچ بول رہے ہیں۔ انہیں کسی طرح سے کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ ابھی یہاں رکھو انہیں۔ ہوسکتا ہے ہم انہیں کام پر لگالیں۔ اگر یہ کوئی گڑبڑ کریں تو پھر یہ تمہارا حق ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے جائیں۔ سنو میرے دوستو! تمہارے بارے میں معلومات حاصل کئے لیتے ہیں ہم۔ اگر تم نے سچ کہا تو پھر ہم تمہیں موقع دیں گے کہ اپنی زندگی اور اپنی تقدیر بنالو اور اگر جھوٹے نکلے تم تو تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ کر تمہیں کہیں پھنکوا دیا جائے گا۔ اس دوران کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی تمہیں۔ ہر آسانی دی جائے گی' کیا سمجھے۔ چلتے ہیں خیال رکھنا۔" یہ کہہ کر اس نے اشارہ کیا اور پھر ایک ایک کرکے تمام افراد باہر نکل گئے۔ میں اور علی ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تے۔ دیئوں کی روشنی میں غار کا ماحول بے حد پُراسرار نظر آرہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد یہ خاموشی ٹوٹی تو میں نے کہا۔

"کیا خیال ہے علی! اب کیا فیصلہ کرتے ہو تم؟"

"کیا کہا جاسکتا ہے! کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ قصہ کیا ہے۔ یہ لوگ کتنے برے ہیں اور کتنے اچھے۔ پولیس والے کہتے ہیں ہمیں۔ اس سے کم از کم یہ ظاہر ہوگیا کہ انہیں اس بات کا خدشہ ہے کہ یہاں پولیس آسکتی ہے اور جہاں تک یہ شاہ مراد کا معاملہ ہے وہ نہیں پتہ چلا۔ خیر اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص دوبارہ واپس آیا جس کا نام رحیم خاں لیا گیا تھا۔ رحیم خاں پر میں نے ایک نگاہ ڈالی تھی اور دیکھنے ہی سے وہ اچھا خاصا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے قریب آیا اور گہری سانس لے کر بیٹھ گیا پھر بولا۔

"انسان کو ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔ مصیبتیں آواز دے کر نہیں آتیں۔ اب پتہ نہیں تم نے کون سا برا کام کیا تھا جس کے نتیجے میں تم یہاں آکر پھنس گئے۔" میں نے مسکراتی نگاہوں سے رحیم خاں کو دیکھا اور کہا۔

"رحیم خاں! یہاں سارے لوگ ہی خراب ہیں یا صرف دو چار؟"

"پتہ نہیں تم کسے خراب کہتے ہو اور کسے اچھا۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ گے رحیم خاں! چکر کیا ہوگا۔ ہمیں معاف کرنا اس جگہ کے بارے میں کیا کسی کو کوئی خطرہ ہے۔ میرا مطلب ہے کہ یہاں پولیس کیوں آئے گی اور یہ شاہ مراد کون ہے؟"

"کٹوا دو گردن میری کٹوا دو۔ بلکہ ایسا کرو کہ خود ہی دونوں چڑھ جاؤ۔ مجھے گراؤ اور میرے سینے پر بیٹھ کر میری گردن دبا دو۔ ارے بابا! کیوں مجھے مروانے کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ کیا دشمنی ہے میری تم سے؟" میں ہنسنے لگا میں نے کہا۔

"نہیں رحیم خاں! ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"تو بس ٹھیک ہے۔ جانے دو وقت سب کچھ تمہیں سمجھا دے گا۔" رحیم خاں چلا گیا۔ میں اور علی بہت دیر تک ان واقعات کے بارے میں سوچتے رہے۔

شاہ بڑے سے ایک بار پھر ملاقات ہوئی۔ وہ ہمارے پاس آکر پُرخیال نگاہوں سے ہمیں دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"کیا کروں تمہارے بارے میں۔ کیوں رحیم خاں! ذرا ادھر آؤ میرے پاس۔" رحیم خاں اس کے پہنچ گیا تو شاہ بڑے تھوڑی دیر تک اس سے سرگوشی کے انداز میں باتیں کرتا رہا۔ میں اور علی خاموشی سے اس منظر کو دیکھتے رہے تھے۔ علی نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"بابر علی! خاصے خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ انہوں نے

ایک لمبا جال پھیلایا ہوا ہے۔" میں نے علی کی آنکھوں میں دیکھا اور اظہار کیا کہ کچھ نہ بولے۔ تھوڑی دیر کے بعد رحیم خاں میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"دیکھو۔ ہم برے لوگ نہیں ہیں نہ ہی شاہ بڑے کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سمجھ رہے ہو نا تم؟ لیکن ہم اپنی بقاء چاہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہی معاملات ہیں جن کے بارے میں اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ کوئی خطرناک بات ہے تو اپنا یہ خیال دل سے نکال دو۔ ہمارا جھگڑا صرف شاہ مراد سے ہے اور شاہ مراد کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے کسی کو بھی بھیج سکتا ہے۔ ہمارے ذہن میں صرف یہ خیال ہے کہ تم شاہ مراد کے آدمی ہو اور اگر تم شاہ مراد کے آدمی نہیں ہو تو پھر یہاں ہمارے لئے کام کرو۔ تمہارا فائدہ ہے۔"

"کیا کام کرنا ہوگا؟"

"وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ کیا تم کچھ عرصہ یہاں رہ کر ہمارے لئے کام کرنے پر آمادہ ہو؟" میں نے علی کی طرف دیکھا اور پھر گردن ہلا کر کہا۔

"ہاں۔ جیسا کہ ہم نے تم سے کہا کہ ہم آوارہ گرد ہیں۔ اگر کوئی ٹھکانہ مل جائے تو ہم رہنے کے لئے تیار ہیں۔"

"لکھنا پڑھنا جانتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تمہیں تمہارا کام بتا دیا جائے گا اور کام کافی دلچسپ ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔"

"ہاں بالکل۔"

اور پھر ان لوگوں کا رویہ ہمارے ساتھ نارمل ہو گیا۔ کھانے پینے کے لئے یہاں ہر چیز موجود تھی اور اس کی وجہ بھی سمجھ میں آتی تھی۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے نذر نیاز چڑھانے والوں کو دیکھا تھا۔ بڑی دلچسپ بات ہے لوگ قبروں پر اور مردوں پر لاکھوں لٹاتے ہیں۔ مزارات چادروں سے ڈھکے ہوتے ہیں اور تھوڑے ہی فاصلے پر چیتھڑے لگے ہوئے جسم بے بسی کا نمونہ بنے ہوئے پڑے ہوتے ہیں۔ ان کے پھیلے ہوئے ہاتھ ان خاموش مزارات سے حقیر ہوتے ہیں۔ اسی طرح کھانے پینے کی لاتعداد اشیا یہاں لٹائی جاتی ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ صاحب مزار ان چیزوں کا ضرورت مند نہیں لیکن ضرورت مندوں کی داد رسی کوئی نہیں کرتا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ کچھ بچا کھچا انہیں بھی مل جاتا

ہے ورنہ وہ جو ان مزارات کے متولی ہوتے ہیں۔ عیش کرتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی کیفیت یہاں نظر آ رہی تھی۔ مفت خوروں نے ایک اڈا بنا رکھا تھا جہاں انہیں ہر طرح کی سہولت حاصل تھی۔ اصل میں ہم لوگ توجہ نہیں دیتے ورنہ بے شمار کاروبار اس طرح کے بکھرے ہوئے ہیں جہاں انسانوں کو کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ آپ کسی بھی جگہ جا کر چند منٹ کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ آپ کو چاروں طرف سے بھیک مانگنے والے گھیر لیتے ہیں۔ طرح طرح کی دعائیں ایجاد کی جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک شعبہ ہے اور یقینی طور پر اس کے لئے بھی پورے پورے اسکرپٹ اور جینگل لکھے جاتے ہوں گے۔ ان کی کمائی سب سے بہتر ہے۔ آپ کو گھر پر کام کرنے کے لئے شریف اور باعزت ملازم نہیں ملے گا لیکن ویسے بے شمار افراد مل جائیں گے جو آپ کے ارد گرد پھیل کر بھیک مانگیں گے۔ یہ صورتِ حال بڑی ہی تکلیف دہ اور بڑی ہی سنگین ہے۔ یہ ایک باقاعدہ کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ کاش اس کی جانب بھی توجہ دی جائے۔

ہم دونوں کو اسی جگہ رہنے کے لئے ایک جگہ بتا دی گئی اور کھل کر کہہ دیا گیا کہ ہم یہاں کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ پھر شام کو تقریباً ساڑھے تین بجے وہ لوگ ہمیں لے کر ایک غار میں پہنچ گئے۔ یہاں رحیم خاں نے ہمیں ہمارا کام بتاتے ہوئے کہا۔

"تم نے وہ مزار والا کمرہ دیکھا ہے؟"

"ہاں۔"

"ضرورت مند وہاں آتے ہیں اور خالی قبروں کے سامنے بیٹھ کر اپنے اپنے دکھ بیان کرتے ہیں۔ ان کی یہ آوازیں ایک مائیکرو فون کے ذریعے قبر کے اندر سے گزرتی ہوئی یہاں اس غار تک آتی ہیں۔ وہ دیکھو سامنے لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے ہیں۔ ان سے وہ آوازیں نشر ہوتی ہیں۔ وہ اپنا نام بھی بتاتے ہیں۔ تمہارے پاس یہ رجسٹر رکھا ہوا ہے۔ جب ضرورت مند مزار پر پہنچیں اور اپنا مسئلہ بیان کریں تو تم نام کے ساتھ ان کی مشکل اس رجسٹر میں لکھو گے اور تاریخ ڈال دو گے۔ بس یہ ہے تمہارا کام۔ اس کے علاوہ اگر انہیں کچھ ہدایات بھی دینی ہوں گی تو یہ مائیکرو فون تمہارے سامنے رکھا ہوا ہے۔ تم آواز بنا کر انہیں ہدایت دو گے۔ مگر ابھی یہ کام نہیں کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے تمہیں باقاعدہ ٹریننگ دی جائے گی۔ سمجھ رہے ہو نا۔ بس اتنا سا کام اور تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں بہت بڑا مقام دیا جائے گا۔ روپے پیسے کی پرواہ نہیں جتنا چاہو گے ملے گا۔ مگر ایک بات سمجھ لینا۔

تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تمہارے بارے میں تصدیق نہ ہو جائے کہ تم شاہ مراد کے آدمی ہو یا نہیں۔ جو کام تمہیں بتایا جا رہا ہے اسے سرانجام دو۔ کھانا' ناشتہ' چائے سب ملے گی۔ معاوضہ بھی جو مانگو گے مل جائے گا اس کی فکر مت کرنا۔ کیا سمجھے؟ باقی تمام مسئلے تم خود سمجھتے ہو۔ جب کوئی ایسا کام کسی سے لیا جاتا ہے تو اس کی نگرانی بھی کی جاتی ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو نقصان اپنے ہاتھوں اٹھاؤ گے۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی رحیم خاں صاحب! جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ بڑے شاہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اپنے آدمیوں کو بڑی محبت سے رکھتے ہیں لیکن اگر کوئی ان سے غداری کرے تو پھر اس کی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں بڑے شاہ صاحب کے ہوتے ہیں۔" یہ آخری الفاظ بڑے سنگین تھے۔ رحیم خاں یہ تفصیل بتا کر واپس چلا گیا اور ہمارا یہ غار خالی ہو گیا۔ پیلی روشنی میں غار کا یہ ماحول بے حد پراسرار نظر آ رہا تھا۔ بہت دیر تک ہم لوگ خاموشی سے بیٹھے سوچتے رہے اور پھر علی نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابر بھائی! میرا خیال ہے یہاں منشیات وغیرہ کا چکر نہیں ہے۔ بس یہ لوگ بھولے بھالے اور سیدھے سادھے لوگوں کو بے وقوف بنا کر ان کے مسائل سنتے ہیں اور انہیں الٹے سیدھے مشورے دیتے ہیں۔ یہی ان کا ایک ذریعہ معاش ہے۔"

"بات واقعی بہت دلچسپ ہے لیکن کسی کو جھوٹی تسلی دے کر بیوقوف بنا دینا بڑا غلط ہے۔"

"ہوں۔"

کافی دیر تک ہم اس موضوع پر بات کرتے رہے اور پھر خاموشی چھا گئی۔ بہرحال انسانی کمزوریاں اور ان سے فائدہ اٹھانے والے لاتعداد ہوتے ہیں۔ ایسے پیر فقیر جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ ویسے بات بڑے ظلم کی ہے۔ ہم لوگ دیر تک اس موضوع پر باتیں بھی کرتے رہے اور سوچتے بھی رہے۔ پھر ایک دم ہی چونک پڑے۔ اس نے لاؤڈ اسپیکر وغیرہ کا حوالہ دیا تھا اور یہ بھی ممکن ہو سکتا تھا کہ ہماری باتیں کہیں اور سن لی جائیں۔ بہرحال پھر ہم نے اپنا پہلے دن کا کام سرانجام دیا۔ ہم دونوں ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے۔ علی نے قلم اور رجسٹر سنبھال لیا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر پر کھرکھراہٹیں سنائی دینے لگیں۔ پھر رونے کی آواز ابھری۔ یہ کوئی مرد تھا جو زارو قطار رو رہا تھا پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"یا درویش یا ولی! اکیلا بیٹا ہے میرا۔ بڑی منتوں مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔ بچالو اسے

ولی۔ بچالو میرے بچے کو۔ وہ ڈائن کھا گئی اسے۔ وہ ڈائن اسے کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔ بچالو اسے ولی بچالو۔ میرا نام محمد دین ہے اور میں یہیں اس بستی میں رہتا ہوں۔ اکیلا بیٹا ہے میرا۔ شادی کر دی تھی میں نے اس کی۔ وہ ڈائن جو اس کی بیوی بن کر آئی تھی وہ اسے کھا گئی۔ کہیں کا نہیں چھوڑا اسے۔ نہ جانے کیا کیا تعویذ گنڈے کرا دیئے ہیں اس کے لئے۔ سوکھتا جا رہا ہے اور اب پلنگ سے لگ گیا ہے۔ میرے بیٹے کا نام احمد دین ہے۔ ولی رحم کر دو اس پر۔ یا ولی وہ جادو کے زیر اثر ہے۔ یہ جادو توڑ دو اس کا۔ میں کسی کی دشمنی نہیں چاہتا بس میرے بیٹے کی زندگی مجھے مل جائے۔ ولی اسے بچالو۔" وہ شخص زارو قطار رو رہا تھا پھر اسے ایک آواز سنائی دی۔

"چلو وقت ختم ہو گیا۔ چلو فوراً باہر نکل جاؤ۔"

"میرا خیال رکھنا ولی اگر میرا یہ کام ہو گیا تو چادر چڑھاؤں گا لنگر کروں گا۔ مزار کے لئے پچیس ہزار روپے دوں گا۔ یہ میرا کام کرا دو ولی۔"

"جاؤ بھئی جاؤ۔ اب دوسرے کی باری ہے۔" آواز سنائی دی اور میں نے علی کی طرف دیکھا۔ علی نے محمد دین کا نام سب لکھ لیا تھا۔ ہم لوگ حیرانی سے یہ کام کر رہے تھے اور علی مسکرا رہا تھا۔ پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد ایک دوسری آواز سنائی دی۔

"میرا نام رشیدہ ہے درویش! ہم بستی خیال پور کے رہنے والے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس مزار پر جاؤ یہاں سب مل جاتا ہے۔ ہمارا شوہر جال میں پھنس گیا ہے۔ ایک چھنال نے اسے اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ اے میرے سائیں! اے فقیر بابا! وہ حرام کی جنی اس کے پیچھے لگ گئی ہے۔ ارے اس کا بیڑا غرق کرا دو۔ اس نے میرا شوہر چھین لیا ہے۔ خدا کی قسم اتنی محبت کرتا تھا ہم سے کبھی۔ ہم نے محبت ہی کر کے تو شادی کی تھی۔ مگر وہ ڈائن اب اسے ہمارے پاس نہیں آنے دیتی۔ ہم مر جائیں گے درویش! ہمیں دولت نہیں چاہئے۔ سوکھے ٹکڑے کھا کر گزارہ کر لیں گے ہم' بس ہمیں ہمارا صابر علی دلوا دو۔ ہمارا شوہر ہمیں دلوا دو جو مانگو گے دیں گے۔ محبت کرتے ہیں ہم اس سے۔ ہم پر رحم کر دو۔ ولی! ہم پر رحم کر دو۔"

"چلو۔ بہن اب دوسرے کی باری ہے۔" آواز آئی۔

"ولی رحم کر دو ہم پر رحم کر دو۔ اس چھنال کی جنی کا منہ کالا ہو جائے۔ صابر علی اس سے گھن کھانے لگے۔ تو سمجھ لو ہمارا کام ہو جائے۔ مان لو ہماری' مان لو۔"

"آجاؤ بہن آجاؤ۔" بے بس لوگ دکھ بھری کہانیاں سناتے رہے اور ہم بھی دکھ

سے نڈھال ہو جاتے اور کبھی مسکرا اٹھتے۔ کچھ خواہشیں ایسی ہوتی تھیں کہ جن پر مسکراہٹ چہرے پر آہی جاتی تھی۔ بہرحال اس کے بعد کام ختم ہوگیا۔ اگر غور کیا جاتا اور دل سے نہ سوچا جاتا تو کیا ہی دلچسپ کام تھا۔ اس طرح سے انسانی فطرت کے دونوں پہلو سامنے آجاتے۔ لوگ کیسے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ کس طرح سے جھوٹے پیروں، فقیروں اور بزرگوں سے اپنے دل کی حالت بیان کر کے بلیک میل ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال آج پہلی بار ہمارے علم میں آئی تھی اور یہ میرے لئے تو بالکل ہی نیا تجربہ تھا۔ اب تک جو ہوتا رہا تھا وہ بڑا سنسنی خیز اور پراسرار تھا۔ پورنی، نیل کنول، ناگو، منگلہ سن سارے کردار آئے تھے میری زندگی میں لیکن یہ جو کھیل ہو رہا تھا یہ بڑا ہی دلچسپ اور انوکھا تھا۔ ہم ان دکھی لوگوں کی کہانیاں بار بار پڑھتے رہے اور اس کے بعد ہم وہاں سے نکل کر اپنی دوسری رہائش گاہ پر آگئے۔ رات کا کھانا پہنچا دیا گیا اور کچھ دیر کے بعد اچانک ہی بڑے شاہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ دو باڈی گارڈ بھی موجود تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ہمیں دیکھ کر کہنے لگا۔

"ہاں۔ کہو کیسا کام رہا' لطف آیا؟"

"ہاں۔"

"جو کہا گیا تم سے وہ کیا' لکھ لئے ان لوگوں کے نام وغیرہ؟"

"ہاں۔ یہ آپ دیکھ لیجئے۔" علی نے رجسٹر اس کے سامنے رکھ دیا اور بڑے شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"شہزادے! اگر ہم پڑھے لکھے ہوتے تو تمہیں کیوں تکلیف دیتے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے ہمارے لئے۔ تم خود سناؤ۔ کیا کیا لکھا ہے؟" میرے بجائے علی نے ساری تفصیل سنائی۔ وہ آنکھیں بند کئے سنتا رہا اور پھر گردن ہلا کر بولا۔

"واہ۔ آدمی تو کام کے لگتے ہو تم۔ ٹھیک ہے یہ رجسٹر مجھے دے دو۔ کل تمہیں دوسرا رجسٹر مل جائے گا۔" اس نے کہا اور رجسٹر اپنے ہاتھ میں لے کر واپسی کے لئے چل پڑا۔ پھر اپنے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں سے بولا۔

"خیال رکھنا ان کا کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے انہیں۔"

"جی بڑے شاہ۔" اس کے آدمی نے کہا۔ میں نے خاموشی سے گردن ہلائی تھی۔ اچانک ہی بڑے شاہ پھر واپس پلٹا اور کہنے لگا۔

"اب دو دن کی چھٹی۔ پرسوں جمعرات ہے۔ جمعرات کو یہ دوبارہ کام کرنا ہوگا اور

اس کے بعد منگل کو ہم لوگ فیصلے سناتے ہیں۔"

"فیصلے۔"

"ہاں۔ میں فیصلے لکھتا ہوں۔ یہ کام بھی تمہیں کرنا ہوگا منگل کو۔"

بہرحال ہم خاموش ہوگئے اور کام ہوتا رہا۔ جمعرات کو پھر لوگوں کی درخواستیں لکھی جو وہ بزرگ سے فریاد کے طور پر کیا کرتے تھے اور اس کے بعد اتوار کے فیصلے لکھے جن میں شاہ بڑے نے اپنے طور پر یہ فیصلے لکھوائے تھے۔ وہ اکثر ہمارے پاس آبیٹھتا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے کہا۔

"بڑے شاہ! آپ واقعی عظیم ہیں۔"

"ارے بھائی! ارے بھائی! یہ عظیم و ظیم ہم لوگ نہیں ہیں۔ بس کیا کہیں تجھ سے کیا چاہتے تھے کیا ہوگیا۔ ہم شیطان ہیں حرام کھاتے ہیں۔ حرام پر جی رہے ہیں۔ مگر کیا کریں یہ براہ راست حرام ہے۔ ذرا دنیا میں مختلف شعبوں میں جا کر دیکھو۔ لوگ کھلم کھلا حرام کھا رہے ہیں۔ ہم نے یہ چکر چلا رکھا ہے انہوں نے دوسرے چکر چلا رکھے ہیں۔ سرکاری دفتروں میں جا کر دیکھ لو۔ کہیں بھی تمہاری کوئی گوٹ پھنس جائے۔ ذرا دیکھ لو بس کیا کہیں اپنی زبان سے جانے دو ان باتوں کو۔ ہمیں کبھی ولی یا درویش مت کہنا۔ جو لوگ کہتے ہیں انہیں کہنے دو۔ اگر وہ بھی نہ کہیں گے تو ہمارا کاروبار کیسے چلے گا۔ ہم تو گندے اور غلیظ لوگ ہیں۔ یہ بڑے بڑے نام اللہ کے ان نیک بندوں کے لئے رہنے دو جو بچ بچ زندگی کو دوسروں کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔"

ہم دونوں کی حیران نگاہیں اس شاہ بڑے کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ آدمی واقعی الجھا ہوا تھا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ بہرحال اس وقت تو وہی کرنا تھا جو اس نے کہا تھا۔ چنانچہ اس کے ہاتھ میں رجسٹر کو دیکھا۔ پہلے کیس میں سات تعویذ دیئے گئے اور اس مشکل میں گرفتار شخص کے سلسلے کو بتایا گیا تھا جس کا نام محمد دین تھا۔ بہرحال دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہم اسے رجسٹر کی تحریر سناتے رہے۔ وہ اپنے فیصلے لکھواتا رہا۔ صابر علی کی بیوی رشیدہ کا کیس آیا تو اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اس پر نشان لگا دو اس کا کام ہوگیا۔" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑا تو میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے دوبارہ ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ایک ڈاکو اس کے گھر کا صفایا کر گیا۔ بیچاری کو دولت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ شوہر چاہئے تھا تو اب شوہر کہاں جائے گا۔ وہ عورت جس کے چکر میں پڑا ہوا ہے وہ

تو دولت کی وجہ سے اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اس ڈاکو نے اس کی مشکل حل کر دی۔ اب اس کے پاس غلط عورت کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہوگیا ہے۔ چھٹی ہوئی' دل کی مراد پوری ہوگئی۔ چلو چلو آگے چلو۔"

بہرحال ہم یہ سارے کام کرتے رہے اور وہ لوگوں کی مشکلات کا حل بتاتا رہا۔ کچھ جڑی بوٹیاں' کچھ تعویذ' حکمت کی کچھ دوائیں۔ سارے کا سارا کھیل دھوکا دہی پر مبنی تھا اور یہ سارا مسئلہ بڑا ہی عجیب تھا۔ ہمیں بڑے ہی عجیب اور سنسنی خیز تجربے ہو رہے تھے۔ علی تو یہاں بہت ہی خوش تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ شاہ بڑے' بڑے ہی مزے کا آدمی تھا۔ اپنے بارے میں ہر بات بتاتا رہا تھا۔ ایک دن تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

"کیا برا وقت آگیا۔ دنیا کا اچھے سے اچھا اور برے سے برا کام کرو۔ اس کے لئے پبلسٹی کرنا ضروری ہوتی ہے۔ ہر چیز پبلسٹی سے چلتی ہے۔ ہمارا یہ کام بھی بڑا پبلسٹی پر چلتا ہے۔ ہمارے آدمی جنہیں ہم باقاعدہ تنخواہ دیتے ہیں۔ بستی بستی گھومتے پھرتے ہیں۔ وہ اس پہاڑ والی سرکار کے قصبے کے لوگوں کو سناتے ہیں۔ یہ جگہ باہر کی بستی میں پہاڑ والی سرکار کے نام سے مشہور ہے۔ نور پور ہی نہیں بلکہ آس پاس کے لوگ بھی پہاڑ والی سرکار آتے ہیں اور اپنے مسئلے بیان کرتے ہیں۔"

"نور پور کیا اس بستی کا نام ہے جو سامنے نظر آتی ہے؟"

"ہاں تم یہ سمجھ لو کہ ہم لوگ مختلف طریقوں سے اس جگہ کی پبلسٹی کرتے ہیں۔ مثلاً اچانک ہی کوئی پاگل ہو جاتا ہے اور ننگ دھڑنگ سڑکوں پر بھاگتا پھرتا ہے' لوگوں کو پتھر مارتا ہے۔ ہمارے اپنے آدمی اسے پکڑ کر یہاں لے آتے ہیں۔ یہاں اسے دعائیں دی جاتی ہیں۔ تعویذ دیئے جاتے ہیں اور وہ تھوڑے دن کے بعد بھلا چنگا ہو کر چلا جاتا ہے۔ لوگ بڑے شاہ پر عقیدت کے پھول برساتے ہیں اور پہاڑ والی سرکار کے اس مجاور کی بڑی عزت افزائی ہوتی ہے۔"

"لیکن ایک بات بتایئے بڑے شاہ جی! کیا ان لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے؟"

"دیکھو بھائی! دس آدمی کسی مسئلے میں آتے ہیں۔ ان میں سے دو چار کو خود بخود فائدہ ہو جاتا ہے۔ اب یہاں آنے کے بعد وہ یہ تو نہیں سوچ سکتے کہ یہ فائدہ انہیں خود بخود ہوا ہے۔ آخر پہاڑ والی سرکار کا بھی تو اپنا کوئی کام ہے۔" اس نے کہا اور پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"یقین کرو۔ اگر میں اس سے کہوں کہ بھائی ہم ڈھونگئے ہیں کچھ نہیں کرتے کسی

کے لئے تو لوگ خود مجھے ہی مارنا شروع کر دیں۔" پھر خاصے دن اسی انداز میں گزر گئے۔ شاہ بڑے بڑی دلچسپ باتیں کرتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ بڑے عجیب سے انداز میں میرے سامنے آیا۔ کہنے لگا۔

"میرے پورے جسم میں حرام دوڑ رہا ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ اگر میں اپنے ضمیر کو قتل نہ کروں تو مجھے خود قتل ہونا پڑے۔ سمجھ رہے ہو نا؟ میں کبھی کبھی اپنے ضمیر سے جنگ کرنے لگتا ہوں۔ کیا کہوں تم سے کیسے بتاؤں تمہیں اپنے دل کی بات! یہ کم بخت ضمیر عجیب و غریب چیز ہوتی ہے۔ اس کو بار بار قتل کرو مرتا ہی نہیں ہے۔ آب حیات پی رکھا ہے سسرے نے۔ جاگ جاتا ہے تو بڑی تکلیف دیتا ہے۔"

"کچھ بتائیں گے نہیں اپنے بارے میں شاہ بڑے؟"

"اب تم مجھے مروانا چاہتے ہو۔ کیا کہوں تم سے۔ رحیم خاں سے یہ باتیں پوچھو تو بس وہ تمہیں بتائے۔ مگر وہ نہیں بتائے گا۔" بڑے شاہ پر اس وقت کچھ عجیب و غریب کیفیت طاری تھی۔ اچانک ہی ایک رات وہ بہت ہی عجیب کیفیت میں ہمارے غار میں گھس آیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہمیں خاموشی سے گھورتا رہا پھر اس کی آواز غراہٹ کی شکل میں سنائی دی۔

"تم نے اپنے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔ کیا ہو تم کون ہو؟"

"ہم بتا چکے ہیں آپ کو اپنے بارے میں۔"

"بکواس کر رہے ہو۔ بالکل بکواس کر رہے ہو۔"

"کوئی غلطی ہوگئی شاہ بڑے؟" میں نے کہا اور اس سوال پر وہ سانپ کی طرح بل کھانے لگا۔ چند لمحات خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"دیکھو۔ ہاتھ جوڑتا ہوں تمہارے سامنے' تمہارے قدموں میں سر رکھتا ہوں۔ خدا کے لئے ایک بے چین روح کو اور زیادہ بے چین مت کرو۔ اگر اندر سے کچھ ہو تو کسی انسان کے ساتھ بدسلوکی مت کرو۔ میں تو ایک ایسا جلتا سلگتا انسان ہوں جس کے اندر جہنم دہک رہا ہے۔ آہ میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں تمہارے قدموں میں سر رکھتا ہوں۔ مجھے اس جہنم میں اور زیادہ اذیت نہ دو۔ میں ساری برائیوں کے باوجود انسان ہوں۔ اپنے آپ کو گناہوں کے دلدل میں اس قدر ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اس کائنات میں خود سے زیادہ گناہگار اور کوئی نظر نہیں آتا۔ خدا کے لئے مجھے اور گناہوں کی دلدل میں نہ پھینکو۔ میں اب اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔" اس نے کہا اور اس کے بعد اس

کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہوگئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ زارو قطار رونے لگا۔ ہم دونوں ہی حیران تھے۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر میں نے کہا۔

"شاہ بڑے! بتاؤ تو سہی کوئی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے؟"

"تم سے نہیں غلطی مجھ سے ہوگئی ہے میں.......... میں نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ میں نے تمہیں جاگتی آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھا لیکن سوتی آنکھوں نے مجھے بہت سی بار تمہارے بارے میں تفصیل بتائی ہے۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کیسے لمحات سے گزر رہا ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے مجھے زندگی میں گناہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ کوئی ایک تو نیک کام کرلیتا جو تاریکی میں کسی سفید نکتے کی طرح روشن ہوجاتا۔ بڑی بے حرمتی ہوئی ہے میرے ہاتھوں تمہاری۔ قید کر رکھا ہے تمہیں، دھمکیاں دی ہیں مگر کیا کروں مزاج ہی ایسا بن گیا ہے۔ اپنی بے چینی کو بھی صحیح طور پر بیان نہیں کرسکتا۔ جاہل ہوں مکمل جاہل۔ میں جو کہتا ہوں اپنی دیوانگی میں بکتا ہوں۔ جس دن سے تم یہاں آئے ہو نہ جانے کیا ہو رہا ہے مجھے۔ میں تو فریب کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں جھجکتا تھا۔ کسی کو دھوکا دیتے ہوئے مجھے کوئی دکھ نہیں ہوتا تھا لیکن کیا کروں غلط دلاسے دے کر الٹی سیدھی جڑی بوٹیاں دے کر میں.......... میں کیا کروں۔ مگر اب جب سے تم نے جواب لکھنا شروع کئے ہیں جسے دیکھو فائدہ ہو رہا ہے۔ سب کی مرادیں پوری ہو رہی ہیں سارے کام سیدھے ہو رہے ہیں اور وہ سب اتنا کچھ لے کر آ رہے ہیں کہ میرے پاس اب رکھنے تک کو جگہ نہیں ہے۔ میں خود حیران ہوں اور جو خواب میں نے دیکھے ہیں ان خوابوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ آہ کیا کروں پاگل ہوگیا ہوں۔ اب یہ سوچ رہا ہوں کہ جو کچھ مجھ سے ہوگیا ہے اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ شاہ بڑے مت کہا کرو مجھے۔ نہ میں شاہ ہوں نہ بڑا ہوں۔ میں.......... میں بس کیا کہوں.......... کیا کہوں۔ تمہیں خدا کا واسطہ! دیکھو اچھوں کو تو سب لوگ اچھائیوں کے ساتھ نوازتے ہیں بس برے کو معاف کر دو۔" اس نے آگے بڑھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔ وہ زارو قطار رو رہا تھا۔ آنسوؤں سے اس کا پورا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ میری حالت خراب تھی۔ علی بھی حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ اس نے کہا تھا ہم اسے سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے اور اگر ہم نے اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو خود ہمارا ستیاناس ہوجائے گا لیکن اس وقت جو آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے وہ جھوٹے آنسو نہیں تھے۔ مجھے سو فیصدی اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ کوئی ایسی چیز اس کے دل کو

لگ گئی ہے جس نے ہمارے سلسلے میں اسے موم کر دیا ہے۔ بمشکل تمام میں نے اسے اپنے پاس سے ہٹایا۔ رحیم خاں اس وقت اس کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ وہ آنسو خشک کرنے لگا پھر بولا۔

"دیکھو۔ انسان بہت کمزور چیز ہوتا ہے۔ وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ نہیں کرسکتا کہ وہ کیا ہے۔ میں.......... میں تمہیں بتاؤں اگر میں خود اپنے آپ کو اپنی کہانی سنانے بیٹھ جاتا ہوں تو میرا دل اندر سے کہتا ہے کہ جن حالات تک میں پہنچا ہوں وہ میرے پیدا کئے ہوئے نہیں تھے۔ لوگ ڈاکو بنتے ہیں۔ قاتل بن جاتے ہیں۔ گھر کے گھر پھونک دیتے ہیں۔ میرے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے مگر میں نے زندگی کو ہمیشہ اللہ کی امانت سمجھا ہے۔ میں نے بہت برے برے کام کئے ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دیا ہے بلکہ دھوکا دینا میری زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ بس یہی میرا جرم ہے۔ یہی میرے لئے سب کچھ ہے۔ میں اپنے پاس آنے والوں کے مسائل دور کرنے کے لئے کبھی کبھی ایسے جرائم بھی کرلیا کرتا ہوں جن سے کسی انسانی زندگی کو نقصان تو نہ پہنچے لیکن وہ مطمئن ہوجائے جیسے میں نے تمہیں اس دن بتایا۔ وہ عورت اس کے شوہر کی دولت لوٹ رہی تھی۔ وہ عورت کہتی تھی کہ چاہے میری ساری دولت لٹ جائے۔ میرا شوہر مجھے واپس مل جائے۔ یقین کرو میں نے اس کے گھر میں ڈاکہ ڈالا۔ اس کی دولت لوٹ لی لیکن اس کا شوہر اب اسے واپس مل جائے گا۔ یہ چھوٹی چھوٹی حرکتیں میں کرتا رہتا ہوں۔"

"مگر بڑے شاہ تم مجھے کیوں بتا رہے ہو یہ بات؟"

"کون بڑے شاہ۔ کون بڑے شاہ۔ بڑی ذات تو کسی اور کی ہی ہے۔ میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ حاکم خاں نام ہے میرا اور میرے باپ کا نام فرید خاں تھا۔ مجھے میرے باپ کا نام فرید خاں تھا۔ کیا ہوں میں کیا ہے میری کہانی میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ بس میں لوگوں کی معصوم آرزوؤں کو جھوٹے دلاسے دے کر انہیں حسرتوں کا شکار کرکے ان کی جیبیں خالی کرتا ہوں۔ جس کا کام نہیں بنتا وہ اسے اپنی تقدیر سمجھ لیتا ہے اور جس کا کام بن جاتا ہے وہ چڑھاوے چڑھاتا ہے۔ اس جعلی مزار پر اس جھوٹی قبر پر جس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ سوائے اس مشین کے جو ان کی آرزوئیں تم تک پہنچاتی ہے۔ میں یہ گناہ کرتا ہوں لیکن تم یہ یقین کرو۔ ضمیر کو بار بار گردن دبا کر مارنے کے باوجود میرا ضمیر مرتا نہیں ہے۔ میرے لئے دعا کرو میرا ضمیر مرجائے۔ میں کبھی ان کے لئے غمزدہ نہ ہوں جن کی جیبیں خالی کراتا ہوں۔ میں جب بھی تنہائی میں بیٹھتا ہوں اپنا حساب کرتا ہوں تو میں

خود کو بے قصور سمجھتا ہوں لیکن مجھے سکون نہیں ملتا۔ وہ سکون مجھے میسر نہیں ہے جو انسانوں کو میسر ہوتا ہے۔ یہ سب جو میرے ساتھ میری کمائی کھاتے ہیں بڑے سکون سے جیتے ہیں۔ کھاتے ہیں' پیتے ہیں آرام کی نیند سو جاتے ہیں لیکن میں ان نیندوں سے محروم ہوں۔ میرے کانوں میں وہ معصوم آہیں اور سسکیاں گونجتی رہتی ہیں جو میرے ذریعے مصیبت کا شکار ہونے والوں کی ہوتی ہیں۔ یہ سب کچھ میں کر رہا ہوں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنے لئے کیا کروں۔ آہ.......... کوئی ہے اس کائنات میں جو مجھے سہارا دے۔ آخر میری ذات اتنے ٹکڑوں میں کیوں تقسیم ہو گئی ہے۔ کیا ہے یہ سب کچھ کیا ہے یہ؟" وہ بہت دیر تک روتا رہا اور نہ جانے کیوں مجھے اس کے اوپر رحم آنے لگا۔ جو کچھ وہ بتا رہا تھا وہ تو بڑا ہی عجیب سا تھا۔ بہرحال میں نے علی سے کہا۔

"علی انہیں پانی پلاؤ۔" علی نے فوراً پانی دیا اور میں نے اسے پانی پلاتے ہوئے کہا۔

"دوست! دنیا میں کوئی کچھ نہیں ہوتا بس یوں سمجھ لو کہ ہر شخص کی تقدیر اس کے لئے فیصلے کرتی ہے۔ تم نے اپنا دکھ مجھ سے کہا میں اسے سن کر تمہیں دلاسا دینا چاہتا ہوں۔ تم اپنے دل کی ساری بھڑاس میرے سامنے نکال دو۔ مجھے اپنی زندگی کے ہر لمحے سے آشنا کرو۔ میں خود تو کچھ نہیں کر سکتا تمہارے لئے سوائے دعاؤں کے۔ تمہارے اندر اگر تمہارا ضمیر زندہ ہے تو سمجھ لو زندگی کوٹ کوٹ کر تم میں بھری ہوئی ہے۔ ہم تمہارے لئے دعائیں کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔" وہ خاموش ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس کی کیفیت مناسب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

حاکم خاں ہے میرا نام ایک چھوٹی سی بستی نادر گڑھی میں رہتا تھا۔ نادر گڑھی میں میرا چھوٹا سا معصوم گھرانہ تھا۔ میرا باپ کسان تھا۔ ماں تھی دو بہنیں تھیں۔ بس یہ ہماری کائنات تھی۔ میرا باپ محنت مزدوری کر کے ہم لوگوں کی پرورش کرتا تھا۔ میں اپنے باپ کے ساتھ کھیتوں پر کام کرتا تھا' لیکن پھر ایک دن ایک کالے موذی نے میرے باپ کو کاٹ لیا وہ زہریلے سانپ کا شکار ہو گیا۔ میں نے اس کی ٹانگ پر بند باندھ دیا تھا تاکہ زہر آگے نہ بڑھے اور اسے وید کے پاس لے گیا تھا۔ وید نے بہت کوشش کی لیکن اس کی ٹانگ کا علاج نہیں ہو سکا۔ وید نے کہا کہ ہم اسے شہر لے جائیں اور کسی اچھے ہسپتال میں اس کا علاج کرائیں' لیکن ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ ہم اپنے باپ کا علاج کرا سکتے۔ بس خیراتی ہسپتال میں لے گئے اور خیراتی ہسپتال کے ڈاکٹر نے میرے باپ کی ٹانگ کاٹ دی اور جب میرا باپ معذور ہو گیا تو

ہمارے گھر میں فاقے شروع ہو گئے۔ میرا باپ ایک بڑے زمیندار کے کھیتوں پر کام کرتا تھا اور یہ زمیندار بہت ہی سخت دل تھا۔ اس کی بہت سی داستانیں سننے کو ملی تھیں اور وہ لوگوں کے لئے مصیبت بنا ہوا تھا۔ جب ہمارے ہاں فاقہ کشی انتہا کو پہنچ گئی تو میری ماں ایک دن میری ایک بہن کو لے کر زمیندار کے گھر گئی تاکہ اس سے گھر کے اخراجات کے لئے کچھ مانگ لائے۔ اس نے زمیندار سے یہ بھی کہا کہ وہ میرے باپ کی جگہ مجھے اپنے گھر ملازم رکھ لے۔ کھیتوں پر کام کرائے لیکن اس نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا بلکہ اس نے میری نوجوان اور خوبصورت بہن کو بری نگاہ سے دیکھا تھا اور اس کے بعد اس نے ایک منصوبہ تیار کیا۔ وہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتا تھا۔ اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ بے اولاد تھی۔ بانجھ تھی۔ چنانچہ اس نے اس کو تیار کیا اور ایک دن زمیندارنی ہمارے گھر آ گئی اور اس نے میری ماں سے کہا کہ وہ اپنے شوہر کا ایک پیغام لے کر آئی ہے۔ میری ماں حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی تھی۔ زمیندارنی نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے بہن کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ میں بانجھ ہوں۔"

"اللہ آپ پر کرم کرے گا بڑی بیگم۔"

"میں نے اپنے شوہر کو بڑی مشکل سے تیار کیا ہے کہ وہ دوسری شادی کرے تاکہ ہمارے ہاں اولاد پیدا ہو جائے اور میں اس سلسلے میں تمہارے پاس آئی ہوں۔"

"میرے پاس۔"

"ہاں۔ تمہاری بڑی بیٹی کا رشتہ لے کر آئی ہوں میں۔ اس کا نکاح زمیندار صاحب سے کر دو۔ حق مہر جو بھی مانگو گی ہم دیں گے۔ اتنا دیں گے تمہیں کہ تمہاری مشکلات بھی دور ہو جائیں گی۔ یہ کام بالکل خاموشی سے ہو جائے گا کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔ تمہاری بیٹی میرے پاس رہے گی۔ اولاد پیدا ہو جائے اس سے تو زمیندار صاحب خاموشی سے اسے طلاق دے دیں گے اور ہم جو کچھ تمہیں دیں گے وہ صرف تمہارا ہو گا۔ بس اس کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ میرا کہلائے گا۔ کیا سمجھیں؟"

"یہ سب کچھ کیا کہہ رہی ہیں آپ بڑی بیگم؟" میری ماں نے شدید خوف کے عالم میں کہا۔ جس وقت زمیندارنی میری ماں سے یہ باتیں کر رہی تھی میں بھی یہ الفاظ سن رہا تھا اور میرے خون میں آتش فشاں کھول اٹھا تھا۔ میں دیوانہ وار آگے بڑھ کر بڑی بیگم کے پاس پہنچ گیا اور میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"فوراً یہاں سے اٹھ اور باہر نکل جا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری لاش مجھے یہاں سے

باہر پھینکنی پڑے۔" زمیندارنی منہ پھاڑ کے مجھے دیکھنے لگی پھر اس نے غصے سے لرزتے ہوئے مجھے کہا۔

"کون سی ایسی بات کہہ دی ہے میں نے۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا رہی ہوں۔ ارے تم ہو کیا اور تمہاری اوقات کیا ہے۔ ایک تو ہم احسان کر رہے ہیں تمہارے اوپر۔ بھوکے مر رہے ہو۔ ٹھیک ہے مرو کتے کی موت ہمارا کیا جاتا ہے۔" بڑی بیگم میرے تیور دیکھ کر فوراً اٹھ گئی۔ اسے دوبارہ ہمت نہیں ہوئی تھی کہ اس سلسلے میں کچھ کہے۔ میں نے خونی نگاہوں سے اسے دیکھا تو ماں نے میرے شانے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹا! اپنے آپ کو سنبھالو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ تمہارا باپ معذور ہے۔ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہم بے کس و بے بس ہیں۔"

میں نے اپنا لہو خود چاٹ لیا۔ بہنوں کا اور ماں کا میرے سوا اور کوئی سہارا نہیں تھا۔ مجھے ان کے لئے زندہ رہنا تھا۔ میں چاہتا تو نہ صرف زمیندار کو بلکہ اس کی بیوی کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیتا لیکن ماں کے کہنے سے میں نے صبر کر لیا۔ پیٹ بھرنے کا سہارا چاہئے تھا ہمیں۔ سب کو پالنا تھا اس لئے سب کچھ بھلا دینا ضروری تھا۔ بہرحال میں اِدھر اُدھر کوشش کرنے لگا اور پھر ایک جگہ مجھے کچھ کام مل گیا۔ روٹیوں کا سہارا ہو گیا تھا۔ جس شخص کے ہاں مجھے سہارا ملا تھا وہ بھی زمیندار سے کم نہیں تھا۔ بڑی سی دوکان تھی جس میں ضروریات زندگی کا سارا سامان ہوا کرتا تھا لیکن وہ ایک آوارہ منش انسان تھا۔ بہرحال میرے گھر میں بھی آنا جانا ہو گیا تھا اس کا۔ اس کی بیوی بہت ہی نیک عورت تھی۔ وہ بھی بے اولاد تھی اور مجھے بھائی کہہ کر پکارتی تھی۔ کبھی کبھی وہ خفیہ طور پر میری مدد بھی کر دیا کرتی تھی۔ بہرحال یہ سارا کھیل چلتا رہا پھر ایک دن نہ جانے کیا ہوا کہ میں دوکان دار کے گھر پہنچا۔ اس کی بیوی نے مجھ سے کچھ کام کرنے کے لئے کہا اور میں سامان اٹھا کر اِدھر اُدھر رکھنے لگا۔ اس وقت دوکاندار آ گیا اور اس نے شبے کی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں بے۔ مجھے اطلاع دیئے بغیر تو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ بڑے بھیا! بس بھابی نے مجھ سے کچھ کام کے لئے کہا تھا۔ وہ کام کر رہا تھا۔"

"بھابی! سالے آنکھوں میں گندگی لئے پھرتا ہے۔ میری بیوی کے لئے تو جو کچھ کر رہا ہے مجھے اس کے بارے میں پتا ہے۔"

"بڑے بھیا! بھابی اور بہن ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ تم میری بہن کو گالی دے رہے ہو۔"

"ایسا کر اس بھابی اور بہن کو تو اپنے گھر لے جا اور اپنی بہنوں کو میرے گھر بھیج دے۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا اور اس کے بعد میرا دماغ میرا اپنا نہیں رہا۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ہاتھ کس طرح اس کی گردن تک پہنچے اور کب اس کی زبان اور آنکھیں باہر نکل آئیں۔ میں تو اس وقت چونکا جب میں زمیندار صاحب کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور زمیندار مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"تو تُو نے مار دیا اسے' ہیں.......... قتل کر دیا۔ پولیس آنے والی ہے۔ کیا کہنا ہے پولیس سے؟" میں نے چونک کر زمیندار کو دیکھا اور کہا۔

"میں سمجھا نہیں زمیندار صاحب۔"

"مسرے! سمجھ تو لے۔ سمجھنے سے ہی زندگی بچ سکتی ہے تیری۔ پولیس والوں کو کیا بتانا ہے۔ یہ فیصلہ تجھے اس وقت کرنا ہو گا۔"

"کیا مطلب' میں سمجھا نہیں۔"

"کچھ کہا تھا ہم نے تجھ سے۔ بہن مانگی تھی تجھ سے تیری۔ ایک اولاد پیدا کر لینے دے۔ شادی چاہے شادی کرا لے۔ اسے بیچنا چاہے اسے بیچ دے۔ ایک بچہ پیدا ہو جائے تو بس واپس بھیج دیں گے اسے۔ منہ مانگی رقم لے لے۔ خود بھی عیش کر اسے بھی عیش کرا بلکہ شادی بھی کرا دیں گے بعد میں دونوں کی۔ ہمارے لئے کون سی بڑی بات ہے۔ فیصلہ کر لے بیٹا! جلدی فیصلہ کر لے۔" ایک بار پھر میرے سارے وجود میں چنگاریاں دوڑ گئی تھیں۔ میں نے زمیندار کو دیکھا اور میرے ہونٹوں پر ایک ہولناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے زمیندار صاحب! فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔"

"ارے واہ۔ عقلمند ہے۔ عقلمند ہے۔ کمال کیا تو نے۔ بھئی بڑا صحیح فیصلہ کیا ہے۔ آ گلے ملتے ہیں۔" وہ آگے بڑھا اور میرے بالکل قریب آ گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ کھولے اور دوسرے لمحے اس کی گردن میرے ہاتھوں کے شکنجے میں آ گئی۔

"یہ.......... یہ میرا فیصلہ ہے زمیندار صاحب۔ سمجھ رہے ہیں آخر کار آپ نے مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔" زمیندار میری گرفت میں تڑپنے لگا۔ اس کی آنکھیں اور زبان باہر نکل آئی اور جب اس کا وجود بے جان ہو گیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ میں

اپنے پورے ہوش و حواس میں تھا۔ اس کی تلاشی لی تو بہت سی کرنسی مجھے ملی۔ سونے کی چین' ہیرے کی انگوٹھیاں۔ یہی نہیں بلکہ اس کمرے میں تجوری بھی تھی۔ میں نے سب کچھ بڑے اطمینان سے خالی کردیا۔ واقعی عقل آگئی تھی مجھے۔ چھپتا چھپاتا گھر واپس آیا۔ ماں باپ اور بہنوں کو تیار ہونے کے لئے کہا اور پھر پڑوسی کی بیل گاڑی کھولی اور سب کو اس میں بٹھا کر چل پڑا۔ صبح پانچ بجے میں بہت دور نکل آیا تھا۔ یہاں سے ایک شہری آبادی میں پہنچا اور پھر ریل میں بیٹھ کر میں نے وہ جگہ چھوڑ دی۔ ماں' باپ' بہنوں کو کوئی خبر نہیں تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مگر اب مجھے کوئی پریشانی بھی نہیں تھی کیونکہ اپنے ساتھ اتنی دولت لایا تھا کہ ساری مشکلیں آسان ہوگئیں۔ ایک گھر خریدا اور نام بدل کر رہنے لگا۔ سب پرسکون تھے لیکن مجھے سکون نہیں تھا۔ میں نے اخبار میں اپنی تصویر دیکھی تھی۔ پولیس جگہ جگہ مجھے تلاش کر رہی تھی۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ مجھے اس وقت تک اپنے آپ کو محفوظ رکھنا تھا جب تک بہنوں کی شادی نہ کردوں۔ بڑی بہن کی شادی کردی اور باقی رقم باپ کو دے کر کہا کہ چھوٹی بڑی ہو جائے تو اسے بھی رخصت کر دیا جائے اور پھر وہاں سے بھاگ آیا۔ میں اپنے ماں باپ کو اپنے آپ میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایک مفرور مجرم کے لئے کہیں جائے پناہ نہیں تھی۔ زندگی بھر کے لئے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک گروہ بنایا اور اس جگہ کو منتخب کیا۔ پھر یہاں پیر بن کر بیٹھ گیا۔ سمجھے یہ کھیل ہے میرا یہ زندگی ہے میری لیکن وقت مجھ سے گناہ پر گناہ کرائے جارہا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اپنے آپ کو چھپانا بھی ہے۔ دنیا سے بچنا بھی ہے۔ نہیں جانتا کہ ماں باپ کا کیا ہوا۔ سب کو چھوڑ کر بیٹھا ہوا ہوں۔ یہاں زندگی اس انداز میں گزار رہا ہوں۔ لیکن سکون' آہ سکون نہیں ہے۔ گناہ پر گناہ کئے جارہا ہوں۔ گناہ پر گناہ کئے جارہا ہوں۔"

"تم ڈاکے کیوں ڈالتے ہو؟"

"دولت جمع کرنے کے لئے۔ جو لوگ مجھ سے غربت کے لئے دعائیں کرانے آتے ہیں۔ میں ان کی غربت دور کرتا ہوں لیکن ان امیروں کی تجوریوں کو خالی کرکے جن میں بے مقصد دولت بھری ہوئی ہے۔ رات کی تاریکی میں' میں منہ پر رومال لپیٹ کر ان کے دروازے پر جاتا ہوں پھر وہ انہی پیسوں میں سے پھولوں کی چادریں چڑھانے آتے ہیں۔ گھی کے چراغ جلانے آتے ہیں۔" اس نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ بڑی عجیب بات تھی۔ بہت دیر تک میں سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"ماں باپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے؟"

"نہیں۔ میں نہیں گیا ان کے پاس لیکن بھیجتا رہتا ہوں لوگوں کو۔ وہ اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ چھوٹی بہن کی بھی شادی ہوگئی ہے۔ سب ہنسی خوشی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے پاس ضرورت کی ہر چیز جب بھی انہیں ضرورت ہوتی ہے پہنچ جاتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ انہیں یہ چیزیں پہنچانے والا کون ہے۔"

"کام تو تمہارے سارے ہی اچھے ہوتے ہیں حاکم خاں! پھر تمہیں بے سکونی کیوں ہے؟"

"سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں نے آپ کو اپنے بارے میں۔ سب کچھ بتا دیا ہے۔ دعا کریں میرے لئے۔ میں آپ کو خوابوں میں دیکھتا ہوں حالانکہ میں نے اپنی اس زندگی میں آنے کے بعد کبھی کسی انسان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن آپ.......... آپ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں آپ کے سامنے جرم نہیں کرسکتا۔ آپ کوئی بہت ہی بڑی شخصیت ہیں۔ دیکھیں میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے لیکن آپ براہ کرم آپ اس بات کو تسلیم کر لیجئے قبول کر لیجئے کہ آپ وہ نہیں ہیں جو نظر آتے ہیں۔ بے شمار افراد اب میری مدد کے محتاج نہیں ہیں۔ جو کچھ میں ان سے کہتا ہوں اس سے انہیں فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت سے ہوا ہے جب سے آپ یہاں آئے ہیں۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"نہیں یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ میں کوئی ولی یا درویش ہوں۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں بھی زندگی کو معمولی سے انداز میں گزارنے والوں میں سے ایک ہوں۔"

"آہ.......... میرے لئے دعا کیجئے بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ میرے لئے دعا کیجئے۔"

بہرحال اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ بڑے شاہ میرے پاس آجاتا تھا۔ مجھ سے درخواست کرتا تھا کہ مجھے حاکم علی کہا کریں پھر اس نے ایک دن کہا۔

"آپ کو معلوم ہے بابر علی صاحب کہ میرے یہ ساتھی میرے خلاف سرکشی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ مجھ سے مخلص نہیں ہیں۔ پتہ نہیں کیوں یہ لوگ میرے خلاف ہیں۔ اصل میں صرف انہیں یہ خوف ہے کہ کہیں میں کوئی بہت بڑی حیثیت نہ اختیار کر جاؤں۔ یہ یہاں آئی ہوئی ساری دولت لوٹ لینا چاہتے ہیں۔"

"بہرحال یہ تمہارا کچھ نقصان نہیں کرسکیں گے۔ تم اطمینان رکھو۔" پھر ایک دن

میں رات کو خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اب یہاں ہم پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ہم جب بھی چاہتے باہر نکل کر سیر و سیاحت کرنے لگتے تھے۔ ہمارا یہاں سے کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کوئی تکلیف تو تھی نہیں یہاں۔ آرام سے وقت گزر رہا تھا۔ میں تاروں کی چھاؤں میں دور دور تک کے پُرسکون ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ پھر ایک ٹیلے پر میں نے کسی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ حاکم خان ہی تھا۔ نہ جانے کس سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں ہمدردانہ احساسات دل میں لئے اس کے پاس پہنچ گیا لیکن میرے قدموں کی چاپ سن کر بھی اس نے گردن نہیں گھمائی تھی۔ وہ اسی طرح ساکت بیٹھا رہا تھا۔

"کیا بات ہے حاکم خاں کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے سوال کیا لیکن اس کے اندر کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا سوچ رہے ہو حاکم خاں!" لیکن میرے ہلکے سے وزن سے وہ ایک طرف کو گرنے لگا اور میں بری طرح چونک پڑا۔ میں نے اسے سنبھالا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ پھر میرے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔ اس کی آنکھوں کی سیاہ پتلیاں غائب تھیں۔ پوری آنکھوں پر سفید ڈھیلے چھائے ہوئے تھے۔ مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ ایک عجیب سا خوف مجھ پر مسلط ہوگیا۔ میں نے جلدی سے اس پر سے ہاتھ ہٹالئے۔ وہ ٹیڑھا ہو کر بیٹھا رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ اس کے بعد بھی میں نے اسے کئی آوازیں دیں۔ اس کا مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس کے اندر زندگی موجود ہے۔ وہ زندگی سے دور نہیں ہوا تھا۔ بس وہ کچھ عجیب سا ہوگیا تھا۔ میں نے اسے اسی طرح بیٹھے چھوڑ دیا اور واپس اپنی جگہ آگیا۔ علی آرام کی نیند سو رہا تھا۔ میں نے کچھ نہ کہا۔ پھر دوسرے دن میں نے اسے ایک ٹیلے پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس وقت شدید دھوپ پڑ رہی تھی۔ اتنی کہ ہر شخص کہیں نہ کہیں چھپا ہوا بیٹھا تھا لیکن وہ ٹیلے پر کھڑا سورج کی طرف منہ اٹھائے کچھ دیکھ رہا تھا۔ علی میرے پاس پہنچ گیا اور اس نے کہا۔

"ارے کیا ہوگیا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"کیوں خیریت؟"

"میں نے کئی بار راتوں کو اسے کبھی کھڑے ہوئے پایا۔ کبھی ساکت بیٹھا ہوتا ہے۔ دو تین دن پہلے کی بات ہے کہ میں رات کو باہر نکل آیا تو میں نے کچھ فاصلے پر اسے ٹیلے پر ساکت کھڑا ہوا پایا۔ پتہ نہیں کس کیفیت میں ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس کا

ذہنی توازن متاثر ہوتا جارہا ہے۔"

"اس کی کہانی سننے کے بعد یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کا توازن واقعی خراب ہوگیا ہے۔" بہرحال ہم اس کے بارے میں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور اس رات بھی ہم باہر آگئے۔ پھر اسی جگہ۔ اسے تلاش کیا گیا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ تب مجھے اس ٹیلے کا خیال آیا اور میں اس طرف چل پڑا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ بہرحال ہم بڑے پریشان تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ اس سلسلے میں، میں نے علی سے بھی بات کی تھی۔

"ویسے بھی ہمیں یہاں کافی دن گزر گئے ہیں۔ جگہ بہت اچھی ہے اور سچی بات ہے کہ ایسی جگہوں پر زندگی کا پورا پورا لطف موجود ہے۔ آخر انسان اور کیا چاہتا ہے۔ لوگ یہاں آتے ہیں اپنی اپنی داستانیں سناتے ہیں اور پھر ہم ان کے لئے کام کرتے ہیں۔" علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آج لوگوں کے آنے کا دن تھا اور مزار کا دروازہ کھلنے والا تھا۔ ہم اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔ سارا کام معمول کے مطابق ہوا۔ رات کے کوئی آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ہوں گے کہ اچانک رحیم خاں بدحواس ہمارے پاس دوڑا چلا آیا۔ اس کی کیفیت خراب تھی۔ سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی اس نے بڑے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"بابر بھائی۔ بابر بھائی غضب ہوگیا۔"

"کیا ہوا خیریت؟"

"بڑے شاہ کو قتل کر دیا گیا۔ کسی نے اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ اس کی لاش قبر پر پڑی ہوئی ہے۔ سر الگ کر دیا گیا ہے ہاتھ پاؤں الگ الگ پڑے ہوئے ہیں۔ ساری قبر خون میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہ مار دیا گیا۔ اسے مار دیا گیا۔ بڑے شاہ کو مار دیا گیا۔ میں چراغ جلانے گیا تھا تو میں نے دیکھا۔" رحیم خاں کی آواز رندھ گئی۔ میرا پورا بدن ساکت ہوگیا۔ علی بھی سکتے میں رہ گیا تھا۔ بمشکل تمام ہمارے جسموں میں جنبش ہوئی۔ میں نے علی کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے کہا۔

"آؤ علی!" ہم تینوں آہستہ قدموں سے باہر نکل آئے۔ پاؤں اِدھر کے اُدھر پڑ رہے تھے۔ خوف سے دل لرز رہا تھا۔ باہر کا ماحول اب بالکل سنسان ہوچکا تھا۔ باہر کے لوگ تو سرِشام ہی چلے جاتے تھے۔ یہاں موجود لوگ بھی اپنی اپنی کمیں گاہوں میں گھس جاتے تھے۔ بہرحال کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ہم آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے آخر کار مزار

کے دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ چراغ جل رہا تھا اور اس کی پیلی روشنی میں بڑے
شاہ دیوار کی طرف رخ کئے دو زانو بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا بدن ساکت تھا اور ہمارے قدموں
کی آہٹ پر بھی اس کے اندر کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ میں نے حیران نگاہوں سے رحیم
خاں کو دیکھا۔ رحیم خاں کی آنکھیں خوف اور حیرت سے چڑھ گئی تھیں۔ وہ چکرا رہا تھا۔
بمشکل تمام اس نے گرنے سے بچنے کے لئے دیوار کا سہارا لیا تھا اور پھر کچھ لمحوں کے بعد
اس نے ہکلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خدا کی قسم! میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ خدا کی قسم! میں نے اپنی آنکھوں سے
دیکھا تھا۔ میں اندھا نہیں ہوں۔ اے میرے مالک! خون ہی خون اس قبر پر خون ہی خون
پڑا ہوا تھا لیکن اس وقت دیکھیں گردن وہاں پڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ وہاں اور پاؤں ادھر۔
قسم کھا رہا ہوں اپنے ماں باپ کی بڑے شاہ' بڑے شاہ وہ.......... وہ.........." رحیم خاں
اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ شاید اس کے پیروں کی جان بھی نکل گئی تھی۔ میں نے چند قدم آگے
بڑھائے اور بڑے شاہ کے قریب پہنچ گیا۔

"حاکم خاں تم ٹھیک ہو۔" میں بڑے شاہ کے سامنے پہنچ کر بولا اور پھر میرے منہ
سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔ میں اس کی آنکھیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ڈیلوں کے
بغیر تھا۔ پوری آنکھوں پر سفیدی چھائی ہوئی تھی۔ اس قدر روشن اور تیز آنکھیں کہ ان
پر نگاہیں نہ جمائی جاسکیں۔ یہ روشنی اس کی آنکھوں سے باہر نکل رہی تھی اور میں اپنے
دل میں ہلکا سا خوف محسوس کر رہا تھا۔ بڑی عجیب بات تھی یہ' بڑی عجیب بات تھی۔ اس
نے نگاہیں گھما کر اس طرف دیکھا۔ رحیم خاں اس کے ہی چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور
پھر اچانک ہی رحیم خاں کے حلق سے ایک دہشت بھری آواز نکلی اور وہ اچھل کر بھاگا
لیکن منبر سے ٹکرایا زمین پر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ ایک عجیب سی ہلچل مچ گئی تھی۔ علی
بھی کافی حد تک خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ میں نے کچھ لمحے سوچا اور پھر علی کو اشارہ کیا۔ ہم
رحیم خاں کو اٹھائے ہوئے باہر آگئے تھے۔ رحیم خاں کے بدن پر بے ہوش ہونے کے
باوجود ایک کپکپی سی طاری تھی۔ ہم اسے اپنی رہائش گاہ میں لے آئے۔ علی بھی بالکل
خاموش تھا۔ رحیم خاں کو لٹا دیا گیا۔ پھر اچانک ہی رحیم خاں کا بدن شدید تشنج کا شکار
ہوگیا۔ وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ اسے بہت سے لباس اوڑھائے گئے حالانکہ اچھی خاصی
گرمی تھی لیکن رحیم خاں پر اس طرح کپکپی چڑھی ہوئی تھی کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ
کیا کیا جائے۔ پھر اسے شدت کے ساتھ بخار ہوگیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ رحیم خاں

بدستور بے ہوش تھا اور ہم اس کی تیمارداری کر رہے تھے۔ بہت دیر کے بعد علی نے اپنے
آپ کو سنبھالا اور کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہئے۔"

"کیوں علی! آخر کیا مشکل ہے تمہیں؟"

"مشکل کچھ نہیں ہے۔ لیکن.......... لیکن صورت حال کافی خراب ہوتی جارہی
ہے۔ عقل ٹھکانے نہیں رہی ہے۔ واقعات اس قدر الجھے ہوئے اور پیچیدہ ہیں کہ کوئی
فیصلہ کرنا مشکل ہے۔"

"بہت سے فیصلے وقت کرتا ہے۔ اگر یہاں کوئی تکلیف ہے تو تمہاری مرضی ورنہ تم
ایک بار دیکھو اور سوچو۔ بڑے شاہ کہہ رہا تھا کہ جب سے ہم یہاں آئے ہیں۔ لوگوں کو
خود بخود فائدے ہونے لگے ہیں۔ بڑے شاہ کو اس پر کچھ نہیں کرنا پڑ رہا جو اسے کرنا پڑتا
تھا۔ علی اگر یہاں لوگوں کو فائدے پہنچ رہے ہیں تو ہمارا کیا جاتا ہے؟"

"مگر آخر بڑے شاہ کو ہوا کیا ہے؟"

"یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ بہت دکھی انسان تھا۔ میرا خیال ہے خود اس کی مشکلوں
نے اسے گھیر لیا ہے۔"

"ہم اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟"

"کیا کہا جاسکتا ہے!" میں نے پُرخیال انداز میں کہا اور پھر خود پر غور کرنے لگا۔ واقعی
میرا تو خیال بالکل مختلف تھا۔ میں تو خود دوسروں کے شانوں پر سفر کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے
اگر مجھے کچھ دیا تھا تو کم از کم مجھے ان سے آشنائی نہیں تھی۔ بڑے شاہ کا کہنا تھا کہ جب
سے میں یہاں آیا ہوں اور میرے ذریعے لوگوں کو وہ الٹی سیدھی باتیں بتائی جارہی ہیں۔
تب سے لوگوں کو فائدہ ہو رہا ہے۔ اب اپنے آپ پر تو اس قدر غور نہیں کرنا چاہتا تھا کہ
بات غرور کی حد تک پہنچ جائے۔ یہ حملہ بھی کسی اور ہی کا تھا۔ ہاں بس اس بات کا خواہش
مند تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے میرا کام جاری رہے اور میری وہ مشکلات دور ہوجائیں
جن کے لئے میں سرگرداں تھا اور جن کے بارے میں سمجھا گیا تھا کہ وقت اپنا فیصلہ خود
کرے گا۔ بہرحال یہ سارا سلسلہ چلتا رہا پھر تقریباً تین یا چار دن تک بڑے شاہ سے
ملاقات نہیں ہوئی۔ ہم لوگ اس کے بارے میں باتیں کرتے تھے۔ کئی بار ہم نے راتوں کو
اٹھ کر اسے ٹیلوں وغیرہ پر تلاش کیا لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ رحیم خاں ایک بار پھر پریشان
سا میرے پاس آیا تھا۔ کہنے لگا۔

"بابر صاحب بڑے شاہ بالکل غائب ہے۔ یہاں اس علاقے میں جہاں تک وہ جاسکتا تھا ہم نے سے دیکھ لیا ہے۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بڑے شاہ نے اپنے ماہانہ منصوبے جو بنائے تھے۔ اب دو ہفتے ہوگئے ان میں سے کوئی بھی منصوبہ زیر عمل نہیں آیا۔"

"میں بھی اسے تین چار دن سے نہیں دیکھ رہا رحیم خاں۔ کہاں جاسکتا ہے وہ' ویسے جہاں تک میرے علم میں ہے وہ دوسرے کام بھی کرتا تھا۔ اس نے خود مجھے بتایا تھا۔"

"ہاں........"

"ایک بات بتاؤ۔ یہاں اس جگہ جن افراد کو میں نے دیکھا ہے وہ تین چار ہی ہیں۔ زیادہ نہیں ہیں۔ بڑے شاہ جو دوسرے کام کرتا تھا کیا انہی تین چار لوگوں کے ساتھ کرتا تھا؟"

"ہاں ہم نے بہت زیادہ تعداد نہیں رکھی۔ یہ بڑے شاہ ہی کا خیال تھا کہ جتنے زیادہ لوگ رازدار ہوتے ہیں' راز کے کھل جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ اس لئے زیادہ لوگوں کو رازدار نہ بناؤ۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کسی ایسے کام سے بھی نہیں نکلا ہوا وہ۔"

"نہیں اگر وہ نکلا تھا تو ہمیں سارے پروگرام کا پتا ہوتا تھا۔"

"ایک بات اور بتاؤ' اس کی ماں اور بہنیں جہاں رہتی ہیں وہ جگہ تمہیں معلوم ہے؟"

"مجھے معلوم ہے اور آپ کو حیرت ہوگی کہ میں وہاں جاکر بھی دیکھ چکا ہوں۔ اصل میں بڑے شاہ سے میرا بڑا گہرا رابطہ رہتا تھا۔ میں نے جو بات کہی کہ میں ہر جگہ دیکھ آیا ہوں اسے' جہاں اس کی موجودگی کے امکانات مل سکتے تھے لیکن وہ موجود نہیں ہے۔"

"تعجب کی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"یقین کریں بہت طویل عرصے کے بعد ایسا ہوا ہے کہ وہ جہاں ہے وہ جگہ مجھے نہیں معلوم۔ جب سے اس نے مجھ پر بھروسہ کیا تھا۔ مجھے اپنے ہر عمل کے بارے میں بتاتا رہتا ہے۔"

"ہوں۔ پھر تو واقعی پریشانی کی بات ہے۔ میں خود بھی اسے تلاش کر رہا ہوں اور علی بھی۔" کوئی دو دن مزید گزر گئے۔ تیسرے دن رحیم خاں پھر میرے پاس آگیا۔ کہنے لگا۔

"آج ان لوگوں کے آنے کا دن ہے۔ ایک بات بتایئے اب انہیں ان کی خواہشوں

کا جواب کون دے گا؟"

"اگر تم مناسب سمجھو رحیم خاں تو میں وہ جواب دے سکتا ہوں۔"

"نامناسب نہیں۔ میں آپ سے یہی کہنا چاہتا تھا۔ آپ پڑھے لکھے لوگ ہو صاب۔ پہاڑ والی سرکار کی کہانی بڑی مشکل سے سیٹ ہوئی ہے۔ اب اسے ختم نہیں ہونا چاہئے۔ پتا نہیں بڑے شاہ کب واپس آجائیں۔"

"ٹھیک ہے تو تم بے فکر رہو۔" اور پھر میں نے واقعی وہی سلسلہ جاری کردیا' جواب بھی دیئے' نتیجے میں چڑھاوے بھی آئے۔ کوئی سولہ دن ہوگئے تھے بڑے شاہ کو غائب ہوئے اور اب میری تشویش آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔ وہ ضرور کسی مشکل کا شکار ہوگیا تھا۔ ادھر رحیم خان اور باقی ساتھی بھی پریشان تھے۔ ڈاکوں کا سلسلہ تو تقریباً ختم ہوگیا ہوگا لیکن میں نے اس سلسلے میں بھی رحیم خان پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ میں ساری تفصیل جانتا ہوں۔ بس اشاروں میں یہ بات ہوئی تھی۔ اس دن بھی رحیم خاں فکر مند میرے پاس آبیٹھا۔ پھر وہی تمام باتیں ہونے لگیں۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک بات آئی اور میں نے کہا۔

"ایک بات بتاؤ رحیم خان یہ شاہ مراد کون ہے؟" رحیم خان نے چونک کر مجھے دیکھا پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اللہ نے آپ کو بڑی عقل دی ہے واقعی بہت بڑی عقل دی ہے اللہ نے آپ کو۔ آج ہی میں اس بارے میں کام کرکے آیا ہوں۔ مگر مجھے شاہ مراد کے ٹھکانے سے بھی کچھ پتا نہیں چل سکا۔"

"شاہ مراد کے بارے میں مجھے بتاؤ۔"

"صاحب آپ یہاں سے اس بستی نہیں گئے نا جس کا نام نورپور ہے۔ نور پور بیچ میں آتا ہے۔ ادھر ہم لوگوں نے اس ٹیکرے پر اپنا ڈیرہ جما رکھا ہے اور آبادی کے اس طرف شاہ مراد کا ٹھکانہ ہے۔ شاہ مراد بھی اپنے آپ کو درویش کہتا ہے۔ اس کے بھی بہت سے عقیدت مند ہیں لیکن یہ بات ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جس طرح بڑے شاہ کا ٹھکانہ نقلی ہے اسی طرح شاہ مراد کا بھی اور یہ بات دونوں بھی ایک دوسرے کے بارے میں جانتے ہیں۔ ویسے صاحب پچھلے کچھ عرصے سے خاص طور سے یہاں پہاڑوں والی سرکار کی حاضری بڑھ گئی ہے۔ یہ اس وقت سے ہوا جب سے آپ یہاں آئے ہیں۔ یہ باتیں شاہ مراد کو بھی معلوم ہو رہی ہیں۔ دشمن تو بہت پہلے سے ہے مگر اب شاہ مراد کو

فکر بھی ہوگئی ہے کہ کوئی اس کا صحیح مدمقابل بھی ہے۔ بہرحال میں نے وہاں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن بڑے شاہ کا ادھر بھی کوئی پتا نہ چل سکا۔" رحیم شاہ خاموش ہوگیا تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"اور اب جو کچھ ہو رہا ہے صاحب وہ تو پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ لوگوں کی زبانی میں نے یہ بات سنی ہے کہ اچانک ہی پہاڑوں والی سرکار سے لوگوں کو زیادہ فیض حاصل ہونے لگا ہے۔ صاحب ایک بات کہوں آپ سے۔ دنیا اچھائی اور برائی کے بارے میں بہت کم سوچتی ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے صاحب کہ یہ جگہ سنبھالے رکھیں۔ لوگوں کو آپ سے فائدہ بھی پہنچ رہا ہے۔ دونوں کام ہو رہے ہیں۔" میں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ اسی رات اس موضوع پر میری علی سے بات چیت ہوئی تو علی کہنے لگا۔

"دیکھیں تھوڑا سا مسئلہ ذرا مختلف ہے۔ جو بات رحیم خان نے کہی وہ تو ٹھیک ہے۔ فائدہ ہو رہا ہے لوگوں کو اور اب تو یہ بات ہمیں براہ راست معلوم ہوتی جارہی ہے۔ جہاں تک بڑے شاہ کی گمشدگی کا معاملہ ہے بات بالکل سمجھ میں نہیں آرہی۔ ایسا کرتے ہیں اس کا انتظار کر لیتے ہیں۔ کچھ عرصے چلاتے رہیں کام۔ وہ آجائے اپنا یہ منصب سنبھال لے۔ بس اس کے بعد ہم یہاں سے رخصت ہوجائیں گے۔ ویسے یہاں دل تو لگتا ہے۔ مصیبت بھرے لوگ آتے ہیں۔ اپنی اپنی دکھ کی کہانیاں سناتے ہیں ہرچند کہ طریقہ کار غلط ہے لیکن پھر بھی کچھ ہے تو سہی۔" میں نے علی کی بات سے اتفاق کیا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ اب سارے مسئلے مجھے خود دیکھنے پڑتے تھے اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہوتا تھا۔ اپنے طور پر کام کرنا پڑتا تھا۔ یہ سلسلہ مزید کچھ عرصے جاری رہا اور پھر ایک دن ایک نیا مسئلہ میرے سامنے آیا۔ رحیم خان ایک شخص کو لے کر میرے پاس آیا۔ بھاری بدن کا آدمی تھا اور بڑی عجیب سی کیفیت میں تھا۔ اس کی بیوی دماغی مریضہ تھی۔ باپ کے ساتھ آیا تھا اور بڑی نڈھال سی کیفیت میں مبتلا تھا۔ رحیم خان نے کہا۔

"صاحب ان کا نام بابو ہری داس ہے۔ بڑی مشکل کا شکار ہیں بے چارے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ یہاں رہ کر اپنی بیوی کا علاج کرانا چاہتے ہیں۔ اپنے باپ اور بیوی کے ساتھ آئے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم یہاں ان کے لئے قیام کا انتظام کریں۔ کیونکہ ہمارے ہاں یہ رواج تو نہیں ہے۔"

"یہ تو بعد میں معلوم ہوگا کہ ان کا مسئلہ کیا ہے لیکن رحیم خان تم یہ جانتے ہو کہ

یہاں جس مقصد کے لئے لوگوں کو رہنے سے منع کیا جاتا تھا وہ تو ختم ہوچکا ہے۔ دیکھتے ہیں کیا مسئلہ ہے اس بے چارے کا۔ ہوسکتا ہے واقعی ضرورت مند ہو۔" بابو ہری داس کو یہاں رہنے کے لئے جگہ دے دی گئی۔ چونکہ ان کے لئے رحیم خان نے خاص طور سے سفارش کی تھی چنانچہ وہ میرے پاس آگئے۔ انہوں نے میرے پاؤں چھوتے ہوئے کہا۔

"بابا صاحب بھگوان کے نام پر میری مشکل دور کردیں۔ اب تو جیون اتنا کٹھن ہوگیا ہے میرے لئے کہ موت کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے۔ بھگوان آپ کا بھلا کریں گے۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ پہاڑوں والی سرکار نہ ہندو دیکھتی ہے نہ مسلمان۔ میں بھی ذات کا برہمن ہوں لیکن اس وقت جتنا پریشان ہوکر آپ کے پاس آیا ہوں بیان نہیں کرسکتا۔ میرے گناہ میرے سامنے آئے ہیں۔ میں بے بسی کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ ہمارا........... ہمارا جیون نشٹ ہوگیا ہے بابا صاحب۔ نہ جانے کہاں کہاں سے میں اپنی بیوی کا علاج کرا چکا ہوں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اب آپ کے چرنوں میں آیا ہوں۔ میری مشکل دور کردو۔ بھگوان آپ کو سنسار کا سارا سکھ دیں۔ آپ کے چرنوں میں رہ کر میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک میری مشکل دور نہیں ہوجائے گی۔ بھگوان کی سوگند میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر یہاں مجھے رکنے کی جگہ نہیں ملے گی تو اسی پہاڑی سے کود کر جان دے دوں گا اپنی اور اپنی بیوی سمیت۔"

میں نے ہری داس کو دیکھا۔ سیدھی سادھی شکل والا ایک آدمی تھا۔ بہرحال وہ وہاں سے تھوڑے فاصلے پر قیام کے لئے پہنچ گیا۔ اس احاطے میں رہنے کے لئے اسے جگہ دے دی گئی تھی اور اس پر کچھ لوگوں نے ناک منہ چڑھائے تھے لیکن رحیم خان نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کردیا کہ بابا صاحب نے اجازت دے دی ہے۔ بہرحال بہت زیادہ اعتراضات بھی نہیں کیے گئے تھے۔ بابو ہری داس کا باپ بوڑھا تھا اور بیوی پاگل۔ بہرحال ایک درخت کے نیچے اس کا ٹھکانہ بنا دیا گیا اور اسے کھانے پینے کی تمام اشیاء اس طرح فراہم کردی گئیں کہ وہ اپنے دین دھرم کے مطابق کھائے پکائے۔ بھاجی ترکاری کھانے والے یہ لوگ بے چارے کسی پر بار نہیں بن سکتے تھے۔ بہرحال رات کے کھانے کے بعد میں اور علی ٹہلنے نکلے تو ہم نے تین افراد پر مشتمل اس خاندان کو ایک گوشے میں پایا۔ ایک دم مجھے بابو ہری داس یاد آگئے اور میں ان کی جانب بڑھ گیا۔ ہم قریب پہنچے تو بابو ہری داس نے ہمیں دیکھ لیا۔ جلدی سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور دونوں ہاتھ جوڑ کر

ہمارے سامنے جھک گئے۔

"نہیں ہری داس جی یہ سب کچھ براہ کرم مت کیا کریں آپ۔ معافی چاہتا ہوں دین دھرم کا معاملہ ہے۔ ہمارے ہاں انسان کو انسان کے سامنے جھکنے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ اس کے بعد اس چیز کا خیال رکھیں۔"

"خیال رکھوں گا۔ بھگونت خیال رکھوں گا۔ بس بڑا بے بس ہوں' دل میں بڑی گھٹن ہے اور دل چاہتا ہے کہ کوئی میری یہ مشکل حل کر دے۔"

"تم جسے بھگوان کہتے ہو ہم اسے اللہ کہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ہماری تمام مشکلوں کا حل ہمارے پاس موجود ہے' ہم تو صرف دعائیں ہی کر سکتے ہیں ایک دوسرے کے لئے' تم لوگ اگر یہ سمجھتے ہو کہ میری زبان سے نکلی ہوئی دعا تمہارے لئے کار آمد ہو سکتی ہے تو میں اس وقت تمہارے لئے دعا کرتا ہوں کہ تمہاری مشکل حل ہو جائے۔ مگر تمہاری مشکل ہے کیا' میرا خیال ہے مجھے بتانے کے بجائے تم اس جگہ یہ مشکل بتاؤ جہاں سے تمہیں اس کا حل دریافت ہو سکے۔"

"بھگونت! بڑی دھوم سنی ہے' یہی سنا ہے کہ اس پہاڑوں والی سرکار میں پہنچ کر منش کو اس کے من کی شانتی مل جاتی ہے۔ بھگونت مجھے میرے من کی شانتی چاہئے۔"

"کل جمعرات ہے' تم مزار پر جانا اور اپنے من کی کہانی وہاں سنا دینا۔"

"میری کہانی چھوٹی تو نہیں ہے مہاراج' میں کیسے اتنی جلدی سنا سکوں گا۔"

"بس ہونا تو ایسا ہے۔"

"آپ ایسا کیوں نہ کریں بابا صاحب کہ خود اس سے اس کے دل کی داستان سن لیں' اس کے بعد تو دعائیں ہی ہوتی ہیں۔" رحیم خاں نے کہا۔ "ظاہر ہے یہ سارے معاملات ایک مخصوص سسٹم کے تحت چلتے تھے۔ سسٹم تو ہر حالت میں ضروری ہوتا ہے ورنہ لوگ بڑی بڑی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بہرحال اب آپ دیکھ لیجئے جیسے بھی آپ مناسب سمجھیں۔" رحیم خاں کے ان الفاظ پر میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا اور پھر میں نے بابو ہری داس سے کہا۔

"ٹھیک ہے ہری داس کیا مسئلہ ہے۔ تم مجھے بتاؤ۔"

"دیکھ.......... ایک بات میں تجھے بتائے دیتا ہوں' یہاں پہاڑوں والی سرکار سے تو اپنی بیوی کا سکھ اور اپنے دل کا سکھ تلاش کرنے آیا ہوں' پاپی اگر یہاں بھی تو نے اپنی زبان سے جھوٹ بولا اور بیوی کے فریب میں آ گیا تو تیرا جو حشر ہو گا تو نہیں جانتا اور

مصیبتیں مول لے کر جائے گا یہاں سے' ساری دنیا کے سامنے تو نے جھوٹ بول کر گزارا کر لیا اب یہاں بھی اگر تو نے جھوٹ بولا تو لٹیا ہی ڈوب جائے گی تیری سسرے.........."

میں نے چونک کر اس طرف نگاہیں دوڑائیں۔ یہ ہری داس کا باپ تھا۔ میں نے ہری داس کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔

"پتا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں' ہم نے گناہ کیا ہے' بڑے گنہگار ہیں مہاراج ہم۔"

"بہرحال گناہ تو انسان ہی کرتا ہے' کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے جیسے انسانوں کو نقصان نہیں پہنچاتے' ایسے گناہ کبھی کبھی معاف بھی ہو جاتے ہیں۔"

"میں کیا کہوں بھگونت' میرا گناہ تو بہت ہی گندہ اور گھناؤنا ہے' آہ کیسے بتاؤں تمہیں' بس سمجھ لو سنسار کی بہت بڑی برائی کی ہے میں نے' میں نے ان لوگوں کو ٹھکرا دیا جنہوں نے مجھ سے سچا پریم کیا تھا اور جھوٹے پریم جال میں پھنس گیا۔ ایک جھوٹے پریم جال میں پھنس کر میں نے.......... آہ میں کیا بتاؤں' میری ماتا جی تو بچپن ہی میں مر گئی تھیں' پتا جی مجھے میرے ماتا جی کے گھر والوں سے دور لے آئے.......... بہت عرصے کے بعد مجھے اپنے ماتا جی کے خاندان کا پتہ چلا تو میں ان سے ملا' محبت کرنے والی بوڑھی نانی' ماما اور ماتا جی کی بہن نے مجھے سینے سے لگا لیا' ان لوگوں نے مجھے اپنی اولاد کی طرح چاہا' ماما جی نے مجھے بیٹوں ہی کی طرح سمجھا' نانی نے اپنی اولاد کی نشانی سمجھ کر اپنی چھاتی کھول دی۔ اتنا پیار دیا مجھے ان سب نے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس سنسار میں کوئی کسی کو اتنا پیار کر سکتا ہے' وہ سارے لوگ مجھے اپنا سمجھتے رہے۔ مجھے پڑھایا لکھایا انہوں نے پھر انہوں نے میری شادی کر دی اور میری پتنی نے مجھے زندگی کے نئے دور سے روشناس کرایا اور آہستہ آہستہ میں ان پیار کرنے والوں سے دور ہو گیا۔ میں نے انہیں نظر انداز کرنا شروع کر دیا اور ان کا سارا کیا دھرا بھول گیا۔ میں نے الگ رہنا شروع کر دیا تھا' وہ لوگ جو میرے عادی ہو گئے تھے بڑے دکھی ہوئے لیکن بس انسان جب اندھا ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہی سب کچھ کرتا ہے' مجھ پر میری دھرم پتنی حاوی آ گئی تھی' اپنی دھرم پتنی اور اس کے پریوار کو میں نے اپنا سمجھ لیا تھا اور وہ جو میری ماں کی نشانی تھے' مجھ سے دور ہوتے چلے گئے تھے' بڑے دکھی ہوئے تھے وہ.......... بڑے ہی دُکھی ہوئے تھے' آہ اپنی برائیوں کے بارے میں کیا کیا بتاؤں' نانی اس سنسار سے گئی تو میں غیروں کی طرح اس کے کریا کرم میں شریک ہوا اور قدرت کو مجھ پر غصہ آ گیا' باقی تو سب ٹھیک ٹھاک تھا مگر بھگوان نے مجھے اولاد سے محروم رکھا' اولاد سے محرومی میرے اور میری بیوی کے لئے

بڑے دکھ کا باعث تھی۔ ہم لوگوں نے علاج کرانا شروع کر دیئے۔ ہر طرح کے جتن ہوئے مگر ہمارے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔

پھر ہمیں درگا داس ملا۔ درگا داس ایک پنڈت تھا۔ بڑی ہی گندی فطرت کا مالک' گندے علم کرکے وہ سنسار میں رہنے والوں کے لئے مصیبت کا باعث بنا ہوا تھا۔ میری دھرم پتنی نے ان سے رابطہ قائم کر لیا اور درگار داس نے میری دھرم پتنی پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ بہت بڑی رقم لینے کے بعد درگا داس نے ایک رات میری دھرم پتنی کو بتایا کہ اولاد حاصل کرنے کے لئے اسے ایک انسان کی بھینٹ دینی ہوگی۔ ایک بچہ درکار ہوگا جسے قتل کرکے اس پر کالا علم کرنا ہوگا۔ اس کے لئے اگر وہ کام کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے ہاں اولاد نہیں ہوگی۔ عورت ذات سسری درگا داس کے بہکاوے میں آگئی' درگاداس ہی نے اسے بچے کو حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا اور کہا کہ ایسے بہت سے جرائم پیشہ لوگ موجود ہیں جو مناسب معاوضہ لے کر بچوں کو اغوا کرتے ہیں' ایسے کسی آدمی کو تلاش کرکے بچہ اغوا کرایا جا سکتا ہے' چنانچہ اس گندے علم والے نے ایک آدمی کا پتہ بتایا اور ایک وحشی درندہ یہ کام کرنے پر آمادہ ہوگیا' میری بیوی نے بھاری معاوضہ ادا کر دیا اور پھر ایک معصوم سا بچہ اغواء ہوگیا' مجھے ان ساری باتوں کا کوئی صحیح علم نہیں تھا۔ یہ سسری کمینی کیا کہوں اس کے لئے کوئی بد دعا کرتے ہوئے بھی دل ڈرتا ہے' اس کالے جادوگر کے کہنے پر کام کرتی رہی............ بچہ اغواء کرکے جادوگر کے پاس پہنچا دیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد اس نے اسے انسانی گوشت کے کچھ ٹکڑے دے کر کہا انہیں مٹی کی ہانڈی پر چڑھا کر چولہے پر پکاتی رہے اور جب یہ ہانڈی میں راکھ کی شکل اختیار کر جائیں تو اس راکھ کو ایک مخصوص طریقے سے استعمال کرے' میری دھرم پتنی اس کی ہدایت پر عمل کرتی رہی اور پھر ہم ایک بیٹے کے ماں باپ بن گئے۔ ہماری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ بچے کی خوشی میں ہم دیوانے ہوگئے تھے۔ اس کی صورت دیکھ کر جیتے تھے یہاں تک کہ وہ تین سال کو ہوگیا' مجھے تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا لیکن نہ جانے کیوں میری دھرم پتنی اب خوفزدہ سی رہنے لگی تھی' اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑنے لگا تھا' کبھی کبھی وہ راتوں کو جاگ جاتی تھی اور سہم سہم کر بچے سے لپٹ جاتی تھی۔ اکثر وہ خوف بھری نظروں سے بچے کو دیکھنے لگتی تھی' میں نے کتنی بار یہ بات محسوس کی اور ایک دن اس سے پوچھ بیٹھا۔

"پاروتی! تو کچھ عجیب سی نہیں ہوتی جا رہی ہے۔" میں پیار سے اسے پاروتی ہی کہا

کرتا تھا' اس نے خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک دم اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔

"کیا بات ہے؟"

"تو بظاہر تو بیمار نہیں لگتی لیکن رنگ پیلا پڑ گیا ہے چہرہ اتر گیا ہے۔ بات کیا ہے آخر؟"

"نہیں............ ہری داس جی کوئی بات نہیں ہے۔"

"مجھ سے چھپا رہی ہے۔"

"کوئی بات ہو تو بتاؤں۔"

"کوئی بات ہے ضرور............"

"وہ............ میں بات............ بات............ کیا کہوں اگر بتاؤں گی تو آپ یقین نہیں کریں گے۔"

"کوشش کروں گا یقین کرنے کی' بات کیا ہے مجھے بتا تو سہی۔" وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی' کافی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"آپ یہ بتایئے آپ نے کوئی خاص بات محسوس کی ہے؟"

"کس کے سلسلے میں............؟"

"سندر کے بارے میں............ سندر کے بارے میں کبھی آپ کو کچھ خاص بات پتہ چلی ہے' آپ یہ بتایئے آپ نے کبھی غور سے سندر کو دیکھا ہے' کوئی ایسی بات محسوس کی ہے آپ نے جو دوسرے بچوں اور سندر میں الگ الگ ہو............" میں غور کرتا رہا' مجھ سے پہلے وہ خود بول پڑی۔

"ننھے بچے ماتا پتا پر جان دیتے ہیں' وہ ماں کی چھاتی سے چمٹ کر سکون پاتے ہیں' ماں کی گود میں ہی انہیں آرام ملتا ہے' اور وہ روتے روتے چپ ہو جاتے ہیں لیکن سندر' سندر............"

"ہاں ہاں آگے بول............"

"بات آج کی نہیں ہے' تین سال کا ہوگیا ہے پر بھگوان کی سوگند وہ میرے سینے سے کبھی نہیں چمٹا۔ مجھ سے گھبراتا ہے وہ............ غور کرتی ہوں تو یہ پورے تین سال میری آنکھوں میں گھوم جاتے ہیں' جھولے میں وہ ہمیشہ پُرسکون رہتا تھا۔ میں گود میں لیتی تو رونے لگتا تھا اور خاموش نہیں ہوتا تھا۔ ایسے تاثرات ہوتے تھے اس کے چہرے پر کہ میں بتا نہیں سکتی' چھوٹا سا بچہ ہے' مگر میں نے جب بھی اس کی آنکھوں میں جھانکا' مجھے

یوں لگا جیسے وہ مجھے نفرت سے دیکھتا ہے' مجھ سے الجھتا ہے' میری گود میں نہیں آنا چاہتا' پہلے تو میں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی کیونکہ اس بارے میں مجھے کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا لیکن جیسے جیسے میں نے غور کیا مجھے یہ انداز ہوتا گیا کہ ہمارا سندر.......... ہمارا سندر ہم سے پریم نہیں کرتا' اس کے من میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔" وہ رونے لگی۔ میں حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"او باؤلی! عجیب پاگل عورت ہے تو.......... ارے یہ کوئی عقل کی بات ہے۔"

"یقین کرو ہری داس تم نہیں سمجھ سکتے' تم میری کیفیت نہیں سمجھ سکتے' رات کو وہ میرے پاس سوتا ہے' مگر مجال ہے کبھی مجھ سے لپٹ جائے' میں اسے لپٹاتی ہوں تو رونے لگتا ہے' مجھ سے دور ہٹ جاتا ہے' ایک رات میری آنکھ کھل گئی تو میں نے اسے محبت سے دیکھا مگر.......... مگر.........."

"ہاں بول مگر مگر.........."

"جاگ رہا تھا وہ.......... مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں' بھگوان کی سوگند ایسا غصہ تھا اس کی آنکھوں میں کہ میں بتا نہیں سکتی تمہیں' میں نے اسے آواز دی تو اس نے کروٹ بدل لی اور اب اکثر ایسا ہوتا ہے میں راتوں کو اس سے ڈر جاتی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے' ماں ہو کر اپنے بچے کے بارے میں اس طرح سے سوچ رہی ہے پاگل کہیں کی۔"

"میں کیا کروں' اتنا سمجھاتی ہوں خود کو مگر نہ جانے کیوں یہ سب کچھ دماغ میں آتا رہتا ہے' آپ خود دیکھتے ہیں وہ سب سے بولتا ہے سب سے باتیں کرتا ہے' پر ہم دونوں سے کتنا کم بولتا ہے وہ۔"

"اوہ بھاگوان! اس پاگل پن کے خیال کو من سے نکال دے۔ اب اتنے سمے کے بعد تیری مراد پوری ہوئی ہے تو تُو نے اس قسم کی کہانیاں شروع کر دیں۔"

وہ خاموش ہوگئی' مگر بھگونت.......... کیا بتاؤں آپ کو' انسان کے من میں بڑے چور چھپے ہوتے ہیں۔ وہ بڑا کچا ہوتا ہے' کچھ نہیں سمجھ میں آتا اس کی' کوئی بات من میں بیٹھ جائے تو سارا سنسار اسے اپنے خیال کے مطابق نظر آنے لگتا ہے' پاروتی نے یہ باتیں کہی تو تھیں مگر اب میرے دماغ میں اس کی باتیں اکثر آجاتی تھیں۔ میں نے بھی سندر پر غور کرنا شروع کر دیا تھا اور تھوڑے دن کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ میری دھرم پتنی سچ کہتی

ہے' کبھی وہ کسی بات پر ہنس رہا ہوتا تھا تو ہم دونوں کو دیکھ کر خاموش ہوجاتا تھا۔ یقین نہیں آتا تھا کہ سندر کے اندر ایسی کوئی چیز ہے۔ بڑی عجیب بات تھی۔ بہرحال وہ بڑا ہونے لگا اور اسے اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ بھگونت وہ ٹھیک ٹھاک تھا' سب کے ساتھ اس کا رویہ ہمیشہ اچھا ہوتا تھا۔ اس کے استاد اس کی تعریفیں کیا کرتے تھے اور اس طرح وہ پانچ سال کا ہوگیا۔ مگر میری دھرم پتنی.......... کی کیفیت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ وہ اسی طرح باتیں کرتی رہتی تھی.......... کوئی ایک سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارے پریوار میں ایک شادی تھی اور ہم شادی میں شرکت کرنے کے لئے ایک دیہات میں پہنچے تھے' میرا وہ دوست شہر میں ملازمت کرتا ہے' اس نے بہت پیچھے پڑ کر مجھے اور میری بیوی کو اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے آمادہ کرلیا اور ہم وہاں پہنچ گئے۔ پاروتی کی طبیعت بہت خراب رہتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اچھا ہے وہ بھی بہل جائے گی' وہاں پہنچ کر ہمیں خوشی بھی ہوئی تھی اور ہم نے دیکھا کہ ہمارا بیٹا سندر بھی وہاں بچوں میں گھل مل گیا ہے' شادی کے ہنگامے ہو رہے تھے کہ ایک دن چودہ پندرہ سال کی ایک لڑکی میرے بیٹے کے ساتھ آگئی' وہ اسے گھر چھوڑنے آئی تھی۔ بچہ اس سے بہت زیادہ متاثر لگ رہا تھا۔ میں نے اس لڑکی کو دیکھا تو اپنے دوست سے پوچھا۔

"یہ کون بچی ہے؟"

"ہمارے پڑوسی ہیں جیون لعل جی' ان کی بیٹی ہے۔"

"رام چرن ہمارے گھر میں تھا چاچاجی' اگر آپ کہو تو ہم اسے ساتھ لے جائیں' رات کو پہنچا دیں گے۔" لڑکی نے کہا۔

"کون رام چرن؟" میرے دوست نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اور کون؟" لڑکی حیرت سے بولی۔

"یہ رام چرن کہاں سے ہوگیا ری۔ اس کا نام تو سندر ہے پاگل۔"

"سندر نہیں۔ یہ تو رام چرن.......... اچھا چھوڑیں ساتھ لے جائیں اسے' رات کو پہنچا دیں گے۔"

"نہیں.......... بچہ ہے اِدھر اُدھر ہوگیا تو ہم کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ شادی والا گھر ہے۔"

"نہیں ری پھر آجائے گا اب تُو جا' جا شاباش۔ یہ مہمان ہے۔ یہاں کے راستے نہیں جانتا۔ اسے یہیں رہنے دے۔"

"سارے راستے آتے ہیں مجھے۔" سندر کی آواز پہلی بار ابھری اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔

"نہیں بیٹا ضد نہیں کرتے.......... جاؤ بیٹی.......... پھر آجائے گا یہ تمہارے پاس۔" میں نے کہا۔

"جانے دیتے نا اسے چاچا جی.......... آپ کی مرضی ہے رام چرن پھر آتا۔"

میں نے سندر کو دیکھا وہ غصے سے بل کھا رہا تھا پھر وہ پاؤں پٹکتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ تو میں نے حیرت سے کہا۔

"اس بچی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے شاید' رام چرن کہہ رہی تھی وہ سندر کو.........." میرے دوست نے بات ٹال دی۔ اسے کیا پتہ' لیکن سندر جس طرح اندر گیا تھا' مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ جانا چاہتا ہے۔

پھر اس نے رات کو بھی کسی سے بات نہیں کی.......... دوسرے دن شادی تھی۔ میں بھی اپنے دوست کے ساتھ شادی کے ہنگاموں میں مصروف تھا۔ بارات آنے والی تھی' شام چار بجے کے قریب میری دھرم پتنی باہر آئی اس نے کہا۔

"سندر نے کھانا نہیں کھایا' صبح سے غائب ہے پتہ نہیں کہاں ہے وہ۔"

"صبح سے۔" میں تعجب سے بولا۔ مجھے ایک دم اندازہ ہوا کہ صبح سے میں نے بھی سندر کو نہیں دیکھا ہے۔ میں نے وحشت زدہ انداز میں کہا۔

"کہاں جاسکتا ہے وہ۔ دیکھتا ہوں میں۔" اور اس کے بعد میں دوڑا اپنے دوست کے پاس پہنچا۔ اسے میں نے صورتِ حال بتائی تو فوراً ہی وہ متوجہ ہوگیا۔

"تم چنتا مت کرو بھیا جی! سب جانتے ہیں کہ شادی میں ہمارے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ جو بھی اسے دیکھے گا وہ اسے یہاں پہنچا دے گا۔ آؤ.......... اسے تلاش کرتے ہیں۔ اوہو ایک منٹ۔" اس نے کہا اور پھر وہ اپنے پڑوسی کے گھر پہنچا۔ یہ ایک وسیع وعریض علاقہ تھا۔ بڑا سا میدان بیچ میں بکھرا ہوا تھا اور دوسرے سرے پر گھر نظر آرہے تھے۔ ایک گھر کے سامنے پہنچ کر میرے دوست نے دروازے کی زنجیر بجائی تو ایک شخص باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے بھیا جی! سب ٹھیک ہے نا کوئی ضرورت ہے ہماری؟"

"بس تیار ہو جائیں بارات آنے والی ہے۔ اوہ ہاں کوئی بچہ تو نہیں آیا تھا یہاں؟ کل بھی وہ تمہاری بیٹی کے ساتھ تھا۔"

"رام.......... میرا مطلب ہے.........." وہ شخص کچھ کہتے کہتے رک گیا اور میرا دوست چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ تب وہ جلدی سے بولا۔

"ہاں ہاں۔ اندر ہی ہے۔ کھیل رہا ہے۔ بلا کر لاؤں اسے؟ کس کا بچہ ہے وہ؟"

"میرا بھتیجا ہے۔" میرے دوست نے کہا۔

"لاتا ہوں' لیلا ہے بھگوان کی۔ ابھی لاتا ہوں اسے۔" وہ گھر کے اندر چلا گیا۔ مجھے ایک لمحے میں اندازہ ہوگیا کہ وہ بھی سندر کو رام چرن کہتے کہتے رک گیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں وہ لوگ اسے رام چرن کا نام دینا چاہتے تھے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ کوئی تین گھر چھوڑ کر ایک بوسیدہ سے گھر میں داخل ہوگیا اور کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ سندر کے ساتھ باہر آگیا۔ اس کے پیچھے ہی لڑکی اور ایک عورت بھی تھی۔ میلی کچیلی ساڑھی میں ملبوس بال بکھرے ہوئے۔ چہرے پر وحشت' رنگ پیلا پڑا ہوا۔ میں نے آگے بڑھ کر سندر کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا کر رہے ہو یہاں کس سے پوچھ کر یہاں آئے تھے؟ صبح سے غائب ہو۔" سندر نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی۔ وہی نفرت بھرا انداز تھا۔ اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے اسے تھپڑ لگایا اور اسے ساتھ لئے آگے بڑھا تو وہ دیوانی سی عورت بھی ہمارے پیچھے چل پڑی۔ میرے دوست کے دوست نے اس کا بازو پکڑ لیا اور بولا۔

"نہ.......... نہ نہ۔ بھیری نا۔ مہمان ہیں' جانے دے۔ اپنے گھر جائیں گے۔"

"وہ.......... وہ.........." میلی کچیلی عورت نے کچھ عجیب سے انداز میں دونوں ہاتھ پھیلائے اور سندر کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے انداز میں بڑی بے بسی' بڑا پیار اور بڑی حسرت تھی جو میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔ میں اپنے دوست کے ساتھ سندر کو لئے ہوئے آگے بڑھ آیا۔ میرا دوست بھی خاموش تھا اور میری سمجھ میں بھی کچھ نہیں آرہا تھا۔ سندر نے واپس نہ آنے کے لئے ضد نہیں کی تھی لیکن اس کا موڈ بدستور خراب تھا اور اس کے انداز سے نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔ بہرحال بارات کے ہنگاموں نے بہت کچھ بھلا دیا اور میں ان میں مصروف ہوگیا لیکن میرا ذہن انہی سارے خیالات میں الجھا ہوا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ البتہ جب میں سندر کو لے کر گھر پہنچا تو پاروتی بھی پریشان تھی۔ میں نے سندر کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"اس پر نگاہ رکھو اور باہر مت نکلنے دینا اسے' اس کا دماغ بہت زیادہ خراب ہوگیا ہے۔" بہرحال بارات آگئی' اور اس کے بعد رسومات ادا ہونے لگیں۔ میں نے اس شخص

کو دیکھا جس نے سندر کو اس گھر سے برآمد کرایا تھا۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا تھا لیکن
بہرحال میں اس کے پاس جابیٹھا۔ وہ بھی مجھے پہچان گیا۔ میں نے اس سے کہا۔

"اس وقت تو آپ سے بات نہ ہو سکی بھیا جی۔ میرے دوست نے بتایا کہ آپ اس
کے بہت پرانے پڑوسی ہیں۔"

"گاؤں دیہاتوں میں بھائی ایسی ہی محبتیں ہوا کرتی ہیں۔ ہمارے تو پرکھوں کے رشتے
ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے اچھے لوگ ہیں
بھی اور پھر کسی کی بیٹی کی شادی تو یوں سمجھو کہ پوری بستی کی بیٹی کی شادی ہوتی ہے۔"

"آپ جیسے اچھے لوگ بڑے خوش نصیبوں کو ملتے ہیں۔ آپ کی سب تعریف کرتے
ہیں۔"

"ہم کیا اور ہماری اوقات کیا۔ بس جو خود اچھے ہوتے ہیں وہ دوسروں کو اچھا کہتے
ہیں۔"

"وہ لڑکی آپ کی بیٹی ہے؟"

"ہاں ہم اسے پریم سے روپا کہتے ہیں۔ ویسے اس کا نام۔"

"ہاں نام لیا تھا میرے دوست نے اس کا۔"

"بہت اچھی بچی ہے اور خاص طور سے سندر تو اس سے بہت زیادہ مانوس ہوگیا
ہے۔ ویسے بھیا جی! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ نے میرے بیٹے کو رام چرن
کہہ کر کیوں پکارا تھا؟" اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے ہنسنے
لگا۔

"وہ بھیا جی! ذرا سا کھیل ہے بھگوان کا۔ کوئی کیا کر سکتا ہے۔"

"کیسا کھیل ہے؟ مجھے اس کے بارے میں بتائیں گے نہیں۔"

"کاہے نہیں۔ کاہے نہیں۔ بھیا جی! تمہارا بیٹا تو بھیری کے بیٹے رام چرن کی شکل کا
ہے بالکل ویسا' بالکل ہی ویسا' بیچاری برسوں سے یہاں رہتی ہے۔ اس کا پتی بھٹی پر کام کرتا
تھا' ایک دن اس کی طبیعت خراب ہوگئی۔ بھٹی چل رہی تھی۔ بے ہوش ہوا اور اوندھے
منہ بھٹی میں جاگرا اور جل کر بھسم ہوگیا۔ ایک ہی بیٹا تھا رام چرن بیچاری بھیری کا جس
کے ساتھ اس کا جیون چل رہا تھا۔ وہ گھروں کے کام دھندے کرکے اپنا اور اپنے بیٹے کا
پیٹ پالتی رہی ہے کہ بیچاری کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ ہوگیا۔ ویسے بھی بھیا جی!
بیچارہ رام چرن ہماری بٹیا کی عمر کا تھا۔ ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے وہ اور روپا' پھر پڑوسی

ہونے کے ناتے ان دونوں نے ساتھ ساتھ جیون شروع کیا۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے
پریم کرنے لگے پھر ایک دن ایسا ہوا کہ بھیری کھیتوں پر کام کر رہی تھی کہ رام چرن
غائب ہوگیا اور پھر بھیا وہ نہیں ملا۔ بھیری بیچاری پاگل ہوگئی اپنے بیٹے کے غم میں پولیس
میں بھی رپٹ درج کرائی گئی تھی۔ سارے گاؤں نے اسے جگہ جگہ تلاش کیا تھا۔ پر رام
چرن کہیں نہیں ملا اور پھر تو سمے ہی بیت گیا۔ اب تو اس کے بارے میں سوچتے بھی نہیں
ہیں۔ پر کیا کہیں یہ تمہارا جو بیٹا ہے نا بھیا جی! یہ بالکل رام چرن کی صورت کا ہے۔ بھیری
اسے دیکھ کر پاگل ہوگئی تھی۔ اور رام چرن رام چرن کہتی دوڑی تھی۔ مگر کہاں رام چرن
اور کہاں وہ۔ اب تو بات بھی پرانی ہوگئی اور تمہارا بیٹا تو بہت ہی چھوٹا ہے' جبکہ اگر رام
چرن ہوتا تو اب تک پندرہ سولہ سال کا ہوگیا ہوتا۔ بھگوان جانے کون لے گیا اسے کہاں
چلا گیا۔ یہ بھیا تمہارے بیٹے کو رام چرن کہنے کی کہانی ہے اور یہ ہے بیچاری بھیری پاگل کی
داستان۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ ایک انوکھا خوف میرے رگ و پے میں جابیٹھا
تھا۔ بارات کے ہنگامے جاری تھے لیکن میرا بدن ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے چھوڑ رہا تھا۔ پانچ
چھ سال پہلے رام چرن غائب ہوا تھا اور پانچ چھ سال پہلے ہی مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ اس
سادھو نے ہم سے ایک بچے کی بھینٹ مانگی تھی اور ہم نے.......... ہم نے کسی کو یہ رقم
دے کر کام کرایا تھا۔ سندر' رام چرن کی صورت تھا۔ اس کی عمر وہی ہے جب رام چرن
اغوا ہوا تھا۔ ہے بھگوان.......... ہے بھگوان.......... واقعات کی کڑیاں تو ملتی جارہی تھیں۔
وہ کالے جادو کا کھیل جس کی وجہ سے سندر نے اس سنسار میں جنم لیا تھا۔ اب اپنا اثر دکھا
رہا تھا۔ آہ.......... برائی تو برائی ہی ہوتی ہے مہاراج! بس اب اس برائی کا اثر ہم پر پڑ رہا
تھا۔ سندر جسے ہم جی جان سے زیادہ چاہتے تھے۔ منتوں مرادوں سے پیدا ہونے والا
سندر۔ رام چرن کی صورت تھا۔ اتنی دہشت طاری ہوئی تھی مہاراج مجھ پر کہ میں پریشان
ہوگیا تھا۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ رام چرن کی روح سندر کے شریر میں آگئی ہے۔ اس کی
آتما سندر کے شریر میں ہے اور سندر رام چرن کا دوسرا روپ ہے۔ جو کچھ تھا نگاہوں کے
سامنے تھا۔ بارات چلی گئی لوگ رخصت ہوگئے۔ بہرحال دوسری صبح پاروتی نے واپس چلنے
کی رٹ لگادی۔ حالانکہ ہم کئی دن کے لئے یہاں آئے تھے لیکن اب۔ اب پاروتی بھی نہ
جانے کیوں خوفزدہ تھی۔ میں تو خیر دہشت کا شکار تھا ہی لیکن پاروتی بھی واپس چلنے کی رٹ
لگائے ہوئے تھی۔ سبھی نے اسے سمجھایا لیکن وہ نہ مانی اور آخر کار میں خود بھی وہاں سے

چل پڑا۔ جو کچھ مجھ پر بیت رہی تھی میرا دل ہی جانتا تھا۔ ہم گھر واپس آ گئے۔ سندر بھی ہمارے ساتھ ہی تھا لیکن اب میری دھرم پتنی اس سے بے حد خوفزدہ رہنے لگی تھی۔ میں بھی چور نگاہوں سے سندر کے چہرے کو دیکھتا رہا تھا اور جب بھی میری نگاہ سندر کے چہرے پر پڑتی وہاں ایک عجیب سی کیفیت رچی ہوئی ہوتی جیسے وہ ہم سے شدید نفرت کرتا ہو۔ کافی دن اس طرح گزر گئے پھر ایک دن میری دھرم پتنی نے مجھ سے کہا۔

"ہری داس! ایک بات کہنا چاہتی ہوں میں آپ سے۔"

"ہاں۔ کیا بات ہے؟"

"وہاں۔ جہاں ہم شادی میں گئے تھے میں نے ایک عجیب بات سنی ہے۔ بھگوان کے لئے اس بات کو مذاق میں مت ٹالئے۔ میری تو حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ کچھ کریں بھگوان کے لئے کچھ کریں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔"

"لیکن بات کیا ہے؟"

"سندر ہی کے بارے میں وہاں باتیں ہو رہی تھیں۔ بھیری نامی کوئی عورت رہتی ہے وہاں جس کا بچہ جس کی عمر گیارہ سال تھی۔ پانچ چھ سال پہلے وہاں سے اغوا ہو گیا تھا جس کا نام رام چرن تھا اور وہ بالکل سندر کی شکل کا تھا بالکل اس کی شکل کا۔" میں نے خوفزدہ نگاہوں سے پاروتی کو دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کہانی صرف میں نے ہی سنی ہے لیکن اسے بھی یہ کہانی معلوم ہو چکی تھی۔ تاہم میں نہیں چاہتا تھا کہ حالات خراب سے خراب تر ہوں۔ میں نے اس سے کہا۔

"پاروتی تم روزانہ ایک کہانی گھڑ لیتی ہو۔ کیوں آخر مجھے پریشان کرنا چاہتی ہو کیا کرنا چاہتی ہو؟" پاروتی جیسے بھری بیٹھی تھی۔ بری طرح رونے لگی اور کہنے لگی۔

"ہم............ ہم نے کیا بہت برا کیا ہے آپ مجھ سے پریشان ہو گئے ہیں۔"

"ہاں ہو گیا ہوں بالکل ہو گیا ہوں۔ پہلے تو میں تمہیں بچے کی خواہش نے دیوانہ کر دیا تھا اور تم سب کچھ کرنے پر تیار ہو گئی تھیں اور اب اس کہانی سے تم نہ صرف خود پاگل ہو جاؤ گی بلکہ مجھے بھی پاگل کئے دے رہی ہو۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں کیا کر سکتا ہوں میں؟"

"بھگوان کے لئے آپ اس کالے جادو والے سے ملئے اور اس سے کہئے کہ اب ہم کیا کریں ہم تو کالے جادو کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔"

"یہ سارے کے سارے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ کالے پیلے علم کر کے یہ گندی

آتماؤں کا کھیل کھیلتے ہیں۔ اب کوئی نیا کھیل کھیلنا چاہتی ہو تم۔"

"تو کیا کریں ہم بتاؤ' ہم کیا کریں وہ ہم سے نفرت کرتا ہے۔ ہمارا اکلوتا بچہ ہے اس کے سوا ہمارا کوئی ہے بھی تو نہیں۔" وہ روتی رہی لیکن میرے پاس ان آنسوؤں کا کوئی حل نہیں تھا۔ سمے آگے بڑھتا رہا مہاراج! سندر کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ایک رات جب ہم اپنے بیڈ روم میں سو رہے تھے کہ اچانک پاروتی کی چیخوں نے مجھے جگا دیا۔ اس کی چیخیں اس قدر بھیانک تھیں کہ میں بھی بری طرح خوفزدہ ہو گیا اور میں نے دہشت بھری نگاہوں سے پاروتی کو دیکھا۔ سندر اپنے بستر پر سو رہا تھا۔ وہ ان چیخوں سے بے نیاز گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں پاروتی کے پاس پہنچ گیا اور میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"کیا ہو گیا ہے تجھے۔ کیا ہو گیا ہے پاروتی؟"

"یہ............ یہ............ جاگ رہا ہے۔ بھگوان کی سوگند یہ جاگ رہا ہے۔ مکر کئے پڑا ہے۔ ابھی میرے قریب تھا مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں اور یہ نفرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ مارے گا یہ مجھے............ مارے گا' یہ مجھے قتل کر دے گا' میں............ ہے بھگوان بچاؤ مجھے یہ ضرور مجھے مار دے گا۔" پاروتی دہشت بھری آواز میں چیخ رہی تھی اور میں حیرت سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔

"بچاؤ مجھے بچاؤ۔"

"ایک ہی بات ہو سکتی ہے پاروتی کہ میں اسے گھر سے نکال دوں۔ بتاؤ اور کیا کر سکتا ہوں میں؟" پاروتی ایک دم چونک پڑی اس کی ہیجانی کیفیت کم ہو گئی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں نہیں وہ میرا بچہ ہے۔ نہیں وہ میری اولاد ہے۔" وہ بری طرح سسکیاں بھرنے لگی اور مہاراج! بھگوان آپ کو جیون دے حالات بگڑتے چلے گئے۔ پاروتی سندر سے بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی دماغی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس پر دورے پڑنے لگے تھے اور اب آپ دیکھ لیجئے۔ اب یہ اس حال کو پہنچ گئی ہے۔ یہ اپنے بیٹے کو چاہتی بھی ہے اور دہشت زدہ بھی ہے۔ نہ جانے کیا کیا جتن کئے ہیں میں نے ڈاکٹروں کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ میں تو اتنا بدنصیب ہوں کہ کسی کو اصلیت بتا بھی نہیں سکتا۔ کسی سے کہوں کہ ایک بچے کو قتل کر کے ایک ماں کی گود اجاڑ کر ہم نے

اپنی سونی گود بھری ہے۔ بس مہاراج! کتوں کی طرح در در بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ یہاں کے بارے میں سنا تھا میں نے کہ یہاں پہاڑوں والی سرکار پر ہر ایک کو نیا جیون ملتا ہے۔ بتایئے میں کیا کروں۔ بھگوان کے لئے، بھگوان کے لئے بڑی آس لے کر آیا ہوں میں آپ کے پاس۔ ہماری مشکل کا حل بتائیں۔ بھگوان کے لئے، بھگوان آپ کو اس کا صلہ دے گا۔"

☆------☆------☆

میں شدتِ حیرت سے خاموش کھڑا ہوا تھا۔ علی بھی پتھر بنا ہوا تھا۔ کیا ہی بھیانک کیا ہی دہشت ناک داستان تھی۔ عبرت کا مقام تھا۔ اسے کہتے ہیں اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ بہت دیر تک میں سوچتا رہا پھر میں نے ایک دم سوال کیا۔

"لیکن سندر! آپ لوگوں کے ساتھ نہیں ہے؟"

"ہاں۔ وہ اپنے نانا نانی کے پاس ہے۔" ہری داس نے جواب دیا۔

کیا کہا جائے کیا کریں۔ کچھ ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس اعتراف کے بعد مجھ پر جو فرض عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تمہیں ایک بچے کے قتل کے الزام میں پولیس کے حوالے کر دوں۔ کیا انسان ہوتے ہو تم لوگ۔ تم تو درندوں سے بھی بدتر ہو۔ اپنی دہشت کا شکار ہو کر اپنی طلب سے مغلوب ہو کر تم انسانیت سے اس قدر گر سکتے ہو۔ تمہیں غیرت نہیں آتی یہ کہانی مجھے سناتے ہوئے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ عورت تو عقل سے ناواقف ہوتی ہے۔ لیکن تم کیوں اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن جاتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ جس کی تقدیر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسے ملتا ہے۔ تمہاری تقدیر میں اولاد ہوتی تو تمہیں ضرور ملتی۔ لیکن تم نے اپنی ہوس کے ہاتھوں مغلوب ہو کر ایک شیطان کا سہارا لیا۔ تمہاری عقل نے تمہیں ہوشیار نہ کیا۔ بے غیرت انسان تمہیں علم نہیں ہے کہ یہ گندے علوم کس طرح سے ہوتے ہیں۔ جب تمہارے کانوں تک یہ بات پہنچی تھی کہ تمہیں ایک انسانی زندگی کی قربانی دینا ہوگی تو اس کے بجائے کہ تم اس کمینے انسان کو زندگی سے محروم کر دیتے، تم نے ایک بچے کا قتل کر دیا۔ تم نے اپنی آنکھوں سے اس ماں کو دیکھ لیا جو اولاد کے کھو جانے سے اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی ہے۔ قدرت تمہارے کالے کرتوتوں کو تمہارے سامنے لائی۔ مگر تم نے غور نہیں کیا اور اب اس عورت کے لئے زندگی چاہتے ہو۔ خدا کی قسم تمہیں تو چاہئے کہ

اس عورت کی آنکھیں نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دو۔ تم مردود ہو' تمہارا فیصلہ وہی کرے گا۔ چنانچہ اب میں تم سے فوراً کہتا ہوں کہ تم یہ جگہ چھوڑ دو۔ یہ تم جیسے شیطانوں کے لئے نہیں ہے۔ اس سے قبل کہ میں تمہیں دھکے دے کر یہاں سے ہٹا دوں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ تم اندھے ہو چکے ہو۔ وہ جنہوں نے تمہیں بے لوث محبت دی' جنہوں نے تمہارے برے وقت میں تمہیں اپنایا وہ تمہارے لئے کچھ نہ ہے اور یہ قابل نفرت عورت جس نے آخر تم سے سب کچھ چھین لیا تمہارے لئے اتنی بلند ہو گئی۔ جاؤ' اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ کچھ لمحے اگر تمہیں اچھائی کے مل گئے تو اسے دھوکا سمجھو۔ آنے والا وقت تم پر اور بھی برا گزرے گا۔ گیارہ سال پورے ہو جانے دو۔ وہی بچہ جس کی وجہ سے تم نے اپنا دھرم کھویا تمہاری موت کا سامان بن جائے گا۔ جاؤ۔ وہی تمہیں تمہارے عمل کی سزا دے گا کہ یہ مکافاتِ عمل ہے۔ چلے جاؤ۔" میرا خون غصے سے کھول رہا تھا۔ ہری داس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ میرا دل لرز رہا تھا اس کہانی پر۔ کیسے کیسے مردود انسان ہوتے ہیں۔ ہری داس نے مجھ سے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے علی سے کہا۔

"لوگوں کو بلاؤ اور اسے ان سیڑھیوں سے دھکیل دو۔" ہری داس جلدی سے اٹھ گیا تھا۔ اس کے باپ نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ سچی سرکار ہے یہ سچی سرکار ہے۔ صحیح جواب ملا تجھے یہاں سے۔ چل اٹھ' چل۔" یہ کہہ کر وہ باہر کی جانب چل پڑا اور میں غصیلے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر مایوسیوں کے سائے پھیلے ہوئے تھے لیکن مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ ایسے ناسپاس لوگوں کے ساتھ یہی برتاؤ ہونا چاہئے تھا۔ کیسے دکھی ہوں گے وہ۔ جنہوں نے اس کی بے لوث پرورش کی اور اس کے بعد اس نے انہیں یہ صلہ دیا۔ ایسے کسی شخص کو تو اس سے بھی کڑی کوئی سزا ملنی چاہئے۔ بہرحال وہ اپنی بیوی کو سنبھالے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ علی اور دوسرے لوگ بھی یہ دیکھ رہے تھے کہ میں شدید غصے میں ہوں۔ غالباً انہوں نے پہلی بار مجھے اس عالم میں دیکھا تھا۔ پھر اس کا نام ونشان ختم ہو گیا تو ہم نے اپنے معمولات دوبارہ شروع کر دیئے۔ بہرحال یہ سلسلہ کافی عرصے سے جاری تھا اور صحیح معنوں میں ہم یہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہاں میری بڑی عزت ہوتی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جن لوگوں کے لئے میں کچھ کرتا تھا انہیں کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا تھا۔

پھر ایک دن سیاہ رنگ کی ایک بڑی شاندار گاڑی رکی اور اس میں سے بھاری

جسامت کا ایک مالک آدمی بہترین لباس میں ملبوس نیچے اترا۔ دیکھنے ہی سے شاندار شخصیت معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ تین چار مولوی قسم کے آدمی تھے۔ یہ بڑے عقیدت بھرے انداز میں مجھے تلاش کرتا ہوا میرے پاس پہنچا۔ علی بھی اس وقت میرے پاس موجود تھا۔ کہنے لگا۔

"کمال کی شخصیت معلوم ہوتی ہے بابر بھائی! پتہ نہیں کون ہے۔" وہ ہمارے پاس پہنچ گیا اور اس نے جھک کر مجھے سلام کرتے ہوئے کہا۔

"حضورِ انور! نام سے ناواقف ہوں بس یہ پتہ چلا ہے کہ اس جھوٹ کی نگری میں کوئی سچا انسان آبسا ہے۔ مجھے معاف کیجئے گا مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اب یہاں کسی اور کا کوئی وجود نہیں ہے۔ نہ شاہ بڑے ہے نہ شاہ چھوٹے بلکہ ایک سچ یہاں پروان چڑھ رہا ہے۔"

"کون ہو تم؟" میں نے سوال کیا۔

"عرفِ عام میں مجھے شاہ مراد کہا جاتا ہے۔ بس ایک چھوٹی سی نگری بسا رکھی ہے میں نے بھی اور صحیح معنوں میں اللہ کے بندوں کی خدمت کرتا ہوں۔ اس سے پہلے میری اور شاہ بڑے کی زبردست جنگ چل رہی تھی۔ اصل میں' میں اس دھوکا دہی کے خلاف تھا جو شاہ بڑے دوسروں کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ دولت کون نہیں کمانا چاہتا لیکن اللہ کے نام پر لوٹ مار تو بہت بری چیز ہوتی ہے۔ بس میں اس کی مخالفت کرتا تھا۔"

"ہوں۔ تو تم ہو شاہ مراد! بہت دنوں سے میں نے تمہارا نام سن رکھا تھا۔"

"حضور! اگر یہ سمجھے ہیں کہ آپ کا مدمقابل ہوں تو آپ یقین کیجئے قدموں میں سر جھکانے کے لئے تیار ہوں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ کچھ نہیں کہوں گا۔ بس حاضری دینا تھی آپ سے ملنا مقصود تھا۔ یہ دل چاہتا تھا کہ کسی دن آپ کو اپنے غریب خانے پر مدعو کروں۔ حضورِ انور اللہ کا احسان ہے۔ لوگوں کی بے لوث خدمت کرتا ہوں۔ اللہ نے خود مجھے اتنا دے رکھا ہے کہ میرا گزر بسر ہو جاتا ہے۔ کیا آپ مجھے شرفِ باریابی بخشیں گے۔"

"مطلب کیا ہے؟"

"مطلب صرف اتنا سا ہے کہ آپ تشریف لائیے۔ میرا کاروبارِ حیات دیکھئے۔ یہ تو ایک پہاڑی پر جعلی جگہ بنا رکھی ہے لیکن میری حویلی' میری آبائی حویلی ہے۔ باپ دادا کی جاگیر۔ معلوم کر لیں کسی سے اس کے بارے میں۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔"

"نہیں سرکار! کار بھیجوں گا آپ کے لئے۔ عزت و احترام کے ساتھ بلاؤں گا۔ جتنے افراد کے ساتھ چاہیں آسکتے ہیں۔"

"نہیں شاہ مراد! ہمیں ہماری اوقات کے مطابق ہی آنے دو۔ وہی ہمارے لئے زیادہ موزوں رہے گا۔"

"جو حضور کا حکم۔" اس نے کہا اور پھر بڑے احترام سے اس نے مجھے سلام کیا اور واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ علی اسے غور سے دیکھ رہا تھا جب وہ کار میں بیٹھ کر چلا گیا تو علی نے کہا۔

"کیا خیال ہے بابر بھائی! کیا کہتے ہیں آپ اس شخص کے بارے میں؟"

"تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔"

"بے لاگ رائے دے دوں؟"

"یہ تم فیصلہ کرو۔"

"نہیں میں یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے اسے پسند کیا ہو اور میں اس کے بارے میں کوئی غلط بات کہہ دوں۔"

"دیکھو علی! تم اب تک تم یہ اندازہ لگاتے رہے ہو کہ میں کبھی کسی کی ذات پر مسلط نہیں ہوتا۔ ہر شخص اپنا فیصلہ خود کرنے کے لئے آزاد ہے جس کے دل میں جو آئے وہ اس کے بارے میں کرے اور کہے۔ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"بابر بھائی! آنکھوں سے بڑا شاطر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا عضو عضو بولتا ہے۔ کچھ مکاری سی پائی تھی میں نے اس کے لہجے میں۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کوئی ایسی بات نہیں تھی۔" بہرحال ہم اس سلسلے میں بات کرتے رہے اور آخر کار میں نے علی سے کہا۔

"علی! اگر ایسی کوئی صورتِ حال ہے بھی تب بھی میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے۔ جانا تو پڑے گا۔"

"بالکل بالکل۔ انشاء اللہ کچھ نہیں بگڑے گا ہمارا۔" بہرحال ہم سوچتے رہے اور پھر کوئی ایسا مسئلہ ذہن میں نہیں آیا۔ جاتے ہوئے وہ کہہ گیا تھا کہ مجھے کب اس کے پاس آنا ہے۔ وقت مقرر پر سیاہ رنگ کی وہ گاڑی آگئی۔ نہ جانے کیوں آخری وقت میں، میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ علی کو اپنے ساتھ نہ لے جاؤں۔ پھر سیاہ رنگ کی یہ گاڑی سفر کرتی رہی اور ہم یہ تھوڑا سا سلسلہ عبور کرنے کے بعد اس آبادی کے دوسرے حصے میں پہنچ گئے

جسے میں نے یہاں آنے کے بعد پہلی بار دیکھا تھا۔ شہر اچھا خاصا تھا گلیاں، سڑکیں، بازار، دکانیں سب کچھ تھا لیکن ہم اس کے درمیان سے گزر گئے اور شہر سے کافی فاصلے پر ہمیں ایک عظیم الشان حویلی نظر آئی۔ اس وقت شام کے کوئی ساڑھے چار بج رہے تھے۔ جب ہم شاہ مراد کی حویلی میں داخل ہوئے۔ انتہائی وسیع و عریض عمارت تھی لیکن بڑے پھاٹک سے داخل ہوتے ہی حویلی کی ایک ایسی بے نور سی کیفیت کا احساس ہوا کہ میں چونک پڑا۔ ایسی بدرونقی عام طور سے ان جگہوں پر ہوتی ہے جہاں گندی روحوں کا بسیرا ہو۔ عمارت جیسا کہ میں نے کہا کہ انتہائی وسیع و عریض تھی لیکن اس کی ویرانی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ یہاں غیر انسانی مخلوق کا قبضہ ہے۔ احاطے میں بے شمار درخت تھے لیکن اس کے پتے سوکھے ہوئے تھے۔ گھاس کے بڑے بڑے لان پھیلے ہوئے تھے لیکن پیلی اور غلیظ گھاس کے۔ حویلی کا بیرونی حصہ بھی بدنما تھا۔ سامنے ہی ایک اور کار کھڑی نظر آرہی تھی۔ پھاٹک سے داخل ہونے والی کار کی آواز سن کر ایک ملازم اندر سے باہر نکل آیا۔ پھر جیسے ہی کار رکی ڈرائیور اور دوسرے ملازم بھی آگئے اور پھر میں نے شاہ مراد کو دیکھا جو ایک خوبصورت لباس میں باہر نکلا تھا اور اس نے آگے بڑھ کر خود اپنے ہاتھوں سے میرے لئے دروازہ کھولا تھا۔ میں نے گاڑی سے نیچے قدم رکھے اور ایک نگاہ بھرپوری حویلی پر ڈالی۔

"آپ کے ہاں زیادہ افراد نہیں معلوم ہوتے شاہ مراد صاحب!"

"ہاں۔ جو ہیں کافی ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی ذمے داریاں قبول کرتا ہے۔"

"مالی نہیں ہے شاید آپ کے ہاں۔"

"مالی بھی ہے۔ شاید آپ یہ اجڑے ہوئے درخت اور سوکھی گھاس دیکھ کر یہ کہہ رہے ہیں۔"

"جی۔"

"کچھ عرصے قبل یہ درخت سرسبز تھے۔ یہ گھاس آنکھوں کو بہار دیتی تھی لیکن سات آٹھ ماہ سے اس پر بھی خزاں آگئی۔ درخت سوکھ گئے گھاس جل گئی۔ مالی نے بڑی کوشش کی کہ یہ سب کچھ سرسبز و شاداب ہوسکے لیکن شادابی شاید اب اس حویلی کے مقدر میں نہیں ہے۔"

"کیوں؟" میں نے سوال کیا اور شاہ مراد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"آہیں جو نکلتی ہیں دل سے نکلتی ہیں اور جب دل سے آہیں نکلتی ہیں تو سب کچھ جل کر خاک ہوجاتا ہے۔" میں حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے کہا۔

"آیئے۔" میں صدر دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ مگر بڑے ہال میں قدم رکھتے ہی مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ انتہائی شاندار اور سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ وکٹورین طرز کے قدیم اسٹائل کے لیکن بڑے نئے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے تھے۔ رنگ و روغن بالکل ٹھیک تھا۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اندر سے تمام حویلی بالکل ٹھیک ہے۔ آیئے........... آیئے آپ کے لئے تو سینکڑوں کمرے ہیں یہاں۔ انتخاب کرلیجئے کون سے کمرے میں آپ قیام کریں گے۔"

"قیام کا تو میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"ارے نہیں نہیں۔ وہ جو ایک پرانی مثل ہے کہ مہمان آنا اپنی مرضی سے ہے اور جانا میزبان کی مرضی سے ہے۔ آیئے آیئے۔" وہ آگے بڑھ گیا۔ بڑے ہال کے دوسری طرف ایک چوڑی راہداری تھی جس میں دونوں طرف کمروں کی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک دروازہ کھولا اور کہنے لگا۔

"یہ آپ کے لئے ایک بہترین آرام گاہ ہوسکتی ہے۔ بہت بڑی حویلی ہے یہ۔ بے حد شاندار اور دنیا کی ہر چیز سے آراستہ۔"

"آپ کے ملازم نظر نہیں آتے۔"

"ہاں۔ یہاں ایسے بہت سے ہیں جو نظر نہیں آتے۔" شاہ مراد نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"سارا نظام الٹ پلٹ ہے۔ ملازموں کی رہائش گاہیں عقبی حصے میں ہیں لیکن وہ ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ یہ سب ہمارے وفادار ساتھی ہیں۔"

"ٹھیک شاہ مراد صاحب! آپ واقعی بہت بڑے آدمی ہیں۔" جواب میں شاہ مراد ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں۔ کہاں بڑے ہیں' بڑے ہوتے تو دل کی ہر مراد پوری ہوجاتی۔" اس نے کہا اور پھر بولا۔

"آیئے۔ میرے خیال میں یہ کمرہ آپ کے قیام کے لئے بہترین جگہ بن سکتی ہے۔

آیئے........... آیئے۔" وہ بولا اور میں خاموشی سے اس کمرے میں داخل ہوگیا۔

"میں ذرا اہل خانہ کو اتنی بڑی شخصیت کے آنے کی اطلاع دے دوں۔ آپ آرام کریں۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ابھی کیئرٹیکر کو بھیجے دے رہا ہوں۔ چند لوگوں سے آپ کی شناسائی ہوجائے گی۔ آپ کو کسی طرح کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر شاہ مراد وہاں سے چلا گیا۔ میں اپنے ذہن میں ایک عجیب سی کشمکش محسوس کر رہا تھا۔ شاہ مراد کا مہمان بن کر میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی ہے۔ یہاں آنے کے بعد حالات کچھ عجیب سے لگ رہے ہیں جبکہ میں نے سنا تھا کہ اس شہری آبادی کا ایک علاقہ شاہ بڑے کے قبضے میں ہے اور دوسرا شاہ مراد کے قبضے میں' دونوں ہی لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں لیکن یہاں آنے کے بعد مجھے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اس حویلی کا کوئی پُراسرار راز ہے۔ جس طرح اس میں ویرانی چھائی ہوئی تھی وہ دل کو لرزا دینے والی تھی۔ میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ کمرے میں اعلیٰ درجے کا فرنیچر بھی موجود تھا اور دیواریں وغیرہ بھی خوبصورت مگر ایک دیوار پر ایک بلی کی بڑی ہیبت ناک تصویر لگی ہوئی تھی۔ کالے رنگ کی خوفناک بلی جس کا سارا وجود تاریکی میں چھپا ہوا تھا بس آنکھیں روشن تھیں۔ بالکل ایسے جیسے وہ کسی کو گھور رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں ایک بھوک تھی ایک غضب ناک کیفیت تھی۔ پتہ نہیں یہ انوکھا شوق کسے ہے۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر کچھ آہٹیں ہوئیں۔ اس کے بعد بھاری جسامت کا تقریباً کوئی پچاس سالہ آدمی اندر داخل ہوگیا۔ اس کے پیچھے خوبصورت سی لڑکی تھی اور سب سے پیچھے ایک ملازم ٹائپ کا آدمی۔ آنے والے پچاس سالہ شخص نے گردن خم کرکے کہا۔

"میرا نام بہروز ہے۔ حویلی کا کیئرٹیکر ہوں یہ میری بھتیجی میراں ہے حویلی کی دیکھ بھال میں میرا ہاتھ بٹاتی ہے اور یہ ہمارا ساتھی چاکرہ ہے۔ بہترین کھانا پکاتا ہے اور بہترین نگہبان ہے۔ شاہ جی نے ہم تینوں کو آپ کی خدمت کے لئے مخصوص کردیا ہے۔ آپ جس طرح بھی چاہیں ہم لوگوں کو ہدایت دے سکتے ہیں۔ چاکرہ آپ کو کھانے پینے کی اشیاء فراہم کرے گا۔ میراں آپ کی ہر طرح کی خدمت کرے گی۔ میرے لائق کوئی حکم ہو تو ضرور بتا دیجئے گا۔"

"بہت شکریہ۔ حیرانی کی بات ہے۔"

"کیا...........؟"

"نہیں۔ آپ سے نہیں کہہ رہا مسٹر بہروز!"

"جناب! میں آپ کے کھانے کے لئے کچھ لاؤں؟"

"ابھی نہیں چاکرہ! ضرورت پڑی تو میں تمہیں تکلیف دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلوں۔" بہروز نے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ اپنے معاملات میں مصروف رہیں۔"

"میراں! تم معزز مہمان کا مکمل خیال کرو۔" بہروز نے چاکرہ کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہیں رک جاؤں؟"

"یہی کہہ رہا ہوں میں تم سے۔" بہروز بولا اور پھر وہ دونوں چلے گئے۔ میراں نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"آپ بلا تکلف اس حویلی میں' جو بھی آپ کو ضرورت ہو اس کے بارے میں بیان کردیجئے گا۔"

"حویلی میں میری ضرورتیں تو بہت سی ہیں۔ سب سے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ میں اس حویلی کے بارے میں ہی جاننا چاہتا ہوں۔ یہ کیا ہے؟ یہ تو کافی قدیم معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ شاید پانچ سو سال قبل یہ تعمیر کی گئی تھی اور اس سے پہلے اس دور کے حکمرانوں نے اسے ایک اذیت گاہ بنا رکھا تھا۔ پھر اس کے بعد مختلف لوگ اسے مختلف طریقوں سے استعمال کرتے رہے۔ یہاں بہت کچھ ہے اگر آپ دیکھنا چاہیں تو۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں لیکن ذرا اطمینان سے۔ ابھی میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ براہ کرم آرام کیجئے گا۔ میں چلتی ہوں۔ جب آپ چاہیں مجھے بلالیں۔" میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور پھر وہ وہاں سے چلی گئی۔ اب میرے سوچنے کی باری تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ میں نے یہاں تنہا آکر غلطی کی ہے کم از کم علی کو ہی لے آتا۔ دوسری بات یہ کہ یہاں آخر آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کوئی خاص کام تو تھا نہیں۔ بس ایسے ہی آجانا تھا۔ یہ مجھے خاصی گڑبڑ جگہ معلوم ہو رہی تھی۔ کچھ دیر تک میں سوچتا رہا اور آخر کار میرے دل نے فیصلہ کیا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ یہ سوچ کر میں دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آیا۔ کوریڈور سنسان پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اندازے سے اس جانب کا رخ کیا جہاں سے باہر جانے کا راستہ تھا۔ کمروں

کی قطار' دیواریں اور بلند و بالا چھت ہر طرف سے ایک جیسی ہی تھی۔ میں نے ایک لمبا چکر کاٹا۔ کمال کی جگہ تھی یہ غلام گردشیں' قدیم ماحول' پرانی اینٹوں کی بنی ہوئی یہ عمارت بلاشبہ اس وقت مجھے خوف و ہراس کا شکار کر رہی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا کوریڈور ایک کے بعد دوسری غلام گردش۔ انتہائی خوفناک ماحول تھا اور میں اس خوفناک ماحول میں نہ جانے کہاں سے کہاں چکرا رہا تھا۔ کوئی صحیح جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔ باہر جانے کا راستہ تو کجا میں اس غلام گردش سے ہی باہر نہیں نکل سکا۔ بہت ہی پُراسرار جگہ تھی اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ یہاں تک کہ بہت سے لمبے چکر لگانے کے بعد جب میں تھک کر رکا تو میں نے سامنے ہی اپنے کمرے کا دروازہ دیکھا جسے میں کھلا چھوڑ گیا تھا۔

اس دوران مجھے انسان تو انسان کوئی چڑیا کا بچہ تک نظر نہیں آیا تھا۔ میں ایک دم سے خوف کا شکار ہوگیا۔ یہ سب کچھ کیا ہے آخر یہ سب کچھ کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ میں شاہ مراد کے ٹرانس میں کیوں آگیا تھا۔ اچھی خاصی زندگی گزار رہا تھا۔ پہلے بھی یہی سوچا تھا کہ کچھ عرصے کے بعد اس جگہ کو چھوڑ دیا جائے گا لیکن اب تو یہ بڑی سنگین صورتِ حال ہوگئی تھی۔ یہ شاہ مراد آخر ہے کیا چیز اس کے بارے میں پتہ کیسے چلے۔ بہرحال اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ بلی کی تصویر دیکھی اور اچانک ہی میرے دل میں دہشت کا ایک اور تاثر پیدا ہوا۔ پہلی بار جب میں نے اس بلی کی تصویر دیکھی تھی تو اس کا رخ میری طرف تھا یعنی سامنے کی طرف اس نے گردن گھمائی ہوئی تھی لیکن اس وقت اس کی گردن سیدھی تھی۔ کسی غلطی فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ میں نے اس کی دونوں آنکھیں خاص طور سے دیکھی تھیں۔ لیکن اس وقت اس کا چہرہ بالکل سامنے ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کا رخ اس طرف نہیں تھا۔ ناممکن ہے یہ ناممکن ہے ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ میرے خدا کیا عجیب و غریب زندگی گزر رہی ہے۔ کہاں ماں کے ساتھ زندگی کے خوشگوار لمحات گزارتا تھا اور کہاں اب یہ پے در پے واقعات۔ پورنی نے بھی عیش کرا دیئے تھے۔ ناگو واقعی مرگیا تھا۔ یہ ساری باتیں اس قدر حیران کن تھیں کہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ایک بار پھر وہ تینوں ہی ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے اور میں انہیں غور سے دیکھنے لگا تھا۔ چاکرہ کھانے کے برتن اٹھائے ہوئے تھا۔ بہروز اس کے پیچھے تھا اور لڑکی ان دونوں کے پیچھے' لباس تبدیل کئے ہوئے تھے انہوں نے۔ کھانے کا سامان میرے سامنے رکھ دیا گیا۔

"ایک بات بتاؤ۔ میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے بلی کی تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"فرمایئے جناب! اصل میں ہمیں ہدایت کردی گئی ہے کہ آپ کو یہاں ہر طرح سے مطمئن رکھا جائے اور کوئی تکلیف نہیں ہونے دی جائے۔"

"میں نے یہاں کی سیر کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے دروازہ نہیں ملا۔"

"دروازے وقت پر کھلا کرتے ہیں جناب! ناوقت آپ نے کبھی کوئی دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا ہے۔" بہروز نے کہا۔ عجیب سا لہجہ تھا اور عجیب سی آواز' الفاظ بھی عجیب تھے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ پھر میں نے کہا۔

"مطلب کیا ہے؟"

"کھانا کھایئے۔"

"دوسری بات یہ بلی کا چہرہ پچھلی بار میرے سامنے تھا۔ دوبارہ میں نے دیکھا تو اس کا رخ سامنے کی طرف ہوگیا۔" بہروز نے حیرانی سے میراں اور چاکرہ کو دیکھا پھر بولا۔

"جانوروں کی مرضی ہوتی ہے صاحب! جدھر سے آئیں جدھر جائیں بھلا انہیں کون روک سکتا ہے۔"

"مگر یہ تو تصویر ہے۔"

"ہاں' لیکن زندہ تصویر۔ آپ براہ کرم کھانا کھایئے۔"

"نہیں مجھے کچھ نہیں کھانا مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں اس حویلی کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔"

"آجایئے۔ آپ کی مرضی ہے۔ میراں تم کھانا ڈھک کر رکھ دو جب مہمان کا جی چاہے گا وہ کھانا کھالے گا۔" بہروز نے کہا اور میراں نے کھانے کی ٹرے پر برتن ڈھک کر رکھ دیئے۔ میں ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باہر کا ماحول اب نیم تاریک ہوچکا تھا۔ ہم آگے بڑھ کر ایک وسیع و عریض ہال نما کمرے میں داخل ہوئے۔ نیم تاریک ماحول میں اس کمرے میں' میں نے جو کچھ دیکھا اس نے مجھے شدید حیران کردیا۔ یہاں کچھ عجیب و غریب قسم کی مشینیں نصب تھیں اس کے علاوہ دیواروں پر پرانے طرز کے ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ یہ کمرہ چھت تک پہنچ کر گنبد کی طرح سے تقسیم ہوجاتا تھا اور دو حصوں پر مشتمل تھا۔ اوپر کے حصے میں جانے کے لئے کچھ سیڑھیاں طے کرنی پڑتی تھیں۔ میں اب پوری طرح متجسس ہوگیا تھا اور اس پُراسرار حویلی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ چنانچہ سب سے

پہلے میں نے نچلے کمرے کو دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں دن کے وقت بھی اندھیرا سا پھیلا رہتا تھا۔ اس کمرے کی دیواریں بہت چوڑی اور موٹی تھیں اور کمرے میں اوپر کی جانب کوئی روشن دان نہ ہونے کی وجہ سے روشنی اور ہوا آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ دیواروں کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑ چکا تھا اور جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے بن رکھے تھے جنہیں صاف کرنے کا خیال شاید کبھی کسی کو نہیں آیا ہوگا۔ میں نے غور سے ان دیواروں کا معائنہ کیا تو ان پر بڑے بڑے سیاہ دھبے بھی دکھائی دیئے۔ میں نے حیران نگاہوں سے چاکرہ کو دیکھا جو میرے بالکل قریب تھا تو اس نے کہا۔

"جی مالک! آپ شاید یقین نہ کریں لیکن یہ دھبے کئی سو سال پرانے ہیں۔"

"مگر یہ تو خون کے دھبے معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں۔ یہ خون بادشاہوں کے دشمنوں کا ہے یا پھر ان قیدیوں کا جن کو کسی جرم کے شک میں پکڑ کر اذیتیں دی جاتی تھیں۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ذرا قریب جایئے۔ آیئے آیئے..........." چاکرہ نے کہا اور میں ایک قدم آگے بڑھ گیا۔ دفعتاً ہی مجھے ہلکی ہلکی کراہوں اور چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ مجھے یوں لگا جیسے اس بھیانک کمرے کی دیواریں زندہ ہو رہی ہوں۔ ان کے اندر سے ہمیں ان بدنصیب لوگوں کی چیخنے اور کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میرے چہرے کے رنگ اڑ گئے۔ میں نے میراں کی طرف دیکھا۔ مجھے ایک لمحے میں احساس ہوگیا کہ میراں بھی خوفزدہ ہے۔ کمرے کے ماحول سے ڈر رہی تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ کتنے انسانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کی داستانیں ان خونی دیواروں پر چھپی ہوئی تھیں۔

"چلو یہاں سے چلو۔ آؤ یہاں سے آؤ۔" میں نے وحشت زدہ لہجے میں کہا اور بہروز کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں کی مدہم مسکراہٹ بڑی عجیب تھی۔ بہرحال میں ان سب سے پہلے باہر نکل آیا تھا۔ چاکرہ' میراں اور بہروز اب مجھے اوپر کی سیڑھیوں کے ذریعے دوسرے علاقے میں لے جارہے تھے۔ کافی سیڑھیاں طے کرنے کے بعد جونہی میں دوسرے کمرے میں داخل ہوا دہشت کی ایک نئی لہر میرے بدن میں دوڑ گئی۔ میراں میرے بالکل قریب تھی۔ اس نے اچانک ہی میرا بازو سختی سے تھام لیا۔ اس کا ہاتھ کپکپا رہا تھا اور خود میرا یہ حال تھا کہ اپنے دل کی دھڑکن بخوبی سن سکتا تھا۔ اس کمرے کا ماحول نچلے کمرے کے ماحول سے بھی کہیں زیادہ خوفناک تھا۔ اس کی ہر شے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں گھور رہی تھی اور ہم اذیت دینے والی مشینوں اور دیواروں پر

لگے ہوئے سینکڑوں قسم کے ہتھیاروں کے قہقہوں کی آوازیں بھی سن رہے تھے۔ چاکرہ نے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"روشنی کم ہے جناب! اگر آپ حکم دیں تو میں تیز روشنی جلا دوں۔" اس نے جلدی سے ایک موم بتی جلائی جس کی کانپتی روشنی وسیع و عریض کمرے میں پھیل گئی۔ اب ہم آسانی سے یہاں رکھی ہوئی چیزوں کو پہچان سکتے تھے۔ چاروں طرف دیواروں کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی تلواریں' نیزے' کلہاڑے اور خنجر لگے ہوئے تھے۔ ان میں اکثر کلہاڑے اور تلواریں اتنی بڑی اور وزنی تھیں جنہیں اٹھانا عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ غالباً یہ انتہائی طاقتور جلادوں کے استعمال میں آتی ہوں گی جنہیں خاص طور سے مجرموں کو قتل کرنے کے لئے تربیت دی جاتی ہوگی۔ ان دیواروں کے نزدیک ہی پرانی سیاہ لکڑی کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے بھی پڑے دکھائی دیئے جن پر جابجا کسی روغن کے دھبے جمے ہوئے تھے۔ زمانۂ قدیم کی لاتعداد داستانیں میں کتابوں میں پڑھ چکا تھا۔ صدیوں پرانی لوگوں کی رسمیں' بادشاہوں اور راجاؤں کے ظلم و ستم یہ سب کے سب انوکھی نوعیت کے حامل ہوا کرتے تھے۔ بے شک یہ ایک کہانی کی شکل میں ہی سامنے آتے تھے لیکن اگر یہ کہانی زندہ ہوجائے تو کسی انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ میں نے لکڑی کے ان کندوں کی طرف دیکھا تو چاکرہ نے آگے بڑھ کر بتایا۔

"لکڑی کے یہ کندے وہ ہیں سرکار جن پر مجرموں کو لٹا کر ان کی گردن کاٹی جاتی ہے۔ آیئے میں آپ کو دکھاؤں۔ یہ دیکھئے ذرا۔" اس نے کہا اور میں نے جھک کر ان کندوں پر تلواروں کے نشان دیکھے خدا کی پناہ! خدا کی پناہ! ویسے تو بہت سے خوفناک لمحات میری نگاہوں کے سامنے آئے تھے لیکن اس ہولناک حویلی میں' میں جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ واقعی میرے دل کی دھڑکنیں بند کرنے کے لئے کافی تھا۔ کمرے کے ایک حصے میں وہ تمام چھوٹی بڑی مشینیں ایک جگہ رکھی ہوئی تھیں جو مجرموں کو اذیت پہنچانے کے لئے استعمال کی جاتی ہوں گی۔ انہیں دیکھ کر ہی ہیبت طاری ہوتی تھی۔ پھر ایک کرسی نظر آئی جس کی نشست پر لوہے کی لمبی لمبی نہایت تیز نوکدار سلاخیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے چاکرہ کو دیکھا تو وہ گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"ہاں۔ یہاں جو بھی چیز نظر آتی ہے اس کی اپنی ایک کہانی ہے۔ اس کرسی پر مجرم کو بٹھایا جاتا تھا اور یہ سلاخیں اس کے گوشت میں پیوست ہوجاتی تھیں۔ ایسا مجرم کئی دن تک بری حالت کا شکار رہنے کے بعد مرتا تھا۔"

میں نے اس کرسی کو غور سے دیکھا اور اس کے بعد دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ یہاں بے شمار قسم کے شکنجے بھی موجود تھے جن میں انسانی جسم کو اس طرح جکڑا جاسکتا تھا کہ وہ جنبش بھی نہ کرسکے۔ لوہے کی چھوٹی بڑی ٹوپیاں' لوہے کے جوتے۔ سر اور گردن کو جکڑنے والے شکنجے اور آہنی خول جو بھیجے کو کھوپڑی سے باہر نکال سکتے تھے۔ کمرے میں گھومتے ہوئے میں ایک بڑی سی آہنی مشین کے پاس پہنچا جس کی عجیب و غریب ساخت نے مجھے متاثر کیا۔ وہ مشین ایک عورت کے مجسمے جیسی تھی اور اس میں بری طرح زنگ لگا ہوا تھا۔ اس کے عین درمیان اوپر اٹھا ہوا ایک بڑا سا آہنی کڑا تھا۔ جس میں موٹا رسا بندھا ہوا تھا۔ اس رسے کا دوسرا سرا ایک ستون سے بندھا تھا میں نے پلٹ کر چاکرہ کو دیکھا تو وہ آگے آگیا۔ بہروز اس دوران برا سا منہ بناتے ہوئے اپنی بھتیجی میراں سے بات کررہا تھا۔ چاکرہ نے مجھے بتایا کہ اس مشین کے ذریعے اذیت دے کر ہلاک کرنے کی کارروائی ہوتی ہے۔ آپ اسے غور سے دیکھئے۔ شدید اذیت دے کر ہلاک کرنے کی اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ برسوں تک خون میں نہا چکی ہے اور اب بھی اس پر خون کی جمی ہوئی تہیں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اچانک ہی چاکرہ نے ستون سے لپٹا ہوا موٹا رسہ کھولا اور پوری قوت سے اسے کھینچنے لگا۔ مشین کے اوپر بنا ہوا ایک چھوٹا سا دروازہ گڑگڑاہٹ کی سی آواز کے ساتھ اوپر اٹھنے لگا۔ یہ آہنی دروازہ بہت بھاری تھا کیونکہ اسے کھینچتے ہوئے چاکرہ ہانپنے لگا تھا لیکن پھر بھی اس نے دروازہ پوری طرح اوپر اٹھا دیا۔ دروازے پر بہت سی نوکدار سلاخیں لگی ہوئی تھیں اس نے ہمیں مشین کے اندر جھانکنے کا اشارہ کیا اور میں نے مشین کو غور سے دیکھا۔ آہنی دروازہ اٹھنے کے بعد مشین کے اندر اتنی جگہ تھی کہ ایک آدمی آسانی سے اس کے اندر لیٹ سکتا تھا۔ چاکرہ نے ہمیں بتایا۔

"اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ مشین کس کام آتی تھی۔ جس ملزم یا مجرم کو سزا دینا مقصود ہوتی تھی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس مشین کے اندر خالی جگہ میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ معزز مہمانوں کی بہترین تواضع کے لئے یہ ایک اچھی چیز تھی۔ آپ کا کیا خیال ہے جناب؟" چاکرہ کی معنی خیز آواز ابھری اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر صورتِ حال کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

بظاہر کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ بس ایک لمحے کے لئے میرے دل میں یہ احساس جاگا تھا کہ چاکرہ کے لہجے میں کوئی دھمکی پوشیدہ ہے۔ ممکن ہے یہ احساس اس پُراسرار

ماحول کی وجہ سے ہو اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ شاہ مراد مجھے بلاوجہ یہاں نہیں لایا خاص طور سے دروازوں کا غائب ہو جانا اس بات کا اشارہ تھا لیکن چاکرہ کا لہجہ شاید میری غلط فہمی تھی۔ وہ میرے احساسات سے بے نیاز اپنی کہانی سنانے میں مصروف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"لوہے کے اس خوفناک دروازے کو آہستہ آہستہ نیچے گرایا جاتا تھا۔ بدنصیب قیدی جب ان خون آشام سلاخوں کو اپنی آنکھوں اور جسم کی طرف بڑھتے دیکھتا تو موت کے لرزہ خیز خوف سے جرم کا اقبال کرلیتا اور سارے راز اگل دیتا لیکن بعض ایسے مجرم بھی ہوتے تھے جو اس حالت میں زبان نہیں کھولتے تھے تو رسے کو فوراً چھوڑ دیا جاتا تھا اور یہ آہنی دروازہ پوری قوت سے نیچے گر جاتا تھا اور سلاخیں قیدی کے تمام جسم میں پیوست ہو جاتی تھیں۔ وہ ایک لمحے کے اندر موت سے ہمکنار ہو جاتا تھا۔" اچانک ہی ایک ہلکی سی چیخ ابھری اور میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ میراں پوری طرح کپکپا رہی تھی۔ اس کے پورے بدن پر تشنج طاری تھا حالانکہ بہروز اس سے باتیں کر رہا تھا لیکن شاید اس کے کان چاکرہ کی آوازوں پر ہی لگے ہوئے تھے۔ اس کے حلق سے دہشت بھری آواز نکلی۔

"خدا کے واسطے.......... خدا کے واسطے مجھے جانے دو۔ اس منحوس جگہ سے مجھے فوراً جانے دو میں ایک لمحے بھی یہاں نہیں رہ سکتی۔ ورنہ میری دل کی حرکت بند ہو جائے گی۔" بہروز اس سے کہنے لگا..........

"کیسی باتیں کرتی ہو میراں کیا اس سے پہلے تم اس کمرے میں پہلے کبھی نہیں آئیں..........؟"

"کبھی نہیں.......... میں یہاں کبھی نہیں آئی۔ میں تو.......... میں تو بس پہلی بار یہاں آئی ہوں.........."

"ہوں لیکن میرے لئے تو یہ مشین کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میں بہت سی بار اس خلا میں لیٹ کر مرنے والے ان قیدیوں کا تصور کرچکا ہوں جو زمانہ قدیم میں کبھی یہاں موت کا شکار ہوتے رہے۔ تم یقین کرو میراں کتنی ہی بار جب میں یہاں لیٹ جاتا ہوں تو میرا ذہن ماضی کے ان دھندلکوں میں کراہتے اور چیختے ہوئے ان ملزموں سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے جنھیں موت کی سزا ملی ہے اور نہ جانے کیوں میرا ذہن اس وقت ایسے تصورات میں کھو جاتا ہے کہ میں خود حیران رہ جاتا ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے جناب تو میں آپ کو اس مشین میں لیٹ کر دکھاتا ہوں۔ یہ میرا دلچسپ مشغلہ ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ جب بھی مجھے اس کمرے میں آنا نصیب ہوتا ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے

اس مشین میں ضرور لیٹتا ہوں۔"

"نہیں مسٹر بہروز کم از کم اپنا یہ شوق آپ میرے سامنے پورا نہیں کرسکتے۔"

"میں ایک دلیر انسان ہوں میراں۔ تم یقین نہیں کرو گی کہ زندگی بھر میں شدید ترین اور خوفناک واقعات کا سامنا کرتا رہا ہوں۔ میں نہیں بتا سکتا تمہیں کہ یہ تجربات کیا تھے۔ بہرحال چلو کوئی ایسی بات نہیں۔ کیوں چاکرہ کیا تم یہ تجربہ کرنے کے لئے میرا ساتھ دینے پر تیار ہو..........؟"

"مطلب؟" چاکرہ کہنے لگا۔

"پہلے بھی ایک بار تم میرے ساتھ یہ تجربہ کرچکے ہو.........."

"اس وقت آپ نے مجھے اس کے لئے معاوضہ دیا تھا مسٹر بہروز۔"

"ہاں بہت تیز اور چالاک آدمی ہو۔ چلو یہ لو۔" اس نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر چاکرہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اور پھر کہنے لگا..........

"اب تم ایسا کرو کہ ایک رسی سے میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس مشین میں مجھے لٹا دو۔ تاکہ میں اس تجربے کا وہی مزہ پا سکوں جو پرانے زمانے کے مجرموں کو ملتا تھا۔" چاکرہ گھبرا کر بولا۔

"لیکن اس سے پہلے تو آپ نے ایسا نہیں کیا جناب۔ آخر ہاتھ پاؤں بندھوانے کی کیا ضرورت ہے..........؟"

"میں نے تم سے کہا نا مجھے لطف لینے دو۔ میرے معزز مہمان بھی آئے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں میں یہ تجربہ ان کے سامنے کروں۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چاکرہ کہنے لگا۔

"اور رسہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو..........؟"

"تمہیں زیادہ دیر تک رسا نہیں پکڑنا پڑے گا۔ بس ایک دو منٹ کا کام ہے۔ اس کے بعد میں اس مشین سے باہر نکل آؤں گا.........." چاکرہ بمشکل تمام اس کے لئے تیار ہوا تھا۔ پھر وہ رسی کے ٹکڑے تلاش کرنے کے لئے باہر نکل گیا اور بہروز نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"کیا آپ کو یہ تجربہ دلکش نہیں لگے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ معزز مہمان کی پذیرائی ہے۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر میں چاکرہ واپس آگیا۔ وہ رسی کے دو لمبے لمبے ٹکڑے لے کر آیا تھا۔ پھر بہروز کی خواہش پر اس کے دونوں ہاتھ پشت پر

کس دیئے گئے اور پیر باندھنے والا تھا کہ بہروز نے کہا۔

"چاکرہ میں اس مشین میں داخل ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد تم میرے پیر باندھ دینا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور مشین کے اندر داخل ہو کر اطمینان سے لیٹ گیا۔ مجھے اس کے چہرے پر خوف کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے لیکن یہ سارے واقعات اور یہ ساری کہانیاں مجھے ایک قصے یا ایک فلم کی مانند معلوم ہو رہی تھی۔ چاکرہ نے اس کی دونوں ٹانگیں باندھ دیں اور اب وہ موت کی اس مشین میں بالکل بے بس پڑا تھا لیکن خوف کی کوئی علامت اس کے چہرے پر ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ بچوں کی طرح مجھے اور میراں کو دیکھ رہا تھا۔ جب کہ میراں کا بدن مسلسل تھر تھر کانپ رہا تھا۔ پھر وہ ہنستے ہوئے بولا.........

"واہ کیا شاندار جگہ ہے۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ اس مشین کو اپنے ساتھ ہمیشہ رکھوں اور مزے سے اس میں لیٹا رہوں۔ زمانہ قدیم کے دوستوں سے ملاقات ہوتی رہے۔ کیا اچھے دوست ہوا کرتے تھے وہ بھئی چاکرہ اب تم اس آہنی دروازے کو دھکیل کر آہستہ آہستہ نیچے اتارو۔ میں دیکھوں تو سہی جب یہ سلاخیں میری جانب بڑھیں گی تو کیا مزہ آتا ہے۔"

"اوہ میرے خدا......... میرے خدا۔" میراں کے منہ سے ایک خوف زدہ آواز نکلی۔ پھر وہ بولی۔

"بہروز پلیز واپس آجاؤ۔" بہروز نے قہقہہ لگایا اور مجھ سے کہنے لگا.........

"مہربانی کر کے آپ ذرا اِدھر نگاہیں جمائے رکھئے۔ بڑا پُر لطف منظر ہے۔ آپ اس سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔ جلدی نہ کرو ذرا آہستہ آہستہ رسہ چھوڑو۔" یہ آخری الفاظ اس نے چاکرہ سے ادا کئے تھے۔ بوڑھے چاکرہ نے رسہ پوری قوت سے پکڑ رکھا تھا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا لحظہ بہ لحظہ اس کی پریشانی اور اضطراب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پانچ منٹ کے عرصے میں آہنی دروازہ صرف تین انچ کے قریب جھک سکا تھا۔ دفعتاً ہی میں نے میراں کے گلے سے ہلکی سی آواز نکلتی سنی۔ اس نے شدت نے خوف سے میرے بازو پر پوری قوت سے انگلیاں جما دی تھیں۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ ہلدی کے جیسا زرد ہو رہا تھا اور ہونٹ سفید پڑ گئے تھے۔ وہ پلک جھپکائے بغیر ایک جانب گھور رہی تھی۔ میں نے بھی اس طرف دیکھا تو میری کیفیت بھی میراں سے مختلف نہیں ہوئی۔ یہ ناقابل یقین منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ دہشت سے میرا خون میری رگوں میں جمنے لگا۔

خدا کی پناہ یہ وہی تصویر والی کالی بلی تھی جسے میں نے تصویر میں رخ بدلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ فریم کے بغیر نظر آرہی تھی۔ اس کے حلق سے ہلکی ہلکی غراہٹیں نکل رہی تھیں اور اس کی سبز آنکھیں مشعل کی طرح روشن تھیں۔ اس کا جسم کارواں رواں کھڑا تھا اور وہ اپنی جسامت سے کئی گنا زیادہ نظر آرہی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ دبے پاؤں آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے جبڑے کھلے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ دفعتاً ہی چاکرہ نے بھی اسے دیکھ لیا اور اس کی کیفیت ہم دونوں سے مختلف نہیں ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ ہم کچھ کرتے بلی نے اپنی دم کو گردش دی اور بجلی کی مانند اچھل کر بوڑھے چوکیدار پر حملہ کیا۔ بلی کا دایاں پنجہ چوکیدار کی آنکھ پر لگا اور آنکھ باہر نکل آئی۔

چاکرہ کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ موٹا رسہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ میں نے رسے کو پکڑنے کے لئے چھلانگ لگائی۔ میری انگلیوں سے چھو بھی گیا لیکن اگلے ہی ثانئے میں رسہ کڑے میں سے گزر چکا تھا۔ بدنصیب بہروز کے چہرے کی آخری جھلک میں مرتے دم تک نہیں بھول سکوں گا۔ موت کے خوف سے اس کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح سفید پڑ چکا تھا اور آنکھیں تارا بن گئیں تھیں۔ آہنی دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ بند ہو گیا اور اس کے بعد میرے ذہن کو بھی ایک عجیب سی دھند کا سا احساس ہوا۔ جو ہو چکا تھا اسے سمجھا جا سکتا تھا۔ دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ بہروز کی جو حالت ہوئی تھی وہ ناقابل یقین تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد ایک اور آواز آئی اور میری نظریں اس طرف گھوم گئیں۔ یہ میراں تھی جو بے ہوش ہو کر گر گئی تھی۔ اس وقت مجھ پر واقعی بوکھلاہٹ طاری ہو گئی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ مجھے یہ سب کچھ طلسمی لگ رہا تھا۔ بہروز کی لاش اس قدر بگڑی ہوئی تھی کہ میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ دوسری طرف چاکرہ پر جو گزری تھی وہ بے حد کربناک تھی۔ اس کی آنکھ باہر نکلی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ خون کے لوتھڑے جیسا نظر آرہا تھا۔ آنکھ کے غار سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔

کوئی فیصلہ تو کرنا تھا۔ میں آگے بڑھا اور میں نے پوری ہمت کر کے بہروز کو دیکھا۔ اس میں زندگی تلاش کرنا بے وقوفی تھا۔ پھر میں نے چاکرہ کو دیکھا۔ اس بدنصیب کو بھی اگر طبی امداد مل جاتی تو شاید یہ ٹھیک ہو جاتا۔

لیکن بے سود......... چاکرہ بھی زندگی کھو بیٹھا تھا۔ آنکھ کے شدید زخم نے اسے

زندہ نہیں رہنے دیا تھا۔ میری طبیعت روٹھنے لگی کیا کروں۔ اب کیا کروں۔ لے دے کر میراں رہ گئی تھی۔ ہو سکتا تھا اس دلدوز منظر نے اس کی حرکت قلب بھی بند کردی ہو۔ اس آخری خیال کے ساتھ میں میراں کی طرف بڑھا اور جھک کر اس کی نبضوں کا جائزہ لیا۔ وہ زندہ تھی۔ اب اس کے سوا چارۂ کار نہیں تھا کہ بس اس منحوس کمرے سے باہر نکل جاؤں لیکن اس کمزور لڑکی کو اس طرح چھوڑ دینا بے حسی اور درندگی تھی۔ دوبارہ اس منظر کو دیکھ کر وہ واقعی مرجائے گی۔

چنانچہ میں نے میراں کو بازوؤں میں اٹھایا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل آیا۔ میری اپنی حالت ہی خراب تھی۔ اس حالت میں میراں کا وزن مجھے بے پناہ لگ رہا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح میں اس کے بوجھ کو سنبھالے ہوئے کمرے میں لے آیا اور پھر میں نے اسے بستر پر لٹا دیا۔ جوان حسین لڑکی بے سدھ بستر پر لیٹی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر پانی کا ایک برتن لے کر اس کے پاس آگیا۔ پانی کے مسلسل چھینٹوں سے وہ آنکھیں پٹ پٹانے لگی اور کچھ لمحوں کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر بے خیالی کے انداز میں وہ چھت کو دیکھتی رہی پھر اچانک اس کے چہرے پر دہشت کے نقوش نمایاں ہوئے اور حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ وہ اچھل کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل گئے اور وہ انتہائی دہشت زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا اور کہا۔

"میراں۔ میراں ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ میراں! سنبھالو خود کو۔" اس نے مجھے دیکھ کر ایک چیخ ماری اور ہذیانی انداز میں مسلسل چیختی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے بدن میں شدید تھرتھراہٹ تھی اور وہ لرزتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"یہ.......... وہ.......... مر گیا.......... بلی! اس نے آنکھ نکال لی۔ آہ۔ وہ مر گیا۔ دونوں.......... دونوں ختم ہو گئے۔ بھاگو' بھاگو۔" وہ اس بری طرح مجھ سے لپٹ گئی تھی کہ اسے اپنے آپ سے الگ کرنا مشکل ہو گیا۔ میں اس کے شانے پر مسلسل تھپکی دے رہا تھا۔

"ہوش میں آؤ۔ میراں! ہوش میں آؤ۔ کچھ نہیں ہوا سب کچھ ٹھیک ہے۔ ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ۔" بہت دیر تک وہ مجھ سے لپٹی لرزتی اور کانپتی رہی اس کا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ بمشکل تمام اسے میں نے خود سے الگ کیا۔ میراں سہمی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"کہاں گئے وہ سب کہاں گئے؟"

"سب ٹھیک ہے میراں! سب ٹھیک ہے۔ پہلے تم اپنے آپ کو سنبھالو۔"

"پانی.......... آ.......... پانی.......... مجھے پانی چاہئے' پانی چاہئے مجھے۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔ پانی یہاں موجود تھا اور میں نے اسے پانی پلایا۔ پانی پینے کے بعد اس نے آنکھیں بند کیں اور گردن جھکالی۔ لگ رہا تھا جیسے آنکھوں کی بینائی متاثر ہوئی ہو۔ کچھ لمحے اسی طرح گردن جھکائے شاید وہ سوچتی رہی پھر اس نے دوبارہ آنکھیں پھاڑ دیں۔

"آپ.......... آپ اس کمرے میں.......... میں.......... وہ جگہ کیا آپ مجھے وہاں سے لائے ہیں؟" میں نے اس سے سچ بولنا مناسب سمجھا اور مدھم لہجے میں کہا۔

"ہاں میراں! تم اس منحوس کمرے میں بے ہوش ہو گئی تھیں۔ میں تمہیں یہاں لے آیا۔"

"اور وہ دونوں؟"

"ان کا حشر تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کیا سمجھیں۔ یاد ہے؟"

"تو وہ دونوں۔ وہ دونوں اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ مر گئے وہ دونوں مر گئے نا؟" میں نے اس بات کی تصدیق نہیں کی تھی۔ تصدیق کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

"اس نے جان بوجھ کر اپنی زندگی موت کے حوالے کی ہے۔ جان بوجھ کر مرا ہے وہ۔ لیکن وہ بلی ایسا لگتا تھا جیسے اس کی موت کے لئے ہی وہاں پہنچی ہو اور اس نے چاکرہ اف میرے خدا! اف.......... اف.......... اف۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ میں خاموشی سے چند قدم آگے بڑھا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہوش و حواس تو میرے بھی درست نہیں تھے۔ جو کچھ ہوا تھا وہ انتہائی پریشان کن اور خوفناک تھا۔ لیکن اس کا احساس تو مجھے بہت پہلے ہو گیا تھا۔ میں نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ شاہ مراد نے مجھے جان بوجھ کر یہاں جال میں پھنسایا ہے اور یقینی طور پر یہ کوئی خطرناک چال ہے۔ لیکن کیسے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ میں خود بھی خاموش بیٹھا رہا اور کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ اچانک ہی دروازے پر پھر آہٹیں ہوئیں اور میں نے چونک کر اِدھر نگاہیں دوڑا دیں۔ پھر یہ دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا کہ وہ شاہ مراد ہی تھا۔ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا وہ اندر آگیا تھا۔ میں خونی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ ایک ستون سے ٹھیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اور ہم دونوں کا جائزہ لینے لگا۔ تب میں نے کہا۔

"تو یہ دھوکے بازی کی تم نے۔" شاہ مراد نے اداس چہرہ اٹھا کر دیکھا پھر مدھم لہجے

میں بولا۔

”میں جانتا تھا تم اسے دھوکے بازی ہی کہو گے۔“

”اور تم......... تم اسے کیا کہتے ہو؟“

”مجبوری۔ بے بسی۔ لاچاری۔ بد نصیبی۔ بہت سے نام دیئے جا سکتے ہیں ان کمات کو۔“

”بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو شاہ مراد! لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لو آخر کار وقت بدل جائے گا اور میں تمہیں تمہارے کیئے کی ایسی سزا دوں گا کہ تم بھی یاد رکھو گے۔“ شاہ مراد پھیکے سے انداز میں ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

”حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں بھی ایک بے بس انسان ہوں۔“

”بکواس کرتے ہو تم۔ چالاکی سے تم مجھے یہاں تک لائے ہو۔ اب فوراً ہی بتا دو کہ چاہتے کیا ہو۔“

”دوست! میں کچھ نہیں چاہتا اور یہ بات بھی میں تمہیں پوری سنجیدگی کے ساتھ بتا رہا ہوں کہ میں نے کوئی چالاکی نہیں کی اور تمہیں بس یہاں لے آیا ہوں۔ یہ میری بد نصیبی ہی ہے۔“

اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو۔ اصل بات بتاؤ چاہتے کیا ہو۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ باہر نکلنے کا دروازہ کس طرف ہے۔“

”آہ۔ کیا یقین کرو گے کہ میں خود اس بند دروازے کا قیدی ہوں۔ سمجھے۔ میں بند دروازے کا قیدی ہوں۔ میں تمہیں اس حویلی میں اس لئے لایا تھا کہ شاید تم میری قید کو ختم کر دو۔ میں نے تو یہ سنا تھا کہ پہاڑوں والی سرکار بڑی ہی عظیم ہے۔ بڑے علم و فن سے واقفیت رکھتی ہے۔ بہت بڑی بزرگ ہے۔ جس سے جو کہتی ہے وہ ہو جاتا ہے۔ بڑے شاہ کو تو میں جانتا تھا وہ تو ڈھونگیہ تھا۔ خواہ مخواہ کی باتیں کرتا تھا۔ غلط عمل کرتا تھا وہ تکے لگاتا تھا لیکن جب کسی کی تقدیر اس کا ساتھ دیتی ہے تو مٹی میں سے سونا نکل آتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں اس نے اپنی یہ ساری کائنات تمہارے حوالے کر دی شاید پھر اس لئے کہ تم بچ مچ کے عامل ہو مگر بچ مچ کے عامل یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ بند دروازہ تو تمہارے لئے بھی نہیں کھل سکا۔ تم بھی بند دروازے کے قیدی بن گئے۔ آہا......... دیکھو شاید میری طلبی ہو رہی ہے۔ یہ آواز سن رہے ہو؟“ اس نے کہا مگر مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ دفعتاً ہی چیخ کر بولا۔

”آتا ہوں بابا آتا ہوں۔ کیوں میری زندگی کے گاہک بن گئے ہو۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹا اور واپس نکل گیا۔ میراں خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی جب وہ دروازے سے باہر نکل گیا تو میراں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”مکار ہے وہ جھوٹا ہے فریبی ہے۔ مگر آپ اس جال میں کیسے پھنس گئے۔ آپ تو مجھے ایک اچھے خاصے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو کیا ہوا؟“

میرے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ میراں نے کہا۔

”ان دونوں کی لاشیں وہیں پڑی ہوئی ہیں؟“

”کیا کہا جا سکتا ہے ظاہر ہے وہیں ہوں گی۔“

”لیکن آپ نے یہ دیکھا کہ بہروز نے تو خود کشی کی ہے۔“

”ہاں۔ ایسا ہی کہا جا سکتا ہے لیکن اس طلسم خانے میں ہو سکتا ہے وہ کسی سحر کے زیر اثر ہو۔“ میراں نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی پھر وہ آہستہ سے بولی۔

”شاید۔ ٹھیک کہتے ہو تم۔“

”میراں! تم یہاں کیسے آ پھنسیں اور تم کون ہو؟“ میراں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے اس سے دوبارہ کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ مسہری پر بیٹھی رہی پھر اس نے کہا۔

”آپ اِدھر آجایئے مجھ سے گستاخی ہو رہی ہے مسلسل مگر میں، میں کیا بتاؤں آپ کو کن حالات کا شکار ہوں۔ اوہ۔ کیا کہوں آپ سے کیا کہوں۔“

اس کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ میں مسہری پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں بدن کو ایک تھکن کا سا احساس ہو رہا تھا۔ کافی دیر گزر گئی تو میں لیٹ گیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میراں کرسی پر بیٹھی میری جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ شام کوئی ساڑھے چھ بجے ہوں گے۔ ایک بار پھر آہٹیں سنائی دی اور اس کے بعد میراں کی زور دار چیخ۔ میں اچھل پڑا تھا۔ میں نے پہلے میراں کو دیکھا۔ وہ اسی طرح کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ میری نگاہیں بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اٹھ گئیں اور پھر میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ وہ بہروز ہی تھا۔ ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا آ رہا تھا۔ اس نے ٹرالی ہمارے سامنے رکھ کر کہا۔

”معافی چاہتا ہوں جناب! کچھ مصروفیت ہو گئی تھی۔ ورنہ بہت پہلے شام کی چائے آپ کو پیش کر دیتا۔ اب اسے شام کی چائے سمجھیں یا رات کا کھانا۔ آپ کو پسند آئے

گا۔" میں بہروز کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میراں بھی سکتے کے سے عالم میں تھی۔ اب وہ چیخ نہیں رہی تھی۔ میں نے بہروز سے سرد لہجے میں کہا۔

"اِدھر آؤ۔" بہروز نے سعادت مندی سے میری جانب قدم بڑھا دیئے اور میرے سامنے آکھڑا ہوا۔

"تم زندہ ہو؟" اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ پھر بولا۔

"اور کوئی چیز درکار ہو تو مجھے بتادیجئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں تم زندہ ہو۔"

"میں کیئرٹیکر ہوں اور وہ چوکیدار۔ ہم دونوں کو اپنے اپنے فرائض تو انجام دینے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ واپس مڑا اور مدھم قدموں سے باہر نکل گیا۔ میرے ہوش و حواس خراب تھے۔ میراں نے بھی شاید اب اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اس کا مطلب ہے کہ چاکرہ بھی ٹھیک ہو گا۔"

"میراں اب تو میں تم سے بھی یہ سوال کرنے پر مجبور ہوں کہ کیا تم زندہ ہو۔" میراں کانپنے لگی پھر بولی۔

"خدا کے لئے مجھ سے ایسا سوال نہ کریں۔"

"خدا کے لئے۔" میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہم.......... میں.......... میں۔"

"یہ سب.......... یہ سب طلسمی ماحول ہے۔ یہاں جو کچھ ہے ناقابل یقین ہے۔ میں کچھ نہیں کھاؤں گی اس میں سے۔"

"نہیں میراں یہ تو مجبوری ہے۔ جب تک ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع نہیں مل جاتا۔ یہ سب کچھ ہمیں ضرور کرنا ہو گا۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔" میں نے رخ بدلا اور ٹرالی کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر میں نے مقدس آیات پڑھنا شروع کیں اور پڑھنے کے بعد سامنے رکھی ہوئی چیزوں پر پھونک ماری۔ کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ سب کا سب جوں کا توں تھا اس کا مطلب تھا کہ سب ٹھیک ہے۔ میں نے میراں کو یقین دلایا کہ اب اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ وہ جو کچھ سامنے ہے کھا سکتی ہے۔ میراں نے میری طرف دیکھا اور پھر میرے ساتھ آبیٹھی۔ ہم نے یہ سامنے رکھی ہوئی چیزیں کھائی تھیں۔ ایک سے ایک اعلیٰ درجے کی چیزیں تھیں۔ سینڈوچ' چائے' کچھ پھل میٹھے کی چیزیں۔ ہم سب

کچھ بھول کر انہیں کھانے میں مصروف رہے۔ اب یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ اس خوفناک ماحول میں گزارہ تو کرنا پڑے گا۔ کم از کم ان ساری چیزوں کو قبول کرنے سے زندگی تو قائم رہ سکتی ہے۔ کھانے کے بعد کچھ دیر تک ہم باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد میں مسہری پر لیٹ گیا۔ تو میراں نے آہستہ سے کہا۔

"سنئے میں کوئی بدکردار لڑکی نہیں ہوں۔ میری ایک زندگی ہے اور میں ابھی تک اس میں گزارہ کرتی رہی ہوں۔ رات کو میں کہیں اور نہیں سو سکوں گی۔ مسہری پر آپ اگر مجھے اپنے پیروں کے پاس جگہ دے دیں تو آپ کی شکر گزار ہوں گی۔" میں ایک لمحے کے لئے الجھ سا گیا پھر میں نے کہا۔

"میراں تم آرام سے مسہری پر سو جاؤ میں تمہارے نزدیک کرسی پر بیٹھا رہوں گا۔ بالکل نزدیک ہو جاؤں گا میں۔ تم بالکل بے فکر رہو۔"

"نہیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ مجھے کسی ایسے امتحان میں نہ ڈالئے۔ ایک بار پھر آپ کو یقین دلا رہی ہوں کہ میرا کردار ٹھوس ہے اور اللہ کے فضل سے میں ابھی تک ایک عزت مآب لڑکی ہوں۔ براہ کرم مجھے شک کی نگاہ سے نہ دیکھئے مجھے اپنے قریب جگہ دے دیجئے۔ آپ کی عنایت ہو گی۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر میراں کو اطمینان سے سلا دیا۔ اس کے بعد مسہری پر اس کے نزدیک بیٹھ گیا تھا۔

"تم اگر چاہو۔ تو اپنا ہاتھ میرے بازو پر رکھ سکتی ہو۔ اطمینان سے سو جاؤ۔ جو کچھ بھی ہو گا اللہ مالک ہے دیکھا جائے گا۔" میراں نے میری ہدایت پر عمل کیا اور میں مسہری کے سرہانے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے کروٹ لے کر ہاتھ میری گود میں رکھ دیا تھا لیکن میرے ذہن میں کوئی برے خیالات نہیں پیدا ہوئے۔ اس کی وجوہات تو میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ نیل کنول اب میری زندگی کی مالک تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور میری نگاہوں میں نہیں چڑھ سکتا تھا اور جہاں تک میراں کا تعلق ہے وہ تو ویسے ہی مجھے ایک مظلوم لڑکی معلوم ہوئی تھی اور اس کے لئے میرے دل میں بہت سے خیالات تھے۔ مسہری پر بیٹھے بیٹھے میں سوچتا رہا۔ علی بیچارہ نہ جانے کن حالات میں ہو گا۔ ویسے یہ شاہ مراد واقعی اس وقت میرے لئے بڑا ہی خطرناک آدمی ہوا تھا۔ بہت وقت گزر گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میراں بھی جاگ رہی ہے لیکن اس نے خوف کی وجہ سے کروٹ تک نہیں بدلی تھی۔ میں نے اسے آواز دے ڈالی۔

"میراں۔"

”ہوں۔“ اس نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”نیند نہیں آرہی؟“

”نہیں۔“

”تو اٹھ کر بیٹھو باتیں کرو۔“ وہ میری ہدایت پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے خمار آلود نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

”آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کون ہوں۔ آپ کو اپنے بارے میں بتاؤں۔“

”اگر مناسب سمجھو تو۔“ میں نے جواب دیا اور میراں گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ دیر تک وہ خاموش رہی پھر اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

”کبھی کبھی انسان کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ کیا چیز ہے۔ اگر میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں تو تم اس پر یقین نہیں کرو گے۔ میں بے شمار واقعات کا مجموعہ ہوں اور یہ تجربات تم یقین کرو یا نہ کرو۔ خود میں نے اپنی زندگی پر کئے ہیں۔“

”جو کچھ کہہ رہی ہو مجھے سمجھاؤ۔“

”میں کیا سمجھاؤں تمہیں جس وقت بہروز اس مشین کے نیچے دبا تھا تم نے میری حالت ضرور دیکھی ہو گی۔“ وہ آپ سے تم پر آگئی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے اندر کچھ تبدیلیاں رونما ہوتی جارہی ہوں۔

”کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”میں نے زندگی میں وہ کچھ کیا جس کا عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

”مطلب؟“

”اور پھر میں خود اپنے ہی جال میں پھنستی چلی گئی۔ میرا تعلق ایک ایسے گھرانے سے ہے جس کا تعلق علم و ادب والوں سے تھا اور میں اس گھرانے کی ایک منفرد لڑکی تھی۔ بچپن ہی سے میرے اندر زبردست ذہانت تھی اور میں نہ جانے کیسے کیسے منصوبوں پر غور کرتی رہا کرتی تھی اور یہ بھی اتفاق ہے کہ میرے والد گورنمنٹ سائنس لیبارٹری میں سب انچارج تھے اور ہمیں اس عظیم الشان لیبارٹری میں ہی رہنے کے لئے جگہ ملی ہوئی تھی۔ میں نے لیبارٹری میں داخل ہونے کے لئے ایک چور دروازہ دریافت کر لیا تھا۔ ایک ایسا دروازہ جس کا علم میرے والد صاحب کو بھی نہیں تھا اور پھر میری جو طبیعت میں تندہی بڑھتی گئی۔ میں نہ جانے کیوں ایک عجیب و غریب احساس کا شکار ہو گئی تھی اور وہ احساس مجھے پریشان کئے دیتا تھا۔ لیبارٹری میں داخل ہونے کے بعد میں جب ان مشینوں کو دیکھتی

تو میرا دل چاہتا کہ میں کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دوں جو کائنات میں ایک عجیب و غریب حیثیت کا حامل ہو۔ چنانچہ میں وہاں مختلف کتابوں کا جائزہ لیتی رہی اور پھر اس کے بعد میری نگاہ ایک عجیب و غریب مضمون پر جم گئی اور میں نے اپنے آپ کو ایک عجیب و غریب کردار میں ڈھال لیا۔ میرے والد طویل عرصے تک سب انچارج رہے اور اس کے بعد وہ وہاں سے ریٹائرڈ ہو گئے بات صرف ملازمت کی نہیں تھی ہماری اپنی زمین ایک شاندار علاقے میں تھی اور وہیں پر ہماری ایک پرانی حویلی بھی موجود تھی۔ اس حویلی میں ہم اکثر موسم گزارنے آجاتے تھے۔ اس وقت میری عمر پندرہ سولہ سال تھی۔ ایک بار ہم حویلی پہنچے تھے کہ ہماری ایک خالہ جو بیوہ تھی۔ ہمارے پاس آگئی۔ ایک بچی کے علاوہ ان کا اس دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔ میری والدہ جب تک زندہ رہی تھیں انہیں مالی امداد کے طور پر ماہانہ رقم ادا کرتی رہیں لیکن اب وہ بے حد پریشان تھیں۔ والدہ کا بھی انتقال ہو گیا تھا اور والد لا ابالی طبیعت کے مالک تھے چنانچہ وہ ان چکروں میں نہیں رہا کرتے تھے بلکہ چونکہ انہوں نے اپنی پوری زندگی لیب میں گزاری تھی۔ اس لئے یہاں اس حویلی میں بھی انہوں نے کچھ سائنسی تجربات کے انتظام کر رکھے تھے۔ بہرحال خالہ کے آجانے کے بعد میں نے ان سے کہا کہ خالہ! جو مشکلات آپ کو پیش آتی رہی ہیں اب وہ نہیں آئیں گی۔

”خدا تمہیں زندہ رکھے۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں تمہیں اس کا کوئی صلہ نہیں دے سکتی سوائے دعائیں دینے کے۔ یہ بتاؤ تم نیرہ سے ملی ہو؟“

”نہیں خالہ آپ سے ملاقاتیں ہی کتنی رہیں جو نیرہ سے ملاقات ہوتی؟ ویسے میں اس کے بارے میں سنتی رہی ہوں۔“

”میں اسے ملاتی ہوں تم سے۔“ نیرہ ایک سیدھی سادھی بھولی بھالی لڑکی تھی۔ وہ شرماتی ہوئی اندر آئی۔ مجھے سلام کیا تو خالہ کہنے لگی۔

”نیرہ تمہاری بہن نے ہمیں دنیا کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچا لیا ہے ورنہ ہمارے پاس کوئی بھی ذریعہ نہیں تھا۔“

”آپ کیسی باتیں کرتی ہیں یہ میرا فرض تھا۔“ نیرہ اندر آگئی اور شرماتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

”آپ کے بارے میں میں بہت کچھ سن چکی ہوں۔ واقعی آپ بہت اچھی ہیں۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں۔“

”بیٹی میرا! نیرہ بڑی اچھی بچی ہے۔ بڑی سعادت مند اور سمجھدار۔“ بہرحال نیرہ اور

میری خالہ سورج غروب ہونے سے ہی پہلے چلی گئیں۔ ان کی بگھی تیار تھی اور کوچوان چلا
رہا تھا کہ اگر رات ہو گئی تو رات کو بھٹک جانے کے امکانات ہیں۔ میں کچھ عجیب سی
طبیعت کی مالک ہو گئی تھی۔ یہاں حویلی نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا تھا۔ بہرحال ان
کے جانے سے مجھے خوشی ہی ہوئی تھی۔ وہ تو میں کسی قدر تنہائی پسند تھی۔ البتہ چند لمحوں
کے لئے یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ خالہ جیسی بھدی جھریوں دار اور تھل تھل کرتے جسم
والی عورت نے نیرہ جیسی خوبصورت اور نرم و نازک لڑکی کی تخلیق کیسے کرلی۔ ان لوگوں
کو گئے ہوئے بمشکل تمام ایک گھنٹہ ہوا ہوگا کہ اچانک کسی نے میرے کمرے کے
دروازے پر دستک دی۔ ابھی تک میں مکمل طور پر اپنی حویلی کے ملازمین سے واقفیت
نہین حاصل کر سکی تھی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک ملازمہ کو دیکھا جس کی عمر
گیارہ بارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ دروازے پر کھڑی ہوئی تھی اس کی آنکھیں بہت
خوبصورت تھیں اور ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ میں اسے دیکھ کر
ہچکچاتی لیکن اس سے قبل کہ میں اسے کچھ کہتی۔ میں نے ایک نوجوان شخص کو دیکھا
جو کھڑکی میں کھڑا باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنا چہرہ گھما کر میری جانب دیکھا اور
میرے قریب آکر کہنے لگا۔

”میرا نام عظیم اللہ ہے اور میں آپ سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔“ پھر اس نے
میرے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”خاتون اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ میراں ہیں۔ اصل میں مجھے بتایا گیا ہے کہ
آپ کو ایک استاد کی ضرورت ہے جو جدید علوم سے واقفیت رکھتا ہو۔ اگر آپ مناسب
سمجھیں تو کچھ دنوں کے لئے مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں۔“

اصل میں یہاں آنے کے بعد میں نے خفیہ طور پر ایک اشتہار دیا تھا۔ میری اپنی ذہنی
مخصوص فطرت مجھے اس کے لئے مجبور کر رہی تھی کہ میں اپنی پسند کے مطابق کام کروں
لیکن بہرحال والد صاحب چونکہ مجھ سے اس طرح سے بے تعلق ہو گئے تھے کہ کبھی ہفتے
پندرہ دن میں ایک آدھ بار میری ان سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ ورنہ وہ اپنے معمولات
میں مصروف رہا کرتے تھے اور میں اپنے میں ایک طرح سے یہ حویلی میری اپنی تحویل میں
ہی تھی اور میں یہاں کی مطلق العنان تھی۔ بہرحال میں اسے اندر لے گئی اس کی تیز
نگاہیں، گفتگو کرنے کا انداز اور تیز رفتاری نتیجہ برآمد کرلینے کو میں نے دل میں سراہا۔ اس
کا مزاج میری طبیعت سے مطابقت رکھتا تھا اس نے بھی کھلے دل کے ساتھ میرے حصولِ

علم کے جذبے کی تعریف کی اور بتایا کہ جدید علوم پر میری گہری نظر ہے۔ اگر اسے موقع
دیا جائے تو قلیل عرصے میں وہ مجھے اس دولت سے مالا مال کر دے گا۔ پھر اس نے کہا۔

”لیکن حیرت کی بات ہے خاتون! میں نے آپ کے بارے میں مزید معلومات بھی
حاصل کی ہیں۔ دراصل دیکھنے میں یہ ملازمت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ پتہ چلا ہے
کہ آپ ایک ایسے شخص کی صاحب زادی ہیں۔ جو گورنمنٹ سائنس لیبارٹری میں صرف
اپنے شوق کے لئے کام کرتے تھے۔ ورنہ یہ عظیم الشان حویلی اور اس کے اطراف میں
پھیلی ہوئی زمین اتنی ہے کہ انہیں ان تمام کاموں کی ضرورت نہیں تھی۔“

”میرا خیال ہے آپ کو صرف اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ عظیم اللہ صاحب!
بجائے اس کے کہ آپ اِدھر اُدھر کی باتیں کریں۔“ میرے رویئے اور خشک انداز سے وہ
ایک دم سنبھل گیا۔ مجھے دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے
کہا۔

”زندگی میں لاکھوں تجربات ہوتے رہتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ انسان تجربات کا
مجموعہ ہے۔ یہ تجربہ بھی میں نے اپنی زندگی کی کتاب میں لکھ لیا کہ اگر شاگرد دولت مند ہو
تو استاد کی عزت نہیں کرتا۔“ اس کے ان الفاظ پر مجھے ہلکی سی شرمندگی ہوئی۔ میں نے
کہا۔

”ابھی آپ میرے استاد نہیں بنے۔ بہرحال آپ یہاں تشریف لائیں۔ آپ کی ہر
ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔ آپ مجھے بتائیں گے کہ مجھے آپ کو کیا معاوضہ دینا پڑے
گا؟“

”یہ آپ ہی طے کریں گی۔“

”پانچ ہزار روپے میں آپ کو پیش کر سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ آپ کی بقیہ تمام تر
ضروریات۔“

عظیم اللہ تیار ہو گیا تھا اور ہمارے درمیان باقی تمام معاملات بھی طے ہو گئے۔
بہرحال دوسرے دن سے میں نے عظیم اللہ سے پڑھنا شروع کر دیا۔ ایک عجیب سی بے
چینی ایک عجیب سا کرب میرے وجود میں بیٹھا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں ایسے پُراسرار
اور جدید علوم برق رفتاری سے سیکھ لوں جو اس دنیا میں میرے لئے انوکھے راستے کھول
دیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ عظیم اللہ انتہائی قابل شخص تھا۔ مجھے حیرت
ہوئی تھی کہ ایسا قابل آدمی صرف پانچ ہزار روپے پر میرے ہاں ملازمت کیوں کر رہا ہے۔

اگر یہ اپنے طور پر ان جدید علوم پر تجربات شروع کر دے تو نہ جانے اس کا مقام کون ہو۔ بہرحال میں اس سے بہت زیادہ مرعوب ہو گئی تھی اور وہ مجھے میری پسند کی مطابق موضوع پر تعلیم دے رہا تھا۔ پہلے تو میں نے اسے کوئی خاص حیثیت نہیں دی تھی اور ایک معلم سمجھ کر اس سے پڑھ رہی تھی لیکن اس کی علمیت نے مجھے مرعوب کیا تھا اور آہستہ آہستہ اس کا احترام کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ وہ بہت ہی محدود قسم کا انسان تھا اور میں اپنے اس احمقانہ شوق کی تکمیل بڑی برق رفتاری سے کر رہی تھی۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے کوئی پُراسرار قوت مجھ سے یہ سب کچھ کرا رہی ہے اور اس نے میری روح کو اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے۔ وہ کبھی کبھی اب مجھے نصیحتیں بھی کرنے لگتا تھا۔ اس نے کہا۔

"صورتحال کچھ بھی ہو۔ سب سے پہلے تمہیں اپنے نفس پر قابو پانا ہو گا۔ ہر حال میں اپنے آپ کو ضم کرنے کی قوت حاصل کرنی ہو گی۔ کسی بھی کام میں جلد بازی ہمیشہ نقصان دیتی ہے۔ آپ جو بھی کچھ کرنا چاہیں اس کے ہر پہلو پر ضرور غور کر لیں تاکہ کام کرنے میں آسانی ہو۔" وہ کہتا تھا۔

"عجلت سے کام بگڑتے ہیں۔ بنتے نہیں۔ خاص طور سے تم جن علوم کی تعلیم حاصل کر رہی ہو ان میں تو خاص طور سے اس بات کا تقاضہ ہے کہ ہمیشہ ٹھنڈے دل اور اطمینان و سکون کے ساتھ تجربات کرو۔ اس طرح تمہاری تحقیق سے تجسس کے نئے راستے نکلیں گے اور تمہیں حقائق کا پتہ چلے گا جو آج تک دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم کوئی ایجاد کرنے یا پھر کسی ایسی چیز کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤ جو دنیا کو بالکل بدل کر رکھ دے۔"

اس کے یہ الفاظ میری روح میں اتر جاتے تھے اور میں سوچتی تھی کہ یہی تو وہ شخص ہے جو میری منزل ہے۔ یہی مجھے کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ کر سکے گا۔"

وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی میں حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کیسا عجیب و غریب کردار ملا تھا مجھے جب میں نے اسے مشین گاہ میں دیکھا تھا تو وہ ایک الھڑ سی بے وقوف سی دوشیزہ نظر آ رہی تھی لیکن اس کے وجود میں اتنی گہرائیاں ہیں اس کا مجھے پہلے اندازہ نہیں تھا۔ وہ غالباً اس وقت میری سوچوں سے بے نیاز ہو گئی تھی اور اپنی ہی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ میں نے اب تک مصیبتوں کے افسانے سنے تھے۔ خاص طور سے پہاڑوں والی سرکار کی جگہ۔ مجھے جو انوکھے تجربات ہوئے تھے انہوں نے صرف یہ بتایا تھا کہ انسان زندگی میں اپنی مشکلات کا حل پانے کے لئے نہ جانے کیا کیا حرکتیں کرتا ہے۔ ایسی

ی ایک لڑکی جو بالکل ہی بے مقصد سے عمل کے لئے وقت گزار رہی تھی اس طرح کسی واقعہ سے متاثر ہو جائے گی۔ بہرحال اس نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اور میں عظیم اللہ کے ساتھ نت نئے تجربات کرتی رہتی تھی۔ میرے ذہن پر درحقیقت ایک ایسا جنون سوار تھا کہ میں اس کائنات میں کوئی ایسا کارنامہ انجام دوں جو کسی نے خواب میں بھی نہ سوچا ہو۔ عظیم اللہ میرے ساتھ کوشش کرتا رہتا تھا۔ وہ خود بھی ایک پُراسرار شخصیت کا مالک تھا۔ جس طرح عاجزی کے ساتھ وہ میرے پاس آیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ اسے اس طرح کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو بہت ذہین تھا اور اگر خود بھی کچھ کرنا چاہتا تو اسے کوئی دقت نہ ہوتی۔ بہرحال ہماری مسلسل کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ ہمارے تجربات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور ایک دن وہ آیا جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اب ہمیں ایک سمت میں اپنے تجربات و مشاہدات کو انجام دینا ہے۔ ہم نے اپنی تمام صلاحیتیں اس سمت کے لئے وقف کر دیں۔ علم حیوانات اور علم نباتات ہماری منزل تھے۔ علم کیمیا کی مدد سے ہر چیز کے اجزاء الگ الگ کرنے اور انہیں جوڑنے اور مقناطیس کی طاقت و قوت کو پرکھنے کے عمل کو ہم نے زندگی کا محور بنا لیا اور اس کام کو انجام دینے اور کسی نتیجے تک پہنچنے کے لئے ہم دونوں کو خاصی محنت کرنا پڑی۔ عظیم اللہ میری حویلی میں مقیم رہا۔ سال میں ایک بار وہ اپنے کسی بوڑھے رشتہ دار سے ملنے کے لئے جاتا لیکن وہ خود بھی اب یہاں کے ماحول کا عادی ہو گیا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ جلد از جلد میرے پاس پہنچ جائے۔ روپے پیسے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ پانچ ہزار تو صرف اس وقت ایک مشاہرہ مقرر کیا تھا جب تک میں اسے جانتی نہیں تھی۔ اب پیسوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بہرحال ہم اپنا وقت گزارتے رہے۔ ہمارے گھر میں بہت سے ملازم تھے۔ والد صاحب شہری زندگی کے اس طرح عادی ہو گئے تھے کہ اب وہ کئی کئی مہینوں تک اس حویلی کا رخ نہیں کرتے تھے۔ پر ان ملازموں میں ایک نوجوان لڑکی جس کا نام عالیہ تھا۔ ہمارے پاس رہتی تھی۔ میں اس سے خاص طور سے دلچسپی لیتی تھی۔ جب تھک جاتی تو اسے اپنے پاس بلا لیتی۔ وہ میرے پورے بدن کو دباتی اور اس طرح مجھ سے بے تکلف ہو گئی تھی کہ کبھی کبھی میرے پاس ہی لیٹ جاتی تھی۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ۔ ہم دونوں اپنے تجربات کو لوگوں کی نگاہوں سے دور حویلی کے ایک گوشے کے بڑے کمرے میں جسے ہم نے اپنی لیبارٹری بنا لیا تھا کیا کرتے تھے۔ کسی ملازم کو اِدھر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں کی صفائی ستھرائی بھی ہم دونوں ہی کرتے

اور بہت سی ایسی چیزوں کا جن کا ملازموں کی نظروں سے دور رہنا ضروری تھا ان کا تحفظ کیا کرتے تھے اور جب وہ چیزیں بیکار ہو جایا کرتی تو انہیں ضائع کر دیا کرتے تھے۔ آخر کار ہماری محنت بار آور ہوئی۔ ہم ایک ایسے تجربے کی راہ پر لگ گئے جو بہت ہی عجیب و غریب تھا اور جس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے تھے۔ اس دن میں نے اپنے معاون سے کہا۔

"اگر ہم اپنا یہ پہلا تجربہ کسی کتے پر کریں تو؟"

"خود میرے اپنے ذہن میں بھی یہی خیال تھا۔"

"اور کتا؟"

"اسے میں حاصل کر لوں گا۔"

چنانچہ عظیم اللہ بستی کے ایک گوشے سے ایک کتا پکڑ کر لے آیا اور اس کے بعد ہم نے اس کتے کو زہریلا انجکشن دے کر مار دیا۔ کتا مر گیا اور ہم نے اسے اپنے تجرباتی تالاب میں ڈال دیا۔ وہ دو روز تک اس تالاب کے محلول میں پڑا رہا۔ دو روز کے بعد ہم نے اس پر مقناطیس کے عمل اور رد عمل کے تجربات کئے۔ ہماری کوشش یہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے اس مردہ کتے کے بے جان دل کو دھڑکانے اور حرکت دینے میں کامیاب ہو جائیں۔ مقناطیسی تجربات کے فوراً بعد اس کے دل کی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی اور پھر حیرت اور خوشی سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہم لوگ کامیاب ہو گئے تھے۔ کتے کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ ہماری مسرت دیوانگی کی حد میں داخل ہو گئی تھی۔ عظیم اللہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا اور بار بار دل کی دھڑکنیں سننے والے آلے سے کتے کے دل کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔"

میں ایک بار پھر میراں کی گفتگو میں مداخلت کا باعث بنا۔ میں نے کہا۔ "لیکن میراں! ایک بات بتاؤ تمہیں یہی تجربہ کرنے کا خیال کیوں آیا؟"

"آہ۔ تم یقین کر لو کہ اس میں کوئی پُراسرار قوت میرے وجود میں برسر عمل تھی۔ وہ میں نہیں تھی جو یہ سب کچھ کر رہی تھی۔ اس قوت نے اس طرح میرے دل و دماغ پر قابو پا لیا تھا کہ میری سوچ کا ہر دائرہ اس جانب منتقل ہو چکا تھا اور میری دلی آرزو تھی کہ میں یہ تجربہ کامیاب بناؤں۔ بہرحال اس کے بعد ہم نے اس کتے کو برابر کے کمرے میں لے جا کر رکھ دیا اور عظیم اللہ میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے رائے دی کہ میں خون کی مناسب گردش کے لئے اسی طرح کتے کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دوں۔ ہم لوگ

اپنے اس تجربے سے اس طرح خوش ہوئے تھے کہ ہمارے اعصاب ہمارے قبضے میں نہیں تھے۔ ہم دونوں نے کافی پینے کا فیصلہ کیا اور کافی پیتے ہوئے آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"دل کی دھڑکن کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لمحوں میں خون گردش میں آ جائے گا۔ اگر تم اس تجربے کی گہرائیوں پر غور کرو میراں تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ اس کامیابی سے انسانیت کی کتنی خدمت کی جا سکتی ہے۔ سینکڑوں جانوں کو بچایا جا سکے گا۔ ہمارا تجربہ نیگیٹو نہیں ہے۔ ہم اس طرح بہت سی ایسی بیماریوں پر قابو پا لیں گے جو ناقابل علاج ہوتی ہیں۔ کچھ دن بعد ملک میں بڑے بڑے سائنسدانوں کا اجتماع ہونے والا ہے۔ بہت بڑے بڑے سائنسدان آ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ہم اس تجربے کی مفصل رپورٹ تیار کر لیں۔ لیکن ہم لوگ اس اجتماع میں شرکت نہیں کریں گے۔"

"کیوں؟ ایسا کیوں؟" عظیم اللہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا اور اس کے بعد اس نے مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کمرے میں داخل ہو گئی جہاں فرش پر کتا پڑا ہوا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ سر اٹھائے ہوئے پیار نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ عظیم اللہ نے کہا۔

"یہ ایک ایسی دریافت ہے جس کے بارے میں ابھی کسی کو بتایا نہیں جا سکتا۔ اگر ہم نے اپنے تجربے کی تفصیل منظر عام پر پیش کر دی تو ہمارے بہت سے خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے رہ جائیں گے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ ہم نے یہ تجربات کسی کے لئے نہیں کئے۔ اپنے تجسس اور اپنی فطرت کی تکمیل کی ہے ہم نے۔" میری نگاہیں کتے کی جانب اٹھیں۔ کتے نے اب اپنی دم ہلانی شروع کر دی تھی۔ نہ جانے کس طرح میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔

"اس کتے پر تجربہ کرنے کے بعد ہمیں یہ اندازہ ہو چکا ہے۔ کہ ہم کسی انسان کو بھی اسی شکل میں زندگی کی طرف لا سکتے ہیں۔ ہمیں ایک ایسا انسان تخلیق کرنا چاہئے جو کسی بھی حال میں کمتر درجے کا نہ ہو۔ اس کا ذہن اعلیٰ ترین ہو۔ جسم کا ایک ایک عضو خوبصورت اور مکمل ہو اور وہ پورا کا پورا انسان ہمارے اپنے ہاتھوں تیار ہو اور ہم یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ ہمارے تجربے کی کامیابی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم ایسے کسی انسان کو عالم وجود میں لا سکتے ہیں۔" عظیم اللہ پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ میری شکل دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"لیکن سوچ لو یہ سب کچھ قانونِ قدرت کے خلاف ہے اور اس قسم کی تخلیق برائیوں کا دروازہ کھول دے گی۔"

"جہاں تک قانونِ قدرت کا تعلق ہے ہم لوگ پہلے ہی اس جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ قدیم رسم و رواج کے مطابق مرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردہ تصور کر لیا جاتا ہے۔ جب کہ ہم ایک کتے کو دوبارہ زندگی دے چکے ہیں۔"

میں نے نگاہیں اٹھا کر کتے کو دیکھا تو میری اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ وہ اٹھا اور اپنے پورے جسم کو اس طرح ہلانے لگا جیسے اپنے اعضاء پر یقین کر رہا ہو۔ پھر اس نے مدھم آواز میں بھونکنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے ہاتھ کی مٹھیوں میں ایسے راز پوشیدہ ہیں جن کے متعلق خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا گیا۔ قدرت نے انسان کی قوت کچھ محدود کرنے کے لئے مذہب اور رسم و رواج کی ایسی دیواریں بنا دی ہیں جن کو توڑنا آسان نہیں۔ لیکن ہم ایک ایسا عمل کر چکے ہیں۔" عظیم اللہ نے میری جانب دیکھا اور پھر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مگر تم انسان کی تخلیق کس طرح کر سکتی ہو۔ وہ تو فطرت کا ایک عمل ہے جس سے انسان وجود میں آتا ہے اور اس عمل کے لئے ایک مرد اور ایک عورت۔"

"نہیں۔ یہی تو تجربہ ہو گا میرا۔ ہم سب سے پہلے ایک فریم منتخب کرتے ہیں۔ تم چاہو تو اسے جسم بھی کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ کسی بھی گاڑی میں پرزے فٹ کرنے کے لئے اس کے چیسز کی ضرورت اولین حیثیت رکھتی ہے۔ بہرحال ہم انسانی جسم حاصل کر کے اس کا کام کرتے ہیں۔"

"انسانی جسم۔ کیا ہر قسم کی اشیاء سے بے نیاز؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔ ظاہر ہے ایسا کوئی جسم کسی مارکیٹ میں نہیں مل سکتا۔ میرا مطلب ہے جسم کا فریم۔ ہمیں ایسا جسم کسی ایسی جگہ سے حاصل کرنا ہو گا جہاں سے ہم اسے حاصل کر سکتے ہیں۔" بہرحال ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ کتا ہر لحاظ سے ٹھیک تھا اور ہم دونوں کے لئے ایک مشکل پیش آ رہی تھی کہ اسے دوسروں کی نگاہوں سے کیسے چھپایا جائے۔ چنانچہ یہ مناسب سمجھا گیا کہ ہم اسے آزاد کر دیں اور وہ جہاں پہلے رہتا تھا وہاں چلا جائے۔ اسی دن دوپہر کے بعد جب میں لیبارٹری سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ ایک دم سے عالیہ نے میرا راستہ روک لیا اور مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ مجھے اپنے ہاتھ پیر دبانے کے لئے نہیں بلاتیں؟"

"نہیں عالیہ جب کبھی میرے بدن میں درد ہوتا ہے تو میں تمہیں بلا لیتی ہوں۔ بلاوجہ تکلیف دینے سے کیا فائدہ۔"

"ایک بات کہوں؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ مجھے اس کی نگاہوں میں عجیب سے تاثرات نظر آئے وہ ایک مخمور سا انداز اختیار کئے ہوئے تھی۔ عالیہ کی آنکھوں میں میں نے جو تاثرات دیکھے تھے انہوں نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ کس قسم کی لڑکی ہے یہ؟ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے عالیہ میرے لئے اپنے دل میں کوئی خاص جذبہ رکھتی ہو۔ تھوڑا سا اس موضوع پر بھی پڑھا تھا میں نے۔ بعض اوقات انسان اپنے ہم جنس سے اس طرح متاثر ہو جاتا ہے کہ اس کا عشق انتہا کو پہنچ جائے اور وہ ہر اس چیز کی طلب کرے جو اسے اپنے محبوب سے حاصل ہو سکتی ہو۔ یہ ایک الگ موضوع تھا لیکن اس وقت کسی اور موضوع پر اپنے آپ کو مصروف نہیں کر سکتی تھی ورنہ اس وقت عالیہ میرے لئے بہترین تجربہ ثابت ہوتی۔ میں نے تو عظیم اللہ کو یہ ذمے داری دے دی تھی کہ اب وہ میرے لئے کسی انسانی جسم کو حاصل کرے اور عظیم اللہ ان کوششوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ میں یہ محسوس کرتی تھی کہ عظیم اللہ مجھ سے زیادہ ان تمام معاملات میں ملوث ہے۔ رات کو وہ گھوڑا گاڑی لے کر نکل گیا تھا اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ اکثر اس کے اپنے معمولات ذرا الگ ہو جایا کرتے تھے۔ ہاں۔ جب ہم دونوں کو کوئی مشترکہ عمل کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو ہم یکجا ہو جاتے تھے۔ بہرحال عظیم اللہ کوئی آدھی رات کو واپس آیا اور اس نے مجھے جگا کر لیبارٹری چلنے کے لئے کہا۔

"خیریت۔ کوئی خاص بات ہوئی ہے؟"

"نہیں آپ آیئے۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ لیبارٹری پہنچ گئی۔ لیبارٹری میں اس وقت گہرا سناٹا اور تاریکی تھی۔ میں اندر داخل ہونے کے بعد روشنی کی جانب بڑھ گئی اور کچھ لمحوں کے بعد وہاں تیز روشنی پھیل گئی۔ اس تیز لاش میں، میں نے آپریشن ٹیبل پر ایک انسانی جسم کو دیکھا اور چونک پڑی۔

"یہ.......... یہ کون ہے؟"

"فریم۔" عظیم اللہ نے جواب دیا۔

"اوہ۔ مردہ ہے یہ؟"

"ہاں ایک حادثے کا شکار شخص جو لاوارث تھا اور اس کی لاش لے جانے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔ بہت بھیانک شکل تھی ایسا لگتا تھا جیسے عظیم اللہ اسے کسی ویرانے سے اٹھا کر لایا ہے۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں کو جانوروں نے کھا لیا تھا اور اس کی آنکھوں اور چہرے کا بہت سا گوشت غائب تھا۔ اس کا سر بھی بالکل خراب ہو رہا تھا۔ کیونکہ شاید حادثہ کا شکار اس کا سر ہی ہوا تھا۔ بہرحال میں اس کے جسم کو دیکھتی رہی۔ پھر میں نے عظیم اللہ سے کہا۔

"حادثے میں اس کا سر جس طرح زخمی ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا سر ہمارے کسی کام نہیں آسکتا۔"

"تو سر جدا کر دو۔" عظیم اللہ نے بے خوفی سے جواب دیا۔ بہرحال اپنے کام کے لئے میں نے اس بغیر دماغ والی کھوپڑی کا ہی حاصل ہو جانا غنیمت سمجھا اور آپریشن کی بڑی چھری پھیلائی۔ لاش بڑی میز پر پڑی ہوئی تھی۔ آپ کو حیرت ہو رہی ہوگی جناب! لیکن میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ اس بھیانک عمل میں میرے اپنے ارادے کا دخل نہیں تھا۔ آج میں یہ بات سوچتی ہوں تو مجھے احساس ہو جاتا ہے کہ میرے وجود میں کوئی اور ہی عمل کر رہا تھا۔ عظیم اللہ نے مجھے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ مجھ جیسی لڑکی سے اتنی سنگدلی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی لیکن میں نے بہرحال اس کا سر گردن کے پاس سے پہلے کاٹ دیا اور اس کٹے ہوئے سر کو میں نے ایک جانب لپیٹ دیا۔ اس سر کو ضائع کرنے کے لئے میرے پاس ایک طریقہ کار تھا۔ چنانچہ میں نے اسے لیبارٹری کے آخری کونے میں واقع تیزاب کے تالاب میں ڈال دیا۔ میں جانتی تھی کہ تھوڑی دیر بعد یہ پورا سر بمعہ ہڈیوں کے اس طرح گل جائے گا کہ اس کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

بہرحال اس کے بعد میں باقی جسم کی حالت دیکھنے کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ تباہ شدہ چیز ضائع کر دی گئی تھی۔ کیونکہ نہ اس کی آنکھیں میرے کام کی تھیں نہ باقی جسم میرا مطلب گردن تک کا اوپری جسم یا سر اور چہرے مکمل طور پر کارآمد چنانچہ میں نے اشارہ کیا اور عظیم اللہ اور میں اس پورے جسم کو دھو دھلا کر صاف کرنے لگے۔ ہم نے اسے سر سے پاؤں تک بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ گردن سے پاؤں تک پٹیوں سے لپیٹا اور آخر کار اسے اسپرٹ کے تالاب میں ڈال دیا تاکہ گلنے اور سڑنے نہ پائے۔ بہرحال سر کٹی ہوئی یہ لاش تھوڑی سی ہم پر اثر انداز ضرور ہوئی تھی۔ یہ انسان کی بے حرمتی تھی بے قدری تھی۔ میں نے دیکھا کہ عظیم اللہ بھی جذباتی ہونے کے باعث کانپ رہا ہے۔ لاش کا

ایک حصہ ہمارے لئے بڑا حیران کن تھا۔ اس کے لمبے لمبے ہاتھ تھے جو انسانی ہاتھ معلوم ہی نہیں ہوتے تھے۔ اس قدر خوفناک اور نوکیلے پنجوں والے البتہ میں نے عظیم اللہ کو کچھ الجھا ہوا پایا تھا وہ کہنے لگا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بے سر کی لاش ہمارے کس کام آئے گی؟"

"عظیم اللہ تم نے اس انسان کے ہاتھ دیکھے ہیں۔ پلیز! مجھے ایک بات بتاؤ۔ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے ہمیں آسانی سے مناسب ہاتھ دستیاب ہو جائیں۔"

"لیکن میری بات سنو۔" عظیم اللہ نے کہا۔

"نہیں میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ اتنی تکلیف اور پریشانیوں کے بعد ہمیں کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ لیکن اور کیوں بزدلی کی نشانی ہے۔ تم ایسا کرو۔ مجھے لگتا ہے تم پر یہ لاش بری طرح اثر انداز ہوئی ہے حالانکہ تم ہی اسے اٹھا کر لائے ہو۔ لیکن تم آرام کرو۔ سمجھے؟"

"کسی لاش کا حصول کتنا مشکل کام ہے اس کا تمہیں اندازہ ہونا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا میں بہرحال تمہارے ساتھ ہوں۔ ہاں اگر کہیں سے ہمیں دو انسانی ہاتھ حاصل ہو سکیں تو یہ ہماری کامیابی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔" عظیم اللہ نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ نہ جانے کیوں میں محسوس کر رہی تھی کہ وہ کچھ بدل سا گیا ہے۔ میں نے اس سے اس بارے میں سوال بھی کیا لیکن اس نے مجھے جواب نہیں دیا۔ بہرحال وقت گزرتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں خود ہی اس سلسلے میں کوشش کر سکتی ہوں۔ چنانچہ میں نے ایک گورکن سے رابطہ قائم کیا جب میں نے اسے اپنا مقصد بتایا تو وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"مگر بی بی صاحب!"

"اگر مگر کی ضرورت نہیں۔ یہ دیکھو یہ کتنے پیسے ہیں۔" میں نے ایک ہزار کا نوٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"ہزار روپے ہیں جی۔"

"یہ دیکھو اب یہ کتنے ہو گئے؟"

"دو ہزار بی بی جی۔"

"اور اب؟"

"تین ہزار۔" گورکن کی سانس پھولنے لگی۔

"اگر اس میں ہم دو اور ڈال دیں تو؟"

"تو جی پانچ ہزار روپے ہو جاتے ہیں۔"

"یہ میں نے دو اور ڈال دیئے۔ اور اب تم یہ سب اپنی جیب میں رکھو لیکن میرا کام ہونا چاہئے۔" گورکن کو دونوں ہاتھ کاٹنے میں کتنی دقت کا سامنا کرنا پڑا اس کا مجھے تو صحیح طور پر اندازہ نہیں تھا لیکن گورکن بے حد خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے ایک پلاسٹک کے شاپر میں لاش سے کاٹے ہوئے دونوں ہاتھ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"بس جی۔ بہت بڑا گناہ کیا ہے ہم نے اللہ ہمیں معاف کرے۔"

میں وہ کام کرلائی تھی جو عظیم اللہ نے نہیں کیا تھا۔ یہ میرے اندر کی ہمت تھی۔ پھر جب میں گھر پہنچی تو کوئی مہمان گھر پر آیا ہوا تھا۔ میں نے اس مہمان کو دیکھا۔ وہ نیرہ تھی۔ حسن و جمال کی ایسی مورت بن گئی تھی وہ کہ اسے دیکھ کر انسان ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی ہوس رکھے۔ وہ مسکرا کر مجھ سے لپٹ گئی۔ عظیم اللہ اس سے باتیں کررہا تھا۔ نیرہ نے بتایا کہ خالہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے کہا کہ اس نے مجھے اطلاع دی تھی لیکن میں نے ان پر توجہ نہیں دی۔ وہ یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ بس اتنا ہی رشتہ تھا ہمارا۔

"نہیں مجھے اطلاع نہیں ملی۔" میں نیرہ کی آمد سے خوش ہوئی تھی اور اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ میری توقعات سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی۔ اس کے سفید خوبصورت دانت ستاروں کی طرح چمکتے تھے اور اس کے جسم کا ایک ایک انگ سنگ مرمر کے مجسمے میں ڈھلا ہوا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی تعریف کی تھی۔ بہرحال نیرہ کے آجانے سے تھوڑا سا معمولات میں فرق پڑا لیکن میں نے وہ کٹے ہوئے ہاتھ احتیاط کے ساتھ لیبارٹری پہنچا دیئے تھے اور اس کے ساتھ ہی اپنے خاص ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ میرے اور عظیم اللہ کے علاوہ کوئی بھی لیبارٹری کی جانب رخ کرے تو اسے سختی سے روک دیا جائے اور اگر وہ زیادہ جدوجہد کرے تو مجھے اطلاع دی جائے۔ اصل میں نیرہ ہی سے خطرہ تھا۔ وہ بے تکلفی سے مجھ سے کہنے لگی۔

"اور تمہارا جنون ابھی تک ختم نہیں ہوا۔"

"جنون ختم ہو جاتا ہے تو انسان ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ورنہ پاگل رہتا ہے اور میں اب بھی پاگل ہوں۔ اور اپنے پاگل پن سے بے انتہا خوش ہوں۔ اپنی تمام ملنے والیوں اور دوستوں سے ایک ہی بات کہتی ہوں کہ میری لیبارٹری کی طرف رخ کرنے کا مطلب یہ

ہے کہ میری ذات پر ضرب لگانے کی کوشش کی جارہی ہے اور یہی بات میں تم سے بھی کہتی ہوں نیرہ! تم لیبارٹری کی جانب رخ مت کرنا ورنہ۔" نیرہ نے اس بات کا برا تو نہیں مانا تھا یا مانا ہو تو مجھ سے کم از کم اظہار نہیں کیا تھا۔ میں نے اس وقت عظیم اللہ سے کہا۔

"عظیم اللہ صاحب! میں ایک ایسی چیز لے کر آئی ہوں جس کے لئے آپ کا میرے ساتھ ملنا بہت ضروری تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ چل کر دیکھئے تو سہی۔ کیا تحفہ لائی ہوں آپ کے لئے۔" نیرہ بھی اس وقت ہمارے پاس ہی موجود تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ نیرہ کے انداز میں ایک افسوس زدہ تکلیف پیدا ہو گئی۔ میں نے جلدی سے اس سے کہا۔

"نہیں نیرہ! بات اصل میں یہ ہے کہ تم اس پوری حویلی کو اپنی ملکیت سمجھو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں تم سے گریز کررہی ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں ایک انتہائی اہم کام کررہی ہوں اور اسے میرے جنون کا ایک حصہ ہی سمجھو۔ بس وہاں مجھ سے تعاون کرلو۔ باقی سب ٹھیک ہے۔ تمہارے آنے سے تو مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ آیئے مسٹر عظیم اللہ۔" میں نے کہا اور عظیم اللہ کو ساتھ لئے ہوئے لیبارٹری پہنچ گئی۔ وہاں جاکر پہلے میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اس کے بعد وہ شاپر اس کے سامنے کھول دیا اور کہا۔

"کیا تم نے دنیا میں اس میں بہتر کوئی چیز دیکھی ہے؟" عظیم اللہ کے چہرے پر خوشی کا کوئی تاثر نہیں پیدا ہوا تھا۔ وہ سنجیدہ نگاہوں سے ان کٹے ہوئے ہاتھوں کو دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"مگر تمہیں یہ ہاتھ کہاں سے ملے؟"

"بس یوں سمجھ لو میں نے ایک لاش سے حاصل کئے ہیں۔ گورکن کو ایک مناسب معاوضہ دے کر۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں تم واقعی ایک ایسے نظریے پر کام کررہی ہو جو ناممکن ہے۔"

"کوئی بات ناممکن نہیں ہوتی اسپرٹ کے تالاب میں پڑا ہوا ہمارا دوست ایک بار پھر ایسے شاندار ہاتھ لے کر پیدا ہوگا کہ دنیا میں گنے چنے لوگوں میں اس کا شمار ہوگا۔"

"یہ لڑکی کون ہے؟" عظیم اللہ نے اچانک ہی موضوع بدل کر کہا۔

"میری خالہ زاد بہن اور یوں سمجھ لو کہ اب یہ یہیں رہے گی۔"

"کیا اس کی موجودگی ہمارے کاموں میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ تمہارا کیا خیال ہے

کبھی وہ اِدھر کا رخ کر سکے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بار ضرور اس لیبارٹری کو دیکھے گی اور ہم یہاں جو کچھ کر رہے ہیں وہ بھی انتہائی خوفناک ہے۔ اگر کسی کو پتہ چل جائے۔" میں ہنس پڑی۔ میں نے کہا۔

"فرض کرو اگر اسے پتہ چل بھی گیا تو یہ اس کی خوش نصیبی ہوگی۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ اس بات کو جان کر بہت خوش ہوگی کہ وہ کبھی نہیں مر سکے گی۔ سمجھ رہے ہو نا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ہم اسے بار بار زندہ کر سکیں گے۔" میں نے عظیم اللہ کے چہرے پر ایک رنگ آتا ہوا دیکھا تھا۔ بہرطور اس نے گردن جھٹکی اور عجیب سے انداز میں خاموش ہو گیا۔ کچھ لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"لیکن میں تمہارے تجربے میں شرکت نہیں کروں گا اور بہت ممکن ہے کہ تمہیں بھی اس سے باز رکھنے کی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"دیکھو عظیم اللہ! ہم تھوڑے عرصے کے اندر انتہائی عظیم شہرت اختیار کر جائیں گے۔ میرے ساتھ ساتھ تم بھی اتنے ہی مشہور ہو جاؤ گے کہ لوگ تمہیں دیکھ کر فخر کریں۔"

"بات اصل میں یہ ہے کہ میراں کہ ہم جو تجربہ کرنا چاہتے ہیں جانوروں کی حد تک تو وہ ٹھیک تھا لیکن انسان کی تخلیق! تم خود سوچو کیا یہ خدائی میں دخل کے مترادف نہیں ہے؟"

"دیکھو سائنس انسانی زندگی کے لئے ہر آسانی مہیا کرتی جا رہی ہے۔ تم یہ بات کیوں نہیں سوچتے کہ یہ بھی سائنس کا ایک بہت بڑا کارنامہ تصور کیا جائے گا۔ میڈیکل سرجری میں ہم سب پر فوقیت اختیار کر لیں گے۔ تم ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ ان ہاتھوں کو اپنے دوست کے جسم سے جوڑنے میں میری مدد کرو۔ دیکھو تو سہی اس کے اصل ہاتھ کاٹ کر نئے ہاتھ جوڑنے میں کیسا مزہ آتا ہے۔"

"سوری۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا اور اس لڑکی کو بھی میں یہی ہدایت کروں گا کہ تم جیسی خونخوار عورت سے بچنے کی کوشش کرے کیونکہ تم نے ابھی جو بات کہی ہے وہ بڑی سنسنی خیز ہے۔ یعنی یہ کہ نیرہ نے اگر ہمارے درمیان مداخلت کی تو تم اس پر بھی یہی تجربہ کر ڈالو گی۔"

میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ وہ مجھے دیکھتا رہا۔ پھر دروازے سے باہر چلا گیا لیکن میں جانتی تھی کہ اس نے پوری زندگی میرے ساتھ صرف کر دی ہے۔ یعنی زندگی کا وہ عظیم حصہ چنانچہ وہ اس تجربے سے دور نہیں رہ سکے گا اور آخر کار واپس آجائے گا۔ میں نے ہاتھوں کی حفاظت کے انتظامات کئے اور اس کے بعد خود بھی لیبارٹری سے باہر نکل آئی۔ پھر اس کے بعد تقریباً تین دن تک میرے اور عظیم اللہ کے درمیان کھچاوٹ رہی۔

اس دوران دو تین بار نیرہ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ نیرہ یہاں آکر بہت خوش تھی اور اس بات کی شکایت بھی کر رہی تھی کہ میں اسے زیادہ وقت نہیں دے رہی تھی۔ میراں زیادہ وقت اپنی لیبارٹری یا پھر لائبریری میں گزرتا تھا اور میں اپنے تجربے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر رہی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ عظیم اللہ اس کے بعد لیبارٹری میں نہیں آیا البتہ میں نے اسے نیرہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دیکھا تھا۔ اس بات کی مجھے بالکل امید نہیں تھی کہ وہ نیرہ کو میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرے گا۔ میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ دو تین دن کے بعد اسے عقل آجائے گی اور وہ میرے پاس پہنچ جائے گا لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ رفتہ رفتہ عظیم اللہ اس تجربے سے بالکل ہی بے نیاز ہو گیا۔ میں اس کے بارے میں اب اس انداز سے تو نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ میرا تنخواہ دار ملازم ہے۔ ہم لوگوں نے رفاقت کے طویل لمحات جس طرح گزارے تھے۔ وہ بہت ہی اہمیت کے حامل تھے اور اس کے بعد ہمارے درمیان سے مالک اور ملازم کا فاصلہ ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ مجھے عظیم اللہ کے رویئے پر بڑا دکھ ہوتا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اب وہ نیرہ کی جانب متوجہ رہتا ہے اور زیادہ تر اسی کے ساتھ نظر آتا ہے۔ نیرہ حالات کا شکار ہو کر یہاں آئی تھی۔ اس کے مجھ پر کوئی حقوق نہیں تھے۔ اکثر وہ مجھ سے کہتی تھی۔

"میراں! تمہارے یہ تجربات نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوتا ہے۔ جیسے مجھے تم سے دور کئے ہوئے ہیں۔ آخر تمہارا یہ تجربہ کب ختم ہوگا؟"

"تم یہاں خوش ہو نیرہ! بس کافی ہے۔ میرا تجربہ بھی کسی نہ کسی دن ختم ہو ہی جائے گا۔" میں کوشش کے باوجود اپنے لہجے کے طنز کو نہیں روک سکی تھی۔ بہرحال میں نے عظیم اللہ کے بغیر ہی کام شروع کر دیا اور اپنا کام تکمیل تک پہنچا لیا۔ اب اس فریم میں ہاتھوں کا اضافہ ہو چکا تھا لیکن ابھی کچھ کرنا باقی تھا۔ مجھے سر کی ضرورت تھی ایک خالی سر کی اور اس کے لئے میں اسی گورکن کے پاس پہنچی تھی۔ گورکن میری صورت دیکھ کر

خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس نے وحشت بھری آواز میں کہا۔

"اب تمہیں کیا چاہئے؟"

"ایک کھوپڑی۔ ایک خالی کھوپڑی۔ سمجھ رہے ہو اور معاوضہ وہی جو میں نے تمہیں پہلے دے چکی ہوں۔" گور کن عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"آخر تم ہو کون؟ چھل پیری تو نہیں ہو۔ تمہارے دونوں پاؤں سامنے ہیں۔ ایسے خوفناک کام کراتی ہو مجھ سے کہ میری سمجھ میں نہیں آتے۔"

"سنو۔ مجھے کسی تازہ جسم کی کھوپڑی چاہئے۔ معاوضہ دس ہزار۔" گور کن آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانس لینے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"کوئی تازہ مردہ نہیں آیا ہے البتہ تین دن پرانا ایک مردہ موجود ہے۔ کیا اس کی کھوپڑی تمہارے کام آسکے گی؟"

"نکال کر دکھاؤ مجھے۔" میں نے کہا گور کن قبرستان میں ایک طرف بڑھنے لگا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر ایک قبر کی کھدائی شروع کر دی۔ قبر تازہ بنی ہوئی تھی اور گور کن کی ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کچی طبیعت کا معلوم ہوتا تھا بہرحال اس نے قبر کھود لی اور کفن کا سامنے والا حصہ ہٹا کر مجھے وہ شکل دکھائی۔ میں نے کھوپڑی ہلا دی۔ گور کن نے ایک تیز دھار ہتھیار کی مدد سے کھوپڑی مردے کے جسم سے علیحدہ کی اور اسے شاپر میں ڈال کر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے دس ہزار روپے اسے دے دیئے تو وہ لرزتی آواز میں بولا۔

"ہو سکتا ہے کسی دن تمہاری دی ہوئی رقم میرے ہی کفن دفن کے کام آئے کیونکہ پچھلی بار جب میں نے ہاتھ کاٹے تھے۔ اس وقت میں تین دن تک بیمار رہا تھا۔ شدید بخار رہا تھا۔ رقم کی ضرورت کسے نہیں ہوتی لیکن میں جو کچھ بیچ رہا ہوں دنیا کا کوئی جج کوئی عدالت اس کے لئے مجھے معاف نہیں کر سکے گی اور آسمان کی عدالت میں تو مجھے سزا ملنی ہی ہے۔ دیکھو کیا لکھا ہے تقدیر میں۔"

میں اس کی بکواس پر توجہ دیئے بغیر اپنی آرام گاہ میں آگئی اور اس کے بعد میں نے اپنی لیبارٹری میں اس کھوپڑی کا تجزیہ کیا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ یہ کھوپڑی دیکھنے میں تو بہتر تھی لیکن اس کی آنکھیں ختم ہو چکی تھیں اور دماغ بھی جگہ جگہ سے قبر کے کیڑے مکوڑوں نے کھا لیا تھا لیکن بہرحال میں نے وہ کھوپڑی اس جسم سے منسلک کی اور اب مجھے آنکھوں کی تلاش تھی۔ دو آنکھیں لیکن آنکھوں کے بارے میں یہ علم ہوا تھا مجھے کہ

آنکھیں بالکل تازہ ہونی چاہئیں۔ ایک مخصوص وقت تک ان کی اہمیت برقرار رہتی ہے اور اس کے بعد ان کی اصلیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ عرصہ دس سے بارہ گھنٹے کا تھا۔ ملاقات گور کن کے علاوہ کسی اور سے کیسے کر سکتی تھی لیکن اس بار وہ مجھ سے بہت اچھی طرح ملا اور ہنس کر بولا۔

"اب کیا چاہئے بی بی! بولو اب کیا چاہئے؟ اب تو میں تمہارا انتظار کرنے لگا ہوں۔ اصل میں اس بار میں بیمار نہیں ہوا اور جانتی ہو اس کی وجہ کیا تھی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ بولا۔

"اس بار میں نے بہت چھوٹی سی قبر بنا دی تھی اور اس قبر میں، میں نے اپنے ضمیر کو دفن کر دیا تھا۔ بس اس کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ پتہ یہ چلا کہ ضمیر ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو پریشان کرتا ہے اور طرح طرح کے خوف دلانے والے عمل کرتا ہے مگر کہیں تم مجھ سے ضمیر مت مانگ بیٹھنا کیونکہ اس کا کوئی ظاہری وجود نہیں ہوتا۔" گور کن کی باتیں سن کر میں حیران رہ گئی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی فلاسفر بول رہا ہے۔ یہ گور کن کے الفاظ تو نہیں تھے۔ بہرحال میں نے اس سے کہا۔

"دو آنکھیں۔ مرنے کے بارہ گھنٹے کے اندر اندر۔"

"معاوضہ؟"

"مانگو۔"

"بیس ہزار۔"

"دے دوں گی۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"دس ہزار ایڈوانس دے دو۔ مردہ آتے ہی میں یہ کام کر لوں گا۔" تیسرے دن گور کن ایک پیکٹ لئے میرے پاس پہنچ گیا اور اس نے دو آنکھیں میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"کتے کے بچے اس کے بعد تو یہاں آیا تو میں تیری یہ آنکھیں نکال لوں گی۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور کتے کا بچہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"نہیں محترمہ! میں نے تو سوچا کہ بارہ گھنٹے کے اندر تمہیں یہ آنکھیں پہنچانی ہیں۔ اس پر سات گھنٹے گزر گئے ہیں۔ خیال رکھنا میرا قصور نہیں ہو گا اور ہاں دیکھو گالیاں بکنا بری بات ہے۔ اصل میں تم میری اسامی ہو۔ اس لئے یہ گالیاں سن کر جا رہا ہوں ورنہ ہم

غریبوں کے ہاتھ پاؤں بھی ہوتے ہیں۔ دماغ بھی ہوتا ہے دل بھی ہوتا ہے اور دل میں غصہ بھی ہوتا ہے۔" اس نے پھر فلسفہ بولا اور واپس چلا گیا۔ بہرحال اب میرے لئے مسئلہ دماغ کا تھا۔ یہ دماغ......... میں خاص طور سے کوئی اچھا دماغ حاصل کرنا چاہتی تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ مجھے کوئی بہت ہی بہترین دماغ ملے لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ جو دماغ میں حاصل کروں وہ کیسا ہو۔ یہ ذرا سوچنے سمجھنے کی بات تھی۔

بہرحال میں چند روز تک خاموش رہی۔ میری تخلیق نامکمل پڑی ہوئی تھی۔ صحیح معنوں میں ایک انسانی جسم کا فریم تھا۔ اس میں لگائے ہوئے مختلف اعضاء اور اس کے بعد اب اس کی تکمیل میں صرف اتنی سی کسر رہ گئی تھی کہ وہ ایک بہترین دماغ حاصل کرے۔ بس اس کے بعد میری تخلیق مکمل ہو جانی تھی۔ تقریباً دس دن تک اس طرح گزر گئے۔ اس دوران ایک بار بھی عظیم اللہ نے اِدھر آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ نیرہ کے ساتھ کھویا رہتا تھا۔ بعض اوقات تو مجھے بڑی نفرت کا احساس ہوتا تھا۔ یہ میرا ایک ملازم میری خالہ زاد بہن سے عشق لڑا رہا ہے اور میں اسے برداشت کر رہی ہوں۔ ٹھیک ہے وہ میرا قدیم ساتھی تھا۔ میں نے اس کے ساتھ بہت سے تجربات کئے تھے لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ میرے دل میں عظیم اللہ کے لئے ایسا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا جس میں عشق و محبت کے جراثیم ہوں بلکہ میں تمہیں بتاؤں میرے عظیم دوست کہ میں جس قدر سفاک ہو گئی تھی۔ مجھے خود اس کا اندازہ نہیں تھا میرے اندر میری روح ہی نہیں تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی شخصیت تھی جو میرے اندر پل رہی تھی۔ میں تمہیں اس بارے میں سچ بتا رہی ہوں جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو اپنے جرم سے دور کرنا چاہتی ہوں۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ میں سچ ہی کہہ رہی ہوں۔ کوئی میرے اندر سرائیت کر گیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کون تھا اور کیوں میرے وجود میں یہ ساری کوشش کر رہا تھا۔ بہرحال یہ سارا مسئلہ اپنی جگہ تھا۔ میں اب اس دماغ کے لئے پریشان تھی۔ دس دن کے بعد میں گورکن کے پاس گئی تو وہ میری صورت دیکھ کر ہی بگڑ کر بولا۔

"تھوکتا ہوں تمہارے دس ہزار روپے پر۔ تم نے مجھے جو کچھ دیا ہے بس اتنا کافی ہے۔ اب میں تمہارے لئے کچھ نہیں کروں گا۔" میں مسکرا دی میں نے کہا۔

"میں بھی تم سے کچھ نہیں کرانا چاہتی۔ یہ دس ہزار روپے تمہیں دینا چاہتی ہوں۔"

"دے دو۔ لیکن مجھ سے کوئی اور فرمائش مت کرنا۔" میں نے دس ہزار اسے دیئے۔ ایک لمحے اسے دیکھتی رہی تو وہ آہستہ سے بولا۔

"اتنی عادتیں بگاڑ دی ہیں تم نے میری کہ میں بتا نہیں سکتا۔ بولو کیا چاہئے اور کتنا معاوضہ دو گی؟" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"الو کے پٹھے اب مجھے تجھ سے کچھ نہیں چاہئے۔ سمجھا لیکن ایک بات اپنے ذہن میں رکھنا اگر کبھی بہت زیادہ چالاک بن کر زبان کھولنے کی کوشش کی تو مجھے ابھی زبان دل اور کلیجی کی ضرورت ہے اور یہ تینوں چیزیں تیری ہوں گی' سمجھا؟ اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک مت سمجھنا۔ اگر خود کو کچھ سمجھتا ہے تو گالی دی ہے میں نے تجھے آجا۔ مجھے نقصان پہنچا اس گالی کے بدلے۔" وہ ایک دم سے حیران رہ گیا اور عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں جی۔ ہم نے خود بھی تو جرم کیا ہے۔ کبھی زبان نہیں کھولیں گے مگر اب ناراض نہ ہو آپ بتاؤ۔ آپ کو کیا چاہئے؟" میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑی۔ بات اسی کشمکش کی تھی۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ دماغ کے حصول کے لئے مجھے سخت جدوجہد کرنا ہوگی۔ اپنی اس تخلیق کے دماغ کو میں کوئی اعلیٰ ہی حیثیت دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ میں سوچتی رہی اور اِدھر عظیم اللہ اور نیرہ ایک ایک قدم آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ایک دو بار میں نے نیرہ کو عظیم اللہ کے سینے سے سر لگائے بیٹھے دیکھا۔ میری اس عظیم الشان حویلی کی وسعتیں اس قدر بے پناہ تھیں اور اس میں ایسے لان پھیلے ہوئے تھے کہ کہیں بھی دو افراد روپوش ہو سکتے تھے۔ اپنی حویلی کے عظیم الشان لان میں نے نیرہ کو عظیم اللہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا۔ نہ جانے کیوں ایک لمحے کے لئے میرے دل میں ایک رقابت کا سا احساس ہوا تھا اور اپنے اس احساس کو میں نے خود ہی کوسا تھا۔ بلکہ اب میرے اندر انسانی اقدار کہاں رہ گئی ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر میری تخلیق مکمل ہو جائے اور اگر وہ ایک صحیح ذہن کی مالک ہو تو میں اسے اپنی جانب راغب کروں۔ ارے واہ کیا اچھی بات ہے۔ اپنی بنائی ہوئی انسانی شخصیت کو خود سے محبت پر آمادہ کیا جائے۔ یقینی طور پر کائنات کا سب سے انوکھا اور حیران کن تجربہ ہوگا بہت دیر تک میں اپنے اس خیال پر خود ہی مزے لیتی رہی۔ کیسی دلچسپ بات تھی۔ بلکہ اگر وسیع معنوں میں اس کا تجزیہ کیا جائے تو بڑے مزے کا تصور دل میں بیدار ہوتا تھا۔ یعنی محبت کرنے کے لئے خود ہی ایک بت تراشا جائے۔ صحیح معنوں میں یہ بت تراشی ہی تو ہو رہی

تھی۔ بہرحال میں نے سوچا کہ جب سارے کام آہستہ آہستہ ہو رہے ہیں تو پھر اپنے اس تجربے کو اپنی مرضی کے مطابق ہی کیوں نہ کیا جائے۔ کسی ایسے انسان کا انتظار کیا جائے اس کی تلاش جاری رکھی جائے جو صحیح معنوں میں صاحب دماغ ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری شکل میں ایک خونخوار خاتون موجود ہے۔ ہاں۔ ابھی تک بے شک میں نے جو کچھ کیا تھا وہ ایک انتہائی ہولناک نوعیت رکھتا تھا لیکن بہرحال انسان کا اپنا جنون ہوتا ہے۔ میں بھی اسے اپنا جنون ہی قرار دیتی ہوں اور میں مسلسل اپنی کوششوں میں لگی رہی کہ جس طرح بھی بن پڑے مجھے کوئی ایسا دماغ حاصل ہو جائے جو میری پسند کے مطابق ہو۔ پھر ایک دن عظیم اللہ میرے پاس آیا۔ بڑا سنجیدہ سا تھا۔ میرے سامنے آکر بیٹھ گیا تو میں نے اسے غور سے دیکھا وہ کہنے لگا۔

"میں ایک طویل عرصے سے لیبارٹری نہیں گیا ہوں۔ آپ سنایئے میڈم آپ کا تجربہ کیسا جا رہا ہے۔ بات کہاں تک پہنچ گئی ہے؟

"عظیم اللہ! میں نے اس کے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس کی کٹی ہوئی گردن کے ساتھ سر جوڑ دیا۔ ابھی اس کے نقوش کی ترتیب باقی ہے۔ آنکھیں لگا دی ہیں میں نے۔ اب اس کے سر کے لئے ایک دماغ کی ضرورت تھی۔ میں اس کی تکمیل کر لوں گی۔"

"دیکھو! میں بہت زیادہ مشورے نہیں دے سکتا لیکن اچانک ہی مجھے احساس ہوا ہے کہ میرا جنون ختم ہو گیا ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہارے جنون کو کس طرح ختم کروں۔ پلیز! اس تجربے کی تکمیل کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔" میں نے انتہائی نفرت کی نگاہوں سے عظیم اللہ کو دیکھا اور کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے عظیم اللہ کہ تم میرے پاس آئے ہو۔ بہت عرصہ ساتھ رہا ہے میرا اور تمہارا۔ تم ایک ذہین ترین انسان ہو۔ میں تمہارا احترام کرتی رہی ہوں لیکن اب تم نے جو رویہ اختیار کیا ہے کیا تمہیں خود اس کا احساس نہیں ہے؟" عظیم اللہ میری صورت دیکھنے لگا پھر بولا۔

"دیکھو! انسان اپنی مرضی کے تابع ہے میں نے ہر طرح سے تمہارا ساتھ دیا اور تمہاری خواہش کی تکمیل کی۔ جتنا جانتا تھا تمہیں سکھا دیا۔ اب اگر میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتا ہوں تو اس میں تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

"میں نے کب اعتراض کیا؟"

"تو پھر مجھے واپسی کی اجازت دو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں

تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے سوچنے کا انداز بدلتا رہتا ہے۔ میرے سوچنے کا انداز بھی بدل گیا ہے۔ مجھے معاف کرنا اور میری بات کا برا مت ماننا۔ میں تمہارے ہاں ایک ملازم کی حیثیت سے آیا تھا لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ تم نے مجھے اپنے ایک ساتھی کا درجہ دے دیا لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ ایک عورت کی حیثیت سے تم کبھی مجھے متاثر نہیں کر سکیں۔ میں نے کبھی تمہارے لئے دل میں وہ جذبات نہیں پائے جو ایک مرد کے دل میں عورت کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ میں صرف تمہارا ایک ساتھی رہا اور تمہارے تجربے میں برابر کا شریک رہا اور پھر سچ بتاؤں عورت تو لطافت کا دوسرا روپ ہے۔ اگر اس کے اندر ایسی بھیانک صفات پیدا ہو جائیں تو ہم اسے عورت تو نہیں کہتے ہیں۔ ہمیں تو اس کے نرم و نازک نقوش' اس کے مزاج کی کیفیت' اس کی مسکراہٹ' اس کی آنکھوں کی چمک' اس کے وجود کی کشش ہی' پسند ہوتی ہے اگر وہ ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو جائے تو سچی بات ہے اسے عورت نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے تم سے معافی مانگ لی ہے اور کہا ہے کہ میری بات کا برا مت ماننا۔ میں اپنے جذبات کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس کے برعکس تمہاری خالہ زاد بہن نیرہ دلکشی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ وہ ایک مکمل عورت ہے۔ بے شک وہ ابھی لڑکی ہے لیکن میں اس کے ماضی میں جھانک چکا ہوں۔ ایک اچھی ساتھی ہے۔ ایک اچھی بیوی' ایک اچھی دوست۔ ایک اچھی محبوبہ۔ ساری صفات کا مجموعہ ہے وہ۔ ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم شادی کر لیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزاریں گے اور میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ جن پُراسرار علوم سے میں منسلک ہوں اب میں ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لعنت بھیج دوں گا اور اپنی زندگی کا ایک محور بناؤں گا۔ اس لئے میں تم سے اجازت چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے عظیم اللہ! تم جب جانا چاہو۔ جا سکتے ہو لیکن ایک بات میں تم سے کہنا چاہتی ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"کیا؟"

"یہی نا کہ میری زبان پر تالا لگا رہے۔ میں کبھی کسی سے تمہارے تجربے کے بارے میں کچھ نہ کہوں گا؟"

"ہاں۔ یہی میں کہنا چاہتی ہوں۔"

"ایسا ہی ہو گا ہمیں تین دن کی مہلت دے دو۔"

"ایک بات بتاؤ۔ کیا نیرو اس بات کے لئے مکمل طور سے تیار ہے؟"

"ہاں۔ وہ بالکل تیار ہے۔" اس نے جواب دیا اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ وہ چلا گیا لیکن میرے لئے عجیب سے سوچنے کے لمحات چھوڑ گیا۔ اس نے جو الفاظ کہے تھے۔ کیا وہ سچ ہیں۔ میں ایک ایسے باپ کی بیٹی تھی جس نے یہ تصور بھی دل سے نکال دیا تھا کہ وہ کسی بیٹی کا باپ ہے۔ اپنے مشاغل میں اس طرح مصروف رہتا تھا کہ مہینوں اس سے ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ میری ماں مرچکی تھی میری شخصیت کی تشکیل کہاں سے خراب ہو گئی تھی جو میرے ذہن میں یہ نفرت زدہ تجربہ کرنے کا خیال آیا تھا۔ شاید کہیں سے کوئی کمی ہوئی تھی میرے ماں باپ کے رویے میں جس سے میری شخصیت میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ لیکن کیا وہ سچ کہہ رہا ہے؟ میرے اندر عورت کی کوئی دلکشی نہیں ہے۔ میں ایک نامکمل عورت ہوں۔

میں ان باتوں پر سوچتی رہی اور میرے دل میں نہ جانے کیسے کیسے احساسات آتے رہے۔ پھر دفعتہ ہی ایک انوکھے احساس نے میرے وجود میں ایک چھناکہ کیا اور میں سحر زدہ سی ہو گئی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ خیال میرے دل میں آیا کیسے؟ میں اپنے ہی آپ پر غور کرنے لگی اور ایک لمحے کے لئے مجھے احساس ہوا کہ مجھ سے زیادہ سفاک عورت اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہے۔ بلاشبہ عورت کے اندر تو ایک نرم و نازک وجود پلتا ہے۔ لیکن میرے اندر یہ کیا ہو رہا تھا؟ بہرحال میں اپنے اس خیال پر بہت دیر تک غور کرتی رہی۔ میں نے عظیم اللہ کے بارے میں اس دن سے سوچا جس دن وہ میرے پاس ملازمت کے لئے آیا تھا۔ بظاہر وہ ایک عام سا آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن جوں جوں اس کا میرے ساتھ وقت گزرتا گیا۔ عظیم اللہ کے جوہر کھلتے چلے گئے۔ وہ ایک انتہائی ذہین انسان تھا اور مجھے اپنے تجربات اور یہ سائنسی علوم سیکھنے میں اس سے شاندار معاون اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ یہ ایک طے شدہ بات تھی۔ بہرحال عظیم اللہ نے میرے ساتھ جو وقت گزارا تھا۔ اس نے مجھے یہ احساس دلا دیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر انتہائی طاقتور انسان ہے۔ اب مجھے اپنی اس تخلیق کو مکمل کرنے کے لئے ایک ایسا ہی ذہین انسان درکار تھا۔ آہ۔ اگر عظیم اللہ کا دماغ میری اس تخلیق میں منتقل ہو جائے تو میں ایک ذہین وجود تشکیل دے لوں گی۔ یہ بہت ہی اعلیٰ عمل ہوگا۔ واقعی ذہانت اور زندگی سے بھرپور عظیم اللہ کا دماغ اب میری توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ وہ میرے گھر سے جانا چاہتا تھا۔ بے شک وہ چلا جائے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن............ لیکن میرے گھر سے ہی نہیں

اسے اس دنیا سے بھی جانا ہوگا اور پھر میرا یہ ارادہ مضبوط ہوتا چلا گیا۔ عظیم اللہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب میرا گھر چھوڑ دے۔ جو کچھ کرنا ہے اس کے لئے یہ ایک طے شدہ عمل ہے کہ جلدی کیا جائے۔ چنانچہ میرے ارادے سنگین ہوتے چلے گئے۔ میری لیبارٹری میں وہ سب کچھ موجود تھا جو ہر طرح کی تخریب کاری کے کام آسکتا تھا۔ ایک زبردست قسم کا انجکشن کافی تھا۔ چنانچہ میں نے وہ انجکشن سرنج میں بھرا اور اس کے بعد عظیم اللہ کے کمرے تک پہنچ گئی۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے دروازے پر زور زور سی دستک دی اور تھوڑی دیر کے بعد اندر تیز روشنی نظر آئی پھر عظیم اللہ نے دروازہ کھول دیا۔ وہ نیند بھری آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا میں نے اس سے کہا۔

"سوری عظیم اللہ! میں ایک مشکل کا شکار ہو گئی ہوں۔ ظاہر ہے تمہارے علاوہ میں اپنی مشکل کا اظہار اور کسی سے نہیں کر سکتی آئی ایم ویری سوری۔ مجھے معاف کر دینا کچھ ایسی ہی مشکل درپیش ہے مجھے۔" اس کے اندر ہمدردی بیدار ہو گئی کہنے لگا۔

"کیا بات ہے؟"

ذرا آؤ میرے ساتھ پلیز! دیکھو میرا تمام کیا دھرا مٹی میں مل رہا ہے۔" میں نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ ایک لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"اگر تم اجازت دو تو میں ذرا چہرے پر پانی کے چھینٹے مار لوں۔"

"آہ۔ یہ کام تم لیبارٹری کے واش روم میں بھی کر سکتے ہو۔"

"چلیے۔" اس نے کہا اور ایسے ہی دروازہ کھلا چھوڑ کر میرے ساتھ چل پڑا۔ میں اس قسم کی اداکاری کر رہی تھی جیسے بہت غم زدہ ہوں اور کوئی ایسا حادثہ میرے ساتھ پیش آیا ہے جس کو میں نظر انداز نہیں کر سکتی۔ عظیم اللہ میرے ساتھ لیبارٹری میں داخل ہو گیا۔

"آہا۔ آؤ اِدھر آؤ۔ دیکھو ذرا اِدھر دیکھو۔" میں اسے آپریشن ٹیبل پر لیٹے ہوئے وجود کے پاس لے گئی اور وہ اس پر جھک گیا۔ بس اس کا غافل ہونا کافی تھا۔ اچانک ہی میں نے اس کے بازو میں انجکشن داخل کر دیا اور وہ سی کی آواز کے ساتھ چونک پڑا لیکن ایک لمحہ ہی تو درکار ہوتا ہے۔ انجکشن کا سیال اس کے بازو میں اتر گیا تھا اور وہ چونک کر سیدھا ہو گیا تھا۔ پھر اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"یہ............ یہ کیا کیا۔ کیا تھا یہ؟" میں تیزی سے اس کے پاس سے ہٹ آئی۔ وہ دو

قدم واپس پلٹا لیکن سیال اتنا ہی تیز اثر تھا کہ اس کے بعد اس کے قدم لڑکھڑانے لگے اور پھر اس کے پورے بدن سے پسینہ ابل پڑا۔ اس کی گھٹی گھٹی آواز ابھری۔

"یہ.......... یہ کیا تھا؟"

"زہر.......... بہت ہی طاقتور زہر۔ اسے تمہارے جسم میں داخل ہونا چاہئے تھا۔ افسوس یہ خیال پہلے میرے دل میں کیوں نہیں آیا ورنہ تمہارے دوسرے اعضاء بھی میرے کام آسکتے تھے۔ اب تو صرف دماغ کی ضرورت رہ گئی ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اس وقت تک جب تک زہر پورے جسم پر اثر انداز ہو۔ میں تمہاری گردن تمہارے جسم سے علیحدہ کرلوں۔" اور یہ بھی ایک سفاک عمل تھا۔ وہ مکمل طور پر دم نہیں توڑ پایا تھا کہ میں نے ایک تیز دھار چھری سے اس کی گردن کے سارے آلات کاٹ دیئے۔ نرخرہ۔ ہڈی۔ منکا سب کچھ۔ بالوں سے پکڑ کر اس کی گردن پیچھے کھینچ لی۔ اس کا بقیہ جسم نیلا پڑتا جا رہا تھا اور اس کے بدن سے ابلے ہوئے خون نے زمین کے فرش کو بھی تیزابیت بخش دی تھی۔ پھر میں اس کی کٹی ہوئی گردن لے کر واش بیسن پر پہنچ گئی۔ پہلے میں نے اس کے خون اگلتے ہوئے سر کو اچھی طرح دھویا۔ اس کے چہرے کے نقوش اور اس کی کھلی ہوئی آنکھیں اب بھی مجھ سے شکایت کر رہی تھیں۔ اس طویل رفاقت کا حوالہ دے رہی تھیں جو میرے اور اس کے درمیان رہی تھی لیکن میں کیا کرتی۔ کوئی سلیقے کی بات تھی یہ؟ اتنا عرصہ میرے ساتھ رہنے کے بعد پہلی بات تو یہ وہ اس تجربے سے ہی منحرف ہو گیا تھا۔ میرا ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا اس نے۔ اب کس طرح اپنے اس تجربے کی تکمیل کرتی چنانچہ مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہئے تھی۔ پھر اس کے بعد میں نے نہایت ذہانت کے ساتھ باریک چھینی اور ہتھوڑی استعمال کی اور اس کے سر کا اوپری حصہ نکال کر ایک طرف رکھ دیا۔ کسی کے دماغ کو منتقل کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ اس کے لئے تو ماہر ترین سرجن پوری پوری زندگی تجربات میں گزار دیتے ہیں اور کوئی کامیاب آپریشن کرنے کے لئے انہیں نہ جانے کیسے کیسے مرحلوں سے نکلنا پڑتا ہے لیکن بہرحال میں نے عظیم اللہ کا دماغ اپنے تیار کردہ وجود میں منتقل کردیا اور اس کے بعد تمام کاروائی مکمل کر دی۔ اب مجھے اس کے وجود میں زندگی کا احساس تلاش کرنا تھا اور اس کے لئے مجھے چند انجکشن لگا کر مقناطیسی عمل کرنا باقی تھا۔

میں نے اس سلسلے میں بھی کام کرنا شروع کر دیا اور اس کے جسم پر مقناطیسی عمل کیا۔ جلد ہی اس کے سینے میں دل نے دھڑکنا شروع کر دیا۔ کٹتے والے تجربے کو مد نظر

رکھتے ہوئے میں برابر کے کمرے میں چلی گئی تاکہ دل کی پمپنگ سے خون کی گردش بحال ہو جائے۔ اس سے پہلے میں نے اس کے جسم میں خون کی کئی بوتلیں چڑھا دیں تھیں تاکہ عین وقت پر دل کو کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تجربے کی غیر معمولی کامیابی کے باعث خوشی سے میرا سارا وجود کانپ رہا تھا۔ بہرحال میں اپنے کمرے میں آگئی اور بستر پر دراز ہو گئی۔ تجربے گاہ کا دروازہ معمول کے مطابق بند کردیا گیا تھا۔ ابھی وہاں عظیم اللہ کا جسم اور سر پڑا ہوا تھا جسے مجھے تیزاب میں ڈال کر گلا دینا تھا لیکن اتنی ساری محنت سے میں تھک گئی تھی اور اس کے لئے میں نے کچھ وقت لے لیا تھا۔ پھر کوئی ایک گھنٹے تک آرام کر کے میں نے اپنی جگہ چھوڑی۔ کچن میں جا کر خود کافی بنائی۔ اس وقت کسی کو اپنے راز میں شریک نہیں کر سکتی تھی۔ میرا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا اور میری سوچوں کے دائرے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔ چشم تصور سے میں نے اپنی تیار کردہ مخلوق کو اپنے ہر حکم کے زیر اثر لا ڈالا تھا۔ یہ وہ چیز بنائی تھی میں نے کہ اب مجھے کوئی شبہ کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ آہ۔ شاید یہی تصور تو میرے دل میں تھا کہ میں کوئی ایسا وجود تخلیق کروں جس پر مجھے مکمل اختیار ہو۔ جو میرا محبوب بھی ہو۔ میرا ساتھی بھی ہو۔ میری زندگی کے ہر راز سے واقف ہو لیکن میری اجازت کے بغیر وہ گردن تک ہلانا پسند نہ کرے۔ پتہ نہیں۔ یہ میرے اندر چھپے ہوئے کسی احساس کا نتیجہ تھا یا عورت کی ایسی شدت بھری خواہش کی تکمیل جو شاید ہر عورت کے دل میں ہوتی ہے لیکن وہ اس کی تکمیل نہیں کرپاتی۔ پتہ نہیں کیا تھا یہ سب کچھ۔ میری سوچ۔ میری حماقت' میری طاقت یا پھر کچھ اور بمشکل تمام اپنے آپ پر قابو پا سکی تھی اور سوچتی رہی تھی کہ اب کیا کروں؟ پھر سب سے پہلے میں نے یہ سوچا کہ اندر جا کر اس جسم کو تیزاب میں گلادوں اور تھوڑی دیر کے بعد میں دوبارہ پھر لیبارٹری میں داخل ہو گئی۔ میں پُرشوق نگاہوں سے میز پر پڑے ہوئے اس جسم کو دیکھنا چاہتی تھی لیکن میں نے کچھ اور ہی دیکھا۔ وہ میز سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ایک پُراسرار وجود ایک حیرت انگیز انسان۔ اس کے نقوش بھی دلکش تھے اس کی شخصیت بھی بے مثال تھی لیکن اس کے چہرے کی سنجیدگی اور اس کی آنکھوں کا دیکھنے کا انداز میرے لئے بڑا ہی سنسنی خیز تھا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں پھر اچانک ہی مجھے احساس ہوا۔ میں نے اس سے کہا۔

"تم میرے ہر حکم کی تعمیل کرو گے۔ اس جسم کو اٹھا کر اس تیزاب میں ڈال دو۔"

اس نے ایک لمحے تک میری آنکھوں میں دیکھا۔ غالباً میری آنکھوں سے میرے حکم کو اپنے ذہن میں پہنچا رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور اس نے کسی پلاسٹک کے گڈے کی طرح عظیم اللہ کے جسم کو اٹھا لیا اور میری ہدایت پر اسے تیزاب میں ڈال دیا گیا۔ پھر اس سر کے ساتھ بھی اس نے یہی عمل کیا۔ جس میں سے دماغ نکالا جا چکا تھا۔ اس کے بعد وہ میری جانب متوجہ ہوا۔ میں حیرت اور خوشی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے تک میری طرف دیکھا پھر پیچھے پلٹ کر وہ خنجر اٹھا لیا جو میرا تھا اور میں اس خنجر سے عظیم اللہ کا سر کاٹنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ اس نے خنجر اٹھایا۔ وہ میری ہدایت کے مطابق نہیں تھا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا تو اچانک ہی وہ برق رفتاری سے مجھ پر لپکا۔ ایک لمحے کے لئے میرے سارے وجود میں شدید سنسنی دوڑ گئی تھی۔

"کیا کر رہے ہو۔ یہ کیا کر رہے ہو؟ رک جاؤ۔" میں نے کہا لیکن وہ میرے قریب پہنچا اور اس نے دانت بھینچ کر مجھ پر وار کر دیا۔ میں شدت حیرت سے دنگ رہ گئی تھی لیکن جب اس نے دوسرا وار کیا اور اس بھرپور طریقے سے کہ اگر میں اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب نہ ہو پاتی تو یقینی طور پر یہ میرا جسم دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا ہوتا۔ چنانچہ اب میرے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ اپنی جان بچانے کی کوشش کروں۔ میں نے دروازہ کھولا اور برق رفتاری سے باہر نکل آئی اور اس کے بعد دوڑتی ہوئی دور تک چلی گئی۔ میرا سینہ کانپ رہا تھا اور میں شدت حیرت سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ یہ کیا ہوا؟ میری تخلیق میرا اپنا بنایا ہوا وجود مجھ سے دشمنی کا اظہار کیوں کر رہا ہے؟ میں اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پاگلوں کی طرح سوچنے لگی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ آہ۔ اس بارے میں تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ تصور تو میرے دل میں خواب کی مانند بھی نہیں آیا تھا کہ میری تخلیق میری دشمن بن سکتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے تلاش کرتا ہوا میرے کمرے تک آ جائے گا۔ لیکن شاید وہ لیبارٹری سے باہر نہیں آیا تھا۔ وہ لیبارٹری ہی میں تھا۔ میرے کان قدموں کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے لیکن وقت گزرتا گیا آدھا گھنٹہ پونا گھنٹہ اور پھر ایک گھنٹہ۔

میرے دل میں خیال آیا کہ میں اسے جا کر دیکھوں۔ ہو سکتا ہے اب اس کے انداز میں کوئی تبدیلی رونما ہو چکی ہو لیکن اپنے بچاؤ کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے میز کی دراز سے پستول نکالا۔ اسے چیک کیا اور اس کے بعد اسے ہاتھ

میں لے کر چل پڑی۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر اس نے دوبارہ مجھ پر حملہ کیا تو اس کے پاؤں زخمی کر دوں گی۔ اسے چلنے پھرنے سے معذور کر دوں گی اور پھر اگر ضرورت ہوئی تو دوسرے پاؤں بدل دوں گی لیکن یہ تبدیلی پیدا کر دوں گی کہ اس کے دل میں میرے لئے محبت پیدا ہو اور وہ میری عزت کرے۔ مجھے اپنا تخلیق کنندہ سمجھے۔ یہ کام کرنا پڑے گا مجھے ضرور کرنا پڑے گا۔ میں پستول ہاتھ میں لئے چاروں طرف دیکھتی ہوئی ایک بار پھر لیبارٹری کے دروازے پر پہنچ گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے باہر آہٹیں پیدا کیں۔ مدھم مدھم لہجے میں آوازیں بھی لگائیں لیکن مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ چنانچہ ہمت کر کے میں لیبارٹری کے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ عظیم الشان ہال خالی تھا۔ مشینوں کے عقب میں میز کے نیچے' الماریوں کے پیچھے ہر جگہ میں نے اسے دیکھا لیکن اس کا نام و نشان نہیں تھا۔ تیزاب کے تالاب میں عظیم اللہ کا جسم گل کر پانی ہو چکا تھا اور اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس لباس کی دھجیاں تک نہیں جو عظیم اللہ کے جسم پر تھیں۔ پوری لیبارٹری میں خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ میں وہاں سے باہر نکلی اور پھر میں نے کوٹھی کے مختلف حصوں کو دیکھنا شروع کر دیا لیکن تین گھنٹے کی محنت کے باوجود وہاں کسی انسان کا وجود نہیں تھا۔ میں واپس آ گئی اور جب میں نیرہ کے کمرے کے سامنے سے گزری تو اچانک میرے دل میں ایک خیال آیا۔ میں وہاں رکی ہی تھی کہ نیرہ نے دروازہ کھول دیا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔

"کیا بات ہے میراں! کوئی چور وغیرہ گھس آیا ہے کیا؟ تمہارے ہاتھ میں یہ پستول۔"

"ہاں۔ کچھ آہٹیں ہوئیں تھیں میں یہی دیکھتی پھر رہی تھی۔"

"اب تو صبح ہونے والی ہے بلکہ اجالا تو پھوٹنے لگا ہے۔ ملازمین کو جگا لو۔"

"نہیں غلط فہمی تھی میری۔ سب ٹھیک ہے۔"

"عظیم اللہ سو رہے ہیں؟"

"شاید۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد نیرہ کو آرام کرنے کا مشورہ دے کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ میرا سارا وجود شدید سنسنی کا شکار تھا۔ آہ۔ یہ تو کچھ نہ ہوا۔ میں نے اتنی محنت کی۔ زندگی کی طویل ترین محنت اور اس کا کوئی صلہ مجھے نہیں ملا۔ میری تخلیق فرار ہو گئی تھی۔ میں سر پکڑے بیٹھی رہی اور کھڑکی دروازوں سے روشنی اندر گھس آئی۔ میں نے پستول واپس اپنی جگہ رکھا۔ اب میرے دل دماغ میں شدید ہیجان برپا تھا۔ وہ کہاں گیا؟ میں تو اسے کوئی نام بھی نہیں دے سکی تھی اور اگر نام دے بھی دیتی

تو اس کا فائدہ کیا ہوتا۔ جو نقصان مجھے ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔ کچھ کمی رہ گئی۔ بدبخت عظیم اللہ اگر میرا ساتھی رہتا ہم لوگ آپس میں مشورہ کرتے رہتے تو شاید اس کا بھی کوئی حل نکل آتا بلکہ ہم ابتدا ہی میں وہ سب کچھ کر لیتے جو ہمیں کرنا تھا۔ بہرحال کوئی تسلی بخش کام نہیں ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک میں بیٹھی رہی پھر نیرہ آ گئی۔

"کیا بات ہے میراں! طبیعت کچھ خراب ہے؟ شاید نیند پوری نہیں ہوئی۔ چائے بھی نہیں پی ہو گی۔ ناشتے کا وقت بھی ہو گیا ہے۔"

"نہیں، سب کچھ کریں گے۔ عظیم اللہ کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"کہیں چلے گئے ہیں نظر ہی نہیں آئے۔" میں نے نیرہ کے لہجے میں ایک پریشانی چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ وہ عظیم اللہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے پریشان تھی۔ پھر ناشتے کی میز پر ہم دونوں تنہا پہنچ گئے اور یونہی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہے۔ میرے دل میں ایک لمحے کے لئے ایک خیال آیا تھا کہ میرے اس تجربے کی بہت بڑی ناکامی کی وجہ نیرہ بھی ہے۔ وہ اگر ہمارے درمیان نہ آتی تو عظیم اللہ سو فیصدی میری جانب متوجہ رہتا اور میں کسی بھی طرح بھی اسے اس بات پر آمادہ کر لیتی کہ وہ آخر تک میرے اس تجربے میں ساتھ دے۔ نیرہ نے سارا کام گڑبڑ کر دیا تھا۔ حالانکہ بذاتِ خود وہ ایک اچھی لڑکی تھی۔ ہنس مکھ اور تعاون کرنے والی لیکن نادانستہ ہی سہی اس کی وجہ سے میرے مشن کو بدترین نقصان پہنچا تھا۔ میرا دل ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں چلا گیا۔ اگر بستی میں کہیں پہنچ گیا اور کسی کو نقصان پہنچایا تو کیا میری بدنامی نہیں ہو گی۔ مجھے اس نقصان کا ذمے دار نہیں قرار دیا جائے گا۔ پھر میں نے سوچا کہ ایسا کون کرے گا۔ اگر اس کی کسی حرکت کا الزام میرے اوپر آیا تو میں صاف انکار کردوں گی کہ میں کچھ نہیں جانتی۔ لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔ نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی دوپہر ہوئی۔ شام ہو گئی۔ کئی بار اسے حویلی کے مختلف گوشوں میں تلاش کیا۔ اِدھر نیرہ عظیم اللہ کے لئے پریشان تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اول تو عظیم اللہ زیادہ سے زیادہ کسی کام سے باہر جاتے تھے تو دو چار گھنٹے میں واپس آجاتے تھے اور پھر بغیر بتائے ہوئے وہ کہیں جاتے بھی نہیں تھے۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟"

"کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے؟" میں نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا اور نیرہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اسی رات تقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ کا وقت ہو گا کہ نیرہ

کے کمرے سے چیخ کی آواز بلند ہوئی اور میں لیٹے لیٹے چونک پڑی۔ میں جاگ رہی تھی دیکھ رہی تھی سوچ رہی تھی۔ اس دوران لیبارٹری کے چکر بھی لگا چکی تھی کہ ممکن ہے وہ وہاں واپس آجائے لیکن لیبارٹری زبردست طریقے سے سائیں سائیں کر رہی تھی۔ نیرہ کی چیخ پر میں نے پستول نکالا اور تیز رفتاری سے اس جانب دوڑ پڑی۔ نیرہ کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ سہمی ہوئی مسہری کے ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوف کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ میں اندر پہنچی تو اس کی جان میں جان آئی۔

میں نے کہا۔ "کیا ہے نیرہ! کیا ہوا؟"

"وہ............ وہ............ وہ نہ جانے کون تھا۔ بڑا بھیانک چہرہ تھا۔ اس کا عجیب و غریب نظر آرہا تھا۔ وہ تم یقین کرو میراں! یقین کرو۔ میں نے اتنا بھیانک انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بڑے اطمینان سے میرے کمرے میں گھسا چلا آیا۔ مجھے جگایا اور جب میں چیخی تو ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اس نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ بالکل اسی طرح جیسے مجھے جانتا تھا۔ آہ۔ نہ جانے کون تھا کم بخت پتہ نہیں کون تھا۔ میری چیخ دوسری اور تیسری بار نکلی اور تمہارے کمرے میں روشنی ہوئی تو وہ اچھل کر باہر نکل گیا۔ دیکھو ذرا کون ہے۔ دیکھو۔ پلیز!" جب تیزی سے باہر بھاگی پھر میں نے چاروں طرف کوریڈور اور باہر جانے والے راستے دیکھے لیکن کہیں کسی کا وجود نہیں تھا۔ میں واپس نیرہ کے کمرے میں آ گئی۔

"کس شکل و صورت کا مالک تھا وہ؟" میں نے پریشان لہجے میں پوچھا تو نیرہ اس کا حلیہ بتانے لگی۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور سکتے کے سے عالم میں کھڑی رہ گئی تھی۔ نیرہ جو حلیہ بتا رہی تھی۔ وہ میری تخلیق کا حلیہ تھا لیکن وہ نیرہ کے کمرے میں کیا کرنے آیا تھا۔ کہاں چلا گیا تھا وہ۔ کہاں ہے؟ آہ۔ کیا کروں۔ کیا کرنا چاہئے؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ نیرہ نے کہا۔

"وہ کون ہو سکتا ہے میراں! کل رات کو تم ہاتھ میں پستول لئے کسی کو تلاش کرتی پھر رہی تھیں۔ کوئی ہمارے پیچھے تو نہیں لگ گیا ہے اور یہ............ یہ عظیم اللہ آخر کہاں چلے گئے۔ کیا تمہیں بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا انہوں نے؟"

"نہیں۔ مجھے کچھ نہیں بتایا۔" میں نے کہا۔

"یہ تو بڑی سنگین صورتحال ہے۔ نوکروں کو ہدایت کرو کچھ اور انتظامات کرو۔ ہمیں اپنے بچاؤ کا بندوبست کرنا ہے۔ ورنہ ہم دو لڑکیاں کسی بھی طرح مشکل کا شکار ہو سکتی ہیں۔"

نیرہ اپنی کہے جا رہی تھی لیکن میرا ذہن کسی اور خیال میں ڈوبا ہوا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہو گا؟ آخر اب کیا ہو گا۔ لیکن اب کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ فرار ہو گیا تھا۔ وہ عجوبہ فرار ہو گیا تھا۔ امکانات تو اس بات کے تھے کہ وہ کہیں سے کہیں نکل جائے لیکن نیرہ کے بیان نے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ یہیں موجود ہے اور دوبارہ بھی حویلی میں آیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب آخر میں کروں کیا۔ مجھے اپنے تجربے کے اس طرح برباد ہو جانے کی توقع نہیں تھی لیکن بہت سے کام توقع کے خلاف ہوتے ہیں۔ باقی ساری باتیں تو اپنی جگہ تھیں لیکن عظیم اللہ کے ساتھ یہ سلوک کر کے میں خود بھی خوش نہیں تھی۔ یہ ذرا زیادتی ہو گئی تھی۔ تین چار دن گزر گئے۔ ایک رات پھر نیرہ کے کمرے سے چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی۔ میں پھر اس کے کمرے کی جانب دوڑی اور اندر داخل ہو گئی۔ نیرہ کا رنگ پیلا پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے گہرے آثار تھے اس نے مجھے دیکھا تو دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"یہاں سے نکال دو مجھے۔ یہاں نکال دو۔ میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں میراں۔ خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکال دو۔ میرا کہیں اور بندوبست کرو تمہاری مہربانی ہو گی۔ مجھے انکل کے پاس شہر بھجوا دو۔ کچھ کرو میرے لئے۔"

"کیا ہوا نیرہ! کیا ہوا؟" میں نے کہا اور نیرہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ اس کی حالت قابل رحم تھی۔ میں اسے دلاسے دیتی رہی۔ میں نے کہا۔

"نیرہ! سنبھالو اپنے آپ کو بتاؤ تو سہی بات کیا ہوئی ہے؟"

"بہت عجیب بات ہوئی ہے۔ پچھلی تمام راتوں میں' میں نے محسوس کیا ہے کہ اس کھڑکی کے عقب میں اس دروازے کے پیچھے غسل خانے میں کوئی ہوتا ہے جو چھپ چھپ کر میری نگرانی کرتا ہے۔ وہ کون ہے۔ مجھے بتا دو وہ کون ہے۔ پتہ ہے آج اس نے میرے بال سنوارے' میری پیشانی کو چوما آہ۔ وہ بھیانک چہرہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی وہ کتنا بھیانک ہے لیکن اس کی باتیں بڑی عجیب ہیں۔ تم مجھے ایک بات نہیں بتاؤ گی میراں؟"

"کیا بات آخر کیا بات؟"

"عظیم اللہ کہاں ہے کہاں چلا گیا وہ؟ اور کیوں چلا گیا؟"

"نیرہ! وہ میرا غلام نہیں تھا۔ میرے ہاں کام کرتا تھا وہ۔ تنخواہ دیتی تھی میں اسے۔ بغیر بتائے ہی چلا گیا۔ یہ اس کی برائی ہے مگر میں یہ کیا بتا سکتی ہوں کہ وہ کہاں چلا گیا۔ تم خود سوچو۔ میں یہ کیسے بتا سکتی ہوں؟"

"آہ۔ وہ' آہ وہ سرگوشیوں میں کہہ رہا تھا کہ نیرہ! تم میری محبت ہو۔ میرا پیار ہو تم میں تمہیں چاہتا ہوں۔ نیرہ........ تم........ تم........ مجھ سے اتنی دور کیوں ہو گئیں۔ نیرہ مجھ پر ظلم کیا گیا ہے۔ یہی........ سب کچھ کہہ رہا تھا وہ' مگر وہ عظیم اللہ نہیں تھا۔ وہ عظیم اللہ نہیں تھا اس کی آواز بھی عظیم اللہ کی آواز نہیں تھی۔ میں' میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ کس قدر دہشت کا شکار ہوں میں۔ کیا بتاؤں میں تمہیں کیا ہوا ہے۔ آہ۔ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ کیسے بتاؤں میں تمہیں۔ میرے خدا' میرے خدا۔ بہت ہی' بہت ہی۔"

نیرہ پھر رونے لگی۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی اور میرے دل دماغ میں بھی ہیجان برپا تھا میں ایک عجیب سی دہشت کا شکار تھی اور یہ دہشت مجھے خوف سے دیوانہ کئے جا رہی تھی۔ پھر میں نے خود کو سنبھالا۔ نیرہ کو اپنے دل کی بات نہیں بتا سکتی تھی۔ بہت کچھ کہتی رہی مجھ سے نیرہ ایک ہی ضد کئے جا رہی تھی۔

"مجھے انکل کے پاس بھجوا دو۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔" بہرحال میں خود مسائل کا شکار تھی۔ فوری طور پر میں یہ کیسے کہہ سکتی تھی لیکن اب یہ بات میرے ذہن میں جڑ پکڑ چکی تھی کہ میں نے ایک بہت بڑی غلطی کر ڈالی ہے۔ میں نے اپنی تخلیق کے سر میں ایک ایسے شخص کا دماغ ڈال دیا ہے جو میرے مقصد سے اختلاف کرنے لگا تھا اور اب وہ تخریب پر آمادہ ہے۔ آہ ضرور کوئی گڑبڑ ہو گی۔ وہ یقینی طور پر عظیم اللہ ہے۔ میں پریشان تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ اب مجھے کرنا کیا چاہئے۔ میں اس دن اپنی لیبارٹری میں بیٹھی ہوئی تھی۔ رات ہی کا وقت تھا کہ مجھے کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ اس کے بعد میں چونک کر دیکھنے لگی۔ آنے والا وہی تھا میری تخلیق' میرا شاہکار۔ میں سہمے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے کہا۔

"تم نے میرے چہرے کے نقوش بہت خراب بنا دیئے ہیں۔ تمہیں میرے چہرے کے نقوش ٹھیک کرنا ہوں گے۔ سمجھ رہی ہو نا؟ میں کہیں بھی جاتا ہوں لوگ مجھ سے خوف کھاتے ہیں۔ مجھے دہشت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ تمہیں میرا چہرہ درست کرنا ہو گا۔"

"ایک بات بتاؤ۔" میں نے خود کو سنبھال کر پوچھا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"تم عظیم اللہ ہو؟" جواب میں اس کی جلتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے کا جائزہ لینے

لگیں پھر اس نے کہا۔

"اور تم پاگل ہو۔"

"کیوں؟"

"کیا میں اپنے وجود میں ہوں؟ کیا تم نے مجھے قتل نہیں کر دیا ہے؟ کیا تم میری قاتل نہیں ہو؟"

"تم عظیم اللہ ہو نا؟"

"تم نے اپنے اس ناپاک تجربے میں میرا دماغ استعمال کیا ہے۔ مجھے تم نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ارے میں تو استاد تھا تمہارا۔ سب کچھ تو تم نے مجھ ہی سے سیکھا اور اس کے بعد میرے ہی ساتھ یہ سلوک کر ڈالا بولو۔ کیا یہ ٹھیک تھا؟"

"لیکن اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"میرا چہرہ ٹھیک کرو۔ میں اس کے بعد تمہیں بتاؤں گا۔"

"عظیم اللہ کیا تم نیرہ سے محبت کرتے ہو؟"

"ہاں۔ میں اسے چاہتا ہوں۔ دیوانوں کی طرح میں چاہتا ہوں اسے لیکن.......... لیکن تمہیں میرے نقوش مجھے واپس دینا ہوں گے۔"

"تمہارے نقوش؟"

"ہاں عظیم اللہ کا چہرہ بنانا ہو گا تمہیں۔"

"مگر کیسے؟"

"اپنی پلاسٹک سرجری کی مہارت کے ساتھ۔"

"مگر تم اس کے بعد۔"

"میں نیرہ کے سامنے جاؤں گا۔ اسے بتاؤں گا کہ میں عظیم اللہ ہوں۔ کچھ عرصے کے لئے کہیں چلا گیا تھا۔ واپس آ گیا ہوں۔ سمجھیں؟" عجیب و غریب بات تھی یہ۔ ایک کہانی تھی لیکن بہرحال میں اس کے لئے تیار ہو گئی۔ سرجری میں مجھے کوئی خاص مہارت نہیں حاصل تھی لیکن بہرحال میں نے عظیم اللہ کے چہرے کو نگاہوں میں رکھتے ہوئے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر میں نے اپنی لیبارٹری میں پلاسٹک سرجری کا سامان لا کر اس کے چہرے پر اپنے تجربات کرنا شروع کر دیئے۔ میں اس کے نقوش ترتیب دے رہی تھی اب چونکہ عظیم اللہ میرا تراشا ہوا جعلی انسان نیرہ کے پاس نہیں جا رہا تھا اس لئے صورتحال بہتر ہونے لگی تھی۔ نیرہ بھی کچھ بہتر نظر آتی تھی لیکن جب بھی اسے موقع ملتا وہ مجھ سے

باتیں کرتی۔ عظیم اللہ سے وہ بہت زیادہ متاثر ہو گئی تھی۔ بہرحال یہ سارا سلسلہ چلتا رہا۔ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا اور پھر اس دن جب میں نے اس کے چہرے کی پٹی کھولی ایک نیا ہی چہرہ سامنے آیا۔ یہ عظیم اللہ کا چہرہ نہیں تھا بلکہ ایک نیا وجود تھا۔ عظیم اللہ نے آئینہ میں خود کو دیکھا اور اس کے بعد وہ دیوانہ ہو گیا۔ اس نے اسی رات میری لیبارٹری میں آگ لگا دی۔ پوری حویلی میں توڑ پھوڑ کرتا پھرا۔ وہ چیختا چنگھاڑتا رہا تھا اور اسی رات نیرہ حویلی سے فرار ہو گئی۔ وہ اب اپنے خوف پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ وہ توڑ پھوڑ مچا کر چلا گیا اور میں آنسو بہانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکی تھی۔ اب اس حویلی سے میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کہیں نکل جاؤں۔ میرا دل اپنے باپ کے پاس جانے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ میں تیاریاں کرنے لگی اور پھر ایک دن میں نے حویلی چھوڑ دی۔ حویلی میں توڑ پھوڑ مچانے کے بعد عظیم اللہ میرے پاس واپس نہیں آیا تھا۔ بہرحال میں وہاں سے چل پڑی۔ میرے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بس سوچتی تھی کہ کہیں بھی زندگی کے چار دن گزار دوں۔ میں چلتی رہی اور پھر مجھے ایک گاڑی نظر آئی۔ میں نے اشارہ کیا تو وہ رک گئی۔ ڈرائیور چہرے پر کپڑا لپیٹے ہوئے بڑی سی ٹوپی پہنے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے شہر چھوڑ دے۔ اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا اور میں اندر بیٹھ گئی۔ گاڑی چل پڑی لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ اس عمارت میں آ کر رکی۔ میں حیران رہ گئی تھی میں نے کرخت لہجے میں ڈرائیور سے کہا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور وہ مجھے یہاں کیوں لایا ہے؟ ڈرائیور نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ وہ عظیم اللہ تھا۔ ہاں۔ وہ عظیم اللہ تھا اس نے کہا۔

"اور اب تم زندگی بھر میری غلام بن کر رہو گی۔ خبردار نہ تو یہاں سے جانے کے بارے میں سوچنا نہ کسی کے سامنے اپنی زبان کھولنا۔ تم اب میری غلام ہو۔ میری قیدی ہو۔ جو کچھ تم نے مجھے دیا ہے اب تمہیں وہی سب کچھ برداشت کرنا ہو گا۔ سمجھ رہی ہو نا۔ تم اب میری غلامی کرو گی۔ تم نے مجھے قتل کیا۔ مجھ سے زندگی چھین لی لیکن.......... لیکن، اب تم کچھ بھی نہیں کر سکو گی اور اس وقت سے میں یہاں ہوں۔ میرے ہمدرد میرے دوست۔ کیا میں قابل رحم نہیں ہوں۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ میری مدد کی جائے؟"

"لیکن عظیم اللہ کہاں گیا؟"

"عظیم اللہ وہ۔" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"ہاں عظیم اللہ۔"

"اسی کا نام تو شاہ مراد ہے۔"

"کیا..........؟" میں شدت حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں' یہی شاہ مراد ہے۔ نام بدل لیا ہے اس نے اپنا۔ نہ جانے کیا کیا چکر چلائے ہوئے ہے۔ یہاں بھولے بھالے لوگ اس کے پاس آتے ہیں وہ ان کے مسائل حل کرنے کے دعوے کرتا ہے لیکن نہ جانے اس کا اصل عمل کیا ہے۔ وہ نیم دیوانی شخصیت کا مالک ہے۔ تم دیکھ رہے ہوگے کہ اس نے اس حویلی میں کیا کیا جمع کر رکھا ہے۔ قدیم طرز کی مشینیں' پُراسرار آلات' یہاں وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو جرم سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن بس وہ ایک عجیب و غریب فطرت کا مالک بن چکا ہے۔ اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا میں جس طرح سے آئی تھی اسی حالت میں یہاں ہوں۔ بس ایک طرح سے سمجھ لو یہاں اس کی قیدی ہوں۔ مجھے اس قید سے آزاد کرا دو میں زندگی بھر تمہاری خدمت کروں گی مجھے اس قید سے آزاد کرا دو۔ یہ قید تنہائی میرے لئے عذاب جان بن چکی ہے۔ یہاں ملازم آتے ہیں بدلتے رہتے ہیں۔ بہروز اور وہ چوکیدار۔ اس سے پہلے بھی بہت سے لوگ آتے رہے ہیں لیکن یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو شاہ مراد یا عظیم اللہ کے راز دار ہوتے ہیں۔ کسی کی نہیں سنتے۔ میں نے سب سے فریاد کی' سب کو اپنے غم کی داستان سنائی۔ لیکن کوئی مجھے یہاں سے لے جانے پر آمادہ نہیں ہے۔ کیا تم' کیا تم میرے ساتھ یہ رحم کر سکتے ہو۔ یہ انصاف کر سکتے ہو تم میرے ساتھ۔" میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور ایک لمحے کے اندر اندر میرے دل میں نفرت کا ایک طوفان اٹھا۔ یہ عورت قابل رحم تو نہیں۔ یہ تو نیم دیوانی عورت ہے۔ اس نے ایک انسان کی زندگی ختم کر دی ہے۔ اس نے ایک بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ کیا حق تھا اسے یہ سب کچھ کرنے کا اور اس کا یہ جنون کسی خاص واقعہ سے تو نہیں پیدا ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے دیوانی عورت نے اپنے جنون کے تحت یہ سب کچھ کیا۔ گناہ کئے تھے اس نے۔ بھلا اسے کیا حق تھا کہ قبروں سے مردے نکال کر ان کی بے حرمتی کرے۔ وہ رحم طلب نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس سے پہلے تم نے جتنے لوگوں کو یہ داستان سنائی وہ یہی داستان تھی جو تم نے مجھے سنائی؟"

"ہاں چونکہ یہی حقیقت ہے۔"

"اور اس کے باوجود تم یہ توقع رکھتی ہو کہ یہ حقیقت جان کر بھی کوئی تم سے ہمدردی کرے گا۔ تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کرے گا۔" وہ چونک پڑی۔

"بے وقوف عورت تو چہرے سے جس قدر معصوم نظر آتی ہے۔ اتنی معصوم تو ہے کہاں۔ تُو تو ایک چڑیل ہے ایک ڈائن ہے۔ جس نے گناہ ہی عظیم کئے ہیں۔ عظیم اللہ تیرا استاد بھی تھا۔ تیرا دوست بھی تھا۔ تیرا ساتھی بھی تھا۔ حقیقت کیوں نہیں کہتی کہ تیرے دل میں رقابت پیدا ہو چکی تھی۔ تو نیرہ سے جلنے لگی تھی۔ تُو عظیم اللہ کو اپنی جانب ملتفت کرنا چاہتی تھی اور اس نے ایسا نہیں کیا۔ تو تُو نے اسے قتل کرنے کے بارے میں سوچا! اگر وہ تیرا محبوب ہوتا۔ تُو اسے چاہتی تو بھلا کیا اس کا دماغ نکالنے کی کوشش کرتی۔ تو نے تو بدترین گناہ کئے ہیں۔ مجھے تجھ سے نہیں عظیم اللہ سے ہمدردی ہے اور اس سے پہلے شاہ مراد کے بارے میں' میں برے انداز میں سوچتا رہا تھا۔ اب ایسی بات نہیں ہے۔"

"دیکھو۔ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں تو اپنے تجربے کی وجہ سے۔"

"تیرے تجربے کو چولہے میں جلا کر راکھ کیوں نہ کر دیا جائے۔ اس تجربے سے تو کیا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ کیا بنانا چاہتی تھی تو؟"

"ایک غلام۔ ایک محبوب۔ ایک ساتھی جو زندگی کے آخری لمحات تک ساتھ دے۔ پوری محبت پوری ہمدردیوں کے ساتھ۔" میراں بولی۔

"ہوں۔ گویا ساری دنیا میں تُو ایک واحد عورت تھی جو ان تمام چیزوں کو اپنے لئے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ بے وقوف عورت کھیل اس طرح ختم ہو جاتے ہیں۔ میں تیرا ایک پل بھی ساتھ نہیں دے سکوں گا۔" میں نے کہا اور اسی وقت مجھے اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی۔ وہ ساکت نگاہوں سے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ شاہ مراد تھا جو تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہوا مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"انصاف پسند ہو۔ انصاف کرنا جانتے ہو۔ انصاف سے کام لیتے ہو۔ بے شک تمہیں مجھ سے اتفاق ہے اور اب میں بھی تمہارے لئے نرم ہو گیا ہوں۔ تم بتاؤ یہ عورت اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ رحم کیا جائے۔ میرے دوست اسے اب بھی موقع ملے تو یہ اپنے تجربات کے لئے ایک خالی فریم حاصل کرے اور اس کی بعد زندہ اور مردہ انسانوں پر یہ اپنے تجربات کرنا شروع کر دے۔ اتنی ہی ظالم اتنی سنگدل ہے یہ۔ تم اس کے معصوم چہرے پر نہ جاؤ۔ تم اس کی الھڑ اداؤں پر نہ جاؤ۔ یہ صرف خود کو الھڑ ظاہر کرتی ہے۔ اصل

میں یہ سب کچھ ہے نہیں۔ میرے بارے میں سنو۔ جس طرح میری تخلیق ہوئی وہ تو میرے جسم سے تعلق رکھتی ہے۔ میرا بدن اس نے تیزاب میں جلا دیا لیکن میرا دماغ محفوظ ہے۔ مجھے اپنے اس وجود کو زندہ رکھنے کے لئے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر اس کا بندوبست کیا ہے۔ انسانوں کو جھوٹی تسلیاں دے کر ان سے بہت کچھ حاصل کیا جاتا ہے اگر انہیں سچ بتا دو کہ ان کی اصلیت کیا ہے تو کوئی بھی نہیں مانتا اور تمہیں برا بھلا کہہ کر چلا جاتا ہے۔ شاہ بڑے نامی جو شخص تھا وہ بھی فراڈ تھا۔ کچھ نہیں تھا اس کے پاس۔ اس نے بس طویل عرصے سے قبضہ جما رکھا تھا وہاں اور وہیں پر زندگی گزارتا تھا۔ میں نے بھی وہی عمل شروع کر دیا یہ ہے میری زندگی لیکن میرے دوست تم ایک ہمدرد انسان ہو۔ میں نہیں جانتا کہ تمہارا سلسلہ کیا ہے لیکن سنو۔ اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ جگہ تمہارے قابل نہیں رہی ہے۔ تم بالکل ہی کسی اجنبی جگہ کا سفر اختیار کرو۔ سمجھ رہے ہو نا وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم ان برائیوں میں کیوں پڑے ہوئے ہو۔ بے شک لوگوں کو تم سے فائدے پہنچ رہے ہیں لیکن ایک دن ایسا آئے گا کہ یہی لوگ تم کو جلا کر خاکستر کر دیں گے۔ دنیا اتنی ہی بری جگہ ہے۔ تم اپنا کام جس طرح کرتے آئے ہو اسی طرح کرتے رہو۔ ایک جگہ بیٹھ کر انتظار مت کرو مجھے بالکل انتظار مت کرو۔ جاؤ چلے جاؤ۔ تمہارا چلے جانا بہتر ہو گا۔" اس نے کہا اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔ مجھے علی یاد آیا لیکن نہ جانے کیوں طبیعت پر ایک بیزاری سی سوار ہو گئی تھی۔ میں نے گہری نگاہ شاہ مراد پر ڈالی اور پھر میراں کو دیکھا اور اس کے بعد شاہ مراد سے کہا۔

"ٹھیک ہے شاہ مراد۔ تمہارا مشورہ بالکل درست ہے۔ مجھے واقعی اب اس ماحول کو چھوڑ کر چلے جانا چاہئے۔" میراں نے روتے ہوئے کہا۔

"مجھے چھوڑ کر؟"

"تم سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے میراں۔"

"انسانیت سے بھی تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے؟"

اب اس بارے میں تم مجھ سے جو کچھ کہہ رہی ہو۔ خود اس پر غور کر لو۔ انسانیت سے تمہارا کتنا گہرا واسطہ ہے۔ ذرا مجھے یہ بھی بتا دو۔"

"دیکھو غلطیاں ہر انسان سے ہوتی ہیں۔ میں غلطی کر بیٹھی ہوں مجھے.......... مجھے جانے دو۔ عظیم اللہ مجھے جانے دو۔"

"نہیں۔ مجھے میرا چہرہ واپس دے دے۔ مجھے میری نیرہ واپس دے دے۔ مجھے میرا

جسم واپس دے دے۔ میں تجھے جانے دوں گا۔"

"وہ سب کچھ میں نہیں دے سکتی۔"

"تو میں تجھے نہیں جانے دے سکتا۔"

بہرحال یہ ان لوگوں کے درمیان کا تنازعہ تھا۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ میں نے وہاں سے نکل آنے ہی میں عافیت سمجھی۔ وہ تو خوش قسمتی تھی کہ شاہ مراد نے میرے اور میراں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں، میں نے میراں سے سخت رویہ اختیار کیا تھا اور شاہ مراد یا عظیم اللہ کے لئے اچھے الفاظ کہے تھے۔ حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ مجھے عظیم اللہ سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ بہرحال وہ بھی اس کے جرم میں برابر کا شریک تھا۔ جب اپنے اوپر بیتی تھی تو برا ہو گیا تھا اور اس کے بعد وہ شاہ مراد بن کر انسانوں کو دھوکہ دے رہا تھا۔ میں کم از کم یہ نہیں کر رہا تھا۔ سچے دل سے ان کے لئے دعائیں کرتا تھا اور یہ اللہ کا احسان تھا کہ میری یہ دعائیں پوری ہو جاتی تھیں اور ان لوگوں کو آرام آ جاتا تھا ان کو ان کے من کی مراد مل جاتی تھی لیکن یہ سب کچھ بھی کسی ایک جگہ ٹک کر کرنا مناسب نہیں تھا۔ چل پڑنا چاہئے۔ میں نے ایک راستہ اختیار کیا جو اس آبادی سے باہر کی سمت جاتا تھا اور پھر اس راستے پر چل پڑا۔

☆------☆------☆

سارے احساسات دل سے ہٹا دیئے تھے۔ سوچیں ہمیشہ راستہ روکتی ہیں۔ میں ان سوچوں ہی سے بچنا چاہتا تھا۔ چنانچہ چلتا رہا۔ نجانے کب تک یہ سفر جاری رہا۔ پورا دن گزر گیا تو رات کو ایک جگہ آرام کیا۔ پھر دوسری صبح کچھ پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ نے جگایا تو اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر چل پڑا۔ پتہ نہیں کون سے راستے تھے کون سا رخ تھا۔ بس چل رہا تھا۔ بھوک پیاس سے تھوڑی دیر کے لئے بالکل بیگانگی ہوگئی تھی۔ پھر ایک پتلی سی پگڈنڈی سے گزر رہا تھا کہ سامنے سے ایک بیل گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ کوئی دیہاتی تھا جس نے بیل گاڑی میں سبزیوں کا ڈھیر لاد رکھا تھا۔ بیل گاڑی میرے قریب آئی تو اس نے روکا اور بولا۔

"کہاں جارہے ہو بھائی۔ مسافر ہو؟ کسی بستی جارہے ہو؟"

"ہاں یونہی سمجھ لو' راستہ بھول گیا ہوں۔"

"کونسی جگہ جانا تھا؟"

"نام بھی بھول گیا ہوں۔"

"ارے کمال کرتے ہو بھیا! راستہ بھی بھول گئے۔ نام بھی بھول گئے تو پھر یاد کیا ہے؟" دیہاتی نے معصومیت سے کہا اور خود ہی ہنس پڑا۔ پھر جلدی سے بولا۔

"کہیں سہارن پور تو نہیں جارہے؟"

"سہارن پور۔ پتہ نہیں یہ کہاں ہے؟"

"اگر ادھر جارہے ہو تو چلو ہم تمہیں وہاں لے چلیں۔"

"بہت مہربانی۔ بڑی محبت تمہاری لیکن تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوگی۔"

"ایسا کرو۔ تم بیل گاڑی میں ہمارے برابر بیٹھ جاؤ۔ ہمارے سر پر بیٹھنے کی کوشش مت کرنا کہ ہمیں تکلیف ہو۔" اس نے اپنے طور پر مذاق کیا۔ خوش مزاج آدمی معلوم ہوتا تھا۔ میں مسکراتا ہوا اس کے پاس بیٹھ گیا اور دیہاتی نے بیل گاڑی آگے بڑھا دی۔

"گاجر کھاؤ گے؟" اس نے پیچھے رکھی ہوئی گاجروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اگر تم کھلاؤ گے تو کھالیں گے۔"

"ارے تم عجیب ہو بھیا! جو ہم کہہ دیں گے وہ کرو گے اور جو ہم نہیں کہیں گے وہ نہیں کرو گے۔"

"ہاں۔"

"کیوں؟ ایسی ہمارے اندر کیا خاص بات ہے؟" اس نے پیچھے ہاتھ بڑھا کر تین چار گاجریں اٹھائیں اور انہیں اپنے گلے میں پڑے ہوئے رومال سے صاف کرنے لگا۔ پھر اس نے ایک گاجر ہمیں پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بتایا نہیں ایسی کیا خاص بات ہے ہمارے اندر؟"

"تم ایک محبت کرنے والے دوست ہو۔ ایک ساتھی ہو۔ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھایا ہے۔ ورنہ مجھے نہ جانے کہاں تک پیدل جانا پڑتا۔ سفر کے لئے تم نے مجھے جگہ بتائی ہے۔ اب بتاؤ اتنے سارے احسان کئے ہیں تم نے مجھ پر اور میں تمہاری بات نہ مانوں۔"

"ارے واہ رے واہ بھیا! اتنے احسان تو ہم نے اپنے آپ پر بھی نہیں کئے جتنے تم نے ہمیں گنا دیئے۔ پر آدمی بڑھیا ہو۔ چکر بتاؤ' چکر کیا ہے کہاں سے آرہے ہو کہاں کا راستہ بھول گئے تھے؟"

"بھائی! سچ کہہ رہے ہیں پتہ نہیں۔ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جارہے ہیں۔" میں نے گاجر کھاتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے۔ بیوی سے لڑکر بھاگے ہو یا پھر ماں سے ناراض ہو کر گھر چھوڑا ہے۔"

"ہاں بس ایسا ہی سمجھ لو۔ اپنی تقدیر سے ناراض ہو کر گھر چھوڑ دیا ہے۔"

"ارے بھائی۔ دیکھو ہم ٹھہرے دیہاتی آدمی۔ چھوٹا سا بھیجہ ہے ہمارا۔ بڑی بڑی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ ویسے ہمارا نام پھیکا ہے۔ اماں ابا نے تو پتہ نہیں کیا نام رکھا تھا بس سارے لوگ ہمیں پھیکا کہتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں؟"

"حالانکہ تم بہت میٹھے ہو۔ تمہیں پھیکا کون کہتا ہے؟" میں نے گاجر چباتے ہوئے کہا۔

"ارے چھوڑو بھیا چھوڑو۔ گاجر میٹھی ہوگی ہم کہاں سے میٹھے ہیں۔"

"لوگ تمہیں پھیکا کہتے ہیں۔ تم برا نہیں مانتے ان کا؟"

"ارے نہیں بھیا! جو بھی کچھ کہتا ہے۔ پیار سے کہتا ہے اس میں برا ماننے کیا کیا بات ہے۔ ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام؟" میں ایک دم چونک پڑا۔ نہ جانے کتنے عرصے سے کسی نے میرا نام نہیں لیا تھا میں نے کہا۔

"میرا نام بابر علی ہے۔"

"ہیں۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیوں اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟"

"بابر تو بہت بڑا بادشاہ تھا بھیا! تم بادشاہ ہو؟"

"ہاں۔ سوتوں کا بادشاہ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر میں نے کہا۔ "تم سہارن پور رہتے ہو؟"

"نہیں۔ ہم تو دمڑی بستی کے رہنے والے ہیں۔ سبزیوں کے کھیت پر کام کرتے ہیں۔ سبزیاں سہارن پور جا کر بیچ آتے ہیں۔ اچھی چیز دیتے ہیں۔ اچھے پیسے لیتے ہیں۔ اب دیکھو نا یہ سبزیاں۔ گاجر کھائی تم نے؟"

"ہاں۔ واقعی ضرورت سے زیادہ ہی میٹھی ہے۔"

"ارے کیوں نہ ہوگی! ہم اسے اپنے پیار کی مٹھاس دے دیتے ہیں۔ پر ایک بات سمجھ لو بھیا! ہم سے اچھا بیوپاری اور کوئی ہے نہیں۔ نہ زیادہ منافع لیتے ہیں۔ نہ کسی کو تنگ کرتے ہیں نہ کم تولتے ہیں اسی لئے ہمارے اپنے لگے بندھے گاہک ہیں۔ اب سہارن پور پہنچیں گے سبزی لینے والے سبزی لینے آجائیں گے۔ نقد پیسے دیں گے ہمیں اور بھیا بس گھر کے لئے سامان لے کر اپنے گھر واپس چلے جائیں گے رات تک۔ ہم مغرب ہونے سے پہلے دمڑی پہنچ جاتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ بہت اچھی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"اور ایک بات بتائیں بھیا! بس دعائیں ہیں ماں باپ کی اور بس انہی کی دعاؤں سے اللہ بیڑا پار کر دیتا ہے۔"

"ٹھیک بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر پھیکا! بہت ہی خوشی ہوئی۔"

"تم یہ بتاؤ۔ تم سہارن پور میں کس کے پاس جاؤ گے؟" اس نے کہا۔ "لو۔ یہ دوسری گاجر لو ایک ہی سے لگے ہوئے ہو۔" میں نے دوسری گاجر اس کے ہاتھ سے لی اور کہا۔

"وہاں میرا کوئی نہیں ہے۔ بس کسی سرائے میں جا کر ٹھہر جاؤں گا۔"

"ارے کوئی نہیں ہے وہاں تمہارا؟"

"نہیں۔"

"تو پھر وہاں کیوں جا رہے ہو کوئی کام ہے کسی سے؟"

"ہاں۔ بس ایسے ہی۔"

"ہماری مانو' تو ہمارے ساتھ واپس آجاؤ۔ دمڑی میں ہمارے مہمان بن کر رہو کچھ دن' اچھے لگے ہو تم ہمیں۔ ہمارے اور بھی یار دوست ہیں وہاں۔ چھوٹا سا گاؤں ہے۔ سب ایک دوسرے سے محبت کرنے والے رہتے ہیں وہاں۔"

"بہت بہت شکریہ تمہارا لیکن مجھے سہارن پور میں کہیں اور بھی جانا ہے۔"

"مرضی ہے تمہاری۔" اس نے کہا اور تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔

"شادی ہو گئی بھیا تمہاری؟"

"نہیں۔"

"ماں باپ' بہن بھائی تو ہوں گے ہی؟"

"نہیں کوئی نہیں ہے۔"

"ارے واہ رے۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ مگر تم ہماری مان ہی کہاں رہے ہو۔ مان لو ہماری دمڑی واپس آجاؤ۔ ہمارے پاس۔"

میں ہنس کر خاموش ہو گیا یہ اس شخص کی محبت بھری پیشکش تھی۔ میں اسے کیا بتاتا کہ میں کون ہوں اور میری حیثیت کیا ہے۔ بہرحال پھر سہارن پور آگیا۔ اچھا خاصا شہر تھا۔ اس بیچارے کو منڈی جانا تھا۔ وہاں یہ اپنا کاروبار کرے گا۔ میں اسے تنگ کرنے کی کوئی وجہ نہیں رکھتا تھا۔ ایک جگہ اتر گیا اور اس نے بڑی محبت سے مجھے خدا حافظ کہا۔ پھر اپنی بیل گاڑی لے کر آگے بڑھ گیا۔ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جھونپڑا ہوٹل نظر آ رہا تھا۔ وہاں جا کر بیٹھ گیا اور ہوٹل کے مالک سے کھانا طلب کیا۔ دو روٹیاں اور ایک پلیٹ سالن۔ بس یہی کائنات کی سب سے بڑی مشکل ہوتی ہے اور اس مشکل کے حل کے لئے انسان نہ جانے کیسی کیسی مشکلوں سے نکلتا ہے۔ میں اپنے لئے کوئی مناسب جگہ نہیں پا رہا تھا۔ جھونپڑا ہوٹل کے سامنے وسیع و عریض میدان تھا جہاں گھنے درخت بکھرے ہوئے تھے۔ ٹھکانہ کوئی مشکل نہیں تھا۔ ایک فقیر قریب آتا ہوا نظر

آیا۔ مجھ سے کہنے لگا۔

"بابا! کھانا کھلا دو۔" میں نے اسے دو روپے دیئے اور وہ دعائیں دیتا ہوا ہوٹل کی جانب بڑھ گیا پھر میں سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ٹھکانہ حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی جگہ تو ضروری تھی۔ چنانچہ سب سے بہتر جگہ ریلوے اسٹیشن ہوتا ہے جہاں مسافر آرام بھی کرسکتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن کے مسافر خانے میں جاکر ایک بنچ پر لیٹ گیا اور باقی ساری رات وہیں گزار دی۔ صبح کو جیسے ہی سورج نے سر ابھارا آنکھ کھل گئی۔ ویسے بھی لکڑی کے بینچ پر بدن دکھ کر رہ گیا تھا۔ بینچ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک شخص نظر آیا۔ میلے کچیلے لباس میں ملبوس تھا۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ رک گیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"میں یہاں کسی سرائے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"ساری دنیا ہی سرائے ہے تم کیا سمجھتے ہو کوئی خاص جگہ تلاش کر رہے ہو؟"

"وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب! لیکن میں یہ کہنا چاہتا تھا۔"

"خاک کہنا چاہتے تھے۔ جھک مارتے رہے ہو اب تک۔ ایک سپاہی کا فرض کیا ہوتا ہے جانتے ہو؟" میں نے تعجب سے اسے دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

"کسی بھی جگہ قانون شکنی ہو رہی ہو تو اپنا فرض پورا کرو۔ قانون اسے اختیار اس لئے دیتا ہے چنانچہ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اتنی بڑی آبادیوں میں' کوئی بھی ٹھکانہ بنا لو۔ سرائے' سرائے تلاش کرنا چاہتے ہو۔ ارے بابا اپنا فرض تو پورا کرو۔ بس تلاش میں ہی لگے رہو گے۔"

"مگر جناب! میں اسی جگہ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"تو میں کیا کروں؟" وہ غرا کر بولا۔

"میں ان جگہوں کے راستے نہیں جانتا۔"

"تو مر کیوں رہے ہو یہاں؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"تیرا یہاں کوئی کام نہیں ہے بے وقوف! ریل میں بیٹھ وہ سامنے ریل آرہی ہے اور چلا جا جہاں کہیں تیرا دل کہے وہاں اتر جانا۔ لے پیسے نہیں ہیں تو یہ پیسے رکھ لے۔" اس نے کہا اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ کرنسی نوٹ میرے سامنے کر دیئے۔ میں نے کرنسی نوٹ اس کے ہاتھ سے لے لئے۔ پھر میں نے کہا۔

"لیکن آپ کون ہیں جناب! آپ کون ہیں؟"

"خاک۔ دھول' مٹی۔" اس نے کہا اور برق رفتاری سے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میں نے سامنے کی طرف دیکھا۔ ریل چلی آرہی تھی۔ میں شدتِ حیرت سے گنگ رہ گیا۔ حواس میں گم ہوگئے تھے۔ ذرا سا اس کی باتوں پر غور کیا تو پتہ چلا کہ معرفت کی باتیں ہیں۔ اشارہ کیا گیا ہے مجھے۔ ارے باپ رے باپ۔ میں بھلا اتنی بڑائی کا متحمل کہاں ہو سکتا ہوں۔ میں نے سوچا۔ تھوڑی دیر کے بعد ریل آکر رک گئی۔ میں نے جلدی سے ٹکٹ خریدا اور ریل میں جاکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ریل چل پڑی تھی میں نے مسافروں پر نگاہیں ڈالیں۔ زیادہ تر لوگ سو رہے تھے اور کچھ جاگ رہے تھے۔ تھوڑا سا وقت اور گزرا تو ناشتے' ناشتے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ریل کے ویٹر ٹرے لئے بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ لوگوں نے اٹھنا شروع کر دیا۔ نہ جانے کتنا وقت وہاں گزر گیا۔ پھر ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی۔ چیزیں بیچنے والے اندر آگئے اور میں ریلوے اسٹیشن کا بورڈ دیکھنے لگا۔ اس طرح اسٹیشن آتے رہے۔ ٹرین سفر کرتی رہی۔ تقریباً آٹھ یا نو گھنٹے سفر کے لئے گزرے ہوں گے کہ مجھے ایک اسٹیشن پر خیال پور کا بورڈ نظر آیا۔ دل نے بے اختیار کہا کہ یہاں اتروں اور دیکھوں کیا صورتحال ہے۔ چنانچہ میں خیال پور اتر گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اکا دکا افراد موجود تھے۔ بظاہر ایک چھوٹا ہی سا علاقہ معلوم ہو رہا تھا۔ نیچے اترا تو ایک شخص نے میری جانب بڑھ کر کہا۔

"پھول بابا کے نام پر کچھ چندہ دے دو بابا! پھول بابا کا عرس ہے۔"

"پھول بابا! کہاں ہے یہ؟"

"جھوٹ نہیں بول رہا صاحب! وہ دیکھو کپڑے پر لکھا ہوا ہے۔" میں نے اس طرف نگاہیں دوڑائیں تو لکھا تھا۔

"عرس پھول بابا صاحب۔"

"یہ لو۔" میں نے ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا پھر بولا۔

"مجھے ذرا مزار کا پتہ تو بتا دو۔"

"بس اسٹیشن سے نکلو گے الٹے ہاتھ پر چلے جانا۔ پھر چڑھائی آئے گی اور چڑھائی پر پھول بابا کا مزار ہے۔"

"یہ پھول بابا تو بہت بڑے بزرگ ہوں گے؟"

"ارے یہ پوچھ رہے ہو تم۔ کیا ان کی زیارت کو نہیں آئے؟"

"نہیں کبھی نہیں آیا۔"

"تو سنو۔ بچہ بچہ ان کا عقیدت مند ہے۔ کیا ہندو۔ کیا مسلمان کیا سکھ، کیا عیسائی۔ وہ ہر ایک کے کام آتے ہیں۔ مسلمانوں سے زیادہ بابا جی سب کے ہیں۔ ننگے پاؤں سارے کے سارے پھول بابا کے مزار پر جاتے ہیں۔ چادریں چڑھاتے ہیں منتیں مانگتے ہیں اور اللہ ان کی مرادیں پوری کرتا ہے۔ بڑا فیض ہے پھول بابا کا ہماری نگری میں۔"

"کیا نام ہے تمہاری نگری کا؟"

"ویسے تو کچھ اور ہی ہے لیکن یہاں کے رہنے والے پیار سے اسے پھول نگر کہتے ہیں۔"

"واہ۔ بورڈ تو کچھ اور ہی لگا ہوا ہے۔"

"کتنے ہی بورڈ لگا دو بابا.......... اصلیت تو اصلیت ہی ہوتی ہے۔ بورڈ لگانے سے کیا ہوتا ہے؟"

"بہت محبت تمہاری میں چل رہا ہوں۔" میں نے کہا اور آگے چل پڑا۔ پھر میں اس کے بتائے ہوئے پتے پر چلتا رہا۔ خاصا فاصلہ تھا۔ خوب سورج چڑھ گیا۔ تب میں پھول بابا کے مزار پر پہنچا۔ درحقیقت بہت ہی پُرنور مزار تھا۔ کسی قدر بلندی پر بنا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا لیکن جنگل میں ہی منگل ہو رہا تھا۔ دوکان داروں نے اپنی اپنی دوکانیں جما رکھی تھیں۔ جگہ جگہ زائرین کے خیمے نظر آ رہے تھے۔ صاحب حیثیت لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں آئے تھے اور اپنے ساتھ خیمے لائے تھے۔ ہر جگہ یہ چھوٹے چھوٹے خیمے نصب تھے اور جن کے پاس خیمے نہیں تھے انہوں نے گھنے درختوں کی چھاؤں میں پناہ لی ہوئی تھی۔ انہی کے نیچے چولہے جل رہے تھے۔ جگہ جگہ دھواں اٹھ رہا تھا۔ اینٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ لوگ چہل قدمی میں مصروف تھے۔ زیارت کرنے والے مزار پر آ جا رہے تھے اور ان کے چہروں سے عقیدت کا اظہار ہو رہا تھا۔ بہت سے مختلف لباس کے لوگوں کو بھی دیکھا جو ننگے پاؤں مزار میں آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔ ان کے چہروں پر عقیدت تھی۔ لگتا تھا کوئی صاحب کرامات شخصیت ہیں۔

مجھے بھلا کسی پناہ گاہ کی کیا ضرورت تھی۔ جہاں رات ہوتی وہیں شب بسری کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے میں بھی پھول بابا کے مزار کی جانب بڑھ گیا۔ میں وہاں زائرین کی کاروائیاں دیکھ رہا تھا۔ اب تک پہاڑوں والی سرکار پر یہی تمام کام دیکھے تھے لیکن وہ بالکل مختلف جگہ تھی۔ حقیقی بزرگوں کے مزارات پر جو رحمت برستی ہے۔ اس کا اپنا معاملہ ہی مختلف ہوتا ہے۔ یہاں باقاعدہ عرس ہو رہا تھا اور عقیدت مند عرس میں شریک ہونے کے لئے آئے تھے۔ بہرحال مزار سے کچھ فاصلے پر میں نے ایک جگہ منتخب کی اور گھنے درخت کے سائے میں جا بیٹھا پھر دوپہر ہوئی اور اس کے بعد شام۔ مزار سے مسلسل قوالیوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور بڑی بڑی خوبصورت آوازیں سننے کو مل رہی تھیں۔ میں خود بھی وہیں جا بیٹھا اور مجھ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ نہ جانے کیا کیا کچھ ہو رہا تھا۔ لنگر بٹ رہے تھے۔

رات ہو گئی۔ تقریباً دن بھر ہی یہاں لوگوں کے درمیان رہا تھا۔ اس وقت رات کے کوئی گیارہ بجے ہوں گے۔ چنانچہ میں نے سو جانے کا فیصلہ کیا اور ایک گھنے درخت کے نیچے پہنچ گیا۔ خیموں میں چراغ روشن تھے اور لوگ مختلف مصروفیات میں تھے۔ میں تھوڑی دیر کے بعد بازوؤں کا تکیہ بنا کر درخت کی ایک ابھری ہوئی جڑ پر سر رکھ کر لیٹ گیا کچھ سوچنے سمجھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا بس ایک عجیب سی بے چینی دل و دماغ میں رچی ہوئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ پھر نہ جانے کتنی دیر نیم خوابی کے عالم میں گزری تھی کہ اچانک ہی کوئی میرے اوپر آ کر گرا۔ پوری قوت سے وہ میرے سینے پر گرا تھا۔ زبردست چوٹ لگی اس کے ساتھ ہی آواز بھی نکل گئی۔ لیکن پھر فوراً ہی مجھے اپنے بازو میں ایک شدید درد کی لکیر محسوس ہوئی اور میرے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکل گئی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کسی نے میرے بازو میں خنجر اتار دیا ہو۔ میں شدتِ کرب سے تڑپنے لگا۔ دماغ نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ حواس قائم نہیں ہوئے تھے۔ حلق سے آزاد ہونے والی چیخ دوبارہ منہ سے نکلی اور اسی وقت چند افراد میری جانب دوڑے۔ وہ چیخ رہے تھے۔

"ارے پکڑو اس کتے کو۔ پکڑو اس ذلیل کو۔ پکڑ لو۔ پکڑ لو۔ مزار شریف کی حرمت بھی داغدار کرتا ہے۔ یہاں بھی چوری اور ڈاکہ زنی سے باز نہیں آتے یہ لوگ۔"

وہ شخص جو مجھ پر گرا تھا اٹھ کر بری طرح بھاگا۔ غالباً اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار تھا۔ اب یہ صرف اتفاق تھا کہ وہ میرے بدن سے ٹھوکر کھا کر گرا تھا اور ہاتھ میں دبا ہوا چاقو میرے بازو میں پیوست ہو گیا تھا۔ بہرحال وہ اٹھ کر بھاگا اور قلانچیں بھرتا ہوا تاریکی میں گم ہو گیا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی۔ زخم تکلیف دے رہا تھا اور اس سے مسلسل خون بہہ رہا تھا جس سے میرا ہاتھ بھیگ گیا تھا۔ لوگ میرے قریب ہو کر جمع ہو گئے اور کسی نے کئی بار ماچس کی تیلی روشن کی پھر ایک مٹی کے تیل کا لیمپ روشن ہو گیا اور اس کے بعد لوگ چیخنے چلانے لگے۔

"ارے اسے زخمی کر دیا ہے اس نے' زخمی کر دیا ہے۔ دیکھو' دیکھو' بھائی دیکھو۔ اماں مرزا صاحب! کیا کر رہے ہیں آپ' اِدھر سے اُدھر بھاگتے پھر رہے ہیں۔ جلدی سے فرسٹ ایڈ بکس لائیے وہ اس بیچارے کو زخمی کر گیا ہے۔" پتہ نہیں مرزا صاحب کون تھے۔ کیا تھے؟ بہت سے افراد میرے قریب آ گئے اور پھر میرے بازو کی مرہم پٹی ہونے لگی۔ وہ لوگ مجھ سے میرے زخم کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میں نے انہیں اپنے زخم کی تفصیل بتائی۔ تو پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہاں سو رہے تھے کیا؟"

"ہاں۔"

"خیمہ کہاں ہے تمہارا؟"

"نہیں ہے۔"

"آؤ۔ اٹھو میرے ساتھ چلو۔" یہ ایک بزرگ قسم کا آدمی تھا۔ اس نے مجھے سہارا دیا۔ کئی اور لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ مجھے لئے ہوئے تھوڑے فاصلے پر ایک خیمے میں پہنچ گئے اور پھر مجھے ایک بستر پر لٹا دیا گیا۔ یہ ایک بڑا سا گدا تھا اور کافی وسیع خیمے میں لگا ہوا تھا۔ خیمے میں اور بھی گدے پڑے ہوئے تھے جن پر یہ لوگ پہلے سو رہے ہوں گے لیکن اب تمام گدے خالی تھے اور ان پر سکڑی سمٹی چادریں نظر آ رہی تھیں۔ مٹی کے تیل کی لالٹین کی روشنی خیمے میں پھیل گئی اور ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

"ارے بیٹا! بہت زیادہ چکر تو نہیں آ رہے۔ اے نفیسہ! اے نفیسہ! جلدی سے ہلدی اور دودھ لاؤ۔ ہلدی ہے؟"

"ہاں اماں ہے۔"

"دودھ میں ڈال دو۔ گرم کر لینا۔" بوڑھی عورت کی آواز ابھر رہی تھی۔

"اماں! آپ ذرا ہٹیں۔ میں زخم دیکھوں کیا ہوا ہے؟"

"ارے او ڈاکٹرنی۔ اس وقت ڈاکٹری مت کر پہلے ہلدی دودھ پی لینے دے بچے کو۔"

"اماں آپ ہٹئے تو سہی پلیز!" لڑکی کی آواز سنائی دی اور کوئی میرے قریب بیٹھ گیا۔

"براہ کرم! آپ ذرا ہٹ جایئے۔ یہ گدا خراب ہو جائے گا خون مسلسل بہہ رہا ہے۔"

"خون۔" ایک اور نسوانی آواز ابھری۔

"بیٹھ جا بیٹا۔ بیٹھ جا گدا تو تجھ سے زیادہ نہیں ہے۔ بیٹھ جا۔" اس بار اس معمر شخص نے کہا۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟"

"سب اپنی اپنی لگائے جا رہے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ مجھے اپنا کام کر لینے دیں۔"

"بابا! پٹی باندھ دی گئی ہے۔"

"ایسے ہی پٹی باندھ دینے سے خون رک جائے گا کیا؟ دیکھوں تو سہی کس طرح سے زخم لگا ہے۔" لڑکی نے کہا اور میرے قریب بیٹھ گئی۔ کسی کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ بس وہ سب اپنی اپنی کر رہے تھے۔ بڑے ہمدرد لوگ معلوم ہوتے تھے۔ ہر ایک میرے کام آ رہا تھا۔ لڑکی نے مٹی کے تیل کا لیمپ قریب رکھا اور پھر وہ میرے زخم سے پٹی کھول کر پہلے کوئی چیز میرے زخم پر اسپرے کرنے لگی۔ اس کے بعد خون صاف کر کے کوئی مرہم لگایا اور پھر اس نے بڑی صفائی سے میرے بازو کی بینڈیج کر دی۔ اتنی دیر میں کوئی اور لڑکی دودھ کا گلاس لے آئی تھی۔ بزرگ کی آواز ابھری۔

"چلو۔ دودھ پی لو۔ جلدی کرو دودھ پی کر لیٹ جاؤ۔" آوازیں مسلسل آتی رہیں اور پھر بزرگ نے کہا۔

"ارے۔ خدا کی پناہ! کتنا خون نکل گیا۔ بہت زیادہ خون نکل گیا ہے۔"

"خون میں بھرا ہے پورے کا پورا گدا۔ چلو' کلثوم دوسرا بچھا دو۔"

"اور دوسری دری۔"

"تیسری آواز پھر نکلی۔" بزرگ نے بگڑ کر کہا۔ دودھ پلا کر انہوں نے مجھے لٹا دیا۔ میں نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"آپ لوگوں کو میری وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی۔"

"صبح اٹھ کر چار جوتے مار دینا ہمارے منہ پر اور چلے جانا۔ احسان اتر جائے گا۔" بزرگ نے کہا۔

"جی۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔" میں نے حیرانی سے کہا۔

"یار۔ اسے چپ رہنے دو اس وقت اس کا زیادہ بولنا اچھا نہیں ہو گا۔"

"ہاں۔ ماموں جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس بار لڑکی کی آواز ابھری۔

"چلو۔ ٹھیک ہے ایسا ہی سہی۔ چلو بیٹا آنکھیں بند کر لو اور ڈاکٹرنی صاحبہ نے نیند کا

انجکشن نہیں لگایا؟ اس وقت سونا ضروری ہے۔"

"جی۔ لگا دیا ہے آپ پلیز آنکھیں بند کر لیں۔" لڑکی کی آواز ابھری اور میں نے اس کی ہدایت پر آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ میں ہلکی سی سنسناہٹ ضرور ابھری تھی لیکن اسے غنودگی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بڑے سے خیمے میں اب بھی بہت سے افراد موجود تھے لیکن بزرگ آواز ابھری۔

"ایک آدمی بھی اگر بولا تو اچھا نہیں ہوگا۔ اسے سونے دو۔" میں نے کچھ نہ کہا لیکن تھوڑی دیر کے بعد عورت کی آواز سنائی دی۔

"سب ٹھیک ہے کام ہو گیا۔"

"ایں۔ کیا کام ہو گیا؟" بزرگ کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوہو۔ مطلب یہ کہ وہ سو گیا ہے۔"

"تو پھر سو گیا ہے تو تمہیں کیا۔ اور میں نے تو کہا تھا کہ کوئی آدمی نہیں بولے گا۔ تم کیوں بولیں؟"

"ارے بابا! آپ نے آدمی کہا تھا عورت تو نہیں کہا تھا۔"

"وکالت شروع کر دی یہاں پر' ہیں۔ میں کہتا ہوں فضول باتیں نہ کرو۔ خاموشی سے سب لوگ بیٹھ جاؤ۔ بیچارہ مصیبت کا مارا نہ جانے کس ماں کا لعل ہے۔"

"اور اس ماں کے لعل سے تم نے پورا گدا خراب کرا دیا۔" ایک اور آواز ابھری۔

"انسان ہے انسان۔"

"کیا چکر چلا رکھا ہے آپ لوگوں نے سونے نہیں دیتے دوسرے کو۔"

"تو سو جاؤ۔ باہر جا کر مر جاؤ۔ یہاں کیوں شور مچا رہے ہو۔ ارے میں کہتا ہوں کہ تم لوگوں نے کیا سننا چھوڑ دی ہے میری۔ حاجیانی! دیکھ رہی ہو ان بچوں کو۔ سارے کے سارے میرے منہ لگ رہے ہیں۔"

"آپ بھی تو بیگ صاحب سب پر کرفیو لگا رہے ہیں۔ ارے بابا بچے ہیں۔ وہ سو گیا نیند کی دوا دی ہے اسے اور بس۔"

"چلو۔ چلو ٹھیک ہے۔ اب خاموش ہو جاؤ۔"

"مگر ایک بات بتاؤ۔ اس کے بارے میں پتا کیسے چلے گا کہ کون ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے دوسرے ساتھی بھی کہیں آس پاس ہوں۔"

"تو کیا مر گئے تھے سارے کے سارے۔ وہ زخمی ہوا اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔"

بہت دیر ان لوگوں کی باتوں کو سنتا رہا۔ اندازہ یہ ہوا کہ کوئی چور یا لٹیرا تھا اور کچھ چھین کر بھاگا تھا کسی سے۔ ہاتھ میں چاقو تھا۔ مجھ سے پیر الجھا تو نیچے گرا اور چاقو میرے ہاتھ میں پیوست ہو گیا۔ پھر یہ ساری چیزیں ان لوگوں کے علم میں آئیں۔ آنے والے تو بہت تھے لیکن اس صورتحال کا ان لوگوں نے سب سے زیادہ نوٹس لیا۔ کردار بھی کچھ کچھ ذہن میں آ رہے تھے۔ کوئی حاجیانی صاحبہ تھیں اور کوئی بیگ صاحب تھے۔ باقی لوگ کون کون تھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ لیکن تھے مزے کے لوگ اور دلچسپ نظر آتے تھے۔ زائرین میں سے تھے اور انہوں نے اپنا خیمہ لگا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ ایک ڈاکٹر لڑکی بھی تھی۔ ہو سکتا ہے ہاؤس جاب وغیرہ کر رہی ہو لیکن بہرحال اندھوں میں کانی راجہ تھی۔ دماغ کی تھکن سے آہستہ آہستہ غشی سی طاری ہونے لگی اور پھر گہری نیند سو گیا۔ نہ جانے کب تک سوتا رہا۔ جب آنکھ کھلی تو پورا بدن کمبل سے ڈھکا ہوا تھا۔ ابھی گردن موڑنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ معمر شخص کی آواز سنائی دی۔

"حاجیانی! حاجیانی! جاگ گیا۔ ذرا سائرہ کو بلا لو۔"

"ابھی لائی۔" دوسری آواز ابھری اور میں نے گردن گھما کر اس عمر رسیدہ شخص کو دیکھا جو انتہائی ہمدرد انسان نظر آ رہا تھا۔ بڑی اچھی شکل صورت تھی۔ کوئی پینسٹھ سے ستر کے درمیان ہوگی۔ ممکن ہے اس سے بھی کچھ زیادہ ہو لیکن صحت بہت اچھی تھی۔ چہرے ہی نرم مزاج اور شریف النفس نظر آتا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو جلدی سے بولا۔

"ارے ارے کیا کر رہے ہو۔ کیا کر رہے ہو۔ بھئی بہت بہادر ہو۔ ہم نے مان لیا لیکن لیٹے رہو۔ لیٹے رہو۔ ہوا لگ گئی تو نقصان ہو جائے گا۔"

"میں، ٹھیک ہوں مرزا صاحب۔"

"ہاں ہاں آپ ٹھیک ہیں لیکن آرام سے لیٹے رہیے۔ ارے آپ کو ہمارا نام کیسے معلوم ہو گیا؟" معمر شخص نے کہا۔

"سب لوگ آپ کو مرزا صاحب کہہ کر مخاطب کر رہے تھے تو میں سمجھ گیا کہ آپ کو مرزا صاحب کہا جاتا ہے۔ حاجیانی صاحبہ بھی آپ کو مرزا کہہ کر ہی پکار رہی تھیں اور سائرہ بھی۔"

"ارے باپ رے باپ۔ ہمارے خاندان کے دوسرے افراد کے نام بھی بتا دیجئے آپ۔" مرزا نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔ مرزا نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اب یہ بتاؤ طبیعت کیسی ہے اور خود اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟"

"بابر علی ہے میرا نام۔"

"ماشاء اللہ! بابر علی! جو حادثہ تمہارے ساتھ پیش آیا ہے ہمیں اس پر بہت دکھ ہے۔ اصل میں وہ کوئی لٹیرا تھا کم بخت شاید پکڑا بھی گیا۔ بس ہوتا ہے بھائی ہوتا ہے۔ بڑے بڑے کمینے صفت لوگ ہوتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر بھی لوٹ مار کرنے کے لئے آجاتے ہیں۔ اب یہ بتاؤ تکلیف کیسی ہے؟"

"بس کوئی خاص نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے کاش! میں آپ کو اس کا صلہ دے سکتا۔"

"ہاں۔ ہاں دے سکتے ہو۔ دے سکتے ہو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ہم تم سے معاوضہ مانگ لیں گے تمہارے ساتھ کئے گئے سلوک کا۔" اتنی دیر میں حاجیانی صاحبہ ایک لڑکی کو لے کر آئیں۔ سفید شلوار قمیض میں ملبوس ایک خوبصورت چہرہ۔ دراز قامت شوخ مسکراتا ہوا چہرہ۔ اس کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس اور بسکٹوں کا پیکٹ تھا۔ وہ اندر آگئی۔

"سنا آپ نے حاجیانی جی! ذرا اپنے رشتے ناتے داروں کے نام پوچھ لیجئے آپ ان سے۔ یہ صاحب زادے سب کو جانتے ہیں۔ سب کا نام لے کر بتا رہے ہیں۔ اچھا ذرا بابر علی صاحب اس کا نام بتایئے؟" انہوں نے لڑکی کی طرف رخ کر کے کہا اور لڑکی ہنس پڑی پھر بولی۔

"قصہ کیا ہے یہ؟"

"بس کیا کہا جائے اس بارے میں حالانکہ کئی بار آپ کو سائرہ' سائرہ کہہ کر پکار چکے ہیں اور اس بات پر حیران ہیں کہ میں سب کے نام کیسے جانتا ہوں۔ آپ لوگ انہیں مرزا صاحب کہہ رہے ہیں۔ اب بتایئے بھلا! اس میں کون سی ایسی جانکاری کی بات ہے۔"

"ہاں۔ تایا جی بہت سادہ لوح ہیں بہت معصوم ہیں۔ چلئے آپ اٹھئے یہ چائے اور دودھ ملا ہوا ہے۔ نہ خالص دودھ ہے نہ خالص چائے۔ کچھ بسکٹ اس کے ساتھ کھا لیجئے تاکہ آپ کو انجکشن دے دیا جائے۔ خالی پیٹ دوا نہیں دی جا سکتی نا۔"

"آپ لوگ کتنے احسانات کریں گے مجھ پر؟" میں نے کہا۔

"یہ فیصلہ تو ابھی ہمیں بعد میں کرنا ہے۔ ابھی تو ان احسانات کو چلنے دیجئے آپ کو پتہ ہے بخار کتنا رہا ہے آپ کو اس دوران۔ میں آپ کا ٹمپریچر بھی لوں گی۔" اس نے کہا اور میں ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ اٹھ گیا۔ بخار کا آجانا ایک فطری بات تھی۔ چونکہ زخم بھی معمولی نہیں تھا۔ البتہ اس شخص کے بارے میں اب میرے ذہن میں بہت سے خیالات

آنے لگے تھے جس نے مجھے یہ زخم لگایا تھا۔ پتہ نہیں اس کے ساتھ لوگوں نے کیا سلوک کیا۔ بہرحال میں نے اٹھ کر دودھ اور بسکٹ لے لئے۔ اس وقت ان چند افراد کے علاوہ خیمے میں اور کوئی نہیں تھا۔ تھوڑا وقت اسی طرح گزر گیا۔ پھر میں نے کہا۔

"وقت کتنا ہو گیا سائرہ صاحبہ!"

"چار بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔" سائرہ نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھ کر کہا۔

"چار بج کر بیس منٹ شام کے۔"

"تو اور کیا؟"

"اوہو۔ اس کا مطلب ہے کہ میں بہت دیر سے آپ لوگوں کو تنگ کر رہا ہوں۔"

"ہاں۔ بہت دیر سے۔" اس نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا پھر کہنے لگی۔

"اگر یہ باتیں ذرا زور سے کریں نا آپ تو یہ ہمارے تایا صاحب جو ہیں نا وہ اس طرح اچھلیں گے کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ خوب برا مانیں گے آپ کی باتوں کا۔"

"اچھا اچھا سوری۔"

"میں چلتی ہوں آپ آرام کیجئے۔ ابھی آپ کو انجکشن دیا جائے گا اور چند دوائیں دی جائیں گی۔"

"میں بات کر سکتا ہوں ان سے ڈاکٹرنی صاحبہ!" مرزا صاحب نے سوال کیا۔

"جی بالکل بالکل لیکن بہتر ہے کہ ان کے سر میں تھوڑا سا دماغ باقی رہ جائے۔"

"ارے تیری ایسی تیسی ڈاکٹر کی بچی! بتاتا ہوں ابھی تجھے آ واپس آ۔" مرزا صاحب نے برابر رکھی ہوئی کوئی چیز ٹٹولتے ہوئے کہا اور سائرہ تیز رفتاری سے باہر نکل گئی۔

"ہاں۔ بیٹا! اکیلے ہی زیارت کے لئے آئے تھے یا خاندان ساتھ ہے؟ ویسے میرا خیال ہے خاندان ساتھ نہیں ہو گا ورنہ لوگ تمہیں تلاش کرتے ہوئے ضرور آتے۔"

"جی اکیلا ہی ہوں۔"

"کہاں رہتے ہو؟" انہوں نے سوال کیا۔

"بس بہت سی جگہوں پر رہتا ہوں۔ تھوڑا سا آوارہ مزاج ہوں۔"

"اچھا چلو خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ ایسے بزرگ کے مزار پر اگر کوئی ایسا حادثہ ہو بھی جائے تو انسان ہر ایک کا ہمدرد ہو جاتا ہے اور ویسے بھی یہ حقیقت ہے کہ اگر میں تمہیں نہ اٹھا کر لے آتا تو یہاں سب دل

والے ہیں۔ وہ تمہیں لے جاتے۔"

"آپ بہت مہربان انسان ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک انوکھا ہی خاندان ہے۔ سارے کے سارے ہمدردی سے بھرپور۔"

"ارے بس کیا بتائیں بیٹے مرزا قدس بیگ ہے ہمارا نام۔ بیوی کا نام شاہدہ ہے حج کر چکے ہیں ہم دونوں اور اللہ کے فضل سے میں تو تین حج کر چکا ہوں۔ میری بیوی حاجیانی کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ ویسے بڑی تیز طرار ہے عام عورتوں کی طرح شوہر کو بے وقوف سمجھتی ہے۔ انتہائی کنجوس ہے۔ بس یہ سب تو کنجوسی کے سب سے اعلیٰ منصب پر فائز ہے۔ یہ دونوں بچے جو تمہیں نظر آرہے ہیں۔ یعنی سائرہ اور سہیل' سہیل کو شاید تم نے نہیں دیکھا۔ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ آیا ہے اور انہی کے ساتھ کہیں اور مقیم ہے۔ دونوں بچے ہمارے مرحوم بھائی کے بچے ہیں۔ بیوی اور میاں دونوں ہوائی جہاز کے حادثے میں مارے گئے۔ لندن سے آرہے تھے کہ جہاز کریش ہو گیا۔ ان بچوں کو میں نے ہی پالا پوسا ہے۔ سائرہ ڈاکٹر بن چکی ہے اور سہیل انجینئرنگ کا امتحان پاس کر چکا ہے اور ان دنوں نوکری ڈھونڈ رہا ہے۔ بس ہم پھول بابا کے مزار پر ہمیشہ پھول نگر آتے ہیں اور یہاں سے دل کا سکون لے کر واپس جاتے ہیں۔ بہت بڑی سرکار ہے۔ یہ ہے ہماری کہانی اب بتاؤ۔ کچھ اور رہ گیا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے کہا اور مرزا صاحب تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"کیا رہ گیا ہے اب؟"

"آپ رہتے کہاں ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور مرزا صاحب سر کھجانے لگے پھر بولے۔

"ارے واقعی یہ تو ہم نے بتایا ہی نہیں۔ ہم سہارن پور کے رہنے والے ہیں۔"

"اور بھی کچھ رہ گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"پوچھ لو بھائی پوچھ لو۔"

"ایک اور لڑکی کی آواز سنی تھی میں نے وہ کون ہے؟"

"ارے بھائی! بڑا تیز آدمی ہے تو بھی یعنی نیم بے ہوشی کے عالم میں تمہاری ابزرویشن یہ ہے تو ہوش میں آکر کیا کرو گے۔"

"بس کچھ نہیں ایسے ہی آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ کے ساتھ ہنسنے بولنے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"اس لڑکی کا نام حرا ہے بس یوں سمجھ لو ہمارے ساتھ کام کرتی ہے۔ بہت اچھی بچی ہے۔" میں سمجھ گیا کہ حرا اس گھر کی ملازم ہے۔ اسی وقت سائرہ پھر واپس آگئی۔

"گڈ۔ تایا جان میں ایک خاص بات ہے بابر علی صاحب ایک لمحے میں دوست بنا لیتے ہیں مرد ہو۔ بچہ ہو۔ عورت ہو کچھ بھی ہو۔"

"اب آپ انہیں کیا کہیں گے؟" میں نے مرزا صاحب سے کہا۔

"کیوں؟"

"انہوں نے میرا نام لے کر مجھے پکارا ہے۔"

"بھئی۔ اب کسی کو کچھ نہیں کہیں گے۔"

"بہرحال چلو ٹھیک ہے۔ یہ گولیاں کھا لیجئے اور اپنا بازو ذرا آگے کر لیجئے۔" سائرہ نے مجھے انجکشن لگایا اور گولیاں پانی کے ساتھ مجھے دے کر بولی۔

"اب میں ذرا جا رہی ہوں تایا جی آپ ان کا خیال رکھئے گا۔ خون بہہ جانے کی وجہ سے خاصے کمزور ہو گئے ہیں اور زخم بھی گہرا ہے۔"

"ڈاکٹرنی صاحبہ اب مجھے اجازت دیجئے۔ کتنی دیر کا مہمان اور ہوں آپ کے پاس؟"

"کیوں کوئی تکلیف ہے یہاں؟"

"نہیں۔ لیکن آپ لوگوں کو کتنی تکلیف دوں۔"

"جب ہمیں تکلیف ہوگی نا تو ہم آپ کا ہاتھ پکڑ کر باہر چھوڑ آئیں گے اور کہیں گے کہ ہماری جان چھوڑ دیجئے۔ جب تک ہم آپ سے درخواست نہ کریں آپ اس قسم کا کوئی عمل نہ کیجئے گا ٹھیک ہے نا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔" مرزا صاحب نے کہا اور میں خاموشی سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ گھر کے تمام کرداروں سے تعارف ہو چکا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ لوگ واقعی بڑے نفیس لوگ ہیں۔ خاصا وقت گزر گیا۔ سب لوگ مجھے خیمے میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پھر تھوڑا وقت اسی طرح گزرا تھا کہ شاید سہیل آگیا اور وہ بھی مجھے دیکھنے کے لئے آیا۔ پھر باہر نکل کر کہنے لگا۔

"اماں! اس بیچارے کا زخم تو خاصا گہرا ہے۔ کب تک یہاں رہے گا؟"

"ارے جب تک ٹھیک نہیں ہو جائے گا۔ یہیں رہے گا جو اللہ دے گا وہ کھا لے گا۔ بیچارے کا زخم کتنا گہرا ہے۔" یہ حاجیانی صاحبہ کی آواز تھی۔ اسی وقت خیمے میں

روشنی ہوئی اور کوئی اندر داخل ہوا۔ مدھم سی روشنی میں میں نے ایک نسوانی وجود دیکھا لیکن چہرہ مکمل طور سے کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ ابھی وہ اندر آئی ہی تھی اور کچھ چیزیں اٹھا رہی تھی کہ سائرہ اس کے پیچھے پیچھے ہی اندر داخل ہو گئی اور اس نے کہا۔

"حرا! پلیز تھوڑا سا پانی گرم کر کے لے آؤ۔ میں ذرا زخم صاف کر کے بینڈیج کروں گی۔" وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ میری آنکھوں میں خود بخود ممنونیت کے آثار ابھر آئے تھے۔ میں نے کہا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ مجھ ناچیز کے لئے جو کچھ کر رہے ہیں۔ میں اس سے بڑی شرمندگی محسوس کرتا ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ کوئی کتنا ہی بے لوث کیوں نہ ہو۔ اگر اس طرح اپنائیت کے ساتھ یہ سلوک کرے تو............"

"بس بس جناب! آپ کی تقریر کچھ زیادہ لمبی ہو گئی۔ ویسے میں نے تو سنا ہے کہ آپ کا نام بابر علی ہے۔ یہ ناچیز کب ہو گئے۔ اوہ سمجھ گئی غالباً شاعری کرتے ہیں اور ناچیز تخلص کرتے ہیں۔"

میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔ "بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ آپ کو ان نیکیوں کا اجر دے۔"

"لیجئے۔ یہ کہنا کوئی معمولی بات ہے۔ جب آپ اللہ سے اجر دلوانے پر تل گئے ہیں تو پھر باقی کیا بات رہ جاتی ہے۔ واہ صاحب واہ۔ کمال کرتے ہیں۔ اچھا اب یہ بتایئے۔ زخموں کی تکلیف کیسی ہے؟" اس نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔

"اگر میں یہ کہوں گا کہ آپ جیسی مسیحا ہوں تو بھلا زخم کیا حیثیت رکھتے ہیں تو آپ۔"

"ہاں۔" اس نے فوراً ہی میری بات کاٹ دی۔ "تو میں محسوس کروں گی کہ آپ یا تو مجھے اپنے جال میں پھانسنے کے چکر میں یا پھر کچھ مکھن وغیرہ لگا رہے ہیں۔ ویسے مکھن لگانا آتا ہے آپ کو۔" بہت تیز تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔" وہ ہنس پڑی۔ اتنی دیر میں حرا پھر اندر داخل ہوئی۔ اس لڑکی کا چہرہ میں نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اس کے جسمانی نقوش اس قدر جاذب نگاہ تھے کہ اسے دیکھ کر میری نگاہیں جھک گئیں۔ ویسے ایک عجیب اور پُراسرار سا کردار تھا۔ سائرہ ہنس کر کہنے لگی۔

"سنا ہے حرا بیگم کہ بیماروں اور زخمیوں کے سامنے تو پردہ بھی نہیں کیا جانا چاہئے۔

لیکن آپ بڑی پردے کی بوبو ہیں۔ چلئے بیٹھیئے میری مدد کیجئے۔" اس کا چہرہ گردن تک ڈھکا ہوا تھا۔ موٹا کپڑا تھا اس لئے اس کے چہرے کا کوئی نقش نظر نہیں آیا تھا لیکن اس کے ہاتھ اس قدر خوبصورت تھے کہ انسان کی نگاہ اس پر جمے تو ان ہاتھوں کی خوبصورتی اپنی نگاہوں میں جذب کرے۔ وہ سائرہ کا ساتھ دیتی رہی اور سائرہ اس کے بارے میں بتاتی رہی۔

"حرا بی بی! بہت زیادہ پردہ نشین ہیں۔ آپ یقین کریں کہ غیر عورتیں تک ان کی صورت نہیں دیکھ سکتیں اور پھر ہمارے والد صاحب جو ہیں نا قبلہ میرا مطلب ہے تایا جان! باپ ہی کا درجہ رکھتے ہیں ہمارے لئے تو یہ ہمارے والد صاحب حرا بی بی کی پردہ نشینی سے بے پناہ خوش ہیں بلکہ لوگوں کو یہ عجوبہ دکھاتے ہیں کہ دیکھو بھائی! اس زمانے میں بھی ایسی ایک شخصیت موجود ہے۔"

سائرہ حرا کے بارے میں اور بھی بہت کچھ کہتی رہی۔ بڑی شگفتہ مزاج لڑکی تھی لیکن میرا ذہن ان باتوں میں کھویا رہا اور پھر میں نے خود پر کئی بار لعنت بھیجی۔ کیا حماقت تھی یہ۔ ایک اچھی لڑکی ہے پردہ نشین ہے۔ میں اس کے بارے میں اس انداز میں کیوں سوچ رہا ہوں؟ بہرحال سائرہ نے میرا زخم وغیرہ صاف کیا اور بہت سے مشورے دیتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ پھر کچھ اور وقت گزر گیا۔ کئی بار حرا خیمے میں آئی تھی۔ ادھر سہیل بھی واپس آگیا اور یہ سارے کے سارے لوگ بڑے ہنس مکھ تھے۔ کافی حد تک ان کے بارے میں بات مجھے معلوم ہو گئی تھی۔ وہ پھول بابا کے بڑے عقیدت مند اور بہت عقیدت سے یہاں آیا جایا کرتے تھے۔ وقت نے کچھ تیزی سے کام آگے بڑھایا۔ اس دوران میری خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ حرا آتی تھی بلکہ اب میرے زیادہ تر کام وہی کرنے لگی تھی۔ ایک بار بھی میں نے اس کے منہ سے آواز نہیں سنی تھی۔ وہ بالکل خاموش رہتی تھی۔ دوسرا اور تیسرا دن بھی گزر گیا۔ ان بہت اچھے لوگوں کے درمیان میری حیثیت بہت عجیب سی تھی۔ لیکن اس دوران میں نے کچھ اور بھی محسوس کیا۔ ایک دوبار جب میں راتوں کو جاگا تو میں نے حرا کو مضطرب انداز میں ٹہلتے ہوئے دیکھا اس دوران کئی بار میں نے براہ راست اس کا نام لے کر اس سے اپنے کام کرائے تھے۔ وہ بڑی خوش دلی سے میرے ہر کام کو کر دیا کرتی تھی لیکن اس دوران بھی ایک بار میں اس کی آواز نہیں سن سکا تھا۔ بہرحال پھر سائرہ نے بینڈیج کھول کر میرا زخم دکھایا اور فخریہ انداز میں مرزا صاحب سے بولی۔

"جناب تایا جان! آپ ہمیں ڈاکٹر نہیں سمجھتے۔ دیکھ لیجئے آپ ہماری ڈاکٹری۔ تین

دن میں زخم بھر دیا ہے۔ کوئی کر کے تو دکھا دے۔"

"مان گئے بابا مان گئے۔"

"تو اب مجھے اجازت مل جائے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"لیجئے جناب! کہاں کی اجازت چاہتے ہیں آپ؟"

"وہ بس ذرا.......... باہر۔"

"ہاں ہاں باہر تک کی تو کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ آہستہ آہستہ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔"

"غسل کر سکتا ہوں؟"

"ضرورت محسوس کرتے ہیں تو کر لیجئے لیکن زخم پر پانی نہیں لگنا چاہئے۔ میں ایسا کرتی ہوں زخم پر پلاسٹک بینڈیج کر دیتی ہوں۔ نہانے کے بعد آپ اسے اتار لیجئے۔"

"کیا یہاں اس کا بندوبست ہے؟" مرزا صاحب نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے کر دو۔ درحقیقت بیچارے کو یہاں بڑی کوفت ہوتی ہوگی۔" مرزا صاحب نے کہا۔

"نہیں مرزا صاحب۔ براہ کرم ایسی باتیں نہ کیجئے۔ میں تو صرف یہ سوچتا ہوں کہ تقدیر نے پتہ نہیں کیوں میرے اوپر مہربانی کی کہ مجھے اتنے اچھے گھر میں بھیج دیا۔ آپ لوگ یقین کیجئے کہ جب میں یہاں سے جاؤں گا تو پتہ نہیں کتنے عرصے تک میرا دل یہیں لگا رہے گا۔"

"ارے تو میرے پیارے بھائی! کیا ہم لوگ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ کسی ایک کو دو وقت کی روٹی بھی نہیں کھلا سکیں۔ تم ہمارے پاس ہی رہ سکتے ہو۔" میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ سائرہ نے میرے زخم پر پلاسٹک بینڈیج کر دی تو میں نے غسل کیا۔ ویسے بھی زخم معمولی حیثیت رکھتا تھا لیکن یہ سب کچھ بڑی محبت کے ساتھ کیا جا رہا تھا اس لئے بلاوجہ ہی بیمار بن گیا تھا۔ مرزا قدس بیگ بھی میرے ساتھ ہی باہر نکل آئے اور پھول بابا کے مزار شریف کی جانب چل پڑے۔ خوب چہل پہل تھی میلہ لگا ہوا تھا۔ لوگ آ رہے تھے۔ جا رہے تھے۔ مرزا کے پاس بھی خوب رونق تھی۔ سائرہ نے مجھے بہت سی ہدایات کی تھیں لیکن مجھے نہ تو کوئی کمزوری محسوس ہو رہی تھی اور نہ ہی زخم میں تکلیف تھی۔ چنانچہ میں مزار کے احاطے میں پہنچ گیا اور پھر ہم لوگ جوتے اتار کر عقیدت سے مزار کے

اندرونی حصے میں داخل ہو گئے۔ بہت سے لوگ موجود تھے۔ پھول اور چادریں چڑھائی جا رہی تھیں۔ عورتیں بچے سب ہی تھے۔ میں بھی ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر تک ہم لوگ اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتے رہے۔ اچانک ہی مجھے مرزا صاحب غائب نظر آئے۔ میں نے حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر میں بری طرح چونک گیا۔ کچھ فاصلے پر حرا نظر آ رہی تھی۔ اس وقت بھی اس کا چہرہ پوری طرح ڈھکا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ بلند کئے دعا مانگ رہی تھی۔ میں سکتے کے عالم میں رہ گیا۔ میرا دل جیسے بند بند سا ہو گیا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ آگے بڑھوں اس سے بات کروں لیکن ایسا نہ کر سکا۔ تبھی مرزا صاحب میرے قریب آ گئے اور بولے۔

"میاں! دعا پڑھ لی کیا؟"

"جی!" میں نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"رکو گے یا یہاں سے چلو گے؟"

"جیسا آپ کہیں۔ وہ شاید حرا۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا تو مرزا صاحب کی نگاہیں بھی اس طرف پڑیں۔ حرا چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بعد اس طرف پلٹ رہی تھی۔

"وہ حرا ہے نا؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"وہ میرا مطلب ہے اکیلی۔"

"کوئی بات نہیں۔ آتی رہتی ہے۔ آؤ چلیں۔" مرزا صاحب نے لاپرواہی سے کہا اور ہم دونوں واپس چل پڑے۔ راستے میں' میں نے کہا۔

"حرا کون ہے مرزا صاحب! آپ نے مجھے سب کے بارے میں بتا دیا ہے اس کے بارے میں نہیں بتایا۔ آپ کہہ رہے تھے وہ آپ کے ہاں نوکری کرتی ہے۔"

"ارے نہیں' ارے نہیں۔ وہ ہمارے لئے بالکل سائرہ جیسی ہے۔"

"مگر کون ہے وہ؟"

"سچی بات یہ ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔" مرزا صاحب نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بس۔ ہسپتال میں داخل تھی۔ سائرہ کو مل گئی۔ بیمار تھی کوئی نہیں تھا اس کا۔ لاوارث تھی۔ سائرہ اسے اپنے ساتھ لے آئی اور اپنے گھر پر رکھ لیا۔ دنیا میں اس کا کوئی

نہیں ہے اور اب تو وہ بالکل گھر کی ایک فرد ہو گئی ہے۔ ہماری طرف سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اسے۔ ہم تو اس سے چھوٹے موٹے کام بھی نہیں لینا چاہتے لیکن وہ خود ہی مصروف رہنے کے لئے کام کرتی ہے۔ بہر حال یہ حرا کی کہانی تھی۔"

لیکن اس کی پُراسرار شخصیت بدستور پُراسرار رہی تھی۔ بہر حال پھر اس کے بعد اس کی پُراسرار شخصیت پر ایک ایسا وار ہوا کہ ہم لوگ ہل کر رہ گئے۔ ایک دن اچانک ہی رات کے وقت حرا کی دلدوز چیخیں سنائی دی تھیں اور ہم سب جاگ گئے تھے۔ قرب و جوار میں بہت سے خیمے لگے ہوئے تھے۔ وہ لوگ بھی چونک کر اٹھ گئے تھے اور پھر طرح طرح کی باتیں کرنے لگے تھے۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ حرا کبھی کبھی باہر نکل جاتی ہے۔ میں نے اسے اکیلے مزار پر بھی جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ دو آدمی دوڑتے ہوئے ہمارے پاس آ گئے۔

"بھاگ گیا جناب' بھاگ گیا۔ کسی بھی قیمت پر وہ مسلمان نہیں تھا۔ ہندو تھا۔ کوئی جٹا دھاری سادھو کم بخت اس بیچاری لڑکی کو زبردستی اٹھا کر لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے تو اسے کندھے پر بھی رکھ لیا تھا لیکن وہ چیخی اور جدوجہد کر کے نیچے اتر گئی تو وہ بھاگ گیا۔ بڑی خونخوار شکل کا مالک تھا۔" یہ باتیں پڑوس کے خیمے والوں نے بتائیں جو اس وقت جاگ رہے تھے۔ فوراً ہی حرا کو دیکھا گیا۔ سہمی ہوئی چڑیا کی طرح ایک کونے میں دبکی ہوئی بیٹھی تھی لیکن چہرہ اب بھی ڈھکا ہوا تھا۔ مرزا قدس بیگ ششدر رہ گئے۔ سہیل وغیرہ بھی شدید حیران تھے۔ مرزا صاحب نے کہا۔

"یہ پہلا واقعہ ہوا ہے۔ وہ کم بخت کون تھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی ہندو سادھو تھا۔ بظاہر تو کسی ہندو سادھو کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ویسے آ جاتے ہیں کبھی کبھی عقیدت مند ہندو بھی لیکن سادھوؤں کا مسئلہ ذرا مختلف ہے اور ویسے بھی ان لوگوں کو کیسے پتہ چلا کہ وہ ہندو ہے؟" صبح کو ان سے معلومات حاصل کی گئیں تو وہ اس کے بارے میں تفصیل بتانے لگے۔

"اوپری بدن ننگا تھا۔ گلے میں مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ ماتھے پر تلک لگا ہوا تھا۔" اور پھر جو حلیہ انہوں نے بتایا اچانک ہی میرے ذہن پر ایک شدید بوجھ طاری ہو گیا۔ یہ تو بڑی عجیب بات تھی۔ بہت ہی عجیب اور سنسنی خیز۔ ایک لمحے کے لئے میرے سر میں چکر آ گیا تھا۔ طویل عرصے کے بعد منگلہ سن کی شکل و صورت سامنے آئی تھی۔ میں ان لوگوں سے اس کے بارے میں سوالات کرنے لگا اور پھر میرے ذہن میں وہی شخص ابھر آیا۔ حلیہ

منگلہ سن کا ہی تھا۔ مگر منگلہ سن یہاں کہاں سے آ گیا؟ آہ۔ کیا وہ میرے پیچھے آیا ہے؟ کیا اتنے عرصے کے بعد میری اور اس کی ملاقات ہونے والی ہے؟ لیکن اگر وہ منگلہ سن تھا تو پھر حرا کو کیوں اٹھا کر لے جا رہا تھا۔ مرزا صاحب کی آمد نے سارے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ مرزا صاحب پریشان تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کوئی بدمعاش اس لڑکی کو اٹھا کر لے جانے کے چکر میں ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ مجال نہیں کسی کمینے کی جو ایسا کر کے دکھا دے۔" سہیل بھی جذباتی ہو گیا تھا اس نے کہا۔

"جس طرح سائرہ میری بہن ہے اسی طرح حرا بھی۔ ہم اس کی حفاظت کریں گے۔"

"بھائی! ہم تو کہتے ہیں کہ بس چلو چلتے ہیں۔ بہر حال ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اب عرس بھی ختم ہونے والا ہے۔"

"دیکھیں گے کوئی کیا کر سکتا ہے ہمارا۔ عرس ختم ہونے کے بعد ہی جائیں گے۔"

بہر حال رات ہو گئی کھانا وغیرہ کھایا گیا۔ سائرہ اور سہیل نے صورتحال کو نارمل کرنے کے لئے خوب شرارتیں کیں اور کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ میں ان سب کے ساتھ شریک تھا لیکن اپنے طور پر میں الجھا ہوا تھا۔ آخر یہ منگلہ سن یہاں کیوں آیا ہے۔ ایک بے چینی سی دل و دماغ میں پیدا ہو رہی تھی۔ پھر رات ہو گئی اور دیر تک سب باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے لیکن میری بے چینی کم نہیں ہوئی۔ خاصا پریشان تھا میں چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔

باہر خیموں کے احاطے میں دوسرے لوگ بھی گہری نیند سو رہے تھے۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بہت فاصلے پر مزار شریف پر قوالیاں ہو رہی تھیں۔ قوالوں کی آواز ہوا کے دوش پر آ رہی تھی۔ میں بے مقصد گھومتا رہا۔ منگلہ سن اگر یہاں موجود ہے تو ممکن ہے میرے سامنے آئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا قصہ ہو سکتا ہے۔ یہ صرف اتفاق ہے یا پھر وہ میرے ہی پیچھے پیچھے یہاں تک آیا ہے۔ بہت عرصے کے بعد اس کا نام سامنے آیا تھا۔ باقی لوگوں سے تو چھٹکارہ مل گیا تھا لیکن منگلہ سن کا چکر اور تھا۔ منگلہ سن کے تصور کی ساتھ ساتھ نیل کنول بھی ذہن میں ابھر آئی لیکن اب وہ ماضی کا ایک قصہ بن چکی تھی۔ میرے دل میں اب بھی اس کے لئے وہی محبت وہی پیار موجود تھا لیکن میں کیا کرتا۔

صورتحال بڑی عجیب و غریب تھی۔ میں کافی دیر تک چلتا رہا اور اس کے بعد واپس خیمے کے باہر پہنچ گیا۔ خیمے سے کچھ فاصلے پر کسی سائے کو متحرک دیکھا تو ایک دم رک گیا اور پھر میں نے اس پر نگاہیں جما دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے پہچان بھی لیا۔ وہ حرا تھی۔ وہ خاموش سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا میرے قدموں کی چاپ سن کر اس کے پورے بدن میں تھرتھراہٹ شروع ہو گئی۔ لیکن اس کا چہرہ سامنے نہیں آیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

"نہیں حرا۔ میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔ میں تمہارے بارے میں بالکل نہیں جانتا لیکن اس کے باوجود اگر تم اس بات سے خوفزدہ ہو کہ کسی نے تمہیں یہاں سے اٹھانے کی کوشش کی تھی تو اطمینان رکھو اب ایسا نہیں کر سکے گا کوئی اور ایسا کرنے والے کو میں زندہ درگور کر دوں گا۔ میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔" اچانک ہی میں نے حرا کی سسکیاں سنیں۔ وہ بری طرح سسک رہی تھی۔ میرا دل پگھلنے لگا۔ اس کا درد نہ جانے کیوں مجھے اپنے سینے کا درد لگ رہا تھا۔ وہ سسکتی رہی اور میں بے اختیار آگے بڑھ گیا۔ میں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ تو وہ ایک دم جھینپ کر کھڑی ہو گئی۔

"حرا! ڈرو نہیں۔ ڈرو نہیں کاش میں تمہاری مدد کر سکتا۔ تمہیں کیا دکھ ہے حرا تم کون ہو؟ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے تمام دکھوں کو دور کر دوں۔ میں نے تمہیں مزار پر بھی دیکھا تھا تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہے۔ نہ جانے کیا کہانی ہے تمہاری۔"

مجھے احساس ہوا کہ حرا مسلسل رو رہی تھی۔ پھر اس نے قدم آگے بڑھائے اور واپس چلی گئی۔ وہ خیمے میں پہنچ گئی تھی۔ میں بڑی دیر تک اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ نہ جانے کیوں میں دنیا سے بے خبر ہوتا جا رہا تھا۔ دل کی دھڑکن بری طرح بے ترتیب ہو گئی تھی۔ ایک بالکل اجنبی احساس میرے دل میں جاگا تھا۔ پتہ نہیں بے چاری کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔ بہرحال بہت دیر کھڑا یہی بات سوچتا رہا کہ اچانک ہی ایک چیخ کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد میں نے اس خیمہ گاہ میں شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے جو مرزا قدس بیگ کی تھی۔ چند ہی گز کا فاصلہ تھا لیکن آگ اس طرح بھڑکی تھی کہ ایسا لگتا تھا کہ پوری خیمہ گاہ اور اس کے احاطے میں پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی ہو۔ ایک چیخ کے بعد چاروں طرف سے چیخیں ابھرنے لگیں اور ہم سب وحشت زدہ ہو گئے۔ قرب و جوار میں موجود لوگ آگ بجھانے کے لئے دوڑ پڑے۔ ہر طرف کوشش کی جا رہی تھی۔ میں

شدید خوف زدہ تھا پتہ نہیں ان بے چارے لوگوں پر کیا گزری لیکن خدا کا شکر تھا کہ مرزا قدس بیگ اور ان کے اہل خاندان بچ گئے تھے البتہ ان کا تمام ساز و سامان جل گیا تھا۔ مرزا قدس بیگ نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"دھت تیرے کی کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ چلو ٹھیک ہے بھئی اللہ کی یہی مرضی اب تو یہاں رک نہیں سکتے۔ تیاریاں کرو واپسی کی۔" مجھے نہ جانے کیوں شدید دکھ تھا۔ دل کے ایک گوشے میں یہ خیال بھی پیدا ہو رہا تھا کہ ممکن ہے یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہو۔ منگلا سن کی شکل یاد آ گئی تھی اور یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ بدبخت یہاں پہنچ چکا ہے۔ آخر کار وہ سب چلے گئے۔ مرزا قدس بیگ نے مجھ سے کہا تھا۔

"بیٹے! ایک حادثے کے تحت تم سے ملاقات ہوئی تھی لیکن پتہ نہیں کیوں تم رینگتے ہوئے دل تک آ گئے۔ چلنا چاہو تو ہمارے ساتھ ہی چلو۔ ورنہ جب بھی کبھی موقع ملے تو گھر آنا ہم تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔"

نہ جانے کیوں دل میں ایک کھرچن سی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے جاتی ہوئی حرا کو دیکھا۔ اس نے بھی دو تین بار مجھے پلٹ کر مجھے دیکھا تھا۔ کاش! اس وقت ہی وہ اپنے چہرے کے نقوش سے مجھے روشناس کرا دیتی لیکن ایسا ہو نہیں ہوا تھا۔ وہ چلی گئی اور میرا دل ویران و پران سا ہو گیا۔ خیمہ گاہ کی جگہ اب جلی ہوئی چیزوں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ میں وہاں سے نکل کر مزار کے عقب میں پہنچ گیا اور ایک گوشے میں اپنے لئے جگہ بنا لی۔ یہاں بھی ڈیرے موجود تھے۔ انسان ہر جگہ اپنے لئے آرام گاہ بنائے ہوئے تھے۔ ایک جگہ زمین پر لیٹ گیا۔ دل بھرا آ رہا تھا۔ بے کلی ساتھ نہیں چھوڑ رہی تھی۔ بہرحال نہ جانے یہ کیا ہو رہا ہے اتنا بے اختیار کیوں ہو گیا ہوں۔ اس دشت ویراں میں کسی کا بسیرا نہیں ہونا چاہئے۔ بس زندگی کا کوئی محور نہیں رہا ہے۔ نہ جانے کیا کیا خیالات دل سے گزرتے رہے۔ پھر اس دن کوئی شام کے پانچ بجے ہوں گے۔ آس پاس کے لوگ موجود تھے اور سب اپنے مشاغل میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک ہی عقب میں ایک سایہ نظر آیا۔ پلٹ بھی نہیں پایا تھا کہ ایک ضرب سی شانے پر لگی اور لڑکھڑا کر نیچے گر پڑا پھر اچانک ہی شور مچا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک نوجوان آدمی کو اپنے سر پر پایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا تھا اور آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اس نے ڈنڈا دونوں ہاتھ سے بلند کر کے میرے سر کا نشانہ لیا لیکن لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"کیوں مار رہا ہے۔ کیا ہو گیا؟ کیا ہو گیا؟" اور پھر بہت سے لوگوں نے اس نوجوان شخص کو پکڑ لیا اور خود اسے مارنے لگے۔ نوجوان کو انہوں نے مار مار کر نیچے گرا دیا تھا۔ میں نے جلدی سے اس پر اپنے ہاتھوں کا سایہ کیا اور اسے لوگوں کی مار سے بچا لیا۔ دفعتاً ہی نوجوان اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھے دھکا دے کر اس نے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ میں حیران سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ نہ جانے کون تھا۔ شکل و صورت تو اچھی خاصی تھی اور اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ لیکن کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آسکی۔ پھر لوگ مجھ سے اس بارے میں پوچھنے لگے۔ میں نے ان سے بھی کہا کہ پتہ نہیں وہ مجھے کیوں مارنا چاہتا تھا۔ بہرحال بات آئی گئی ہو گئی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

پھر رات کو کوئی نو بجے ہوں گے۔ مزار شریف پر قوالیاں ہو رہی تھیں۔ میں وہیں سے بیٹھا قوالیاں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ آواز واضح نہیں تھی۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر کوئی آ کر بیٹھ گیا۔ کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور عجیب سا انداز تھا یہاں فقیر اور درویش تو بے پناہ تھے اور اپنے اپنے معمولات میں مصروف رہتے تھے لیکن دن میں میرے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس نے مجھے ہوشیار کر دیا تھا۔ میں محتاط انداز میں اس کمبل پوش کو دیکھنے لگا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دفعتاً ہی وہ اپنی جگہ سے ہٹا اور کمبل پھینک کر مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میں ایک لمحے کے لئے تو بھونچکا رہ گیا تھا لیکن دوسرے لمحے میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس سے پہلے کہ میں اس پر کوئی وار کرتا۔ اس نے میرے پاؤں پکڑ لئے اور اپنا سر میرے قدموں میں رکھ دیا۔ میں نے اس کے رونے کی آواز سنی تھی اور حیران رہ گیا تھا۔ وہ بڑی مضبوطی سے میرے پاؤں پکڑے ہوئے زار و قطار رو رہا تھا۔ میں نے بمشکل تمام اسے اپنے پیروں پر سے ہٹایا اور بولا۔

"میں نے تمہیں پہچان لیا ہے دوست! مگر سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم نے مجھ پر حملہ کیوں کیا تھا بات اگر سمجھ میں آجاتی تو میں یقینی طور پر تمہارے بارے میں کچھ کرتا۔ بتاؤ کیا بات ہے۔" بمشکل تمام اس کی سسکیاں رک سکی تھیں۔ میں نے اسے بہت ہی محبت سے بٹھایا اور کہا۔

"اس دشمنی کی وجہ بتا دو۔"

"خدا کی قسم میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ بس یوں سمجھ لو۔ بدنصیب انسان ہوں تقدیر نے اس کھیل میں بھی ناکام کر دیا لیکن اپنی اس ناکامی پر بھی بے حد خوش ہوں۔" میں حیران نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اس سے معلوم کروں کہ اس کی

مشکل کیا ہے۔ اس خیال سے میں اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔

کچھ دیر تک مکمل خاموشی طاری رہی پھر میں نے کہا۔ "ایک بار پھر میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ کم از کم بتا تو دو قصہ کیا ہے۔"

"لالچ میں آ گیا۔ بس لالچ میں آ گیا تھا۔ کیا بتاؤں بھائی بڑی پریشانیوں کا شکار ہوں۔ دو نوجوان بہنیں ہیں۔ ماں باپ مر چکے ہیں۔ یہاں سے کافی فاصلے پر ایک آبادی میں رہتا ہوں۔ بمشکل تمام بہنوں کے رشتے طے ہوئے تھے۔ جانتے ہو محنت کر کے انہیں پڑھایا لکھایا تھا انٹر پاس ہو گئیں۔ خوش نصیبی تھی کہ اچھے گھرانوں کے لڑکے مل گئے۔ رشتہ بھی آ گیا بات چیت بھی طے ہو گئی۔ کسی نہ کسی طرح ایک حد تک تو لے آیا لیکن اس کے بعد کہیں سے کوئی انتظام نہیں کر سکا۔ کوئی انتظام نہیں کر سکا۔ وہ بدبخت خدا اسے غارت کرے۔ یہیں پر مجھے ملا اور اس نے نہ جانے کس طرح میرے دل کی بات جان لی۔ میں دعوے سے کہتا ہوں وہ مسلمان نہیں ہے کیونکہ اس کی اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ نظر آتے ہیں جو کسی مسلمان کے منہ سے ادا نہیں ہوتے۔ اس نے مجھے پانچ لاکھ روپے کی پیشکش کی اور نوٹوں کی گڈیاں نکال کر میرے سامنے رکھ دیں۔ کہنے لگا میں اس کا ایک کام کر دوں۔ میں یہاں پھول بابا کے مزار پر منت ماننے آیا تھا کہ اگر کہیں سے میری بہنوں کی شادی کا انتظام ہو جائے تو میں باقی زندگی پھول بابا کے مزار پر مجاور بن کر گزار دوں گا۔ میری زندگی کے لئے اس سے بڑا مسئلہ اور کوئی نہیں ہے کہ وہ بدبخت مجھے مل گیا۔ بڑی ہمدردی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے مزار سے دور لایا اور کہنے لگا۔

"جو کچھ تیرے من میں ہے ہم جانتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر ہی سب کچھ حاصل کر لینا چاہتا ہے۔" میں بہت متاثر ہو گیا تھا اس سے۔ بعد میں اس نے میری ساری مشکل مجھے بتائی اور پھر کہا کہ اگر میں اس کا کام کر دوں تو یہ پانچ لاکھ روپے ایڈوانس رکھ لوں۔ میں نے اس سے کام پوچھا تو اس نے.......... اس نے.......... اس نے.........." نوجوان کی آواز اٹکی تو میں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولو۔"

"اس نے کہا کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔ تمہاری شکل و صورت اس نے مجھے دکھائی تھی اور میں بدبخت تیار ہو گیا۔ اس رات میں چوری کر کے نہیں بھاگا تھا بلکہ میں نے جان بوجھ کر تم پر خنجر کا وار کیا تھا۔ میں نے تمہارے دل کا نشانہ لیا تھا لیکن خنجر بازو میں اتر گیا۔" وہ رکا اور سسکیاں لینے لگا۔ میں حیران رہ گیا تھا اس کا مطلب ہے وہ کوئی

اتفاقی حادثہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک جانا بوجھا عمل تھا۔ بہرحال قدرت نے مجھے بچا دیا تھا۔ میں اس کی داستان سنتا رہا وہ بولا۔

"اس کے بعد میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں اپنے عمل میں ناکام ہو گیا تھا اور تم اس خیمے میں چلے گئے تھے۔ کل وہ مجھے پھر ملا اور اس نے کہا۔

"دوسرا اور آخری موقع ہے۔ اب بھی اگر تم اسے ہلاک کر دو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ ایک بار پھر کھلے علاقے میں آگیا ہے اور میں نے یہ دوسری کوشش کی لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ پھر اچانک ہی میرے دل میں ایک خیال ابھرا کہ آخر میں ایک انسانی زندگی کو کیوں لے رہا ہوں۔ کیا صرف اپنی بہنوں کی خوشی کے لئے؟ تو ایک زندگی لے کر میں اپنی بہنوں کو رخصت کروں گا؟ میں تمہیں تلاش کرتا رہا۔ میں تم سے معافی مانگنا چاہتا تھا حالانکہ تم نے اتنی تکلیف اٹھائی ہے میری وجہ سے۔ کوئی فرشتہ ہی ہو گا جو مجھے معاف کر دے لیکن پھر بھی ایک آس ہے دل میں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔" اس نے ایک بار پھر میرے پاؤں پکڑ لئے تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب اٹھ جاؤ۔ ہم ساری عمر زبان کے کام کرنے والے دن سے موت کے وقت تک خدا سے کچھ نہ کچھ مانگتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی خدا کے لئے ہم سے کچھ مانگے تو کون کافر انکار کر سکتا ہے۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ بس اب اس موضوع پر بات مت کرنا۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"نوید۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا اور نجانے کیوں مجھے علی یاد آگیا۔ بیچارہ علی سوچتا تو ہو گا کہ اس دنیا میں کیسے کیسے بدنما لوگ ملتے ہیں۔ اپنے مقصد کے لئے پاس آتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"ایک بات بتاؤ۔ قدس بیگ کے خیمہ میں تم نے آگ لگائی تھی؟"

"نہیں۔ خدا کی قسم میں نے بس یہی کچھ کیا تھا جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"ہوں۔ اس شخص کے بارے میں مجھے بتا سکو گے جس نے تمہیں یہ پیشکش کی تھی؟" اور اس کے جواب میں اس نے جو حلیہ دہرایا۔ وہ منگلہ سن کے علاوہ کسی اور کا حلیہ نہیں تھا۔ منگلہ سن بدستور میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ بدبخت نہ جانے کیا چاہتا ہے۔ اس ناپاک روح سے نجات ملی جس کا نام ناگو تھا تو اب یہ میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔ بہرحال نوید کے بارے میں سوچنا ضروری تھا۔ اب اس کا کیا ہو گا؟ ظاہر ہے اس کا ضمیر جاگ اٹھا ہے ظاہر منگلہ سن کے فریب میں نہیں آئے گا۔ لیکن کیا منگلہ

سن اسے چھوڑ دے گا۔ اچانک ہی کسی خیال کے تحت میں نے نوید سے پوچھا۔

"نوید ایک بات بتاؤ۔" میرے اس طرح پکارنے پر وہ میری جانب متوجہ ہو گیا پھر بولا۔

"جی؟"

"تمہارا شہر یہاں سے کتنی دور ہے؟ میرا مطلب ہے کہ جہاں تم اپنی بہنوں کے ساتھ رہتے ہو۔"

"بہت زیادہ فاصلہ نہیں ہے یہاں سے۔ ایک چھوٹا سا گاؤں فرید پور ہے۔ میں وہاں رہتا ہوں۔"

"اور تمہاری بہنیں بھی؟"

"ہاں۔ وہیں ہیں وہ۔"

"اور کون ہے ان کے ساتھ؟"

"کوئی نہیں۔ ہم لوگ جس گھر میں رہتے ہیں وہ یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی سو سال سے ہمارے ہی پاس ہے۔ قرب و جوار کے لوگ خاندان والوں کی طرح ہیں۔ ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔ ایک بزرگ ہیں غیاث علی صاحب! میں ان سے کہہ کر آیا ہوں کہ بہنوں کا خیال رکھیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ اسی طرح خیال رکھیں گے ان کا جس طرح میں رکھ سکتا تھا۔"

"دوسری بات وہ پانچ لاکھ روپے جو تمہیں اس شخص نے دیئے تھے وہ کہاں ہیں؟ تم نے کہا تھا نا مجھ سے کہ پانچ لاکھ روپے اس نے ایڈوانس دے دیئے تھے۔"

"ہاں۔ وہ میں نے یہیں ایک جگہ محفوظ کر دیئے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"آپ نے مجھے معاف کر دیا نا؟"

"چھوڑو یار اس میں قصور تو تمہارا تھا ہی نہیں۔"

"حقیقت یہ ہے کہ دل تو بہت کچھ چاہتا ہے آپ کے بارے میں کہنے کے لئے۔ بہت کم لوگ اتنے اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں کہ زندگی اور موت کی بازی لگا کر بھی کسی کو معاف کر سکتے ہیں۔"

"بات اصل میں یہ ہے نوید کہ ہر شخص کہیں سے پاتا ہے اور کہیں سے کھوتا ہے۔ لوگوں نے میرے ساتھ بھی اتنے احسانات کئے ہیں کہ اگر میں کسی کے لئے کچھ کر دیتا

ہوں تو یہ سمجھ لو کہ فرض کی ادائیگی ہی ہے۔ اپنی طرف سے کون کیا کر سکتا ہے۔"

"بہت بڑی بات ہے۔ اس طرح سے سوچ لینا بھی بہت بڑی بات ہے۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"کچھ نہیں۔ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ مجھے وہ پُراسرار قوتوں کا مالک معلوم ہوتا ہے لیکن بھائی جان میرے ذہن میں اور بھی بہت سے سوالات مچل رہے ہیں۔ میں آپ سے کچھ پوچھنے کا کوئی حق تو نہیں رکھتا لیکن جس محبت سے آپ نے مجھ سے بات کی ہے اس کے بعد میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ سے معلوم کروں کہ اسے آپ سے کیا دشمنی ہے؟" میرے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

"بڑی معمولی سی بات ہے۔ جس لڑکی کو میں چاہتا ہوں وہ بھی اس پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔"

"خدا اسے غارت کرے۔ وہ تو ایک بہت ہی منحوس سی شکل کا ہندو ہے۔ لڑکی مسلمان ہے؟"

"نیل کنول ہے اس کا نام۔ اب کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان۔"

"نام تو ہندوؤں جیسا ہی ہے۔"

"ہاں۔"

"ایک سوال اور کروں؟"

"کرتے رہو میں تمہیں جواب دیتا رہوں گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ بھی آپ کو چاہتی ہے؟"

"نہیں۔"

"اسے چاہتی ہے؟"

"پتہ نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یار! کہانی ایسی الجھی ہوئی ہے نوید کہ بہت سے معاملات سے میں خود بھی واقف نہیں ہوں۔"

"واقعی الجھی ہوئی بات ہے۔ اچھا ایک بات بتائیے۔ آپ اس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں؟" نوید کے اس سوال پر میں خاصا الجھ گیا تھا۔ دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"اپنی محبت کو کون نہیں حاصل کرنا چاہتا لیکن نوید! حالات میرے لئے بھی سازگار نہیں ہیں۔ بات صرف اس شخص کی دشمنی کی نہیں ہے۔ بلکہ ایک عجیب و غریب جال ہے جس کا کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آتا۔ کہاں سے آغاز ہوا ہے۔ کہاں انجام ہوگا؟ کوئی نہیں جانتا۔ ماں تھی اور میں.......... ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں سرشار تھے۔ میری ماں ایک بہت اچھی، تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ میں بھی اپنی تعلیم مکمل کر رہا تھا۔ ہم لوگ بہت غریب تھے اور بڑی بے بسی کے عالم میں زندگی بسر ہو رہی تھی کہ میری ماں کا حادثہ ہوگیا۔ ایک گاڑی اسے کچل کر بھاگ گئی۔ میں نے ان لوگوں کو سزا دلوانا چاہی جنہوں نے مجھے میری ماں سے جدا کر دیا تھا لیکن وہ بڑے صاحب اختیار نکلے۔ انہوں نے مجھے جیل بھجوا دیا کیوں کہ میں ان کے خلاف کاروائی کرنا چاہتا تھا۔ جیل میں میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو مجھے اتنا بڑا شیطان نظر نہیں آیا تھا۔ ناگو تھا اس کا نام لیکن وہ پُراسرار قوتوں کا مالک تھا اور بس نہ جانے کیسے کیسے معاملات میں ملوث تھا جن میں اس نے مجھے اپنے آپ سے متاثر کرلیا اور پھر جب میں جیل سے باہر نکل آیا تو اس نے مجھے گندی روحوں کے چکر میں پھنسا لیا۔ اصل میں نوید! ہر انسان خوبصورتی کا رسیا ہوتا ہے چاہے وہ دولت کی شکل میں ہو یا پھر کسی حسین لڑکی کی شکل میں۔ مجھے ان لوگوں نے کالی قوتوں کے جال میں پھانس کر دولت کا رسیا بنا دیا۔ نہ صرف دولت بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہی مجھے اور بھی بہت کچھ حاصل ہوگیا جس کی تفصیل بتانا بے کار ہے۔ اسی دوران مجھے نیل کنول نظر آئی جو ایک عورت مایا وتی کی تحویل میں تھی۔ پتہ یہ چلا کہ نیل کنول ایک پُراسرار کالے علم کے ماہر منگلہ سن کے قبضے میں ہے۔ یعنی منگلہ سن اسے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھانا چاہتا ہے اور اسی نے اسے اس طوائف کے ہاں رکھا ہوا ہے۔ بس اس کی وجہ سے منگلہ سن سے میری جنگ چل گئی اور میرے اور اس کے درمیان معرکے ہوتے رہے۔ یہ بھی سمجھ لو ایک معرکہ ہی ہے۔ اس نے تمہارے ذریعے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔"

"اور نیل کنول کہاں ہے؟" نوید نے پوچھا۔

"لاپتہ ہے۔"

"مطلب یہ کہ اس عورت مایا وتی کے پاس نہیں ہے وہ اب۔"

"میں نے کہا نا پتہ نہیں۔ خود مایا وتی کا بھی اب پتہ نہیں ہے۔"

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے پھر اب کیا کرو گے اور یہ آدمی کیا وہی آدمی ہے؟"

"ہاں آدمی تو وہی ہے۔ لیکن ابھی مجھے نیل کنول کا پتہ پانے کے بجائے کچھ ایسے کام کرنے ہیں جو خود میرے علم میں نہیں ہیں۔" نوید سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

"بھائی اب مجھے یہ بتائیے کہ میں کیا کروں؟ ساری صورتحال اب آپ کے علم میں آگئی ہے اور آپ نے مجھے اپنی انسانی شرافت سے متاثر ہو کر مجھی معاف بھی کر دیا ہے۔ نہ جانے کیوں آپ پر ایک اپنا حق سا محسوس ہونے لگا ہے۔ ان ساری باتوں کو جاننے کے بعد آپ مجھے یہ بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"ہوں۔ نوید ایسا کرو۔ تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ جو پانچ لاکھ روپے اس نے تمہیں ایڈوانس دیئے ہیں۔ چپ چاپ انہیں لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور جتنی جلد ممکن ہو سکے اپنی دونوں بہنوں کی شادی کرا دو۔ تنہا رہ جاؤ گے اس کے بعد۔ اپنی زندگی کے لئے جو بھی دیکھ لینا سوچ لینا۔ منگلہ سن میرا خیال ہے تمہارا پیچھا نہیں کرے گا۔ وہ تو اس نے تمہاری مجبوری سے فائدہ اٹھا کر تم سے اپنا کام نکالنے کی کوشش کی تھی۔ کام ہو نہیں سکا اس کا۔ تم چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ۔ میں اسے یہاں الجھائے رکھوں گا۔" میری اس بات پر نوید نے چونک کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم وہاں جا کر اپنا کام مکمل کر لو۔ میں اسے چکرائے چکرائے پھروں گا تاکہ وہ تمہاری جانب متوجہ نہ ہو سکے اور اس کے بعد تم بہنوں کی شادی کر دو۔"

"ایک بات کہہ سکتا ہوں اجازت ہو تو؟"

"ہاں کہو۔"

"اب جہاں کہیں بھی آپ جائیں گے میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گا۔ میں بھی انسان ہوں۔ ٹھیک ہے بہنوں کو رخصت کرنا میرا فرض بنتا ہے لیکن اپنی ذات اس قدر نامکمل اور ہلکی ہے کہ میں اپنی ذات کے لئے کچھ کر ہی نہ سکوں۔ یہ تو میرے اپنے ساتھ زیادتی ہوگی۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"بھائی! آپ میرے ساتھ' میری بستی چلیں گے۔"

"کیا؟"

"ہاں۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"ہاں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ میں بھی تمہیں اپنے بارے میں بتا چکا ہوں کہ میرا کوئی نہیں ہے لیکن یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں۔ اگر تمہارے ساتھ چلا گیا تو منگلہ سن ہم دونوں کو تلاش کرتا پھرے گا۔"

"اللہ مالک ہے۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"نوید! میں اگر یہاں ہوں گا نا تو وہ اس چکر میں رہے گا کہ کسی نہ کسی طرح وہ اپنا کام کر لے اور مجھے دنیا سے مٹا دے۔ تمہیں آزادی سے کام کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

"وہی تو عرض کر رہا تھا کہ اب آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"یار! ضد نہ کرو۔ اگر تم نے زیادہ ضد کی تو میں خاموشی سے اٹھ کر کہیں چلا جاؤں گا اور تم مجھے تلاش کرتے رہ جاؤ گے۔"

"خدا کی قسم اگر ایسا ہوا تو کسی بلند جگہ سے کود کر جان دے دوں گا۔ سوچ لیجئے۔ میرا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔"

"ارے ارے زبردستی! کہاں تو تم مجھے مار دینے پر تلے ہوئے تھے اور کہاں اب اس قدر عشق کا اظہار۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھائی عشق بھی تو لمحوں میں ہی ہو جاتا ہے اور اس کے بعد یہ لمحے زندگی بھر خوار کرتے ہیں۔"

میں نے بہت سمجھانا چاہا اسے اور وہ ایک ہی رٹ پر اڑا رہا کہ اب وہ مجھے ساتھ لے کر جائے گا۔ اس رات میں دیر تک سوچتا رہا۔ بیچارے مرزا قدس بیگ جب واپس جا چکے تھے ان کے اہل خاندان کے ساتھ بہت برا ہوا تھا۔ میری وجہ سے شدید نقصانات سے دوچار ہوئے تھے۔ ظاہر ہے منگلہ سن ہر اس شخص سے نفرت کا اظہار کر رہا تھا جس کا تعلق مجھ سے تھا اور اب یہ بے وقوف آدمی جس کا نام نوید ہے اتنی مشکلات اٹھانے کے بعد میرے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ اگر میں اس کے ساتھ اس کی بستی چلا بھی گیا تو منگلہ سن ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور جا کر یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا کہ میرا اس سے کیا واسطہ ہے۔ یہ سب کچھ بڑا غلط ہو جائے گا۔ مجھے تو جو نقصان پہنچے گا وہ تو خیر پہنچے گا ہی لیکن نوید کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کو سمجھانے کی ہر کوشش بے مقصد ہی رہی ہے۔ آدھی رات کے قریب ہو چکی تھی۔ نوید کروٹ بدلے گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے سانس کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ میں نے ایک لمحے کے لئے اس کو غور سے دیکھا

اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اچانک ہی یہ خیال میرے دل میں آیا تھا کہ میں اس وقت خاموشی کے ساتھ نوید کو چھوڑ کر کہیں دور نکل جاؤں۔ یہ مناسب رہے گا۔ ویسے بھی یہ جگہ بہت بڑی تھی۔ اگر میں یہاں سے کہیں اور نہ بھی جاؤں اور صرف نوید سے چھپنے کی کوشش کروں تو اس میں مجھے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے ایک طرف چل پڑا۔

رات کا پُراسرار سناٹا فضا میں پھیلا ہوا تھا۔ پھول بابا کے مزار پر روشنیاں ہو رہی تھیں اور بس وہیں رونق تھی۔ باقی لوگ جو زائرین کی حیثیت رکھتے تھے سو چکے تھے۔ میں نے کافی طویل فاصلہ طے کیا اور آخر کار ایک ایسی جگہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا جہاں میں آرام کر سکتا تھا۔ نوید پر نگاہ رکھ لی جائے گی۔ کہیں آس پاس نظر آیا تو چھپ جاؤں گا۔ اب وہ اتنا بھی عامل نہیں ہے کہ اپنے علم سے مجھے تلاش کر لے گا۔ اس سے دور ہو جانا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ ایک چوڑے برگد کے تنے کی آڑ میں میں نے اپنا مسکن بنا لیا۔ کافی فاصلہ طے کیا تھا۔ رات بھی خوب ہو چکی تھی۔ تھکن بھی ہو گئی تھی اور کچھ طبیعت بھی خراب سی تھی۔ ایک اینٹ سر کے نیچے رکھی اور تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ ذہن کو تمام سوچوں سے آزاد کر دیا تھا۔ یہی اس وقت میرے لئے مناسب تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد نیند آ گئی اور پھر اس وقت آنکھ کھلی جب خوب دن چڑھ چکا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول کر برگد کے درخت پر چہچہاتے ہوئے پرندوں کو دیکھا اور پھر یہ سوچ کر اٹھ گیا کہ ناشتے کا کوئی بندوبست کیا جائے۔ قرب و جوار میں کھانے پینے کی چیزوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ کہیں سے بھی کچھ لے کر کھا سکتا تھا۔ پہلے تھوڑا پانی لے کر منہ دھوؤں گا اور اس کے بعد ناشتے کی تلاش میں نکلوں گا۔ یہ سوچ کر اٹھا اور یہ احساس ہوا کہ داہنی سمت کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ اللہ کے لاکھوں بندے یہاں موجود تھے۔ ہو گا کوئی عقیدت مند پھول بابا کا۔ سرسری نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ایک دم سے ذہن بھک سے اڑ گیا۔ نوید تھا جو مجھے دیکھ کر بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا۔ ایک لمحے تک تو دماغ چکرایا رہا۔ یہ کہاں سے آ گیا۔ میں نے دل میں سوچا اور دیر تک نوید کی صورت دیکھتا رہا نوید بدستور مسکرا رہا تھا۔

"جناب عالی! اسے لوٹا کہتے ہیں اور اس کے اندر جو چیز ہے وہ پانی کہلاتی ہے اور اِدھر دیکھئے یہ حلوہ پوری اور بھاجی ترکاری ہے۔ ان سب چیزوں کا استعمال ایک ہی وقت میں کیا جاتا ہے۔ پیچھے وہ ذرا اِدھر نگاہ دوڑایئے۔ کیا گرما گرم چائے ہے اس شخص کے

پاس۔ کیتلی سے بھاپ نکل رہی ہے۔ میں نے ابھی چائے اس سے نہیں منگوائی کہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ چنانچہ ذرا اِدھر تشریف لایئے۔ میں لوٹے سے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالتا ہوں۔ آپ منہ ہاتھ دھو لیں۔ اس کے بعد دونوں مل کر ناشتہ کریں گے۔ پوریاں ٹھنڈی ہو رہی ہیں۔ اصل میں پوری والے کے پاس ذرا رش لگا ہوا تھا۔ ورنہ یہ بھی آپ کو گرم ہی گرم کھلانے کی کوشش کی جاتی۔"

مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ نوید کو کیا کہتا بس خاموشی سے اٹھا منہ ہاتھ دھویا اور اس کے بعد اس کے ساتھ ناشتہ کرنے بیٹھ گیا۔ نوید نے بھی اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہوا تو وہ چائے لینے چلا گیا۔ دو گلاسوں میں چائے لے کر آیا اور ایک گلاس میری جانب بڑھا دیا۔

"خاصی گرم ہے۔ ذرا سنبھل کر گھونٹ بھریں منہ جل جائے گا۔"

"تم.......... کیا کہوں تمہیں یہ بتاؤ کیسے تلاش کیا مجھے؟"

"تلاش.......... تلاش کس بیوقوف نے کیا؟"

"تو پھر۔"

"جناب! جب آپ اٹھ کر چلے تو آپ سے پندرہ گز کے فاصلے پر ہم تھے۔ ہمیں پتہ تھا کہ آپ غائب ہونے کی کوشش کریں گے اور آئندہ بھی اس بات کا خیال رکھیں گے۔ ذرا غائب ہو کر دکھائیں آپ۔" نوید بولا۔

"گویا تم رات ہی کو میرے پیچھے پیچھے آ گئے تھے۔"

"اور آپ یقین کریں برگد کے درخت کے اس طرف آرام سے لیٹے ہوئے تھے۔ اس وقت جب آپ نے اینٹ سر کے نیچے رکھی تھی۔ دوسری اینٹ ہم نے ہی تو اٹھائی تھی۔" میں ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نوید! پلیز میرا پیچھا مت کرو۔"

"بھائی جان! پلیز' آپ میرا ساتھ نہ چھوڑیے۔ کہاں زندگی بھر کی تلاش کے بعد کوئی اپنا ملتا ہے۔ آپ اپنے لگ رہے ہیں تو آپ کا دامن پکڑے ہوئے ہوں۔ تکلیفیں جو بھی ہوں گی مل کر اٹھا لیں گے۔ آپ کو خدا کا واسطہ میری بات مان لیں مجھ سے بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔"

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا اور پھر اسی دوپہر ہم نوید کی بستی کی جانب چل پڑے۔ نوید بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے کافی فاصلے پر ایک درخت کی جڑ

سے تھوڑی سی کھدائی کر کے وہ رقم نکالی تھی جو منگلہ سن نے اسے دی تھی۔ یہ رقم بڑی احتیاط سے محفوظ کر لی گئی تھی حالانکہ میں تو اس سلسلے میں بھی عجیب سے احساسات کا شکار تھا۔ منگلہ سن کو میں نے دیکھا تھا۔ وہ شیطان صحیح معنوں میں شیطان کا ہم شکل تھا اور اس کی فطرت بھی شیطان سے مختلف نہیں تھی۔ پانچ لاکھ روپے وہ آسانی سے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا لیکن پھر میں نے یہ سوچا کہ بھلا اس جیسے جادوگروں کے لئے یہ رقم کیا معنی رکھتی ہے؟ ہو سکتا ہے اس نے اسے بھلا دیا ہو لیکن باقی معاملات ذرا الجھے ہوئے تھے اور ان کے سلسلے میں مجھے ذرا تھوڑی سی تشویش تھی۔ ہم لوگ سفر کے دوران باتیں کرتے رہے تھے اور نوید مجھے اپنے بارے میں بتاتا رہا تھا اپنی بستی کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔ میرے ذہن اس کے مختلف خیالات تھے اور میں دکھی تھا اس بات پر کہ کہیں اسے مزید تکلیف نہ پہنچ جائے۔ وہ ضد کر کے مجھے اپنے ساتھ لئے جا رہا تھا لیکن منگلہ سن میری ہی وجہ سے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ منگلہ سن پھر اس کے ذریعے مجھے ہلاک کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ تمام باتیں یہ تمام احساسات منگلہ سن کے بارے میں میرے ذہن میں تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ اور یادیں کچھ اور باتیں بھی دل میں آجاتی تھیں۔ جیسے نیل کنول۔ نوید کی بستی بڑی سرسبز و شاداب تھی اور اس کا چھوٹا سا گھر بھی جو اس نے مجھے دور سے دکھایا تھا۔

"وہ جو ایک پیلا سا گھر سا گھر نظر آرہا ہے آپ کو جو درختوں کے جھنڈ میں چھپا ہوا ہے۔ وہی میرا گھر ہے۔ اپنا گھر بھی کیا چیز ہوتی ہے بابر بھائی! مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے اس وقت اس کی طرف جاتے ہوئے۔ ہمارا پڑوس بڑا اچھا ہے۔ میرا گھر بہت ٹھنڈا رہتا ہے۔ اس کے احاطے میں درختوں نے اس طرح آپس میں سر جوڑ رکھے ہیں کہ چھت بن گئے ہیں اور اس چھت کے نیچے ہم لوگ بڑی خوشگوار زندگی گزارتے ہیں۔ ارے یہ کیا؟" دفعتاً ہی نوید نے حیرانی سے کہا۔ چھ سات افراد نوید کے گھر کے دروازے سے باہر نکلے تھے۔ ایک آدمی ان میں آگے آگے تھا۔ نوید نے کہا۔

"یہ ہماری اس بستی کا چوہدری ہے چوہدری رفیق! مگر یہ میرے گھر سے نکل رہا ہے اور یہ اتنے سارے لوگ۔" نوید بہت تیزی سے آگے بڑھ گیا لوگوں نے اسے دیکھ لیا تھا اور ایک دم سے رک گئے تھے۔ خود چوہدری رفیق بھی نوید کو دیکھ رہا تھا۔ چوہدری رفیق کے ساتھ بزرگ غیاث علی بھی تھے۔ نوید پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے آپ لوگ میرے گھر سے نکلے ہیں۔ کیا بات ہے خیریت تو ہے؟"

"اوہ۔ کدھر چلا گیا تھا یار! کدھر چلا گیا تھا تو جوان بہنوں کو اس طرح چھوڑ کر؟"

"خیر تو ہے غیاث علی چچا! کیا بات ہے؟" نوید نے دہشت زدہ لہجے میں ان سے پوچھا اور غیاث علی کی گردن جھک گئی۔

"اوہ بیٹا! تیری بہنوں کو کچھ غنڈے نکال لے گئے۔ پتہ ہی نہیں چلا سسرے کون تھے۔ آئے توڑ پھوڑ مچائی اور تیری دونوں بہنوں کو گاڑی میں ڈال کر لے گئے۔"

"کیا.........." نوید کی آواز بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس نے غیاث علی کا گریبان پکڑ لیا۔

"چچا! میں تو آپ پر چھوڑ کر گیا تھا انہیں۔ میں تو ان دونوں کو آپ پر چھوڑ کر گیا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ جا بیٹا! فکر مت کر، ہم ہیں۔ یہ کیا ہوا؟ کون تھے وہ غنڈے؟ بستی کے تھے یا باہر سے آئے تھے۔"

"گاڑی بھی باہر کی تھی بندے بھی باہر کے تھے۔ پر یہ نہیں پتہ چلا کہ کون تھے؟"

"نہیں مانتا میں۔ سب ملی بھگت ہے۔ سب ملی بھگت ہے۔" نوید آپے سے باہر ہو گیا۔

"تم سے لوں گا غیاث علی چچا! تم سے لوں گا اپنی دونوں بہنوں کو ورنہ گھر میں آگ لگا دوں گا تمہارے۔ یہ کوئی بات ہوئی۔ یا تو ذمے داری نہ لیتے اور ذمے داری لی تھی تو جان دے دیتے۔ چوہدری صاحب، چوہدری رفیق صاحب! میری بہنیں مجھے چاہئیں۔ میری بہنیں.........." اور اس کے ساتھ ساتھ ہی نوید کی آواز بھرا گئی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپایا اور ایک گوشے میں کھڑے ہو کر سسکنے لگا۔ میں خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ پھر چوہدری صاحب نے کہا۔

"سنبھالو اسے۔ تم کون ہو بھئی؟" میں نے ایک نگاہ چوہدری رفیق کو دیکھا۔ چہرے سے شریف، آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ کسی غلط حرکت میں ملوث نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا۔

"چوہدری صاحب! میں اس کا دوست ہوں۔ ہماری دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔ پھول بابا کے مزار پر ملاقات ہوئی تھی اس سے۔ یہ مجھے اپنے ساتھ لے آیا لیکن آپ کسی ایسے آدمی کے بارے میں بتائیے مجھے جو لڑکیوں کے اغوا کی صحیح تفصیل بتا سکے۔"

"میں ہوں وہ۔ غیاث علی ہے میرا نام بھائی! وہ سامنے والے گھر میں رہتا ہوں۔

بچیوں کو میں نے اپنے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا لیکن بس کبھی کبھی صفائی کرنے گھر آجاتی تھیں۔ کل بھی صفائی کرنے ہی آئی ہوئی تھیں کہ ایک گاڑی آکر رکی تو اس میں سے کچھ غنڈے اترے اور گھر میں گھس گئے۔ میں لاٹھی لے کر باہر نکلا لیکن ان کے پاس بندوقیں تھیں۔ دونوں لڑکیوں کو گھسیٹ کر باہر لائے۔ بندوقوں سے فائر کئے اور لڑکیوں کو گاڑی میں بٹھا کر یہ جا اور وہ جا ہوگئے۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکا۔"

"آپ نے ان غنڈوں کو دیکھا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ باہر کی بستی کے تھے لمبے تڑنگے۔ چہروں ہی سے غنڈے معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے پاس بندوقیں تھیں جن سے انہوں نے بڑے زور دار دھماکے کئے اور بستی والے خوفزدہ ہوگئے۔ ہم کمزور لوگ ہیں بیٹا غنڈہ گردی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" غیاث علی صاحب رونے لگے میں نے نوید کے چہرے کی جانب دیکھا۔ ایک عجیب سا سکوت اس کے چہرے پر تھا۔ لوگ اس سے ہمدردی کی باتیں کرنے لگے۔ طرح طرح کے الفاظ کانوں میں پڑ رہے تھے۔

"کسی سے دشمنی ہوگئی ہے بیٹا تمہاری۔ کوئی بڑا آدمی جان کا گاہک بن گیا ہے۔ ہمیں بتاؤ کیا کریں تمہارے لئے؟" بہت سے منہ بہت سی باتیں' لیکن نوید کسی کو کوئی جواب نہیں دے رہا تھا۔"

"بیٹا! پولیس میں رپورٹ درج کرا دو۔"

"کیا ہوگا اس سے۔ پولیس والے اور اس بیچارے کو پریشان کریں گے۔"

"تو پھر کیا کریں بتاؤ۔ بستی والے تو سب ہی غمزدہ ہیں۔"

"بھائی! اس غنڈہ گردی کے خلاف تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ ہر گھر میں بہو' بیٹیاں ہیں۔ غنڈوں کی ہمت بڑھ گئی تو وہ اس کو اپنی شکار گاہ سمجھ لیں گے۔"

"اجی ایسی تیسی' ناواقفیت میں سب کچھ ہوگیا۔ ہم بھی ہتھیار اٹھالیں گے اس غنڈہ گردی کے خلاف۔" لوگ کہتے رہے۔ میں تو خیر کیا ہی کسی دوسرے سے کچھ کہتا لیکن نوید پر بھی ایک عجیب سی خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ کسی کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

نوید بیٹا! ہم میں سے کسی کی مدد کی ضرورت پڑے تو فکر مت کرنا ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ تم جو کرنا چاہتے ہو۔ ہم اس میں تمہارا ساتھ دیں گے۔" یہ آخری الفاظ تھے جو جانے کے لئے کہے جاتے ہیں اور لوگوں نے جانا شروع کر دیا۔ سب کے سب ایک

ایک کرکے چلے گئے۔ نوید کی جیسے ٹانگوں کی جان نکل گئی تھی۔ وہ بیٹھ گیا تھا اور بالکل خاموش تھا۔ میں نے چاروں طرف گھوم پھر کر اس کے گھر کو دیکھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نوید کو کن الفاظ میں تسلی دوں۔ ویسے یہ بات تو صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ اس کوشش میں کہیں نہ کہیں منگلہ سن کا ہاتھ ضرور ہے۔ دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ویسے بھی نوید نے اب تک جو کچھ اپنے بارے میں بتایا تھا اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ منگلہ سن نے اسے جس کام کے لئے آمادہ کیا تھا۔ بس وہی نہ ہونے کی وجہ سے منگلہ سن اس کا دشمن بن گیا تھا۔ ایسی صورت میں جو فرض مجھ پر عائد ہوتا تھا وہ بھی میں جانتا تھا لیکن میں کیا کرتا میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔ میں نے نوید سے کہا۔

"نوید! آؤ اٹھو.......... پلنگ پر بیٹھو۔"

"بابر بھائی! مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے ٹانگیں بے جان ہوگئی ہیں۔ میں بہت بار کوشش کر چکا ہوں کھڑے ہونے کی لیکن پیر بالکل پتلی رسی کی طرح ہو گئے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ آؤ اٹھو میرا سہارا لے کر اٹھو۔" واقعی اس کے پاؤں بالکل بے جان ہو رہے تھے لیکن میں نے بہرحال اسے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا اور ایک پلنگ پر بٹھا دیا۔ وہ خاموش تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اس کے بعد اس نے کہا۔

"میں پیار سے ایک کو گڑیا کہا کرتا تھا دوسری کو بلی! بڑی اچھی تھیں۔ دونوں بہت ہی اچھی تھیں۔ بھاگ بھاگ کر میرے کام کرتی تھیں۔ کبھی کبھی پتہ ہے کیا کہتی تھیں مجھے۔ کہتی تھیں نوید بھائی ہم آپ کو بابا کہیں آپ برا تو نہیں مانیں گے۔ میں پوچھتا تھا پگلیو! کیوں کہو گی مجھے بابا میں کوئی بوڑھا ہوں۔ کہنے لگیں نہیں آپ بوڑھے تو نہیں لیکن ہمارے تو بابا بھی نہیں ہیں۔ بھائی تو ہم کہہ لیتے ہیں آپ کو بابا کہنے کو بڑا دل چاہتا ہے۔ بلکہ یہ بلی تو کہہ رہی تھی کہ تین نام ہیں آپ کے۔ بابا۔ مما اور بھیا۔" میں نے ہنس کر کہا تھا کہ بیٹا! ایک بار مجھے بابا کہا کرو۔ دوسری بار مما! اور تیسری بار بھیا! تو پھر شریر لڑکیوں نے ایسا ہی کہنا شروع کر دیا۔ جب وہ مجھے مما کہتی تھیں تو خوب ہنستی تھیں لیکن پتہ ہے کیا کرتی تھیں۔ اپنا سر میرے دونوں طرف میرے سینے لگا دیا کرتی تھیں اور مجھے سچ مچ یہ لگتا تھا بابر بھائی جیسے میں ان کی ماں ہوں۔ میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں ان کو اپنے بدن میں سمو لوں۔ پتہ نہیں کن حالات کا شکار ہوں گی۔ بڑا بلک رہی ہوں گی مجھے یاد کر کے۔"

نوید کے الفاظ ایسے تھے کہ سینہ پھٹنے لگا تھا۔ شدید درد محسوس ہونے لگا تھا سینے میں۔ وہ بیٹھا نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ سب کچھ اپنی بہنوں ہی کے بارے میں تھا اور میں نے دونوں ہاتھوں سے سینہ دبا لیا۔ میں شدید کرب' شدید بے چینی کا شکار تھا اور پھر وقت گزرتا رہا۔ پڑوس کے لوگ دو آدمیوں کا کھانا لے آئے تھے جو انہوں نے ایک طرف رکھ دیا تھا نہ میں نے نوید سے کھانا کھانے کے لئے نہ کہا اور خود تو زہر کھانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ طبیعت میں ایک متلاہٹ سی تھی اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں دیوار سے سر پھوڑ دوں۔ ذہن میں بہت سے خیالات آرہے تھے۔ نوید وہیں بیٹھا رہا اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھا۔ بار بار اس کے منہ سے بڑبڑاہٹیں نکلنے لگتی تھیں۔ وہ کہتا تھا۔

"اور جب ببلی کبھی ناراض ہوجاتی تھی نا بابر بھائی! تو میں اس کو منانے کے لئے پتہ ہے کیا کرتا تھا۔ بس اسے ابلی ہوئی چنے کی دال بہت پسند تھی۔ اس میں ہلکی سی کھٹائی اور تھوڑی سی مرچ ڈال دو۔ ببلی کو کھلاؤ۔ ببلی راضی۔ میں یہی کیا کرتا تھا اور بابر بھائی۔"

مگر میں اس سے زیادہ اس کی باتیں نہیں سن پا رہا تھا۔ بہنوں کے لئے اس کے اندر جو تڑپ تھی اس وقت۔ بس کائنات کا سب سے بڑا عذاب نازل کررہی تھی اور میں اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ بہت رات ہوچکی تھی۔ پوری بستی گہری نیند سوگئی تھی۔ میں ان بھونکتے ہوئے کتوں کو نظرانداز کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور پھر بستی کا آخری چراغ بھی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ تاحد نظر ویرانے پھیلے ہوئے تھے اور میں چل رہا تھا ایک نامعلوم منزل کی جانب۔ کوئی تصور ذہن میں نہیں تھا۔ کوئی احساس ذہن میں نہیں تھا۔ کوئی خیال ذہن میں نہیں تھا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا اور میں چلا جارہا تھا۔

میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت میں میلوں دور نکل آیا تھا اس بستی سے اور اس وقت میں جنگل' بیابان اور ویرانوں میں چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے مجھے ایک مدھم سی لو ٹمٹماتی نظر آئی۔ یہ کسی چراغ کی لو تھی یا کسی اور چیز کی روشنی لیکن میرے پیروں کا رخ اسی جانب تھا۔ میں چلتا رہا اور روشنی قریب آتی رہی۔ یہاں تک کہ میں نے تاریکیوں میں ایک دیوپیکر عمارت کو کھڑے دیکھا۔

کھنڈر نما عمارت تھی جس میں پانچ گنبد تھے۔ ایک بڑا سا گول دروازہ۔ میرے قدم اس کی جانب اٹھ گئے۔ پتہ نہیں کون اس طرف میری رہنمائی کررہا تھا۔ ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں تھیں جو میرے پاؤں رکھنے سے ہل رہی تھیں لیکن ان سیڑھیوں کو عبور کرکے

میں صحن میں داخل ہوگیا۔ بڑی سی وسیع جگہ تھی۔ بلندی پر مینار پر چراغ روشن تھا۔ پتہ نہیں کوئی قدیم مسجد معلوم ہوتی تھی۔ میں اس کے صحن سے گزر کر دالان میں پہنچا۔ آگے ایک دیوار تھی بس صحن تھا یا دالان۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ بلندی پر روشن چراغ اپنی مدھم لو بکھیر رہا تھا اور اس مسجد میں مدھم مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی میں دالان کے ایک سرے پر بیٹھ گیا اور پھر میں نے کچھ سرسراہٹیں محسوس کیں۔ میں نے دیکھا کہ دالان کی داہنی سائیڈ سے کوئی نکل کر آیا ہے۔ یہ سیاہ لبادے میں ملبوس کوئی شخص تھا۔ وہ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا۔ پھر پیچھے کی جانب سے دو افراد نکلے جو سفید لبادے میں ملبوس تھے۔ وہ بھی ایک جانب بیٹھ گئے۔ تیسری طرف سے تین چار افراد نکلے جنہوں نے سبز لبادے پہنے ہوئے تھے اور مدھم سی روشنی میں ان کے لبادوں کا رنگ نظر آرہا تھا۔ سفید۔ سیاہ اور سبز لبادوں والے' آکر جمع ہوتے رہے اور کوئی پچیس تیس افراد میرے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ وہ مدھم مدھم آواز میں کچھ پڑھ رہے تھے جس کی بھنبھناہٹ فضا میں گونج رہی تھی۔ میں پورے ہوش و حواس کے عالم میں انہیں دیکھ رہا تھا اور میرے ذہن میں کوئی حیرت کا نقش نہیں تھا۔ بلکہ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سب کچھ میری توقع کے مطابق ہو۔ میرے اندر سے آوازیں ابھر رہی تھیں اور الفاظ میرے ذہن میں جمع ہوتے جارہے تھے مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے اندر سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے ہوں جیسے میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ سب جمع ہوگئے اور ان کی بھنبھناہٹیں واضح ہوتی گئیں پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں بولو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

مجھے یقین ہوگیا کہ یہ الفاظ مجھے ہی مخاطب کرکے کہے جارہے ہیں۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

"آپ جانتے ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں آپ کے پاس کیوں آیا ہوں۔ میں فرشتہ نہیں ہوں۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔ فرشتہ نہیں ہوں میں۔ برائیوں نے مجھے اپنے راستے پر لگایا۔ کوئی تجربہ نہیں تھا مجھے اس دنیا کا۔ جو چیز انسان کو اچھی نظر آتی ہے وہ اسی کی جانب چل پڑتا ہے کیونکہ اس کے لئے اس کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ آپ خود بتایئے۔ آپ خود بتایئے میں اپنی ماں کے ساتھ ہر دلچسپی میں حصہ لیتا تھا اور میری ماں کی دلچسپیاں بزرگان دین سے لگاؤ تک محدود تھیں۔ ہم ماں بیٹے جو کچھ بھی باتیں کرتے تھے۔ شاید آپ کے علم میں ہوں یا نہ ہوں میں نہیں جانتا۔ ماں حادثے کا

شکار ہوگئی۔ میری آنکھوں کے سامنے کسی نے ان کی جان لے لی۔ میں اپنی فریاد لے کر گیا تھا اور مجھے لاوارث سمجھ کر جیل میں ٹھونس دیا گیا پھر وہاں مجھے ناگو ملا جس نے مجھ سے اظہار الفت کیا۔ جس نے مجھ سے الفت کی باتیں کیں۔ آپ بتایئے کہ لاوارث جسے ناکردہ گناہ جیل میں ٹھونس دیا گیا ہو۔ مگر کوئی اتنی عزت دیتا ہے اور اس سے وعدے کرتا ہے تو کیا وہ آسمان کی بلندیوں میں جاکر خلاؤں میں جاکر محبتیں تلاش کرے گا۔ انہوں نے مجھے جو کچھ دیا میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا معاشرے میں سماج میں کام کیا ہے۔ نہ میں نے سماج کو بھگتا تھا نہ معاشرے کو۔ بلکہ معاشرتی طور پر میں نے دیکھا تھا تو وہ یہ کہ ایک بے گناہ اگر فریاد لے کر کسی ایسے شخص کے پاس جاتا ہے جس پر اس فریاد کی داد رسی کی ذمے داری ہوتی ہے تو وہ اسے جیل میں ٹھونس دیتا ہے۔ تو آپ بتایئے۔ میرا ذہن کہاں جانا چاہئے تھا۔ میں نیکیوں کو کہاں تلاش کرتا اور نیکیوں کو اپنی فوج بنا کر برائیوں پر کس طرح حملہ کرتا۔ پھر مجھے ان لوگوں نے غلاظت کے تحفے بخشے۔ آپ لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ جب مجھے نیکیوں کی طرف آنے کا راستہ ملا اور آپ لوگوں نے اچھی آپا۔ اچھی آپا کا نام لے کر مجھے عزت کا مقام دیا تو میں نے برائیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور ہر دکھ کو اپنی اصلاح کا ذریعہ مان لیا اور جان لیا۔ میں بھی انسان ہوں۔ مجھے سب کچھ دیا ہے آپ نے میری مٹھیاں کھول کر مجھے خیرات دی ہے۔ لیکن یہ خیرات ایک شیطان کے مقابلے میں بے کار ثابت ہوئی۔ اگر گندی روحوں کا اتنا ہی بڑا مقام ہے تو مجھے بتایئے میری ابتدا تو وہیں سے ہوئی تھی۔ کان کھول کر سن لیں صاف صاف کہے دیتا ہوں۔ ایک بار میں پھر غلاظت کی جانب لوٹ جاؤں گا۔ یا تو مجھے بھرپور اعتماد دیجئے مجھے ٹھوس ذرائع دیجئے۔ ارے میں تو خود کمزور ہوں۔ میرے پاس ہے ہی کیا۔ ہاتھ ہلا کر ایک روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں اٹھا سکتا میں۔ آپ لوگوں کے پاس طاقت ہے لیکن آپ اسے اتنی احتیاط سے خرچ کر رہے ہیں اور وہ شیطان سب کچھ کرتا پھر رہا ہے۔ مرزا قدس بیگ کے خیمے جلا دیئے گئے۔ مجھ پر قاتلانہ حملے کرائے گئے۔ سب کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہے۔ کوئی حساب نہیں رکھتا میں، مجھے اور اذیت دے دی جائے لیکن اس بیچارے کی دونوں بہنیں۔ نہیں قسم کھاتا ہوں بڑی سے بڑی اگر میری مدد نہ کی گئی تو میں نیکیوں کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دوں گا۔ میں ہوں کون اور میری اوقات کیا ہے! بہتر یہ ہوگا کہ یہیں میری تکا بوٹی کر دی جائے۔ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کرکے میرے خون کی ایک ایک بوند بہا دی جائے۔ یہ ہو سکتا ہے یہ کیا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے پرجلال لوگ موجود ہیں یہاں آپ لوگ یہ کر ڈالئے

ورنہ ایک گناہ پروان چڑھے گا۔ ایک غلاظت جنم لے گی یہاں سے۔ صاف کہہ رہا ہوں کھل کر کہہ رہا ہوں۔ سمجھ لیجئے۔ سمجھ لیجئے۔" مکمل خاموشی چھا گئی تھی کوئی آواز نہیں ابھر رہی تھی۔ پھر تھوڑی دیر تک خاموشی کے بعد ایک آواز آئی۔

"اچھی آپا کا بیٹا ہے نا۔ ارے اچھی آپا کا بیٹا ہے یہ۔ سن لو بھئی کیا کہہ رہا ہے ذرا سا غور کرلو۔ کیا بات ہے بیٹا کیا چاہتے ہو؟"

"تمام کہانی سنا دی میں نے۔ اب یہ پوچھ رہے ہیں کہ کیا چاہتا ہوں میں۔"

"نہیں نہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ہو جائے گا سب کچھ ہو جائے گا۔ چلو جاؤ۔ گھر جاؤ وہ بیچارہ تنہا بیٹھا ہے۔ دلاسہ دو، اس سے کہو کہ لے آؤ گے انہیں جاکر۔ جاؤ جاؤ۔ وقت رہنما ہے وقت رہنمائی کرے گا۔ بری بات ہے بیٹے! اس طرح بگڑتے نہیں ہیں۔ اتنی سی بات پر تم سب کچھ بھول کر برائیوں کو اپنا رہے ہو۔"

"چھوٹی سی بات نہیں ہے یہ۔ نوید کی صورت دیکھی ہے آپ نے۔ احساس کیا ہے اس کا؟"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے جاؤ۔ گھر جاؤ بری بات۔ چلو اٹھو۔" کسی نے میرا بازو پکڑ کر اٹھایا اور میں کھڑا ہوگیا۔

"چلو اپنے گھر جاؤ۔ اسے اکیلا چھوڑ آئے ہو۔" میرا شانہ پکڑ کر میرا رخ موڑ دیا گیا اور جب میں نے سامنے دیکھا تو نوید کے گھر کا دروازہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ میں کچھ دیر تک سناٹے کے عالم میں کھڑا رہا لیکن جو کچھ ہوا تھا وہ سب حیرت ناک نہیں تھا۔ البتہ خوشی تھی اس بات کی کہ میری پذیرائی ہوئی تھی۔ اچھی آپا کے بارے میں اب سوچنا کوئی ضروری بات نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ میری ماں کو یہ اچھی آپا کہتے ہیں۔ بڑی عجیب سی بات ہے کہ انسان کی زندگی میں اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ میری ماں سادہ لوح اور دیندار خاتون تھیں۔ جس طرح ان کی موت واقع ہوئی۔ اس طرح اگر یہ لوگ ان کی اتنی عزت کرتے تھے تو میری ماں کو قتل کرنے والوں سے انہیں انتقام لینا چاہئے تھا۔ بہرحال یہ ذمے داری کسی اور کی نہیں بلکہ میری تھی لیکن مجھے روک دیا گیا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ نوید چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھے اس کی حالت پر بہت زیادہ رحم آیا۔ میں نے کہا۔

"نوید! کھانا کھالو۔"

"کھانا؟" اس نے ویران نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"نوید! میں نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ کیا یہ ہوتی ہے مہمان نوازی؟ تم مجھے لے کر آئے ہو اور میں بھوکا ہوں۔" وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا پھر اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں جانتا ہوں بابر بھائی! آپ مجھے جذباتی کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں کھانا کھالوں میں آپ کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔ آیئے کھانا کھالیں۔" کھانا کھاتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

"دیکھو۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمیں اطلاع مل چکی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور یقینی طور پر جو لوگ انہیں یہاں سے لے گئے ہیں اگر وہ انہیں قتل کرنا چاہتے تو یہیں کر سکتے تھے اٹھا کر لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ جدوجہد کریں گے۔ ہمت ہار کر تو نہیں بیٹھ رہے ہیں اور انشاء اللہ وہ دونوں ہمیں بالکل اچھی حالت میں مل جائیں گی۔ کیا سمجھے؟"

"ہاں ٹھیک ہے اللہ مالک ہے۔" نوید نے بھاری لہجے میں کہا۔ ہم دونوں کھانے سے فراغت حاصل کر کے لیٹ گئے۔ رات بہت مختصر سی باقی رہ گئی تھی۔ صبح کو کسی نے ہمارا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو تین آدمی تھے۔ ان میں سے ایک غیاث علی صاحب بھی تھے۔ باقی دو ہندو معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"نوید بھیا! مجھے تو جانتے ہو نا؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں سندیپ! بستی سے چلے گئے ہو بھول تو نہیں سکتا تمہیں۔"

"نوید! یہ سندیپ تم جانتے ہو کہ رچنا گڑھی میں راجہ ٹھاکر کے ہاں نوکری کرتا ہے۔"

"اتنی تفصیل تو مجھے نہیں معلوم تھی۔"

"وہ دراصل بھیا! ہم لوگ' میرا مطلب ہے میں رچنا گڑھی میں زمیندار راجہ ٹھاکر کے ہاں نوکری کرتا ہوں اور وہاں کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ راجہ ٹھاکر کی گاڑی تین غنڈوں کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ راجہ ٹھاکر نے وہ گاڑی بھیجی تھی اور وہ وہیں واپس پہنچی ہے۔ میں نے یہ تو نہیں دیکھا کہ اس میں کسے لایا گیا ہے لیکن کاروائی وہیں سے ہوئی ہے۔" اس خبر نے ہماری رگوں میں آگ دوڑا دی تھی۔ نوید نے خونی نگاہوں سے سندیپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سندیپ تو گھر کسی سے ملنے کے لئے آیا ہے؟"

"ہاں۔ چھٹی لے کر آیا تھا تین دن کی۔ مگر تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"سندیپ تو ہمیں وہاں لے چلے گا؟"

"کیوں نہیں لے چلوں گا۔ تھوکتا ہوں ایسی نوکری پر۔ میری بستی کی بیٹیاں میری بہنیں ہیں۔ سو بار جیون دان کردوں گا۔ اس کا کیا سوال ہے کہ راجہ ٹھاکر ہماری بستی کو نقصان پہنچائے۔ فوراً چلو۔ میں ایسے راستے سے تمہیں راجہ ٹھاکر کی کوٹھی میں داخل کر سکتا ہوں۔ جہاں سے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ ہر طرح مدد کروں گا تمہاری۔ اتنی بات بتائی ہے میں نے کہ اندر حویلی میں آسانی سے آجا سکتا ہوں۔ راجہ ٹھاکر کر کے بہت سے رازوں سے واقف ہوں۔ بھیا! اگر تم مجھ سے کوئی کام لینا چاہو یا میرے ساتھ چلنا چاہو تو دل و جان سے حاضر ہوں۔ میں اپنی دونوں بہنوں کو ضرور برآمد کرلوں گا یہ میرا دعوی ہے۔"

سندیپ ایک پُرجوش نوجوان تھا۔ غیرت اور عزت کا نام جانتا تھا چنانچہ ہم لوگ فوری تیاریاں کرنے لگے۔ غیاث علی صاحب نے کہا۔

"بیٹا! مجھے کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ بات ہی ایسی ہوئی ہے۔ پر ذرا احتیاط سے کام لینا۔ سندیپ تیرے لئے بھی دل سے لاکھوں دعائیں ہیں کہ کس طرح تو نے بستی کی عزت کو دنیا کی ہر بات پر فوقیت دی ہے۔"

"جان دے دوں گا اور اپنے بابا سے کہہ رہا ہوں کہ بابا! اگر بستی کی عزت بچانے میں سندیپ کا سر کاٹ دیا جائے تو ہنستے ہنستے اس کا کریا کرم کرنا۔ ارے اسی لئے تو بھگوان بدن میں جان ڈالتا ہے کہ کسی اچھے کام میں صرف کی جائے۔" جو آدمی سندیپ کے ساتھ آیا تھا اس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! سر اونچا ہو جائے گا میرا اگر تو بستی کی عزت بچانے میں کام آجائے۔" بڑے لوگ تھے یہ۔ اتنے بڑے کہ ان کے احترام میں ان کا سر خود بخود جھک جائے۔ نوید میں بھی جیسے زندگی دوڑ گئی تھی۔ اس نے بے چینی سے کہا۔

"سندیپ! کب چلو گے؟"

"ایک بات بتاؤ بھیا! راستہ تو زیادہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں رات کو کوٹھی میں داخل ہونا زیادہ بہتر ہو گا۔"

"پتہ نہیں۔ وہ میری بہنوں کے ساتھ کیا سلوک کریں۔"

"بھگوان پر چھوڑ دو۔ ہماری بہنیں نیک چلن ہیں۔ میں بچپن سے انہیں جانتا ہوں۔ بھگوان بھی تو ہے نا۔ وہ ضرور ان کی عزت بچائے گا۔ ایسا کرتے ہیں دوپہر کے بعد نکل چلتے ہیں۔ کوئی چار گھنٹے کا راستہ ہے۔ وہاں چھپ جائیں گے اور رات ہونے کا انتظار کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"میں ذرا گھر جا رہا ہوں۔ ڈھائی تین بجے تک آجاؤں گا۔" سندیپ اور اس کا باپ چلے گئے۔ غیاث علی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے مالک! ہماری عزت رکھ لینا۔ میرا تو منہ کالا ہو چکا ہے۔ محافظ بن کر بیٹھا تھا حفاظت نہیں کر سکا اپنی ان کمزور ہڈیوں کے ساتھ لیکن دعا ضرور کرتا ہوں کہ اللہ بس اتنا ہی کرم کرنا کہ بچیوں کی عزت محفوظ رہے۔" وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ دوپہر کا کھانا بھی کسی گھر سے ہی آگیا تھا۔ بڑے محبت بھرے انداز تھے ان لوگوں کے آپس میں جو متاثر کرتے تھے۔ میں ان سب کو دیکھ رہا تھا ہر چیز محسوس کر رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر آرام کیا تھا کہ سندیپ آگیا اور اس نے کہا۔

"چلیں بھیا! بابا کے کہنے پر مکمل خاموشی رکھی گئی ہے اور کسی کو نہیں بتایا گیا کہ کچھ پتا چلا ہے۔ بس اس لئے کہا ہے یہ سب کہ بات بنی رہے۔ کسی کو کوئی شبہ نہ ہو سکے۔" میں نوید اور سندیپ چل پڑے۔ اب اپنی بڑی حویلی میں اتنے بڑے خطرناک آدمی سے واسطہ تھا۔ چھوٹا موٹا ہتھیار لے کر چلنا تو بے وقوفی ہی تھی۔ البتہ سندیپ سے میں نے تمام تفصیلات معلوم کر لی تھیں اور سندیپ نے جو کچھ بتایا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ راجہ ٹھاکر ایک خطرناک آدمی ہے۔ اسلحے کی اس کے ہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ بہت سے لوگ حویلی میں ہوا کرتے ہیں۔ باقاعدہ پہرہ ہوتا ہے۔ یہ ساری باتیں بڑی تفصیل سے پتہ چل چکی تھیں۔ بہرحال کچھ بھی تھا ہم تو سر ہتھیلی پر رکھ کر چلے تھے۔ آخر کار یہ طویل فاصلہ طے ہوا اور بستی رچنا گڑھی میں پہنچ کر ہم ڈھکے چھپے راستوں سے گزرتے ہوئے آخر کار راجہ ٹھاکر کی حویلی پہنچ گئے۔ سندیپ یہاں کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ جو خفیہ راستہ اس نے ہمارے اندر داخل ہونے کے لئے منتخب کیا تھا۔ وہ بہت عمدہ تھا۔ حویلی سے باہر جانے کے لئے یہ ایک چھوٹا دروازہ تھا۔ جس میں تالہ لگا رہتا تھا۔ سندیپ ہماری مدد سے کوئی نو فٹ اونچی دیوار پر چڑھا اور اس کے بعد وہاں سے نیچے کود گیا۔ پھر اس نے وہ چھوٹا دروازہ کھول دیا اور ہم دونوں اس سے اندر داخل ہو گئے۔ میں نے

سندیپ سے پوچھا۔

"کیا اس دروازے کے تالے کی چابی تمہارے پاس تھی؟"

"نہیں نوید بھیا! بس تھوڑے دن پہلے یہ حقیقت مجھے پتہ چلی تھی۔ اصل میں یہ تالہ تم دیکھ رہے ہو یہ بڑا پرانا ہے۔ اس کے لیور خراب ہو گئے ہیں۔ بس اسے زور سے دباؤ تو یہ چپک کر لٹکا رہ جاتا ہے۔ جھٹکا دو تو کھل جاتا ہے۔ اب دیکھو میں نے اسے چپکا دیا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ کھلا ہوا ہے۔ آجاؤ۔ آگے جو مہندی کی باڑ ہے نا اس کے ساتھ ساتھ اندر چلو۔ میرے پاس چھپنے کے لئے ایک بڑی اچھی جگہ ہے۔"

میں نے سندیپ کے بارے میں سوچا پتہ نہیں کس طرح کا لڑکا ہے اور اس نے یہ ساری خفیہ چیزیں کیوں دریافت کی ہیں۔ بہرحال یہ سارا مسئلہ میرے کام آرہا تھا اور مجھے وہ الفاظ یاد تھے جو میری دلجوئی کے لئے کہے گئے تھے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس چیز سے بڑا اعتماد حاصل ہو رہا تھا۔ بہرحال میں نوید کے ساتھ مہندی کے باڑ کے ساتھ ساتھ گزرتا ہوا اصل عمارت کے پچھلے دروازے میں داخل ہو گیا اور اس کے بعد سندیپ نے مجھے ایک ایسی جگہ بتائی جو ایک دو چھتی کی شکل کی تھی اور اس میں چھپا جا سکتا تھا۔ اس نے سرگوشی کے عالم میں کہا۔

"بھیا! میں جہاں رہتا ہوں وہاں تمہیں لے چلوں لیکن میرے ساتھ کچھ دوسرے ملازم بھی ہیں۔ ان پر ظاہر کرنا پڑے گا۔ ویسے یہاں مختلف کاموں کے لئے مزدور آتے رہتے ہیں۔ رات کو اگر کوئی کام نہ بنے تو کل دن کی روشنی میں تم مجھے یہیں مل جانا۔ میں تمہارے لئے مزدوروں کے حلئے کا انتظام کر دوں اور پھر کہیں تمہیں کام پر لگا دوں گا۔ میری یہاں ہی نوکری ہوا کرتی ہے۔"

"مگر سندیپ! ہم رات میں کام کرنا چاہتے ہیں۔"

"جہاں تم آگئے ہو نا بھیا! وہاں صرف حویلی کے اندر والے پہنچ سکتے ہیں۔ وہ تو بس بھگوان کی دیا ہے کہ مجھے ایسے خفیہ راستے معلوم ہو گئے ہیں جہاں سے میں تمہیں یہاں تک لے آیا ہوں۔ اب جو بات ہے نا وہ یہ ہے کہ تم یہاں چھپو اور بہتر ہے صبح ہونے کا انتظار کرو۔"

"سندیپ! تم یہ معلوم کرو کہ راجہ ٹھاکر کہاں ہیں؟ ذرا سی تفصیلات معلوم ہو جائیں تو ہمیں سکون ہو۔ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہماری بہنیں کہاں ہیں؟"

"یہ بات میں نے سوچ رکھی ہے بھیا جی! آپ بے فکر ہو جایئے ساری رات گزر

جائے' میں ساری بات معلوم کر کے ہی بتاؤں گا۔ مجھے پتہ تھوڑی تھا کہ اپنی بستی کی بیٹیاں اس طرح اٹھا کر لائی گئی ہیں۔" ہم اس دو چھتی پر پہنچ گئے۔ نوید غمزدہ لہجے میں بولا۔

"اللہ میری بہنوں کی حفاظت کرے۔ اگر انہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو یار بھائی! ہماری ان کوششوں کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔"

"دیکھو نوید! یہ الفاظ کہہ کر تم سوائے بددلی پیدا کرنے کے اور کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے رہے جب ہم اللہ پر بھروسہ کر چکے ہیں۔ تو ہمیں پورے اعتماد کے ساتھ صبر سے انتظار کرنا چاہئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہتری ہی کرے گا۔" نوید خاموش ہوگیا۔ رات کو کوئی ایک بجے سندیپ واپس آیا۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں ہمیں آواز دی تو ہم دونوں دو چھتی سے نیچے اتر آئے۔

"بھیا! سب معلوم کر لیا میں نے بھگوان نے۔ میری بڑی مدد کی ہے۔ تم سوامی جی کو جانتے ہو؟"

"کون سوامی جی۔" نوید نے پوچھا۔

"سوامی آنند بھری! مگر تم کیسے جانتے ہوگے وہ ہماری بستی میں تو کبھی نہیں آئے۔ البتہ میں نے انہیں یہاں کتنی ہی بار دیکھا ہے۔ بڑی عزت ہوتی ہے ان کی یہاں۔ راجہ ٹھاکر ان کا بھگت ہے اور وہ ان کی بڑی عزت کرتا ہے۔ سوامی جی آئے ہوئے ہیں اور مجھے پتہ چلا ہے کہ سوامی جی کے کہنے سے ہی دونوں بہنوں کو یہاں لایا گیا ہے اور یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ وہ دونوں تہہ خانے میں رکھی گئی ہیں۔" نوید کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہوگیا۔ ظاہر ہے یہ سب فطری بات تھی۔ اس کی بہنیں تھیں۔ اگر وہ نہ بگڑتا تو کیا کرتا لیکن میرے ذہن میں ایک عجیب سا تصور پیدا ہوا تھا میں نے کہا۔

"سندیپ! ان سوامی جی کے بارے میں اور کچھ معلوم ہو سکتا ہے؟"

"نہیں بس میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ یہ پہلے بھی یہاں کئی بار آ چکے ہیں۔ ویسے تو سادھو سنت قسم کے آدمی ہیں مگر چہرے سے شیطان ہی لگتے ہیں۔ راجہ ٹھاکر ان کا بڑا عقیدت مند ہے۔"

"تہہ خانے کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"ہاں۔ جانتا ہوں لیکن وہاں سخت پہرہ ہے۔ تم لوگوں کو ایک دن وہاں گزارنا ہوگا۔ کل رات میں سارا بندوبست کر لوں گا۔"

"کیسا بندوبست؟"

"پہرے داروں کا کریا کرم کر دوں گا۔ نشہ پلا کر بے ہوش کر دوں گا انہیں۔ تم اس کے بعد تہہ خانے تک جا سکتے ہو۔"

"لیکن کہیں.........."

نہیں۔ میں دیکھ چکا ہوں کہ راجہ ٹھاکر اپنے کمرے میں سو رہا ہے اور سوامی اس کمرے میں جہاں وہ ہمیشہ سوتا ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے یہ تمام معلومات حاصل کیں ہیں یہ سمجھ لو کہ بالکل سر ہتھیلی پر رکھ لیا تھا اور یہ تو کرنا ہی تھا ظاہر ہے میری بہنوں کا معاملہ تھا۔ میں اسے ایسے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔"

"ہاں۔ چلو ٹھیک ہے اگر تم مطمئن ہو تو یہ سب ٹھیک ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم نے یہ سب معلوم کیسے کیا.........؟"

"ہم ملازم قسم کے لوگ ساری باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں اور وہ لوگ کون تھے جو بہنوں کو اٹھا کر لائے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"ان کا بھی پتہ چل جائے گا۔ اصل میں یہ جو دولت مند لوگ ہوتے ہیں نا یہ ہر طرح کے کارندے اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ وہ بھی کرائے کے غنڈے ہوں گے۔" سندیپ نے بتایا پھر بولا۔

"چنتا مت کرنا کھانے پینے کی چیزیں بھی پہنچا دوں گا۔ بس ایک دن تمہیں یہاں گزارنا ہوگا۔" سندیپ نے اپنے کہنے پر عمل کیا۔ جگہ ہی کچھ ایسی تھی کہ لوگ اِدھر زیادہ آتے جاتے نہیں تھے۔ صبح کا بھرپور ناشتہ اس نے مجھے پہنچایا تھا اور کہا تھا۔

"راجہ ٹھاکر سوامی آنند کے ساتھ کہیں گئے ہوئے ہیں۔ میں نے باقی بندوبست شروع کر دیا ہے۔ تم لوگ فکر مت کرنا۔ بہنوں کو اگر نکال کر لے جانا ہے تو اس کے لئے بھی میں بندوبست کر دوں گا سواری وغیرہ کا۔"

"سندیپ! تمہارا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔" نوید نے کہا۔

"نوید بھیا! اپنے آپ کو ہی صرف بھائی سمجھتے ہو بہنوں کا۔ سنو۔ میں بھی اس جگہ نوکری نہیں کروں گا جہاں ایک ایسا کمینہ شخص موجود ہے جو میری بہنوں کو اٹھا کر لے آیا تھا۔ یہ تو بس دو چار دن کی بات ہے۔ بہنیں عزت سے واپس پہنچ جائیں۔ سمجھ لو سارا کھیل ختم ہوگیا۔ میں اس کے بعد خود بھی یہ جگہ چھوڑ دوں گا۔"

برائی کسی خاص وجود میں نہیں پلتی وہ کسی شخص کے اندر سما سکتی ہے۔ سندیپ

بہت بڑا انسان تھا اور جو کچھ وہ کر رہا تھا وہ بلاشبہ انسانیت کا ایک بہت بڑا نمونہ تھا۔ میں دل ہی دل میں اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔ بہرحال وقت گزرتا رہا اور پھر رات کو کوئی گیارہ بجے سندیپ نے آکر مجھے اطلاع دی۔

"سوامی آنند بھری اور راجہ ٹھاکر تہہ خانوں کی طرف گئے ہیں۔ بس پندرہ منٹ انتظار کر لو۔ دو بندے پہرہ دے رہے ہیں وہاں۔ میں انہیں "فیں" کئے دیتا ہوں اور اس کے بعد تم لوگوں تک پہنچتا ہوں۔ ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں جلدی کرو۔ میرے بھائی لیکن میری بہنوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔" نوید نے رونے والی آواز میں کہا۔

"بس تم تیار رہو تھوڑی ہی دیر میں آتا ہوں۔ اگر کچھ نہیں ہو سکا تو ان کے سر پر ہتھوڑے مار کر انہیں بے ہوش کر دوں گا۔ جیسے بھی بن پڑا۔ ویسے ادھر کوئی نہیں آتا سوائے مالک کے' اس لئے پرواہ مت کرو میں اپنا کام کر لوں گا؟ نوید کے پورے بدن میں کپکپاہٹ طاری تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ شدید اعصابی بحران کا شکار ہے لیکن بہرحال تھوڑا سا انتظار تو کرنا ہی تھا۔

لمحے گھڑی کی ٹک ٹک کی طرح سست رفتاری سے گزر رہے تھے۔ ذرا سی آہٹ ہوتی تو ہمارے کان کھڑے ہو جاتے یوں لگتا جیسے سندیپ آگیا ہو اور ہمیں چلنے کے لئے کہنے والا ہو۔ ایک شدید گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ اس دوران مکمل خاموشی طاری رہی تھی پھر تاریکی میں سرگوشی ابھری۔

"بابر بھائی! ہم کریں گے کیا ہم تو بالکل نہتے ہیں۔ ذرا سی غلطی ہو گئی سندیپ سے کہتے کہ ہمیں کوئی ہتھیار مہیا کر دے۔"

"فکر مت کرو نوید! ہم سب کچھ کر لیں گے بس اب تو چند ہی لمحے باقی رہ گئے ہیں۔" پھر سندیپ آگیا اس نے سرگوشی کی۔

"آجاؤ نیچے۔"

ہم دونوں برق رفتاری سے نیچے کود آئے تو سندیپ نے کہا۔

"چلو۔ لیکن ایک دوسرے سے تھوڑا فاصلہ رکھو میں سب سے آگے جا رہا ہوں۔ میرا پیچھا کرو۔ اس کے پیچھے آپ آجاؤ بابر جی اور نوید تم سب سے پیچھے رہو۔ ذرا سی کوئی بات ہوئی تو مجھے ہی دیکھا جائے گا۔ میں بات بنا لوں گا تم دونوں چھپ جانا۔"

ہم ایک راہداری میں پہنچ گئے جو آگے جا کر بائیں سمت گھوم جاتی تھی اور اس کے

بعد پھر بائیں سمت۔ ظاہر ہے ایک بہت بڑی حویلی تھی۔ وسیع و عریض راستے تھے خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم لوگ ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ راہداری میں مدھم مدھم روشنیاں تھیں۔ دو تین جگہ ہمیں راہداری کی دوسری جانب پہریدار ٹہلتے ہوئے نظر آئے۔ ایسے موقع پر ہم چوپائے بن جاتے تھی اور چاروں ہاتھوں اور پیروں کے بل چلتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے جس میں اس وقت روشنی تھی۔ سندیپ اس میں اندر داخل ہو گیا اور اس نے کہا۔

"یہ کمرا بالکل تاریک پڑا رہتا ہے۔ اس میں روشنی نظر آئے تو سمجھ لو کہ راجہ ٹھاکر تہہ خانے میں اترا ہے۔"

"وہ پہریدار کہاں ہیں جو یہاں پہرہ دیتے ہیں؟

"آؤ۔" سندیپ نے کہا۔

اور ہم اس کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ گئے جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ یہاں بھی ایک چھوٹی سی راہداری تھی جو دوسرے کمرے تک جاتی تھی۔ اس راہداری میں بھی مدھم مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہیں ہم نے دو لمبے چوڑے آدمی دیکھے جن کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ سندیپ نے کہا۔

"سسرے بہت زیادہ وفادار تھے۔ میں ان کے لئے چائے لے کر آیا اور میں نے کہا کہ چائے پی لو تو دونوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ مالک جب ڈیوٹی لگاتا ہے تو وہ لوگ صرف ڈیوٹی دیتے ہیں کھاتے پیتے نہیں ہیں حالانکہ میری ان سے اچھی خاصی جان پہچان تھی اور اکثر میں انھیں کھانے پینے کی چیزیں دے دیا کرتا ہوں۔ اس وقت بھی میں نے یہی کہا تھا کہ موسم بڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے چائے پی لیں مگر نہیں مانے۔ میں چائے واپس لے کر گیا اور اس کے بعد ڈنڈا لے کر آیا اور بس پھر میں نے ان کو ہاتھ دکھا دیئے۔"

"ہوش میں تو نہیں آجائیں گے۔"

"ارے۔ ذرا کھوپڑی دیکھ ان کی۔ میں تو کہتا ہوں کہ شاید کبھی بھی ہوش میں نہ آئیں۔" سندیپ نے ہنس کر کہا۔

اور نوید نے جھک کر یہ اندازہ لگایا کہ ان کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں یا نہیں۔ سندیپ نے تو بالکل ہی کس کر پھینک دیا تھا انہیں اور پھر ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ سامنے ایک دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے روشنی آرہی تھی۔ دروازے کے فوراً

بعد سیڑھیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ چودہ سیڑھیاں تھیں۔ بارہ سیڑھیوں تک تو ہم آرام سے اترے لیکن باقی دو سیڑھیاں سندیپ کے پیچھے بھاگ کر طے کی تھیں۔ آخر میں بھی دروازہ تھا جو کھلا ہی ہوا تھا۔ غالباً ان لوگوں کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ کوئی یہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ بہت ہی شاندار ہال تھا جس میں جگہ جگہ گول مسہریاں پڑی ہوئی تھیں ان کی تعداد پانچ تھیں۔ درمیان میں ایک خوبصورت میز لگی ہوئی تھی اور دو افراد اس میز کے گرد بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں اور میں نے ایک بستر پر دو لڑکیوں کو بیٹھے دیکھا۔ ان کے پاؤں بندھے ہوئے تھے اور ہاتھ پیچھے مسہری کے کڑوں سے باندھ دیئے گئے تھے۔ اندازے کے مطابق یہ دونوں بہنیں تھیں۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے میز پر بیٹھے ہوئے دونوں افراد کو دیکھ رہی تھیں اور ان کی نگاہیں ہم تک نہیں پہنچی تھیں لیکن ان دونوں نے ہمیں دیکھ لیا اور دونوں ہی میز سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ اندر اچھی خاصی تیز روشنی تھی۔ اس روشنی میں' میں نے منگلہ سن کو صاف پہچان لیا۔ یہ ہی یہاں آنند بھری کے نام سے آتا ہوگا۔ منگلہ سن نے بھی شاید مجھے دیکھ لیا اور نوید کو بھی۔ اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

"لو راجہ ٹھاکر۔ دیکھ یہ کتے کے پلے کہاں سے آگئے؟"

"راجہ ٹھاکر خود پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے سندیپ کو دیکھا اور بولا۔

"او' کتے کون لایا ہے انھیں یہاں' تو؟"

"کتے کے بچے' نمک تو کھایا تھا میں نے تیرا پر اب مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تجھ جیسے حرامی کا نمک کھایا ہے میں نے۔ تیری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے راجہ ٹھاکر' تجھے پتہ نہیں کہ یہ دونوں لڑکیاں میری بستی کی ہیں میری بہنیں ہیں یہ۔"

"اب تو تو ہندو ہے یہ لڑکیاں تو مسلمان ہیں۔" راجہ ٹھاکر نے کہا۔

"تم جیسے کتے ان باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہندو اور مسلمان کے نام پر یہ سارے کھیل کھیلتے ہیں۔ چلو ٹھیک ہے ان دونوں سے بات کرو۔"

"راجہ ٹھاکر بات بہت بڑی ہے چھوٹی نہیں ہے۔ تمہارا کام نہیں ہے یہ میرا کیس ہے۔" اس بار منگلہ سن نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر بولا۔

"ہاں بابر علی' تو تو آگیا یہاں پر' یار اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تو بھی بڑی ڈھیٹ ہڈی ہے۔ یہاں کیسے آمرا کیا واسطہ تیرا ان لوگوں سے؟ اسے جانتا ہے نا تو؟ یہ کچھ ٹکوں کا

آدمی ہے۔ تھوڑے سے کاغذ کے ٹکڑے مجھ سے لے کر اس نے تیرے قتل کا وعدہ کیا تھا اور تجھ پر مسلسل قاتلانہ حملے کر رہا تھا۔ جب یہ اپنے حملوں میں ناکام ہو گیا تو تیرے پیروں پر پڑ گیا۔ حرامی سے پہلے ہی کہا تھا کہ بات کسی معمولی آدمی کی نہیں ہے بلکہ ایک زیادہ بڑا حرامی راستے میں ہے اس سے مقابلہ کرنا ہے' کرے گا؟ کہنے لگا۔ بہنوں کے لئے سب کچھ کروں گا پر دھوکہ دے دیا مجھے۔ یہ کیا سمجھتا تھا میں اسے چھوڑ دوں گا۔ میں نے بھی قسم کھائی تھی بیٹا' ایسا چرکہ دوں گا تجھے کہ تو بھی یاد کرے گا اور اب یہ میری مٹھی میں ہے۔ ان دونوں کتیوں کو میں یہاں لے آیا ہوں۔ تو ان کی مدد کرنے آیا ہے ابھی تماشہ دیکھنا ان کا کیا ہوتا ہے کیوں راجہ ٹھاکر' کیا ہم اتنے ہی کمزور اتنے ہی بزدل ہیں؟"

"منگلہ سن تیرے میرے بہت سے کیس چلے بہت معرکے ہوئے تیرے میرے ساتھ لیکن آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آخری معرکہ ہوگا۔ اس کے بعد ہم دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ رہنا ہوگا۔ راجہ ٹھاکر میں نہیں جانتا کہ تو کیا چیز ہے نوید نے تیرے بارے میں مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ میں نہیں جانتا کہ تو نوید کی بہنوں کو کیوں اٹھا کے لایا ہے لیکن تو یہ سمجھ لے کہ یہ ایک برا عمل ہے۔ ہوسکتا ہے تو اس سے پہلے بہت سے گھروں کو نقصان پہنچا چکا ہو لیکن راجہ ٹھاکر۔ ہر چیز کا جواب دینا ہوتا ہے۔ یہ آدمی جس کا تو عقیدت مند ہے کوئی سادھو نہیں۔ یہ ایک کالے علم کا ماہر' کمینہ انسان اور جادوگر ہے۔ منگلہ سن نیل کنول کے بارے میں بتائے گا تو کہ وہ کہاں ہے؟"

"کچھ نہیں بتاؤں گا کتے کے بچے' کچھ نہیں بتاؤں گا۔" منگلہ سن نے کہا۔

پھر اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور کسی چمگادڑ کی طرح اڑتا ہوا مجھ پر آرہا لیکن میں بھی تیار تھا۔ وہ میرے سر سے اونچا ہو کر مجھ پر سے گزرا تو میں نے اچانک ہی اچھل کر اسے گردن اور کمر سے پکڑ لیا اور پھر پلٹ کر اسے پوری قوت سے زمین پر دے مارا۔ منگلہ سن کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکلی تھی اور وہ زمین پر گرتے ہی دونوں ہاتھوں پیروں کے بل دوڑتا ہوا دیوار تک چلا گیا تھا وہاں پہنچ کر وہ کچھ لمحے کراہتا رہا۔ اِدھر مجھے راجہ ٹھاکر کی چیخ سنائی دی تو میں نے پلٹ کر دیکھا نوید نے راجہ ٹھاکر کو اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا اور اب اس کے سینے پر چڑھا ہوا بیٹھا تھا لیکن مجھے ادھر دیکھنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ اچانک ہی منگلہ سن نے اپنا روپ بدلا اور ایک خونخوار بھیڑیئے کی شکل اختیار کر گیا۔ وہ اپنی چھوٹی چمکدار آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اپنے منہ سے بسم اللہ کہا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ منگلہ سن نے کسی

خونخوار بھیڑیئے ہی کی مانند مجھ پر ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی مگر بدنصیب غلطیوں پر غلطیاں کر رہا تھا۔ اس بار بھی میرے سر پر سے گزرا تو میں نے اسے پھر ہاتھوں میں سنبھال لیا۔ اس نے میری کلائی پر منہ مارا لیکن میں نے ایک لمحے کے اندر اسے پھر زمین پر دے مارا اور اس بار میں نے اسے چھوڑا نہیں تھا بلکہ اس کی پچھلی دونوں ٹانگیں پکڑ لی تھیں۔ وہ پنجوں کے بل زمین پر کھرونچے مار کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں نے بھی یوں قوت سے اس کی ٹانگیں پکڑی ہوئی تھیں اور وہ میری گرفت سے نکل نہیں رہا تھا پھر اچانک ہی میں نے بہت پُرجوش ہو کر منہ سے ایک نعرہ لگایا اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے اوپر اٹھا لیا پھر میں نے اسے گھما کر دیوار میں دے مارا لیکن اس بار ایک اور عجیب منظر دیکھنے کو ملا۔ اگر وہ دیوار سے جا کر ٹکرا جاتا تو یقیناً اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ جاتے لیکن دیوار تک پہنچنے سے پہلے اس نے اچانک ہی اپنے جسم کو چھوٹا کر لیا اور ایک بدصورت پرندے کی شکل اختیار کر کے اس نے ایک روشندان کی جانب چھلانگ لگا دی اور پرواز کرتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ نکل گیا میرے ہاتھ سے لیکن راجہ ٹھاکر' کو نوید نے ختم کر دیا تھا۔ راجہ ٹھاکر کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور اس کے حلق سے آخری خرخراہٹیں بلند ہو رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اس نے دم توڑ دیا اور نوید اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر سندیپ دونوں لڑکیوں کے ہاتھ اور پاؤں کھول رہا تھا اور اس میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ منگلہ سن کسی اور شکل میں نمودار ہو گا لیکن سارے کاموں سے فراغت ہو گئی۔ راجہ ٹھاکر مر گیا۔ سندیپ نے لڑکیوں کو کھول کر کھڑا کر دیا تھا دونوں لڑکیاں دوڑ کر نوید سے لپٹ گئیں۔ وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ نوید نے انھیں دلاسے دیئے۔ سندیپ کہنے لگا۔

"اب نکل چلیں۔ وہ شیطان سوامی بھاگ گیا۔ کم بخت یہاں تو بڑا گیانی بن کر آیا کرتا تھا اور راجہ ٹھاکر اس کی بڑی آؤ بھگت کرتا تھا پر یہ تو شیطان جادوگر نکلا۔" پتہ نہیں نوید اور سندیپ کے ذہنوں میں اس سلسلے میں کیا ہو لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ منگلہ سن ضرور ہمارا کہیں نہ کہیں راستہ روک لے گا۔ اس کے بعد سندیپ نے ہم سے کہا۔

"اب ایسا کرو بھیا' آپ اسی راستے سے باہر نکل جاؤ جس سے یہاں تک آئے ہو میں یہاں رکتا ہوں دو تین دن رک کر صورتحال کا جائزہ لیتا ہوں کہ کیا رہتی ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤں۔ یہاں راجہ ٹھاکر بے شک عیاشیاں کرتا ہے اور یہ سوامی بھی یہاں بدنام نہیں ہے لیکن زیادہ لوگوں کو یہاں کے بارے میں نہیں معلوم ہے۔ ہو سکتا ہے کسی کو نہ

پتہ چلے کہ راجہ ٹھاکر مارا گیا ہے۔ اس تہہ خانے کے بارے میں بھی کسی کو نہیں پتہ ہے چنانچہ جب تک لاش کا تعفن بہت زیادہ نہیں پھیل جائے گا کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ میں یہ دیکھ کر آتا ہوں کہ صورتحال کیا رہی ہے۔ اب یہ کتا تو مر ہی گیا۔ تم لوگ نکل جاؤ یہاں سے' اس کے بعد میں واپس آجاؤں گا اور صورتحال تمہیں بتاؤں گا۔"

ہم نے سندیپ کی بات سے اتفاق کیا تھا اور اس کے بعد اس پُراسرار راستے سے ہم چاروں بمشکل تمام نکل کر باہر آئے نوید اپنی دونوں بہنوں پر نثار ہو رہا تھا۔ میں بھی خوش تھا لیکن میرے ذہن میں یہ تشویش تھی کہ دیکھو راستہ کس طرح سے کٹتا ہے۔ منگلہ سن میرے ہاتھوں پٹ کر بھاگ گیا تھا۔ کم بخت کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس طرح نکل جائے گا ورنہ اس کی ٹانگیں بھی توڑنے کی کوشش کرتا۔ بہرحال ابھی اس کی زندگی بھی تھی اور میری بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔ ہم آخر کار بستی پہنچ گئے اور خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے۔ نوید بار بار رونے لگتا تھا۔ بہنوں کو گھر واپس لا کر اس نے میرے پاؤں پکڑ لئے اور بولا۔

"میں مر کر بھی تمہارا احسان نہیں اتار سکتا بابر بھائی۔ کیا کہوں۔ کیا نہ کہوں۔ تم نے بہت بڑا احسان کیا ہے میرے اوپر۔"

"نہیں نوید' ایسا تو نہ کہو۔ اگر احسان ہی کی بات کرتے ہو تو تم پر یہ مشکل بھی تو میری وجہ سے ہی آئی تھی۔ یہ تو میرا فرض تھا کہ تمہیں اس مشکل سے نکالوں۔ اب تم یہ کرو کہ ایک لمحہ ضائع مت کرو جیسے بھی بن پڑے اپنی بہنوں کی شادی کرنے کی کوشش کرو۔"

"کل سے میں یہ ہی عمل کرتا ہوں۔"

"تو میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ایں۔" نوید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں نوید اس کی وجہ یہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ منگلہ سن میری وجہ سے پھر ادھر کا رخ کرے اور تمہیں مشکل پیش آجائے۔"

"بابر بھائی' ویسے تو میں آپ کو روکنے کا کوئی حق تو نہیں رکھتا۔ جتنا کچھ آپ نے میرے لئے کر ڈالا ہے وہ کم نہیں ہے لیکن ایک بات ضرور کہوں گا میری ایک مشکل تو آپ نے ختم کر دی۔ زیادہ تو نہیں لیکن کم از کم دوسری مشکل دور ہونے تک تو یہاں رک جایئے۔ میں کتنی خوشی محسوس کروں گا کہ میرا کوئی دست راست ہے اور میری

بہنوں کو رخصت کرنے میں میری مدد کر رہا ہے۔ آپ یہاں موجود ہوں گے تو میں پورے اطمینان کے ساتھ باقی بھاگ دوڑ کر لوں گا اور دوسری بات یہ ہے بابر بھائی کہ منگل سن سے تو خطرہ ہمیں رہ سکتا ہے۔ کم از کم اس وقت تک تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ ہمارے ساتھ رہیں جب تک کہ یہ دونوں لڑکیاں اپنے گھروں میں نہ چلی جائیں۔"

یہ بات میرے لئے بھی ذرا قابل غور تھی۔ چنانچہ میں یہاں رک گیا اور واقعی ہی نوید نے فوراً ہی اس سلسلے میں کوششیں شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساتویں دن دو باراتیں نوید کے گھر پہنچ گئیں۔ ہم نے سادے انتظامات کر لئے تھے۔ سندیپ بھی آ گیا تھا اور اس نے آکر یہ ہی بتایا تھا کہ ابھی تک راجہ ٹھاکر کی لاش دریافت نہیں ہوئی ہے۔ سندیپ نے یہ بھی بتایا کہ اس نے وہ دروازے بند کر دیئے تھے اور دوسری بات اس نے ایک اور بتائی۔ وہ یہ کہ ان دونوں پہریداروں کو بھی اس نے قتل کر کے اس تہہ خانے میں ڈال دیا تھا اور ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ اگر وہ لاشیں دریافت ہو بھی جائیں تو یہ پتہ چلے کہ پہریداروں اور راجہ ٹھاکر کا کوئی چکر تھا جس کی وجہ سے تینوں مارے گئے۔ سندیپ نے بڑی عقلمندی سے کام لیا تھا اور اس طرح سے بات بن گئی تھی لیکن منگل سن کا خطرہ بدستور موجود تھا۔ دونوں لڑکیاں رخصت ہو گئیں تو نوید نے خوش ہو کر کہا۔

"اب اگر منگل سن مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دے تو بھی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے اور وہ بھی بھیا دشمن کے پیسے سے۔"

نوید نے وہی پانچ لاکھ روپے خرچ کئے تھے اس شادی میں اور ایک ایک پائی خرچ کر ڈالی تھی پھر اس نے کہا۔ "میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں تو کہیں بھی چلا جاؤں گا۔ کیوں بھیا ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اس ساری کاروائی کے دوران میں مستقل طور پر محتاط رہا تھا کہ کہیں منگل سن کسی شکل میں واپس نہ آجائے لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملا تھا۔ بہرحال اب میرے لئے یہاں رکنا بے معنی تھا۔ ویسے بھی اس بستی سے میرا کوئی خاص تعلق تو تھا نہیں چنانچہ میں نے بھی طے کیا کہ اب یہاں سے نکل لینا چاہئے۔ نوید سے جب بھی جانے کی بات کرتا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر لاتا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھے کبھی یہاں سے جانے نہیں دے گا۔ خاموشی سے نکل جانا ہی میرے حق میں بہتر تھا چنانچہ ایک رات خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور چل پڑا۔ میرے ذہن میں اب بھی منگل سن تھا اور میں کسی بھی لمحے اس کے سامنے آنے کا منتظر تھا لیکن اب کم از کم یہ

ضرور ہو گیا تھا کہ مجھے منگل سن کا خوف نہیں رہا تھا۔ میرے دل کو ایک اطمینان تھا کہ بے پناہ قوتیں میرا ساتھ دے رہی ہیں اور میں تنہا نہیں ہوں۔ یہ عقیدہ اس تصور سے اور بھی پختہ ہو گیا تھا کہ جب میں نے ان کی پناہ مانگی ان کی مدد مانگی تو میری مدد کی گئی اور مجھے راستہ دکھایا گیا کہ میں مشکل میں گرفتار نہ رہوں۔ یہ ہی کہا گیا تھا مجھ سے کہ جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا اور واقعی سب ٹھیک ہو گیا تھا۔

میں ویرانوں کا سفر کرتا رہا۔ میری نگاہیں اس کھنڈر کی تلاش میں بھٹک رہیں تھیں۔ میں وہاں جا کر اپنی مددگار قوتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ راستے وہی تھے پورے ہوش و حواس کے عالم میں میں نے وہاں تک کا سفر کیا تھا لیکن حیرت کی بات تھی پہلے تو مجھے وہ کھنڈر آسانی سے نظر آ گیا تھا لیکن اب اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ میں جانے کب تک مارا مارا پھرتا رہا۔ ایک رات دوسرا دن پھر دوسری رات اور تیسرا دن۔ اتنا سارا فاصلہ میں نے مختلف راستوں سے گھوم پھر کر طے کیا تھا اور تھکن سے چور ہو گیا تھا کیونکہ اس دورانیہ میں' میں نے کسی آبادی کا رخ نہیں کیا تھا۔ کھانے پینے کا سامان بھی بہت مختصر تھا میرے پاس' چند گھونٹ پانی اور تھوڑی سی غذا لے کر یہ دوران گزارا تھا لیکن کھنڈر کا کہیں نام و نشان نہیں ملا تو میں نے ٹھنڈی سانس لے کر سوچا کہ اب شاید وہ لوگ بار بار میرے سامنے نہیں آنا چاہتے۔ ان کے لئے بھلا کیا مشکل تھا ایک لمحے کے اندر مجھے طویل فاصلے طے کر کے نوید کے گھر پہنچا دیا گیا تھا تو اس کھنڈر کو وہاں سے غائب کر دینا ان لوگوں کے لئے کون سا مشکل کام تھا۔ چنانچہ اب وہ نہیں مل رہا تو اس کی تلاش بے کار ہے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے وہاں سے آگے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ کوئی منزل نہیں تھی۔ کوئی نشان نہیں تھا۔ بس دل میں کچھ آرزوئیں تھیں کچھ خیالات تھے۔ سینے میں ایک ہوک سی تھی۔ کوئی یاد آتا تھا کبھی کبھی' باقی تو خیر سب ماضی میں کھو گیا تھا۔ بہت سی یادیں بھلا دی تھیں میں نے' لیکن یادیں پیچھا کہاں چھوڑتی ہیں۔ یہ تو انسان کا اپنا بیکار تصور ہوتا ہے کہ اس نے یادوں کو بھلا دیا۔ ہاں شعور سے لاشعور میں یہ یادیں ضرور چلی جاتی ہیں اور جب لاشعور جاگتا ہے تو پھر کرب کا وہ عالم ہوتا ہے کہ اللہ کی پناہ!

☆------☆------☆

ویرانے طے ہوتے رہے پھر کسی بستی کے آثار نظر آنے لگے۔ انسانوں نے ایسے ہی جھگڑے پھیلائے ہوئے ہیں حالانکہ زندگی اپنے بس کی ہے نہ موت۔ بس سب وقت گزاری کے جھگڑے ہوتے ہیں میرے قدم اس بستی کی جانب اٹھتے چلے گئے۔ نہ جانے کونسی بستی ہے۔ ابتداء میں تو چھوٹے چھوٹے کچے پکے مکان نظر آرہے تھے لیکن اس کے پس منظر میں بڑے بڑے مکانوں کے سلسلے بھی دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ جوں جوں آگے بڑھتا چلا گیا بستی کی تصویر نمایاں ہوتی چلی گئی۔ میں نے سوچا کہ منہ اٹھا کر بستی میں داخل ہونے کی بجائے ذرا یہاں کی صورتحال کا جائزہ لیا جائے اور تھوڑا سا وقت یہاں گزار کر یہ دیکھ لیا جائے کہ بستی کی کیفیت کیا ہے۔ اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں تو ایک طرف بہت بڑا برگد کا درخت نظر آیا۔

برگد کے اس طرح کے درخت ذرا کم ہی نظر آتے ہیں۔ اس کے تنے کی چوڑائی کوئی بارہ فٹ کے قریب ہوگی۔ اسی مناسبت سے اوپر کا پھیلاؤ تھا۔ جگہ جگہ برگد کی جڑیں بکھری ہوئی تھیں خیر صحیح اندازہ تو کوئی بھی نہیں لگا سکتا تھا لیکن یقینی طور پر یہ درخت ہزاروں سال پرانا ہوگا۔ درختوں کی زندگی بھی بعض اوقات بڑی طویل ہوتی ہے۔ میں نے اسی درخت کی جانب رخ کیا۔ یہاں سے بستی کا اچھی طرح جائزہ لیا جاسکتا تھا۔ بات کچھ بھی نہیں تھی۔ بس یونہی دل چاہا تھا کہ اس درخت تک پہنچا جائے۔ درخت کی جڑ کے ساتھ ساتھ ایک وسیع و عریض چبوترا سا بنا ہوا تھا۔ بڑی ہی پُرامن اور پرسکون جگہ تھی میں اس کے نیچے جاکر بیٹھ گیا۔ ٹھنڈی چھاؤں اور ہوا کے جھونکے شراب بن گئے اور اس شراب نے مجھے نشہ آلود کردیا۔ ایسے نیند آئی جیسے زیادہ پی جانے والے کو آتی ہے اور بس بے سدھ ہوکر سوگیا اور ایسا سویا کہ رات ہی کو آنکھ کھولی۔ میں حیران رہ گیا تھا۔ تاحد نظر رات کی تاریکیاں بکھری ہوئی تھیں وقت بھی اتنا گزر چکا تھا کہ بستی کے چراغ مدھم ہوگئے تھے اور روشنیاں بہت کم نظر آرہی تھیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ باپ رے باپ

ایسی بھی کیا نیند' آسمان پر چاند آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا اور شاید چاندنی میری راہنمائی کسی خاص سمت کرنا چاہتی تھی کیونکہ چاند کی ایک کرن برگد کے پتوں سے چھنتی ہوئی ایک ایسی جگہ پڑ رہی تھی جہاں بڑا سا پتوں کا دونا رکھا ہوا تھا۔ ایک ایسا برتن جو کھانے پینے کی چیزوں کے لئے گھر میں استعمال کیا جاتا ہے اس میں مٹھائی رکھی ہوئی تھی۔ برابر میں کچھ پھل رکھے دئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی گیندے کے کچھ پھول نظر آرہے تھے۔ یقینی طور پر یہ ہندوؤں کی پوجا پاٹ کا سامان تھا۔ برگد کا یہ درخت پوجا جاتا ہوگا مگر اس وقت یہ مٹھائی اور پھل میری بھوک کا حل تھے۔ سوچے سمجھے بغیر کہ پوجا کا سامان کھانا چاہئے کہ نہیں میں نے اپنی شکم سیری شروع کردی تھی۔ تھوڑی سی مٹھائی تھوڑے سے پھل۔ طبیعت آسودہ ہوگئی تھی البتہ پیاس لگ رہی تھی میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک عورت کو اپنے بالکل پیچھے کھڑا پایا۔ سفید دھوتی میں ملبوس تھی ہاتھ میں تانبے کا برتن لئے کھڑی تھی۔

"پانی پی لو۔ تھانیدار جی۔" اس نے کہا اور برتن میری جانب بڑھا دیا میں نے برتن لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو بولی۔ "نہیں چلو سے پیو۔"

چلو میں سمجھتا تھا۔ دونوں ہاتھوں کا برتن بنا کر میں نے آگے کیا اور ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس نے میرے ہاتھوں میں پانی ڈالنا شروع کردیا۔ اس بے ہودہ طریقے سے تھوڑا سا پانی پیا اور پھر عورت کو دیکھنے لگا۔

"کون ہو تم؟"

"ہرداری۔" اس نے شکایتی انداز میں کہا اور اس طرح کہا جیسے میں ہرداری کے پورے خاندان کو جانتا ہوں۔

"تمہارا شکریہ ہرداری تم نے مجھے پانی پلایا ہے۔"

"تم بھی تو ہمارا کام کردو تھانیدار جی۔"

"ہرداری بس یہیں سے ذرا سی غلطی تم سے ہوگئی ہے میں تھانیدار نہیں ہوں۔"

"اب چھوڑو جھوٹ مت بولو ہم سے۔ ارے دیکھو رے دیکھو تھانیدار جی آگئے ہیں پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہمارا کام نہیں کرنا چاہتے یہ۔"

تب میں نے بہت سے قدموں کی آوازیں سنی اور پھر ایک عجیب سا احساس میرے دل میں پیدا ہوگیا۔ بوڑھے' جوان' بچے' عورتیں مظلوم چہرے والے بہت سے میرے گرد جمع ہوگئے تھے۔ عورت کہنے لگی۔

"دیکھ لو تھانیدار جی۔"

"تھانیدار نہیں ہیں یہ' کیوں تھانیدار تھانیدار کیے جارہی ہے۔ ٹھاکر جی مہاراج کہہ نا انہیں۔" کسی دوسرے نے کہا۔

"ارے چھوڑو نمبردار ہیں یہ' نمبردار جی ہمارے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے دیکھو تو سہی یہ ہمارا بچہ ہے چھوٹا سا' نمبردار جی ہم بجرنگی لعل کی حویلی میں کام کرتے تھے۔ بچہ بیمار تھا ہمارا۔ ہم نے بجرنگی سے کہا کہ مہاراج' اس کا علاج کرانے کے تھوڑے سے پیسے چاہئیں۔ نشے میں تھا پاپی۔ کہنے لگا تم کہو تو میں اس کا علاج کر دوں۔ ہم سمجھے کہ بڑا آدمی ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی علاج جانتا ہو۔ ہم نے ہاتھ جوڑ کر کہا کر دو مہاراج' اس پاپی نے ہمارے بچے کو سر سے اونچا اٹھایا اور زمین پہ دے مارا اور مر گیا۔ یہ بے چارا' دیکھو مر گیا۔" اس نے اپنے بچے کی جانب اشارہ کیا تو بچہ جلدی سے بولا۔ "ہاں نمبردار جی میں مر چکا ہوں اور ماں بھی مر چکی ہے۔" ایک لمحے کے لئے میرے پورے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں نے ایک نگاہ دیکھا وہ سب کے سب عجیب و غریب حلئے اور شکل میں نظر آرہے تھے۔ ایک بوڑھا آدمی آگے بڑھ کر بولا۔

"چلو رے چلو بے وقوفو' نہ یہ تھانیدار ہیں نہ نمبردار اور نہ ہی ٹھاکر۔ یہ تو مولوی صاحب ہیں مولوی صاحب' مولوی صاحب آپ کو پتہ ہے میرے ساتھ کیا کیا ہے اس پاپی نے۔ ارے ناس ہو اس بجرنگی لعل کا بیٹا مار دیا آگ میں جلا کر مار دیا مولوی صاحب ایک ہی بیٹا تھا میرا اس نے مار دیا۔ اس نے جب بیٹا مر گیا۔ تو میں جی کر کیا کرتا میں بھی مر گیا زہر پی لیا تھا میں نے۔"

"تو میں نے اور کیا کیا ہے داروغہ جی میں نے بھی تو زہر پیا ہے۔"

پیچھے سے ایک اور عورت کی آواز سنائی دی۔" یہ ایک نوجوان عورت تھی۔ میں حیران رہ گیا۔ ان سب نے مجھے گھیر لیا اور اپنی اپنی داستانیں بتانے لگے لیکن سب کے سب اپنے آپ کو مردہ کہہ رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ سب مردہ ہیں واقعی ہی مردہ ہیں۔ اتنے سارے مردوں کے درمیان جو زندوں کی طرح بول رہے تھے چال رہے تھے اپنے آپ کو پاکر بدن میں تھوڑی سی تھرتھری ضرور دوڑ گئی لیکن اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ وہ سب مجھ سے داد رسی چاہتے ہیں وہ مجھ سے مدد مانگ رہے ہیں۔ ایک لمحے کے اندر اندر دل میں بہت سے خیالات پیدا ہوئے۔ مجھے یاد آیا کہ مجھے کسی خاص کام کے لئے مخصوص کیا گیا تھا چنانچہ میں نے اپنے حواس مستعد کئے اور کہا۔

"سنو ایک آدمی بات کرو تم میں سے جو آدمی زیادہ سمجھدار ہے وہ بات کرے اور وہ سب اپنے آپ کو سمجھدار ظاہر کرنے لگے لیکن میں نے ایک بوڑھے آدمی کو منتخب کیا تھا۔

"دیکھو تم بات سنو۔ میں باہر سے آیا ہوں مجھے یہاں کے حالات ابھی تک بالکل نہیں معلوم۔ تم ایسا کرو ان سب کو چپ کراؤ اور ان سے کہو کہ مجھے ان کی باتیں سننے دیں۔ اگر کسی بجرنگی لعل نے تمہیں تنگ کیا ہے تو اطمینان رکھو میں اس سے تمہارا بدلہ لوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" میں نے کہا۔

"ہٹو ہٹو' بیٹھ جاؤ بلکہ سب بیٹھ جاؤ۔ تم سب بیٹھ جاؤ۔ چل ری او بیٹھ جا۔" بوڑھا ایک ایک کو اشارہ کرنے لگا اور سب آہستہ آہستہ کر کے بیٹھنے لگے۔ ایک عجیب بھیانک منظر تھا میرے سامنے۔ کالی روحوں کا ایک مجمع لگا ہوا تھا اور بوڑھا میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنے ذہن و دل کو سنبھال کر ان لوگوں کی باتیں سننی تھیں۔ یہ سب کسی بجرنگی لعل کے مظالم کا شکار تھے اور مجھ سے درخواست کر رہے تھے کہ میں بجرنگی لعل سے ان کا بدلہ لوں۔ یہ ہوا نا کام اب آئے گا لطف۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بجرنگی لعل ہے کون' اس کے بارے میں یہ معلومات کس طرح حاصل کی جائیں۔ بہرحال میں انہیں دلاسے دینے لگا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں بجرنگی لعل سے تمہارا بدلہ لوں گا تم بے فکر رہو۔" وہ سب خوش ہوگئے اور خوشی سے ناچنے لگے۔ اس بھیانک ماحول میں بڑے سے بڑے دل والے کا برا حال ہو سکتا تھا لیکن میں جن مناظر سے گزر چکا تھا وہ کتنے زیادہ ہولناک تھے کہ ایسے کسی مسئلے کا مجھے خوف نہیں محسوس ہوتا تھا۔ دوسرے دن صبح میں بستی میں داخل ہوا۔ لوگ آتے جاتے تھے۔ بے شمار افراد اِدھر سے اُدھر گھومتے نظر آتے تھے۔ میرے اندر کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جس سے کوئی خاص طور سے میری جانب متوجہ ہو۔ بہرحال میں کافی دیر تک بستی کی گلیوں سے ہوتا ہوا بازاروں کا چکر لگاتا رہا۔ دوپہر کا کھانا بھی میں نے ایک جھونپڑا ہوٹل میں کھایا اور اس کے بعد بستی میں گھومتا پھرا۔ ایک جگہ میں نے رک کر ایک عمر رسیدہ آدمی سے بجرنگی لعل کے گھر پتہ پوچھا تو اس نے جن نگاہوں سے مجھے دیکھا اس سے مجھے بجرنگی لعل کی شخصیت کا اندازہ ہوگیا۔

"کہیں باہر سے آئے ہو کیا کام ہے بجرنگی لعل سے؟" اس شخص نے سوال کیا۔

"نہیں بھئی کوئی کام نہیں ہے نوکری کی تلاش میں آیا ہوں یہاں۔ سنا ہے بجرنگی

لعل کے یہاں نوکری مل جاتی ہے۔ کوئی بڑا آدمی ہے کیا وہ؟"

"بڑا آدمی' نوکری؟" اس شخص نے نفرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

"اس سے تو اچھا ہے کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر مر جاؤ۔ مر ہی جاؤ گے اگر اس کے ہاں نوکری کرو گے جو سو قاتلوں کا ایک قاتل ہے۔ وہ جو لال حویلی نظر آرہی ہے نا وہ جس کے اونچے اونچے برج ہیں۔ وہ ہی ہے بجرنگی لعل کی حویلی جاؤ' مرو۔" اس نے نفرت سے کہا اور تیز رفتاری سے آگے بڑھ گیا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ بجرنگی لعل کیا چیز ہے بہرحال پھر میں نے طے کیا ذرا حویلی کا جائزہ لے لوں اور کافی دیر تک میں حویلی کے اطراف میں گھومتا پھرا تھا اور یہ دیکھتا رہا تھا کہ لوگ حویلی میں کس طرح آتے جاتے ہیں بہرحال یہ ساری کیفیت بڑی عجیب سی تھی۔ گھومنے پھرنے کے بعد میں خاموشی سے ایک جگہ جا کر بیٹھ گیا۔ ہلکا پھلکا سا کھانا کھانا چاہتا تھا اور اس کے لئے جھونپڑا ہوٹل کافی تھا۔ پھر جب رات ہو گئی تو میں حویلی کی جانب چل پڑا۔ حویلی کے دروازے پر روشنی نظر آرہی تھی۔ لیکن پوری حویلی پر خاموشی طاری تھی۔ میں آگے بڑھ کر حویلی کے بڑے دروازے پر پہنچ گیا۔

"کوئی ہے یہاں۔" میں نے آواز لگائی۔ لیکن جواب نہیں ملا۔ تیسری آواز پر کچھ آہٹیں سنائی دیں اور بڑے دروازے کی ذیلی کھڑکی کھلی' ایک شخص نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لالٹین اونچی کر کے چہرہ دیکھنے کی کوشش کی پھر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"کون ہو بھئی کیا بات ہے؟"

"وہ جی۔ بجرنگی لعل کے پاس آیا ہوں۔"

"کیوں آئے ہو؟"

"بلایا ہے انہوں نے مجھے۔"

"آدھی رات کو بلایا ہے جھوٹ بول رہے ہو؟"

"اگر وہ حویلی میں موجود ہے تو اسے اطلاع دے دو کہ جسے اس نے بلایا ہے وہ آیا ہے۔" اونچی لالٹین کرنے والے نے مجھے قریب سے دیکھا اور پھر کھڑکی کھول کر بولا۔

"آؤ۔" اس کے انداز میں اب بھی ناخوشگواری تھی۔ میں اندر داخل ہو گیا اور میں نے اپنے اس اقدام پر خود ہی غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ خطرناک صورتحال ہے۔ کہیں میرے لئے کسی نقصان کا باعث نہ بن جائے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہے اب تو آ ہی گیا ہوں۔ حویلی میں عجیب و غریب سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ چھوٹی سی بستی تھی یہ۔ بعد میں اندر آ کر یہ

اظہار ہوا تھا کہ آبادی زیادہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود حویلی کی فضا میں ایک عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس عظیم الشان حویلی میں بہت کم لوگ رہتے ہیں۔ یہ شخص جو دروازہ کھولنے آیا تھا شاید چوکیدار تھا۔ بڑے گیٹ سے حویلی کی اصلی رہائش گاہ کا فاصلہ کافی تھا چنانچہ چوکیدار میرے آگے آگے چلتا رہا پھر سامنے کی سمت جانے کے بجائے اس نے بغلی سمت اختیار کی اور اس کے کچھ سیڑھیاں چڑھ کر اندر ایک کوریڈور میں داخل ہو گیا۔ کوریڈور نیم تاریک تھا۔ وہ آگے بڑھتا رہا' آگے بالکل اندھیرا تھا۔ اگر اس کے ہاتھ میں لالٹین نہ ہوتی تو آگے بڑھنا مشکل ہو جاتا۔ جب چلتے چلتے خاصا وقت گزرا تو میں نے کہا۔

"ارے تم مجھے بجرنگی کے پاس لے جا رہے ہو یا حویلی گھما رہے ہو؟"

"پوری حویلی تو تم ساری رات میں بھی نہیں گھوم سکو گے۔"

"اور کتنا چلنا ہے؟"

"آجاؤ۔" اس نے ایک جگہ رکتے ہوئے کہا۔ کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن اس نے لالٹین نیچے رکھی اور ایک دروازہ کھولنے لگا۔ پھر دوبارہ لالٹین اٹھا کر بولا۔

"آؤ اندر جا کر بیٹھو۔ میں جا کر بجرنگی مہاراج کو اطلاع کرتا ہوں۔" میں نے دل ہی دل میں لعنت بھیجی اور دروازے کو ٹٹولتا ہوا بولا۔ پھر میں نے کہا۔

"یہاں روشنی کیوں نہیں ہے؟" ابھی میرے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ میرا اگلا پاؤں خلاء میں لہرایا اور ایک دم توازن بگڑ گیا۔ سنبھلنے کی کوشش کی لیکن نہ سنبھل سکا اور بے اختیار نیچے گرنے لگا۔ میں نے اِدھر اُدھر ہاتھ مارے لیکن پکڑنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ اندازہ ہو رہا تھا جیسے میں کسی اندھیرے کنوئیں میں گر رہا ہوں۔ سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں ایک لمحے کے لئے ختم ہو گئیں۔ کلیجہ حلق میں آنے لگا۔ یہ ناگہانی تھی۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح کی کوئی صورتحال پیش آجائے گی۔ اس وقت بھی شاید اسی احساس کا شکار تھا کہ اتنی گہرائیوں میں گروں گا تو جسم کا کیا حشر ہو گا لیکن خیال غلط ثابت ہوا۔ گہرائیاں ختم ہو گئیں اور پیروں کے نیچے زمین آگئی۔

کوئی دباؤ نہیں پڑا تھا۔ بدن ساکت تھا لیکن اتنی گہری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ یہ کیفیت بھی کافی دیر طاری رہی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اجالا بکھرنے لگا۔ آس پاس کا ماحول نظر آرہا تھا۔ یہ عجیب و غریب جگہ تھی۔ کافی وسعت میں تھی۔ گول گول پتھر چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور میں بھی اس وقت ایک بڑے پتھر پر کھڑا ہوا

تھا۔ یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں تو یہاں کسی اور ہی مقصد کے تحت آیا تھا لیکن پھر اپنے اس خیال پر خود ہی ہنسی آنے لگی۔ میرا مقصد اپنی جگہ اور دوسرے کی کاروائی اپنی جگہ۔ بجرنگی لعل جس نے بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یقینی طور پر وہ کوئی بدروح تھی یا پھر کالے علم کا ماہر۔ لعنت ہو اس شیطانی علم پر جو برائی ہی برائی سکھاتا ہے۔

میں نے وہاں سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ کوئی تیس چالیس قدم آگے نکل آیا۔ اب چاروں طرف مدھم مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس روشنی کا مرکز کیا ہے یہ روشنی نہ تو تاروں کی چھاؤں تھی اور نہ ہی کسی چیز سے پیدا ہو رہی تھی۔ بس آنکھوں کو نظر آ رہا تھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہے دفعتاً ہی میں نے کسی انسانی جسم کو دیکھا جو میری ہی جانب آ رہا تھا۔ میرے قدم رک گئے۔ مدھم مدھم روشنی میں وہ چلتا ہوا میرے قریب آیا۔ تو ایک بار پھر میرے وجود میں خوف کی سرد لہریں دوڑ گئیں۔ انسان کے سینے میں اگر کوئی دل ہوتا ہے اور اس دل میں انسانیت کا کوئی نقش ہوتا ہے تو ہر طرح کے ماحول کا اس پر اثر ضرور ہوتا ہے۔ وہ دل جو احساس سے عاری ہو جائے۔ انسانی دل نہیں ہوتا۔ میرے اندر خوف کا جو تصور بھرا تھا۔ وہ میری فطرت کا ایک حصہ تھا۔ میرے سامنے موجود انسانی جسم مکمل انسانی جسم تھا۔ مادر زاد برہنہ مگر اس کے چہرے پر کوئی نقش نہیں تھا۔ نہ آنکھیں تھیں نہ ناک تھی۔ بس ایسا لگتا تھا کہ کسی پتھر کو انسانی جسم میں تراش کر چھوڑ دیا گیا ہو اور اس کے نقوش نہ تراشے گئے ہوں۔ وہ مجھ سے کوئی دو گز کے فاصلے پر رک گیا تو میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون ہے تو؟"

"تیری موت۔" اس نے جواب دیا۔

"کیسے آنا ہوا؟" ان حالات کے باوجود میرے انداز میں مسخرہ پن پیدا ہو گیا۔

"جان لینے تیری۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر رک کیوں گیا ہے ڈر رہا ہے مجھ سے؟"

"ارے ہم ڈریں گے تجھ سے۔ تم ہو کیا؟"

"بتاؤں تجھے۔ میں کون ہوں؟" میں نے کہا اور ایک دم دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی جانب بڑھا اور میری اس کوشش کا رد عمل ہوا۔ وہ بھاگ کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہاں۔ بھاگ کہاں رہا ہے۔ کیا موت بھی ڈرتی ہے کسی سے؟"

"رک جا اپنی جگہ۔ زیادہ بہادر بننے کی کوشش مت کر۔ یہ بتا کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟"

"بتاؤں۔" میں نے پھر اسی انداز میں دو قدم آگے بڑھائے اور وہ جلدی سے پھر پیچھے ہٹ گیا۔ اب میرا حوصلہ بے حد بڑھ گیا تھا یا پھر شاید یہ بھی خوف کی ایک قسم ہوتی ہے کہ انسان ایک دم بے جگر ہو جائے۔ میں اس سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اسے خوفزدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"ہاں تو اے میری موت! میرے قریب کیوں نہیں آ رہی؟"

"ارے تیرا ستیاناس مار دیں گے ہم۔ یہ بتا مہابلی کی حویلی میں کیوں آیا ہے؟"

"مہابلی! یعنی بجرنگی لعل؟"

"ہمارا مالک ہے وہ۔ ہمارا اوتار رہے۔ اس کا نام ادب سے لے میرے سامنے۔"

"ابھی تو تو میری موت تھی اور اب بجرنگی کا چمچہ بن گیا۔" میں نے کہا۔

"ارے تیری ایسی تیسی ہمارے سامنے ہمارے مالک کا نام اس بری طرح لئے جا رہا ہے۔"

"اچھا۔ چل ٹھیک ہے۔ آ تجھ سے تیرے مالک کے بارے میں بات کریں۔"

"اسے بجرنگی لعل مہاراج کہہ۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اب تو ذرا مجھے بجرنگی لعل مہاراج کے بارے میں بتا۔"

"کیا بتائیں اس کے بارے میں مہان ہے وہ اوتار ہے دیوتا ہے۔"

"کالے جادو کا ماہر بھی ہے؟"

"مہاکالی کا تو اس پورے سنسار پر سایہ ہے۔"

"مجھ پر تو نہیں ہے۔"

"ہو جائے گا۔ ہو جائے گا۔ آ پھنسا ہے یہاں اب دیکھنا تیرا حشر کیا ہوتا ہے۔ پتہ چلے گا سب کچھ جب ناگ پھنکاریں گے۔ بچھو ناچیں گے تیرے چاروں طرف۔"

"ہوں۔ ابھی تو ساری باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن میں تیرا قصہ ختم کر دوں۔"

"ارے۔ ہمارا کیا قصہ ختم کرے گا تو۔ ہم تو خود تجھ سے یہ پوچھنے آئے ہیں کہ بتا یہاں کیوں آیا ہے۔"

"بجرنگی کو مارنے۔"

"ارے پھر وہی۔ پھر وہی بک بک شروع کر دی تو نے' مارے گا تو ہمارے مالک

کو؟"

"ہاں۔"

"اس سے پہلے ہمیں مار دے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور پھر اپنی جگہ سے ہٹے بغیر میں نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ اب مجھے ان تمام چیزوں سے بڑی عقیدت ہوگئی تھی۔ میں نے اس پر پہلی پھونک ماری تو اچانک ہی اس کے پورے بدن سے شعلے اگلنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی راکھ زمین پر بکھر گئی۔ میں ایک بار پھر خاموشی سے اطراف کا ماحول دیکھنے لگا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے سیڑھیاں نظر آئیں اور میں آہستہ آہستہ ان سیڑھیوں پر چلتا چلا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں جس ماحول میں آیا تھا اور جو صورتحال نظر آرہی تھی۔ وہ بے حد سنسنی خیز اور خوفناک تھی۔ اتنی خوفناک کہ کوئی اور ہو تو اس کا کلیجہ پانی ہو جائے۔ میرے چاروں طرف کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ سب دہشت سے مار دینے والے کھیل تھے جو ہو رہے تھے۔ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا لیکن ایک بات میرے ذہن میں ضرور آرہی تھی کہ یہ سب بے کار سی باتیں ہیں۔ اب یہاں سے آگے بڑھنا چاہئے۔ کسی بھی غیر متوقع بات پر بدن میں ہلکی سی کپکپاہٹ بے شک دوڑ جاتی تھی لیکن اس کے بعد میرا اعتماد بحال ہو جاتا تھا۔ بہرحال میں آگے بڑھتا رہا اور کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے ایک روشن کمرہ نظر آیا۔ میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔ ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر میں نے دروازہ زور سے بجایا۔ چند ہی لمحوں کے بعد اندر سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر ایک شخص میرے سامنے آگیا۔ مکروہ سی شکل کا بہت بڑے چہرے والا آدمی تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے غور سے دیکھا اور بولا۔

"کون ہے رے تو۔ کیا کر رہا ہے؟؟"

"تم ہی بجرنگی ہو؟"

"بجرنگی کے بچے! بجرنگی کی حویلی میں گھوم پھر رہا ہے اور پوچھ رہا ہے ہم سے کہ ہم ہی بجرنگی ہیں۔ ہاں ہم بجرنگی ہیں۔"

"بجرنگی! بات کرنی ہے تجھ سے مجھے۔"

"ارے کیسی بات، کیسی بات کرے گا رے تو؟"

"کون ہے رے بجرنگو!" اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"پتہ نہیں کون سسر ہے۔ منہ اٹھائے چلا آیا ہے۔"

"بجرنگی مجھے تجھ سے بات کرنی ہے سمجھ رہا ہے نا۔ اگر تو نے مجھ سے بات نہیں کی تو میں تجھ پر حملہ کر دوں گا۔"

"اور سسر! تیرا جو حشر ہوگا تو جانتا ہے۔"

"کون ہے رے بجرنگ!"

"کہا ناری کہ ایک............" ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ میرا ایک زوردار گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کوئی شریف آدمی نہیں ہے اور اس سے شرافت سے بات کرنا بالکل بے کار ہے۔ میں اندر داخل ہوگیا تھا۔ وسیع و عریض کمرہ تھا جس کے آخری سرے پر ایک در بنا ہوا تھا اور ایک عجیب سی شرر شرر کی آواز ابھر رہی تھی جیسے وہاں پانی ہو۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اور کہا۔

"ہوں۔ بجرنگی تجھ سے حساب کرنے آیا ہوں میں۔"

"ارے حرام کے جنے! جبڑا توڑ دیا ہے ہمارا۔ کون سا حساب کرنے آیا ہے تو؟ ابھی ہم تیرا حساب کتاب کئے دیتے ہیں۔" بجرنگی نے کہا اور پھر دونوں ہاتھ اس نے اوپر اٹھا دیئے۔ میں نے اس عورت کو دیکھا جو چڑیلوں کی شکل کی تھی اور بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی پھر بجرنگی نے دو ہاتھ بلند کئے اور ایک دم سے جھٹکا دے کر نیچے گرایا تو شعلوں کا بادل سا میرے اردگرد بلند ہوگیا۔ لیکن وہ میرے قد سے اونچا نہیں گیا تھا کہ ایک دم سرد ہوگیا۔ بجرنگی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ عورت کی منمناتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"ارے لگے ہے کوئی گیانی دھیانی ہے۔ سنبھل کر بجرنگی!" بجرنگی ایک دم سنبھل گیا اور پھر اس نے کہا۔

"بھاگ ری یہ تو مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ بھاگ ادھر سے بھاگ۔" اور وہ دونوں اس بڑے سے دروازے سے اندر داخل ہوگئے جو ایک در کی شکل میں نظر آرہا تھا۔ میں ان کے پیچھے دوڑا تھا۔ میرا حوصلہ اب بے پناہ بڑھ گیا تھا اور مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ میں بجرنگی پر بھاری پڑ رہا ہوں۔ یہ میری رہنما قوتیں تھیں جو میرا ساتھ دے رہی تھیں۔ چنانچہ میں ایک دم اندر داخل ہوا اور پھر مجھے سنبھلنا پڑا۔ آگے چوڑی چوڑی سیڑھیاں تھیں اگر یہ سیڑھیاں چوڑی نہ ہوتیں تو یقینی طور پر میں نیچے جاگرتا لیکن میں نے خود کو

سنبھال لیا۔

وہ دونوں نیچے بھاگ رہے تھے اور پانی کی آواز وہیں سے آ رہی تھی میرے لئے بڑا حیران کن منظر تھا۔ یہ جگہ نیچے اتر کر پانی میں چلی جاتی تھی اور یہاں اچھی خاصی روشنی تھی۔ اس روشنی میں مجھے ایک بڑی سی کشتی نظر آئی جس پر بادبان بندھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں دوڑ کر کشتی پر سوار ہو گئے اور میں نے بھی کسر نہ چھوڑی۔ بجرنگی نے فوراً ہی وہ رسہ کھول دیا جو کھونٹے سے بندھا ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب جھٹکا لگے گا تو میں نیچے جا گروں گا لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا اور ایک بانس پکڑ لیا جو کشتی کے درمیان بندھا ہوا تھا۔

کشتی پانی میں آگے بڑھنے لگی۔ وہ بادبان کے سہارے بہاؤ پر چل پڑی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ عورت مجھے دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھیں عجیب سے انداز میں چمک رہی تھیں۔ وہ کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ بجرنگی نے آگے بڑھ کر بادبان کا رخ تبدیل کیا۔ میں خاموش کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ بجرنگی کا چہرہ کالا ہوتا جا رہا تھا۔ حالانکہ پہلے اس کے چہرے کا رنگ ایسا نہیں تھا لیکن اب یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے وجود پر سیاہی چڑھتی جا رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ وہ عجیب سے انداز میں ہنسنے لگا تھا اور اس کی سرخ سرخ آنکھوں میں شیطانی چمک نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے ہونٹوں کو گول کیا اور اس کے منہ سے تیز ہوا نکلنے لگی۔ اس ہوا کا احساس اتنے فاصلے پر بھی ہو رہا تھا۔ میں نے غور کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ ہوا بادبان میں بھری جا رہی ہے اور کشتی کی رفتار تیز ہونے لگی ہے۔ صورت حال کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی تھی اور یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ کشتی کی برق رفتاری کسی خوفناک حادثے کو جنم دینے والی ہے۔ بجرنگی واقعی ایک خبیث روح تھا۔ یہ بے آسرا کشتی اس انوکھے دریا میں الٹ بھی سکتی ہے۔

میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑی اور بجرنگی کے سامنے پہنچ گیا۔ بجرنگی نے بادبان کی طرف سے نظریں ہٹا کر مجھے دیکھا اور پھر اس کی شرارت سے مسکراتی سرخ آنکھوں میں نفرت کی پرچھائیاں دوڑنے لگیں۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھا اور رخ تبدیل کر لیا۔ اس کے ہونٹوں سے نکلنے والی ہوا میرے سینے پر پڑی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی سخت اور موٹی سل میرے سینے پر آ گئی ہو اور مجھے پوری قوت سے نیچے دھکیل رہی ہو۔ لیکن قدرت نے مجھے بھی اس وقت ہمت عطا کی ہوئی تھی۔ تیز ہوا بے شک میرے جسم میں سوراخ کئے دے رہی تھی لیکن میرے قدموں میں ایک تل برابر بھی لغزش پیدا

نہیں ہو سکی تھی۔ بجرنگی مسلسل کوشش کر رہا تھا۔ تب میری سرد آواز ابھری۔

"بس بجرنگی اب تم رک جاؤ۔ اس کے بعد میں جو کچھ کروں گا اسے تم برداشت نہیں کر سکو گے۔" اس نے خونخوار انداز میں اپنا منہ کھولا اور پھر اپنی جگہ سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کیوں آیا ہے میرے پاس' بڑے علم والا ہے۔ لیکن سوچ لے ہم سے مقابلہ اچھا نہیں رہے گا تیرا۔"

"بے وقوف آدمی! تو نے مجھے موقع ہی نہیں دیا کہ میں تجھ سے بات کروں۔ بس اپنی کمینگی میں مصروف ہو گیا۔"

"بک بک مت کرو اور مجھے بتاؤ کہ تو کون ہے؟ اور یہاں کیوں آیا تھا؟"

"اب پوچھ رہا ہے یہ جب ہر چیز میں ناکام ہو گیا۔"

"بتا۔ بتا دے۔"

"وہ کون ہیں جو برگد کے درخت کے تلے جمع ہو کر تیرے بارے میں شکایت کرتے ہیں؟"

"تو پھر تو کون ہے جو بہت زیادہ ہمدرد بنا ہوا ہے ان کا؟"

"انسان ہوں' بجرنگی! اور انسانوں نے مجھ سے مدد مانگی ہے۔"

"تو مطلب کیا ہے تیرا؟"

"تو مطلب یہ ہے کہ میں تجھے ختم کر دوں۔"

"ارے جا رے جا اتنا آسان نہیں ہے بجرنگی کو ختم کرنا۔ مہابلی کا داس ہوں اور مہابلی میری مدد کرے گا۔"

"تیرے مہابلی کی ایسی تیسی۔ بچا اپنے آپ کو۔"

"دیکھو بھاگ جا یہاں سے۔ مجھے غصہ مت دلا۔"

"اور اب تک تو تو مجھ سے بڑا اچھا سلوک کر رہا ہے۔"

"ہاں ہاں۔ چھوڑ دیا ہے میں نے تجھے۔" اچانک ہی عورت کی چیخ پھر سنائی دی اور اس نے کہا۔

"ارے او بجرنگی! تیرا ستیاناس' پاگل! کتے! کنارہ آ گیا کنارہ آ گیا۔ ارے بچا کشتی کو کنارے پر جانے سے۔" بجرنگی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا لیکن کشتی ایک جھٹکے سے کنارے پر چڑھ گئی تھی۔ بجرنگی اور اس کی ساتھی عورت دہشت سے سرد ہو گئے۔

میری سمجھ میں ایک لمحے کے لئے کچھ نہیں آیا تھا لیکن پھر فوراً ہی میرے کانوں میں ایک مدھم سے آواز ابھری۔

"بدبختوں نے دریا عبور کر لیا ہے۔ ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جادو ختم ہو جائے۔ اب انہیں سزا دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں سزا خود مل چکی ہے۔" اچانک ہی عورت کی تیز چیخیں ابھرنے لگیں اور پھر اس کے پورے بدن میں اس طرح آگ سلگنے لگی۔ جیسے گیلا بارود جلتا ہے۔ شعلہ نہیں ابھرتا لیکن ہلکا ہلکا دھواں تیز سرسراہٹ کے ساتھ بلند ہوتا ہے۔

"ارے مر گیا رے مر گیا۔ ارے بچاؤ۔ بچاؤ رے بچاؤ۔" بجرنگی چیخنے لگا وہ عورت کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے ہاتھ جل رہے تھے۔ پھر وہ دریا میں کودا اور چلوؤں میں پانی بھر بھر کر اس پر چھینکنے لگا۔ لیکن عورت کا پورا جسم اس آگ میں ڈوبا ہوا تھا اور سرخ ہو گیا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے آدھا پکا ہوا لوہا اور وہ راکھ ہونے لگی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے راکھ ہو کر کشتی میں ڈھیر ہو گئی۔ میں پھرتی سے کشتی سے نیچے کود آیا تھا۔ بجرنگی نے مجھے دیکھا۔ کشتی میں عین اس جگہ۔ جہاں عورت بیٹھی ہوئی تھی سوراخ ہو گیا تھا اور راکھ نیچے سے نکل کر پانی میں بہہ رہی تھی۔ بجرنگی کا چہرہ اس طرح ستا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جیسے اس کا سارا خون نچڑ گیا ہو۔ وہ بہت زیادہ نڈھال نظر آنے لگا پھر کشتی سے اتر کر چند قدم آگے بڑھا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ میں اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"بجرنگی! مجھے اپنے بارے میں بتا۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"ختم کر دیا نا تُو نے مجھے مار دیا۔ یہی تو میرا مان تھا۔ یہی تو میرا جادو تھا۔ یہی تو میں نے قبضے میں کی تھی۔ یہ سوگانیہ ہے۔ سوگانیہ کے بارے میں جانتا ہے۔ کالی دیوی نے چھ عورتیں جنم دے کر اس سنسار میں بھیجی تھیں اور انہیں شکتی دی تھی۔ کالی شکتی۔ میں نے نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے ایک سوگانیہ قبضے میں کی تھی۔ سال پورا ہو جاتا تو میں اس دھرتی کا بہت بڑا جادوگر بن جاتا۔ میرے پاس بڑی شکتی آ جاتی پر حرامی تو نے مجھ سے سوگانیہ چھین لی ہم کو دریا پار نہیں کرنا تھا۔ دریا پار کرنے سے سارے جادو ختم ہو جاتے ہیں۔ پانی کی پوترتا ہر کالی شکتی کو بھسم کر دیتی ہے۔ میں تو تجھ سے بچ کر دریا میں دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ مجھے ہدایت کر دی گئی تھی کہ ابھی کسی سے نہ لڑوں۔ لڑائی تو میری اس سے

ہوتی تم سے جب میں سب کچھ کر چکا ہوتا۔" وہ رونے لگا۔ میں نے تھوڑی دیر کے بعد اس سے کہا۔

"وہ بتا برگد کے نیچے مجھے جو لوگ ملے تھے انہیں تو نے کیوں ستایا تھا؟"

"ارے کام تھا میرا یہ۔ کالی شکتی حاصل کرنے کے لئے مجھے ان سب کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑا تھا اور ابھی تو اور بھی بہت کچھ کرنا تھا مجھے پر ٹھیک ہے یہ مرضی نہیں تھی مہاکالی کی تو نہ سہی۔ مہابلی نے مجھے یہ شکتی نہیں دی تھی۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔"

یہ کہہ کر اچانک اس نے اپنے لباس سے ایک خنجر نکالا اور اپنی گردن پر پھیر لیا۔ خون کے فوارے مجھ تک پہنچے تھے اور میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کی گردن ایک جانب لٹک گئی تھی اور اس کے شہ رگ سے خون بہہ رہا تھا۔ کچھ دیر وہ اسی طرح کھڑا رہا اور پھر اسی طرح ڈھیر ہو گیا۔ میں اسے دیکھتا رہا تھا۔ بہرحال جو لوگ اس کے ہاتھوں برباد ہوئے تھے۔ انہیں تو میں کچھ نہیں دے سکتا تھا لیکن جو برباد ہونے والے تھے اللہ نے انہیں بچا دیا تھا۔

اب یہاں رکنا بے کار تھا چنانچہ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ دل و دماغ میں ایک عجیب سا ہلکا پن تھا۔ طبیعت میں فرحت اور خوشگواری تھی۔ یہ ایک الگ دنیا ہے جس سے میرا واسطہ پڑ رہا تھا۔ باہر کے لوگ کچھ بھی نہیں جانتے ان تمام چیزوں کے بارے میں۔ لیکن اب مجھے بڑا ادراک ہوتا جا رہا تھا۔ آہ۔ واقعی یہ ایک انوکھی دنیا ہے جس کا سائنس کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو عجیب و غریب ایجادات کر رہی ہے۔ پتہ نہیں۔ آنے والے وقت میں سائنس کا جادو اس جادو سے آگے ہو گا یا پھر اس جادو کا اپنا ایک مقام قائم رہے گا۔ بہرحال میں وہاں سے آگے بڑھ گیا اور پھر بہت وقت گزر گیا۔ میں چلتا رہا تھا۔ بہت دیر تک میں نے یہ سفر کیا اور جب تھک گیا تو ایک جگہ بیٹھ گیا۔ بڑی فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ وہیں لیٹ گیا اور وہیں لیٹے لیٹے رات ہو گئی لیکن میں سویا نہیں تھا۔ آسمان پر تارے ابھر آئے اور میں تاروں بھرے آسمان کو دیکھتا رہا۔ دل کی وادیوں میں بہت سے پھول کھلے ہوئے تھے۔ یادیں ذہن میں سرسرا رہی تھیں۔ بہت سے لوگ یاد آ رہے تھے۔ ماں یاد آئی اور حلق سے سسکی نکل گئی۔ وقت جب تک خود بخود آواز نہ دے اس وقت تک کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

نیند مہربان ہو گئی۔ رات کے آخری حصے میں کافی ٹھنڈک ہو گئی تھی۔ کئی بار آنکھ کھلی اور میں نے قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا۔ ہر طرف مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بہت

دیر تک جاگتا اور سوتا رہا اس کے بعد صبح ہو گئی اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بہرحال سفر تو سفر ہی ہوتا ہے۔ میں بہت دیر تک چلتا رہا اور پھر کافی فاصلے پر مجھے درخت کھیت نظر آئے جن سے آبادی کے قریب آنے کا احساس ہو رہا تھا۔ کوئی آبادی قریب آ رہی تھی۔ آبادی کے پہلے درخت کے پاس رکا۔ کچھ فاصلے پر ایک ٹنڈ منڈ درخت پر کئی گدھ بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے پر پھڑپھڑائے اور ان میں سے ایک گدھ پھڑ پھڑاتے ہوا اڑ گیا جیسے کسی کو میری آمد کے بارے میں اطلاع دینے گیا ہو۔ بہرحال یہ ایک بھیانک منظر تھا۔ دائیں بائیں بہت سے مردہ خور منتظر بیٹھے تھے۔ غالباً وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ہو سکتا ہے کچھ فاصلے پر پہنچ کر میں دم توڑ دوں لیکن ظاہر ہے ایسا نہیں تھا۔ میرے بدن میں تحریک دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو کر اپنے پتلے پتلے پیروں سے اچھل اچھل کر پیچھے ہٹنے لگے اور پھر مایوس ہو کر فضا میں بلند ہو گئے۔ میں جانتا تھا کہ یہ مردہ خور بعض اوقات زندہ انسانوں پر بھی حملے کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں اور پھر میں نے ایک موٹی سی لکڑی اٹھائی اور اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مردہ خور غالباً میرے ارادے کو بھانپ گئے تھے۔ چنانچہ جو آس پاس موجود تھے وہ بھی چیختے ہوئے اڑ گئے۔

بہرحال اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ بستی کے آثار نظر آ رہے تھے میں آہستہ آہستہ ایک سمت اختیار کر کے چل پڑا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد میں بستی کے ابتدائی سرے میں داخل ہو گیا۔ چھوٹی سی بستی تھی ایک طرف نظر پڑی تو ایک عجیب سی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ یقیناً گوشت بھونا جا رہا تھا۔ نہ جانے کس طرح بھوک چمک اٹھی اور میں اس طرف چل پڑا۔ بڑے بڑے چھپر پڑے ہوئے تھے۔ سامنے کے حصے میں دس بارہ چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ پیچھے مٹی کا تنور لگا ہوا تھا۔ سامنے مٹی کے چولہے بنے ہوئے تھے جن پر دو تین دیگچے چڑھے ہوئے تھے۔ ہلدی اور مصالحے کی خوشبو انہی میں سے ایک دیگچے سے اٹھ رہی تھی۔ پیچھے ایک اچھی شکل و صورت کی عورت ہاتھ میں کفگیر لئے ایک دیگچے کا ڈھکن دوپٹے کے پلو سے پکڑ کر اٹھا رہی تھی۔ اس نے دیگچے میں کفگیر چلایا اور پھر زور سے آواز دی۔

"بشیرے۔ ارے او بشیر۔ ذرا گھی کا ڈبہ تو اٹھا دینا۔" ایک دبلے پتلے بدن کا آدمی' گھی کا ایک ڈبہ لئے ہوئے اندر داخل ہوا۔ گوشت پک رہا تھا۔ عورت نے گھی کے ڈبے میں سے تین چار کفگیر گھی نکال کر دیگچے میں ڈالا اور پھر اسے آدھ کھلا چھوڑ کر کفگیر صاف کرنے لگی۔ اس دوران بشیرے نے مجھے دیکھا تھا۔ پھر دوبارہ چونک کر دیکھا تھا اور اس

کے بعد عورت کی طرف۔

"حسینہ! یہ تو کوئی مسافر معلوم ہوتا ہے۔ اپنے گاؤں کا تو نہیں ہے۔"

میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور میں نے اسے سلام کیا تو وہ خوش ہو کر بولا۔

"وعلیکم السلام! آؤ بھیا آؤ۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"بابر علی۔"

"حکم کرو بھیا! میرا نام بشیرا ہے۔ یہ ہماری بیوی ہے حسینہ! اور بھیا یہ ہماری سرائے ہے۔ کیا تمہیں رہنے کی جگہ چاہئے؟"

"ہاں۔ مسافر ہوں اس سرائے میں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔"

"بھیا! کوئی کام ہی نہیں ہے۔ جیسی جگہ چاہو حاصل کر لو۔ چار کمرے ہیں ان میں ہر آرام کا بندوبست کیا گیا ہے۔ کرایہ تمہاری مرضی کے مطابق جو دل چاہے دے دینا۔ کھانے پینے کے پیسے الگ ہوتے ہیں۔ صبح کی چائے جب بھی پیو گے۔ پچاس پیسے میں ملے گی۔ دوپہر کو کھانا کھاؤ گے تو ایک روپے کا ملے گا۔ رات کو بھی کھانا ایک روپے کا ملے گا۔"

"ٹھیک ہے بشیرے! میں تمہاری اس سرائے میں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔"

"چل ری حسینہ ذرا دیکھ۔ آؤ.......... ذرا بھائی جان کو کمرہ دکھا دیں۔ اچھا تو ادھر ہنڈیا پر بیٹھ میں دکھائے دیتا ہوں یہ کمرہ۔" بشیرا خود میرے ساتھ چل پڑا۔ جو کمرہ اس نے مجھے دکھایا تھا وہ کچی مٹی کا بنا ہوا تھا۔ اوپر پھونس کا چھپر پڑا ہوا تھا۔ مٹی میں دو تین روشندان نکالے گئے تھے جس سے کمرہ خوب روشن ہو گیا تھا۔ ایک طرف بانوں سے بنی چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ دوسری جانب پانی کا ایک مٹکا لوہے کے گھڑونچے پر رکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی گلاس بھی تھا۔ یہ تھی اس کمرے کی کل کائنات۔ مجھے وہ بہت پسند آیا اور میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے مجھے کمرہ پسند ہے۔"

"بھائی جی! ویسے تو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ مگر پیسے پیشگی دینے ہوں گے۔"

"یہ لو۔" میں نے کچھ نوٹ اسے دیئے اور وہ حیرت سے نوٹوں کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"ارے نہ بھیا نا۔ اتنے سارے تھوڑی۔ ہم بے ایمان نہیں ہیں لاؤ ذرا دکھاؤ۔"

میں نے نوٹ اس کے سامنے کئے تو اس نے اس میں سے کچھ رقم اٹھالی۔ اور کہنے لگا۔

"بس ہفتے بھر کا کرایہ اور کھانے کا خرچہ۔ جب جاؤ گے نا یہاں سے تو حساب کر کے

پیسے واپس لے لینا۔ ہمارے نکلیں تو ہمیں دے دینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"میں ابھی حسینہ کو بھیج رہا ہوں۔ وہ آکر دری وغیرہ بچھا دے گی۔ تکیہ اور کھیس بھی مل جائے گا۔ اب یہ بتاؤ۔ کچھ کھاؤ گے پیو گے؟"

"ہاں۔ چائے کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"ہو کیا سکتا ہے' ہے.......... وہ بھی دودھ اور پتی والی۔ چاہو تو باہر آجاؤ۔ حسینہ کمرے کی صفائی کر دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ باہر آکر اس نے کہا۔

"حسینہ! سارا لین دین ہو گیا ہے۔ جا کمرہ صاف کر دے۔ دری تکیہ رکھ دے۔ نئی چادر بچھا دے۔ شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں بھیا! بابر علی نام بتایا آپ نے؟"

"ہاں۔"

"ہمارا نام بشیر ہے اور یہ ہماری بیوی ہے حسینہ۔"

"تم بتا چکے ہو۔ مگر تم نے اپنی بستی کا نام نہیں بتایا۔"

"حسن آباد۔ حسن آباد نام ہے اس کا۔ بڑے اچھے لوگوں کی بستی ہے بھیا۔ نہ کوئی لڑائی نہ جھگڑا سب اپنے آرام سے رہتے ہیں۔ بس پچھلے دنوں سے کچھ مصیبت آئی ہوئی ہے۔ سب اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ ہندو بھی رہتے ہیں مسلمان بھی۔ مندروں میں گھنٹے بجتے ہیں۔ مسجدوں میں اذان ہوتی ہے اور سب مل کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اللہ اس مصیبت سے بچائے۔"

"اچھا کوئی مصیبت ہے؟"

"ہاں۔ بھیا! چائے بنا دیں پہلے تمہیں۔ ارے یہ حسینا بھی بس ایک ہی ہے۔ ایک ہانڈی پر لگی ہوئی ہے۔ دوسری ہانڈی جل رہی ہے۔ ابھی ایک منٹ بھیا! چائے کا پانی چڑھاتے ہیں۔" اس نے کہا اور ایک ہانڈی کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس میں تھوڑا سا پانی ڈالا اور پھر ایک بڑے سے برتن میں دودھ نکالا اور اسے ایک دیگچی میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"تمہاری بڑی مہربانی بھیا! تمہارے چکر میں چائے ہمیں بھی مل جائے گی۔ بھائی بڑی کنجوس بیوی ملی ہے ہمیں۔ نہ کھانے دیتی ہے نہ پینے دیتی ہے۔ پہلے پہلوانی کرتے تھے۔

اب دیکھو سوکھ کر دنگر ہو گئے ہیں۔ کہتی ہے کم خرچہ کرو۔ آنے والے وقت کے لئے کچھ بچا کر رکھو۔ اب دودھ چڑھا دیا ہے دو گلاس۔ ایک گلاس خود پئیں گے ایک تمہیں دیں گے۔ اللہ کرے اندر ہی رہے۔ بلکہ کہہ دیں گے کہ ذرا پردہ وردہ کیا کر۔ بعد میں تمہارے ساتھ پردہ توڑ دیں گے۔" بشیرا بہت سیدھا سادھا آدمی معلوم ہوتا تھا میں ہنسنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"بشیرے! تم کسی مصیبت کے بارے میں بتا رہے تھے۔" اتنی دیر میں حسینہ آگئی میرے الفاظ اس نے سن لئے تھے۔ بشیرے کو گھورتی ہوئی بولی۔

"مصیبت کے بارے میں بتا رہے ہوں گے نا۔ یہ مجھے مصیبت کے سوا اور کیا سمجھتے ہیں۔ بشیرے تجھے اللہ سمجھے۔ زندگی تیرے لئے برباد کر دی۔ اپنے لئے کچھ نہ کیا اور تو اب بھی مجھے مصیبت کہتا ہے۔"

"ارے ارے ارے۔ خوامخواہ سر لگ رہی ہے اور تجھے شرم نہیں آتی مسلمان عورت ہے۔ ٹھیک ہے ہم لوگ سرائے چلاتے ہیں مگر ایسا تو نہیں کہ تو مسافر کے سامنے بھی آجائے۔ کوئی رشتہ ناتا تو ہے نہیں تیرا۔" بشیرے نے کچھ اس انداز سے کہا کہ حسینہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔ پھر بولی۔

"اور تو جو مجھے مصیبت مصیبت کہے جا رہا ہے۔"

"تیری جان کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو بھائی جان کو اس مصیبت کے بارے میں بتا رہا تھا جس میں اس وقت ہماری بستی مبتلا ہے۔"

"اوہو۔ اچھا۔" حسینہ مطمئن ہو گئی اور بولی۔

"میں ذرا اندر جا رہی ہوں۔ ہانڈی وانڈی مت جلا دینا اور کیا تو پردے وردے کی بات کرتا ہے۔ بھائی جان! آپ ہی دیکھو۔ ہم دو بندے ہیں۔ ہم ہی مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم ہی آنے جانے والوں کے لئے سب کچھ چیزیں تیار کرتے ہیں۔ اب میں پردہ کر کے بیٹھ جاؤں تو یہ سنبھال لے گا؟ ہنڈیا تک تو صحیح پکا نہیں سکتا۔"

"ارے جا بابا جا۔ ہمیں بات کرنے دے ذرا بات کر رہے ہیں۔" بشیرے نے کہا اور وہ دانت پیستی ہوئی اندر چلی گئی۔

میں ہنستا رہا تھا۔

"یار! بشیرے تم تو بڑے مزے کے آدمی ہو۔ صرف چائے کے لئے تم نے اسے ٹالا ہے۔"

"بابو جی! آپ نہیں سمجھتے۔ اب دو گلاسوں میں چائے ڈالوں گا ایک آپ کو دوں گا اور دوسرا خود پیوں گا اور دھو کر رکھ دوں گا تاکہ اسے پتہ نہ چلے۔ ورنہ میری جان کو آجائے گی۔" میں ہنستا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد بشیرے نے دودھ میں پتی ڈالی اور اسے دم دینے لگا۔ پھر اس نے دو گلاس چائے بنا کر ایک گلاس چائے میرے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں بشیرے کہ کیا قصہ ہے۔"

"کیا بتائیں بابو جی! بس یوں سمجھ لو کہ مصیبت آئی ہے بستی میں' کئی بندے مار دیئے گئے ہیں۔ کوئی ان کی گردن ادھیڑ لیتا ہے اور دانتوں سے اور وہ مر جاتے ہیں۔ پانچ بندے مر چکے ہیں جن میں ایک عورت ہے۔ ایک مخصوص علاقے میں یہ واردات ہوتی ہے۔ ایک درخت ہے جس کے پاس سے گزرنے والے کا یہ حال ہوتا ہے۔ پانچوں لاشیں درخت کے نیچے ملی ہیں۔"

"ارے۔ ویسے تمہارے اطراف میں درندے تو ہو سکتے ہیں۔"

"ایک نہیں ہے بابو جی! ایک نہیں ہے اور آج کی بات نہیں ہے۔ بیس سال سے تو کوئی درندہ اس بستی میں نہیں آیا۔ بیس سال پہلے ایک دفعہ سنا تھا کہ کوئی بھیڑیا آگیا ہے۔ پتہ نہیں کہاں سے آگیا تھا۔ مار دیا بستی والوں نے اسے۔ اس کے بعد یہاں درندے نہیں ملتے بابو جی! دور دور تک نہیں ہیں۔ لومڑی یا گیدڑ وغیرہ کبھی کبھی البتہ نظر آجاتے ہیں۔ لیکن اور کوئی جانور ادھر نہیں آیا۔"

"تو تمہارا کیا مطلب ہے پھر کون ہے جو وہ نرخرہ ادھیڑ دیتا ہے؟"

"ایک منٹ۔" بشیرے نے جلدی جلدی چائے حلق میں انڈیلی پھر گلاس دھو کر اوندھا کر کے رکھ دیا۔ میرے گلاس کی جانب اس نے توجہ نہیں دی تھی۔ بیوی سے واقعی بہت زیادہ ڈرتا تھا شاید۔ اس نے پیچھے کی طرف دیکھا مگر حسینا کا کہیں وجود نہیں تھا۔ پھر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں تو بابو جی! ہم بتا رہے تھے کہ وہ نرخرہ ادھیڑ دیتا ہے۔ بابو جی آپ کو کیا بتائیں۔ ہم تو خیر اتنے نہیں ڈرتے لیکن ہندو دھرم والے بہت زیادہ ڈرتے ہیں۔ ویسے تو ہم بھی جانتے ہیں اور آپ بھی مانتے ہیں کہ موت ایک نہ ایک دن آنا ہی ہوتی ہے اور پھر بابو جی یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ جو اللہ نے لکھ دیا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ اس لئے مسلمان بہت کم ڈرتے ہیں لیکن حادثے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"لیکن ایک بات بتاؤ۔ بستی کے لوگوں نے جنگلوں میں تلاش نہیں کیا؟ یہاں تو کافی کھیت اور جنگل ہیں۔"

"بابو جی۔ ٹولیاں بنی ہیں دس دس آدمیوں کی۔ کلہاڑے۔ بلم اور دوسری چیزیں لے کر دن اور رات پہرہ دیا جاتا ہے مگر کوئی نہ کوئی مارا ہی جاتا ہے۔ جو پانچ بندے مارے گئے ہیں ان میں تین ہندو ہیں اور دو مسلمان مگر بڑی جوان موتیں ہوئی ہیں۔ دل ہل کر رہ گئے ہیں۔ تین گھر برباد ہو گئے ہیں۔ چوتھا تو خیر ایک بوڑھا آدمی تھا کریم خان بیچارہ۔ پانچویں بھی ایک عورت تھی جو عمر رسیدہ تھی اور اس کا کوئی بھی نہیں تھا۔ پر کوئی بھی ہو یہ خطرہ تو سب کو پیش آسکتا ہے۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا نا کہ ہو سکتا ہے جس طرح بیس سال پہلے کوئی بھیڑیا ان علاقوں میں گھس آیا تھا۔ اب بھی ایسا ہی کوئی جانور کہیں سے آگیا ہو۔"

"وہی تو ہم بتا رہے تھے کہ ایک ایک کونے کھدرے میں تلاش کر لیا گیا ہے۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ بس آپ یہ سمجھ لو کہ شبہ تو دل سے نکال ہی دیا گیا ہے کہ وہ کوئی جانور ہے۔"

"تو پھر؟" میں نے حیرت سے کہا اور بشیرا حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر بولا۔

"حسینہ کہتی ہے کہ کوئی بات منہ سے مت نکالیں۔ حلق سے نکلی حلق میں پہنچی لیکن بابو جی! تم تو باہر کے آدمی ہو۔ تم بھلا کس سے کہنے جا رہے ہو۔ بات یہ ہے کہ حسن آباد میں ہندو مسلمان بڑے امن سے رہتے ہیں۔ کبھی کسی کے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا اسی لئے دین دھرم کی باتوں پر خاص طور سے عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن شبہ ہے کہ یہ سارا کیا دھرا اسی آدمی کا ہے جو جنت میں سانپ کی طرح گھسا چلا آیا ہے۔"

"کون؟" میں نے سوال کیا۔

"لالو چند۔" بشیرے نے جواب دیا۔ میں اسے دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔

"لالو چند کون ہے؟"

"بس جی۔ تھوڑے دن پہلے بستی میں آیا تھا۔ عجیب سی شخصیت کا مالک ہے چھوٹا سا قد کوبڑ نکلا ہوا۔ چہرے ہی سے شیطان معلوم ہوتا ہے۔ بستی میں بھیک مانگتے ہوئے آیا تھا۔ پہلے چوہدری دین دیال کے پاس گیا اور دین دیال سے کہا کہ وہ اسے اپنے گھر نوکر رکھ لے۔ پر دین دیال جی کو بھی نہ جانے کیوں اس سے کچھ نفرت سی محسوس ہوئی تھی۔ بتا رہے تھے وہ شکل ہی سے پاپی نظر آتا ہے۔ میں تو اسے اپنے گھر کسی کام کے لئے بھی نہیں رکھوں گا۔ وہ دین دیال جی کے گھر چکر لگاتا رہا اور پھر جب دین دیال جی نے اسے کوئی

موقع نہیں دیا تو گاؤں کے کنارے پر ایک مڑھیا ڈال کر اس میں رہنے لگا۔ مڑھیا ایک درخت کے نیچے باندھی گئی ہے اور وہاں اس نے اپنا ٹھکانہ بنا لیا ہے۔ پھر پاپی نے کچھ ایسے چکر چلائے کہ لوگ اس کے پاس آنے جانے لگے۔ اسے کھانے پینے کی چیزیں دینے لگے اور اس کے تو مزے ہوگئے۔ پر وہ ہے بڑا خطرناک۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ جنتر منتر کرتا ہے اور جادو ٹونے کر کے لوگوں کو پھانستا رہتا ہے۔ ایسی ہی کوئی بات ہے بابو جی! ہم سب یہی سوچ رہے ہیں کہ لالو چند ہی ان تمام جھگڑوں کی بنیاد ہے اور اس نے کالے علم سے ہمارے بندے مار دیئے ہیں۔ یہ سب اس کی کارستانی ہے۔ میری بیوی تو ڈر کے مارے پاگل ہوئی جارہی ہے۔ کہتی ہے کہ گھر ہی چھوڑ دو۔ کہیں اور جا کر رہو۔ اب بتایئے بابو جی! اسی گاؤں میں پیدا ہوا۔ یہیں ساری زندگی گزاری گھر کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ کوئی معمولی بات ہے۔"

"ہاں اور گھر چھوڑنے کا کوئی جواز بھی نہیں بنتا۔ ظاہری بات ہے بہت سے لوگوں کو مل جل کر یہ کام کرنا ہوگا۔ پتہ تو چل ہی جائے گا کہ آخر وہ کون ہے جو اس طرح انسانوں کو نقصان پہنچاتا ہے یا ان کی زندگیاں لیتا ہے۔"

بشیرا سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ سوچ میں 'میں بھی ڈوبا ہوا تھا۔ یہاں میری آمد بلاوجہ تو نہیں تھی یقیناً یہاں بھی مجھے کوئی کام کرنا ہے۔ پانچ انسان موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ آخر کیسے؟ اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آگے کیا ہو۔ بہرحال یہ جگہ قیام کے لئے نہایت موزوں تھی۔ بشیرے اور حسینا بڑے اچھے لوگ تھے۔ میرا دل ان سے لگتا تھا۔ میں یہ فیصلہ کر چکا تھا اب مجھے کچھ وقت یہاں گزارنا ہی پڑے گا۔ پہلا دن یہاں گزر گیا۔ بستی کے لوگ کسی بات پر خاص طور سے توجہ نہیں دیتے تھے۔ دوسرے دن میں گھومنے پھرنے کے لئے نکل گیا اور کافی آگے چلا آیا۔ کھیتوں اور جنگلوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ہاں کافی دور نکل آنے کے بعد میں مٹھ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مٹھ کے پیچھے ایک سیاہ رنگ کی عمارت بھی نظر آئی۔ میرے قدم غیر اختیاری طور پر اس عمارت کی جانب اٹھ گئے۔

عمارت کے چاروں طرف انسانی قد سے اونچی جھاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ ان کے درمیان ایک پتلی سی پگڈنڈی بھی پھیلی ہوئی تھی۔ جو اس عمارت تک جاتی تھی۔ میں اس پگڈنڈی پر آگے بڑھتا رہا۔ راستے میں کئی جگہ سانپوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دی تھی۔ یقیناً ان جھاڑیوں میں سانپ موجود تھے۔ ویرانے میں بنی یہ عمارت بڑی عجیب نظر آرہی

تھی۔ نہ جانے کیسی عمارت تھی لیکن میرے لئے بڑی دلچسپی کا باعث تھی۔ چنانچہ میں آگے بڑھتا ہوا اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ پھر اچانک ہی میرے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ نہ جانے کیوں یہ عمارت کچھ جانی پہچانی سی نظر آرہی تھی۔ کم از کم میرے ذہن کے کسی گوشے میں اس کا وجود موجود تھا مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں نے اسے پہلے کہاں دیکھا ہے۔ یہ انوکھی سی بات تھی۔ میرے قدم آگے بڑھتے چلے گئے اور پھر میں اس عمارت میں داخل ہوگیا۔ دل کی دھڑکنیں انتہائی تیز تھیں۔ وہی محرابیں' وہی انداز آگے بڑھتا ہوا میں اس بڑے سے ٹھنڈے ہال میں پہنچ گیا جو نیم تاریک تھا بس کچھ روشن دانوں سے جھلکنے والی روشنی نے ماحول کو تھوڑا سا منور کر دیا تھا۔ ورنہ شاید وہاں کچھ نظر بھی نہیں آتا۔

میں نے دیکھا کہ عمارت کے درمیان میں ہنومان کا بت لگا ہوا ہے۔ ہاتھ میں گرز لئے ہنومان کا بت بہت خوفناک نظر آرہا تھا اور اس سنسان ماحول میں یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی بت اپنی جگہ سے آگے بڑھے گا اور مجھ پر حملہ کر دے گا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک دیکھی تھی۔ حالانکہ پتھر کا تراشا ہوا بت تھا لیکن اس کی آنکھیں جاندار محسوس ہوتی تھیں۔ میں ان آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ یہ صرف تنہائی اور ماحول کا دیا ہوا ایک تصور تھا۔ البتہ میں اس عمارت کی شناسائی کے بارے میں اب بھی سوچ رہا تھا۔ پھر میں آگے بڑھ کر اس بت کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

ہلکی ہلکی سرسراہٹیں ابھر رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آس پاس کوئی موجود ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بت کے قدموں میں مجھے کوئی سیاہ سی شے پھڑکتی ہوئی نظر آئی۔ میں ایک دم بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ہاں خون کے کچھ حصے نمایاں طور پر نظر آرہے تھے۔ حالانکہ یہ اندازہ لگانا بھی مشکل تھا۔ میں نے الٹے ہاتھ سے خون کو تھوڑا سا رگڑ کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ سے چھٹ گیا اور اس کے چھوٹے چھوٹے ذرات میری انگلی میں لگے رہ گئے۔ اس کے بعد میں نے اس ہال کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لیا۔ اندرونی سمت ایک دروازہ بنا ہوا تھا۔ میں ہمت کر کے اس دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ ایک بہت چھوٹا سا کمرہ تھا لیکن بالکل خالی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں کمرے کے درو دیوار کا جائزہ لیتا رہا اور پھر وہاں سے باہر نکل آیا۔ یوں لگا جیسے کوئی بھاگ کر دروازے سے باہر نکل گیا ہو۔ میں نے تیزی سے دوڑ لگائی اور باہر آگیا پھر میری نگاہیں

دور دور تک کا جائزہ لیتی رہیں لیکن کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ البتہ اس بات کا مجھے اندازہ تھا کہ اگر کوئی یہاں چھپنے کی کوشش کرے تو اول تو عمارت ہی بہت وسیع تھی اور اس میں اتنی گنجائش تھی کہ آسانی سے چھپا جا سکے۔ لیکن آس پاس بکھری ہوئی جھاڑیوں میں تو اگر بہت سے لوگ بھی چھپنا چاہیں تو ان کا سراغ لگانا مشکل ہو جائے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ جگہ بہت پُراسرار تھی۔

میں بھاگتے ہوئے قدموں کا تعاقب کرتا ہوا باہر نکلا تھا لیکن ابھی وہاں بہت سی چیزیں جائزہ لینے کے لئے موجود تھیں۔ چنانچہ پھر اندر داخل ہو گیا اور ایک بار پھر ہال میں اِدھر اُدھر دیواروں اور کونوں کھدروں کو تلاش کرنے لگا۔ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ یہ جگہ انسانی پہنچ سے دور نہیں ہے۔ دیوار میں دو مشعلیں گڑی ہوئی تھیں جن میں نہ جانے کیا چیز جلائی جاتی تھی۔ روئی سے بنی ہوئی بتیاں ان مشعلوں میں تراشے ہوئے دئیوں میں پڑی ہوئی تھیں اور ایک عجیب سے رنگ کا موم جیسا مادہ بھی موجود تھا۔ یقیناً یہ بتیاں روشن کر دی جاتی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے یہاں پوجا ہوتی ہو۔ ظاہر ہے مذہب کے متوالے اپنے دھرم کے مطابق یہ سب کچھ کرتے ہی ہیں لیکن جگہ بے حد بھیانک اور پُراسرار تھی۔

میں نے اس کا پورا پورا جائزہ لیا اور اس کے بعد وہاں سے بھی باہر نکل آیا۔ یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس آدمی نے جس کا نام مجھے لالو چند بتایا گیا تھا۔ اپنی وہ جھونپڑی کہاں بنائی ہے جہاں وہ لوگوں کے لئے کام کرتا ہے۔ اس عمارت میں تو ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔ حالانکہ عمارت دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ضرور یہاں کوئی خوفناک عمل ہوتا ہو گا۔ خاص طور سے خون کے وہ دھبے جو مجھے ہنومان کے بت کے قدموں میں نظر آئے تھے۔ میرے لئے بڑے قابل توجہ تھے۔ مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ اگر اس خون کو کھرچ کر یہاں سے لے بھی جاتا تو کہاں سے اس کا تجزیہ کراتا کہ یہ انسانی خون ہے یا کسی جانور کا خون۔ اس بات کے بھی امکانات تھے کہ یہ خون کسی جانور کا ہو گا کیونکہ پوجا کے لئے نہ جانے کیا کیا طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ البتہ یہ بات میں نے دل میں سوچی تھی کہ لالو چند کی کوٹھی بھی یہاں کہیں آس پاس موجود ہو۔ اس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ ایک درخت کے تنے کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی ہے لیکن باہر نکلنے کے بعد میں تاحد نظر نگاہیں دوڑائیں۔ ایسی کوئی چیز مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جھونپڑی جسے وہ لوگ مڑھیا کہتے ہیں۔ ان اطراف میں نہیں ہے۔ میں اسے تلاش کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ ہے کیا چیز۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن اس پُراسرار عمارت کے ماحول نے مجھے

بہت دیر تک چکرائے رکھا اس کے بعد سرائے واپس آ گیا۔

لوگ مجھ سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سیدھے سادھے لوگ تھے ہمت نہیں پڑتی ہو گی۔ دوسرے دن میں پھر اپنی جگہ سے باہر نکل آیا۔ حالانکہ اس پُراسرار عمارت کی طرف آنے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی قدم اس کی جانب ہی اٹھ گئے۔ نہ جانے کیوں میں اس طرف چل پڑا تھا۔ اس وقت ایک عجیب سی بے کلی محسوس ہو رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال میں اسی عمارت کی جانب چل پڑا۔ مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ کوئی آواز نہیں تھی۔ راستے بھر کسی زندہ انسان کا وجود بھی نظر نہیں آیا۔ گھنی اور خوفناک جھاڑیاں' خاموش کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان سے احتیاط سے گزر رہا تھا کیونکہ وہاں سانپ موجود تھے لیکن سانپوں کے خوف سے میں نے اپنا ارادہ ترک نہیں کیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی انجانی قوت مجھے وہاں لے جا رہی ہے۔ نیم تاریک ماحول میں یہ عمارت ہمیشہ کی مانند بھیانک نظر آ رہی تھی۔ لیکن اس کے دروازے سے میں اندر قدم رکھتے ہی میں بری طرح چونک پڑا۔ ایک مدھم سی آواز آ رہی تھی جیسے دو افراد آپس میں باتیں کر رہے ہوں۔ میں ایک دم سنبھل گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اندر کوئی موجود ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی وہاں سے باہر نکلا۔ دوسرا اس سے چند قدم پیچھے تھا اور شاید کچھ کر کے آ رہا تھا۔ دونوں اندر سے باہر نکلے۔ میں اس وقت ایک چوڑے ستون کی آڑ میں تھا۔ میں نے سانس تک روک لیا اور ان لوگوں کا قریب سے گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"دیکھو لالو چند! ہر کام احتیاط سے کرو۔ اس کی تو تم فکر ہی مت کرو کہ تمہیں یہاں کوئی نقصان پہنچے گا۔ ویسے بھی تم دیکھ رہے ہو کہ لوگ آہستہ آہستہ تمہاری جانب متوجہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اصل میں' میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم دونوں دو مختلف حیثیتوں سے یہاں رہیں اور اپنا کام کریں۔ ہندو اور مسلمانوں کو آپس میں لڑائیں اور خود تماشہ دیکھیں۔ اس کے بعد تم دیکھنا ہمارا دھندا کیسے چلتا ہے۔"

"تم فکر مت کرو۔ جیسا تم کہو گے ویسا ہی میں کر رہا ہوں اور ویسا ہی کرتا رہوں گا۔"

"ابھی کچھ دن رک جاؤ۔ ہم نیا شکار ذرا دیر کے بعد کریں گے۔ پانچ بندے ہلاک کر چکے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ ذرا زیادہ جذباتی ہو رہے ہیں۔ ذرا ان کے جذبات ٹھنڈے ہو

جائیں تو پھر کام شروع کیا جائے گا۔"

"چنتا ہی مت کرو۔ اور کوئی خدمت بتاؤ میرے لئے۔"

"نہیں لالوچند! بس تم اپنی جھونپڑی پر جاؤ۔ میں بستی جا رہا ہوں۔"

میرے دماغ میں پھلجھڑیاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ اتنا تو میں جانتا تھا کہ بالکل صحیح وقت پر میری رہنمائی ہوتی تھی اور میں سب کچھ سمجھ لیا کرتا تھا اس وقت یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اگر میں پیچھا کروں تو کس کا لالوچند کا یا اس دوسرے آدمی کا لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا کہ لالوچند کی جھونپڑی تو کسی سے پوچھی بھی جا سکتی ہے۔ یہ شخص اگر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو نہ مجھے بستی میں اس کا کچھ پتہ ہے نہ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہوتا ہے۔ چنانچہ میں ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ لالوچند بائیں جانب مڑ گیا تھا اور وہ اجنبی شخص سیدھا چلا جا رہا تھا لیکن اس کے الفاظ میرے لئے بڑے سنسنی خیز تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ دونوں کو لڑاؤ اور اس کے بعد اپنا کاروبار دیکھو کس طرح سے چلتا ہے۔ یہ کیا قصہ ہے۔ بہرحال میں چلتا رہا اور کچھ دیر کے بعد بستی میں داخل ہو گیا۔ اتنی احتیاط سے میں نے اس کا تعاقب کیا تھا کہ اسے پتہ نہیں چل سکا تھا لیکن یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ وہ ایک چھوٹی سی کچی مسجد میں داخل ہوا ہے اور پھر تقریباً دو گھنٹے تک میں اس مسجد کا جائزہ لیتا رہا لیکن وہ باہر نہیں نکلا تھا۔ میں پُرخیال انداز میں سوچتا رہا اور اس کے بعد واپس پلٹ پڑا لیکن صورتحال کافی حد تک میرے علم میں آ گئی تھی۔ بہرحال پھر میں نے اس سلسلے میں بشیرے کا سہارا لیا۔ میں نے بشیرے سے کہا۔

"بشیرے ایک آدمی کے بارے میں تم سے معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی بھائی جان بولو۔" بشیرے نے کہا۔

"شاید مسجد کے حجرے میں رہتا ہے۔"

"وہ چمن بیگ۔ چمن بیگ ہے وہ ذرا حلیہ بتاؤ اس کا؟" میں نے حلیہ بتایا تو بشیرے نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ وہ چمن بیگ ہی ہے۔ مولوی چمن بیگ کسی شہر سے آیا تھا۔ زمانے کا ستایا ہوا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ لوگوں نے ہمدردی کی اس کے ساتھ اور اسے یہاں رہنے کی جگہ دے دی۔ مسجد میں رہتا ہے لوگ اسے کھانا پینا دیتے ہیں۔ بس پڑا ہوا ہے بیچارہ۔"

"ہوں۔ یہاں اس سے کسی کی جان پہچان ہے؟"

"ویسے تو سب ہی جانتے ہیں اسے۔ سب ہمدردی کرتے ہیں خاص طور سے

مسلمان۔ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ۔ لالوچند کو یہاں کس نے جگہ دی تھی؟"

"بس یہی سوال گڑبڑ ہے۔ چوہدری دین دیال کے بارے میں تو بتا چکا ہوں میں تمہیں بھائی جان۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"ارے او ہو۔ اچھا، مکھیا ہے نمبردار ہے۔ اس کی چلتی ہے۔ یہاں لالوچند کو بھی اسی نے یہاں رہنے کے لئے جگہ دے دی تھی۔ ویسے تو برا آدمی نہیں ہے۔ ویسے اب ذرا لوگوں کے خیالات بدلتے جا رہے ہیں۔ خاص طور سے مسلمانوں کے جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ لوگ یہ سوچ رہے ہیں کہ دین دیال نے تعصب برتتے ہوئے لالوچند کو یہاں لا کر رکھا ہے اور لالوچند گندے علم کا ماہر ہے۔ بس اسی نے پانچ بندے ہلاک کئے ہیں۔ کچھ ایسی خبریں اڑتی رہتی ہیں۔ اب ان خبروں کی تصدیق کون کرے بھائی جی۔"

"ہاں یہ تو ہے ویسے دین دیال کیا کوئی متعصب آدمی ہے؟"

"پہلے تو نہیں تھا۔ اب ہو گیا ہو تو کہا نہیں جا سکتا۔"

"ٹھیک۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ اب یہ ایک مثلث بن گیا تھا۔ مولوی چمن بیگ لالوچند اور دین دیال۔ ویسے کوئی چکر ضرور تھا ان کے درمیان۔ کوئی لمبا کام ہو رہا تھا۔ اب اس کے بعد مجھے لالوچند کو دیکھنا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ یہ لوگ اس پُراسرار عمارت میں کیا کرنے گئے تھے۔ یہ معلوم کرنا بھی بڑا ضروری تھا۔ بہرحال میں یہ سوچتا رہا کہ اب مجھے کس انداز میں کام کرنا چاہئے۔ بیچارہ بشیرا تو ایک سیدھا سادھا آدمی تھا اسے کسی مسئلے میں خاص طور سے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہاں لالوچند کو دیکھا جا سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک فیصلہ کر لیا اور اس کے بعد اس شام میں لالوچند کی جھونپڑی کی تلاش میں چل پڑا۔

دو چار لوگوں سے میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو مجھے پتہ چل گیا۔ اس درخت کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا جہاں لالوچند نے اپنی جھونپڑی بنا رکھی تھی۔ شام کے جھٹپٹوں میں جس وقت میں لالوچند کی جھونپڑی سے کچھ فاصلے پر تھا تو میں نے لالوچند کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک سیدھ میں جا رہا تھا۔ میں نے احتیاط سے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اسی کھنڈر نما عمارت میں جا پہنچا۔ یہاں اس وقت اس قدر ہولناک ماحول تھا کہ اس کے آس پاس سے گزرنے والوں پر بھی بے

ہوشی طاری ہوجائے لیکن لالوچند اس کھنڈر میں داخل ہوگیا تھا۔ میں وہاں پہنچا اور میرے ہوش وحواس گم ہوگئے۔ ہنومان بندر کے بت کے قدموں میں ایک انسانی جسم پڑا ہوا تھا۔ اس کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ لالوچند اسی انسانی جسم کے پاس موجود تھا۔ ایک لمحے تک میرے اندر ایک تھرتھری سی پیدا ہوتی رہی اور پھر نہ جانے کہاں سے میرے اندر ایک عجیب سی قوت ابھر آئی میں نے کڑک کر اسے آواز دی تو لالوچند اس طرح اچھلا کہ اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی ایک ٹانگ پکڑلی تھی اور پھر اسے مروڑ کر میں نے اسے اوندھا کر دیا اور اس کی پنڈلی پر کھڑا ہوگیا۔ وہ کٹے ہوئے بکرے کی طرح چیخنے لگا تھا۔ میری غراہٹ ابھری۔

"کتے کے بچے! تو نے ایک اور انسان کی زندگی لے لی۔ اب تجھے موت سے کوئی نہیں بچاسکے گا۔ میں تیرے ٹکڑے کردوں گا۔ تو سمجھتا کیا ہے۔"

"معاف کردو مہاراج' معاف کردو۔ ارے دیا رے دیا ٹوٹ گئی میری ٹانگ۔ ارے میں مرگیا۔ ارے بچاؤ۔" ارے کوئی بچاؤ۔"

لیکن اس وقت اسے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ میں نے زور زور سے کئی لاتیں اس کے پیر پر ماریں تو وہ کٹے ہوئے بکرے کی طرح کی طرح چیختا رہا۔ اب اس کی حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ اپنے طور پر کھڑا نہ ہو سکا اور دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ تب میں نے اس کی زخمی ٹانگ پڑی اور اسے گھسیٹتا ہوا کچھ فاصلے پر لے آیا۔

"تو تو نے ایک اور آدمی مار ڈالا کمینے' کتے ایک اور انسانی جان ختم کردی تو نے۔"

"نہیں مہاراج بھگوان کی سوگند میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھ پر یقین کرلو مہاراج۔ مجھ پر یقین کرلو میں نے کچھ نہیں کیا۔ ارے رے مرگیا۔ ہائے رام ٹانگ ٹوٹ گئی میری۔ ارے کس سے کہوں۔ کس سے فریاد کروں؟"

"فریاد کے بچے مظلوم بننے کی کوشش کررہا ہے۔ جو پتھر کے ٹکڑے کے پیروں میں انسان کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ وہ کیا ہے؟"

"بھگوان کی سوگند مہاراج! میں تو بس اسے ٹھکانے لگانے آیا تھا۔ اسے اٹھا کر لے جاتا اور جنگل میں کسی جگہ ڈال دیتا۔ آپ میرے پر بھروسہ کرو مہاراج! میں نے نہیں مارا اسے' میں نے نہیں مارا۔"

"پھر کیا تیرے باپ نے مارا ہے اسے؟"

"نہیں مہاراج! اسے........... اسے........... اسے مہاراج!"

"بول ورنہ میں بھی اس جگہ تیری گردن کاٹ کر پھینک دوں گا۔ تو مجھے نہیں جانتا۔"

"ہرے رام' ہرے رام' ہرے رام' مہاراج' آپ یقین کرو اسے بھگوتی نے مارا ہے۔ بھگوان کی سوگند اسے بھگوتی رام نے مارا ہے۔"

"کون بھگوتی رام؟"

"ارے مہاراج! کیا بتائیں آپ کو۔ کیا بتائیں' ارے ہماری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے کیا ذرا دیکھ تو لو۔ ارے مار ڈالا رے مار ڈالا۔" وہ کراہتا ہوا بولا۔ میں نے پھر اس کے پاؤں کی جانب ہاتھ بڑھایا تو وہ دونوں ہاتھوں کے بل پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

"نہیں نہیں ایسا مت کرو۔ تمہیں بھگوان کا واسطہ ایسا مت کرو۔"

"اب بھگوان کا واسطہ دے رہا ہے مجھے۔ کیا تو بھگوان کو جانتا ہے؟"

"آپ یقین کرو مہاراج! ہم تو خود مصیبت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو گردن گردن تک دلدل میں دھنس گئے ہیں ہم۔ اتنے گہرے دھنس گئے ہیں کہ اب اس دلدل سے نکل بھی نہیں سکتے۔"

"دیکھو لالوچند! یا تو ایک ایک بات مجھے بالکل کھل کر صاف صاف بتا دے ورنہ میں کسی سے کچھ کہوں گا نہیں۔ یہاں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ اگر دوسری لاش بھی یہاں پڑی ہوئی ملے گی کسی کو تو لوگ یہی سوچیں گے کہ جس طرح پانچ آدمی پہلے ہلاک ہوئے ہیں۔ اس طرح دو اور ہوگئے۔ میں اتنا ہی درندہ آدمی ہوں۔ پتھر سے تیرا سر ایسا کچلوں گا کہ تو سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر تو کہے تو نمونے کے طور پر تیری یہ دونوں ٹانگیں پتھر سے کچل کر تجھے ناکارہ کردوں۔" اس نے جلدی سے اپنی زخمی ٹانگ سمیٹ لی۔ مجھ سے بری طرح خوفزدہ ہوگیا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"تمہیں بھگوان کا واسطہ۔ یہاں سے تو نکل چلو۔ یہاں سے تو نکلو مہاراج! ہم تمہیں سب کچھ بتا دیں گے۔ جس طرح بھی چاہو۔ یقین کرلو کوئی چالاکی نہیں کریں گے تمہارے ساتھ۔ سب کچھ بتا دیں گے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اب ہم بھی تھک گئے ہیں۔ یہ روز روز کی موت سے اچھا ہے کہ ایک دن مارے جائیں۔ اس سے تو جیل ہی اچھی تھی۔ بلاوجہ دوسرے کے پھیر میں آگئے۔ ستیا ناس ہو اس پاپی بھگوتی رام کا۔ ستیاناس ہو۔"

دفعتاً ہی میرے ذہن میں ایک شکل ابھری لیکن میں نے فوراً ہی اپنے اس خیال کو اپنے ذہن میں دبا لیا تھا اور اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ ساری سوچیں بعد میں' پہلے اس شیطان سے نمٹ لوں۔ جو پتہ نہیں مکاری کر رہا ہے یا پھر جو کچھ کہہ رہا ہے۔ سچ کہہ رہا ہوں میں نے اس سے کہا۔

"لالوچند! ٹھیک ہے آجا میرے ساتھ لیکن میں تیری جھونپڑی پر نہیں جاؤں گا۔ میں تجھے کہیں اور لے جا کر تجھ سے بات کروں گا۔"

"اس عمارت کے پیچھے تالاب ہے مہاراج! اس کے کنارے کنارے درخت ہیں۔ وہاں لے چلئے مجھے۔ سنسان جگہ ہے آپ مجھے سہارا دے کر کھڑا کر لیجئے۔ میری ٹانگ ٹوٹ ہی گئی ہے شاید۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو۔"

میں نے بہرحال پہلے اس کے پورے جسم کی تلاشی لی کہ اس نے کوئی ہتھیار تو نہیں چھپایا ہوا لیکن ایسا نہیں تھا۔ پھر میں اسے سہارا دے کر عمارت کے پچھلے حصے میں لایا۔ پہلے میں نے اس تالاب کو نہیں دیکھا تھا۔ تالاب کیا گندا جوہڑ تھا۔ مٹی سے اٹا ہوا غلاظتوں سے بھرا ہوا۔ ایسی جگہ ایسا ہی تالاب ہونا چاہئے تھا۔ ہلکی ہلکی بدبو بھی اٹھ رہی تھی لیکن مجھے اپنے مقصد سے غرض تھی۔ میں اسے سہارا دیئے ہوئے تالاب تک پہنچ گیا اور پھر اس سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے میں نے اسے بیٹھا دیا۔

"برے کام کا برا نتیجہ تھوڑی سی بات تھی برداشت کر لیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اس مصیبت میں تو نہ پھنستے۔" وہ خود بخود بڑبڑا رہا تھا اور میں خاموش نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہاں لالوچند! تو اپنی سسرال نہیں آیا ہے۔ تو نے ایک انسان کو قتل کیا ہے۔ میں اس کے جرم میں تجھے اس جگہ موت کی سزا بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن میں تیرے بارے میں جاننا چاہتا ہوں اور کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو پھر میں اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکوں گا۔"

"ارے اب کیا چالاکی کریں گے۔ ہم بھاڑ میں تو چلے گئے ہیں۔ اب کیا چالاکی کریں گے۔ ختم تو ہو گیا ہے سارا کھیل۔"

"ہاں۔ کھیل واقعی ختم ہو گیا ہے لیکن کھیل ختم ہونے سے پہلے تجھے کھیل کے بارے میں بتانا ہو گا۔"

"چوری کری تھی۔ مجبوری کی حالت میں چوری کری تھی۔ سات مہینے کی سزا ہوئی۔

چار مہینے گزر چکے تھے۔ تین مہینے باقی تھے۔ جیل کی زندگی میں ایک منٹ گزارنا مشکل ہوتا ہے۔ تین مہنے تو تین مہنے ہوتے ہیں۔ پھر وہ پاپی مل گیا۔ بھگوتی رام نام تھا اس کتے کا۔ ہمیں بہکاتا رہا۔ اس کی سزا لمبی تھی عمر قید ہو کر آیا تھا۔ کہنے لگا جادو منتر کرتا ہے اور کالا جادو سیکھ رہا ہے۔ تجربہ کیا تھا کسی پر۔ وہ مر گیا تو موت کی سزا ہو گئی۔ مطلب یہ کہ عمر قید۔ اس نے بتایا کہ وہ بھاگ رہا ہے۔ تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اس کے ساتھ اور بھی لوگ ہیں۔ بس لالچ آ گیا وہیں سے مارے گئے۔ تین مہینے اور گزار دیتے تو اس لالچ میں نہ پھنستے۔ بس بھیا دماغ پھر گیا تھا ہمارا۔ جیل ٹوٹی سب بھاگے۔ وہ ہمارے ساتھ تھا۔ اس کے بعد ہم بڑی مصیبتوں سے گزرتے رہے اور اس کے بعد ہم پر عذاب ٹوٹتا رہا۔ پھر یہاں آ گئے۔ کوئی مہینے بھر کے بعد یہاں پہنچے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر تھے اس نے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد وہ پہنچ گیا۔ دین دیال کے ہاں ساری باتیں پتا مل گئی تھیں۔ اسی لئے وہ مسلمان بن گیا اور ہمیں اس نے اس جگہ جھونپڑی ڈلوادی۔ خود کالے علم کے چکر چلانے لگا۔ لیکن بندوق ہمارے کندھوں پر رکھ دی۔ دین دیال یہاں کے مسلمانوں سے بہت چڑتا ہے لیکن کچھ کر نہیں سکتا۔ اس نے یہ بات معلوم کرنے کے بعد دین دیال کو پھانس لیا اور کہنے لگا کہ اگر دین دیال نے ذرا بھی ٹیڑھی میڑھی کری تو وہ یہ کہہ کر اسے سامنے لے آئے گا کہ دین دیال مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔ دین دیال ڈرپوک آدمی تھا ڈر گیا اور پھر اس کے اشاروں پر کام کرنے لگا۔ یہ ساری حرکتیں اس نے کی ہیں لیکن ثبوت ایسے حاصل کر لئے ہیں کہ اگر دین دیال جلتے توے پر بھی بیٹھ جائے تو لوگ اس کی بات کا یقین نہ کریں کہ یہ سارے دھندے وہی کر رہا ہے۔ بس یہ ہے ساری کہانی۔ ہم اس کے شریک کار ہیں اور وہ دین دیال کو بلیک میل کر کے ہر طرح کی آسانیاں حاصل کر رہا ہے کمینہ! مسلمانوں کی مسجد میں مسلمان بن کر رہ رہا ہے اور وہاں بھی گندگی پھیلا رہا ہے۔"

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ لیکن پھر یہی بات کہ وہ چاہتا کیا ہے؟"

"ارے بھائی! کچھ نہیں چاہتا بس عیش کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ اس نے دین دیال کا جینا حرام کر دیا ہے۔"

"اور اگر تمہارے اس پروگرام میں میرا مطلب ہے کہ جو کچھ تم نے بتایا ہے جھوٹ نکلا تو؟"

"تو سزا ابھی سے دے دو بھیا! کیا کر سکتے ہیں ہم تمہارا۔"

"ٹھیک۔ آؤ............ میرے ساتھ آؤ۔"

"کہاں؟"

"آجاؤ۔ آجاؤ۔" میں نے کہا اور اسے ساتھ لے کر چل پڑا۔ پھر میں سرائے میں واپس آگیا تھا۔ بشیرے سے میں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"بشیرا! میں نے ان افراد کے قاتل کو پکڑ لیا ہے۔ یہ لالوچند ہے لیکن اصل مجرم یہ نہیں ہے۔ اصل مجرم کوئی اور ہے اور اب میں تم سے مشورہ چاہتا ہوں کہ اصل مجرم کے ساتھ ہم لوگ کیا کرسکتے ہیں۔" بشیرے کو جب ساری تفصیل معلوم ہوئی تو اس نے کہا۔

"بس تو پھر قاضی ابراہیم صاحب کے پاس چلتے ہیں۔"

"یہ کون ہیں؟"

"نکاح خواں ہیں لیکن یہ سمجھ لو کہ ہماری بستی میں مسلمانوں کی زبان وہی ہیں۔"

قاضی ابراہیم کو ساری تفصیل بتائی تو وہ غصے سے دیوانے ہوگئے۔

"وہ مردود! وہ ناپاک مسجد کی بے حرمتی کررہا ہے۔ میں ابھی سارے مسلمانوں کو جمع کرتا ہوں۔" پھر تو ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا تھا۔ چاروں طرف سے مسجد کو گھیر لیا گیا تھا پھر اس کے بعد حجرے پر حملہ کرکے اسے پکڑا گیا تھا۔ وہ ناپاک آدمی قسمیں کھانے لگا اور کہنے لگا کہ اس نے کچھ نہیں کیا ہے وہ مسلمان ہے لیکن اس کی تصدیق اسے اندر لے جاکر کرلی گئی تھی۔ وہ سوفیصدی ہندو تھا۔ ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوجانے والا فرد۔ مسلمانوں کے جذبات بے پناہ مشتعل ہوگئے۔ خود دین دیال بھی بے شمار ہندوؤں کو لے آیا اور اس کے بعد میں کچھ نہیں کرسکا۔ انہوں نے پتھر مار مار کر بھگوتی رام کو مار ڈالا تھا۔ اس کی ہڈیاں تک قیمہ قیمہ کردی تھیں۔ جب مذہبی جذبات مشتعل ہوتے ہیں تو ایسا ہی ہوتا ہے لیکن بہرحال اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ چھ آدمیوں کے قاتل کو پکڑا کے میں نے ایک اچھا کام سرانجام دیا تھا۔ لالو چند کو میں نے وہاں سے نکال دیا تھا۔ میں وہاں سے بشیرے کی سرائے ہی پہنچا تھا لیکن اب قاضی صاحب اور دوسرے افراد مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر مصر تھے اور یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔ یہاں سے جاؤں یا نہ جاؤں۔ جگہ بہت اچھی تھی لوگ عزت کرتے تھے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف یہ دو باتیں تو کسی جگہ زندگی بھر قیام کے لئے تو ممکن نہیں تھیں۔ بستی کے لوگوں کی محبت بشیرے کا برتاؤ۔ بستی کے بہت سے لوگ مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ تھے۔ خود قاضی ابراہیم صاحب نے بہت سے مجمع میں کھڑے ہو کر کہا تھا۔

"ایسے لوگ برکتوں کا باعث ہوتے ہیں۔ ہماری بستی کی تباہی ٹالنے میں ان صاحب نے جو ہماری مدد کی ہے۔ ہم اسے بھول نہیں سکتے۔ ایسے بابرکت لوگ پھول کی مانند ہوتے ہیں۔ میں انہیں اپنے ساتھ رہنے کی پیشکش کرتا ہوں۔ ہمارے ساتھ رہیں جو ضرورت ہو ہمیں بتادیں۔ ہم ان کی تمام ضرورتیں خوشی کے ساتھ پوری کریں گے۔"

یہ ساری باتیں ہوتی رہی تھیں۔ میں نے ان سب کا شکریہ ادا کیا تھا اور عاجزی سے کہا تھا کہ اتنی معمولی سی خدمت پر یہ لوگ مجھے بہت بڑا مقام دے رہے ہیں۔ میں اس کے لئے ان کا شکر گزار ہوں۔ بہرحال چند روز تک میں اس طرح وقت گزارتا رہا اور پھر مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ اگر میں جان بوجھ کر اور ان کے علم میں لاکر یہاں سے جانے کی کوشش کروں گا تو یہ لوگ آسانی سے مجھے جانے نہیں دیں گے۔ میرے لئے یہی مناسب ہے کہ خاموشی سے نکل جاؤں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک رات چار بجے کے قریب میں سرائے سے باہر نکلا اور بستی سے باہر جانے والے راستے کی طرف چل پڑا۔ میں جانتا تھا کہ صبح آٹھ بجے سے پہلے میری تلاش نہیں شروع ہوگی اور پھر لوگ اتنے بھی زیادہ جذباتی نہیں ہیں میرے لئے کہ میری تلاش میں وہ گاؤں سے باہر دوڑ پڑیں گے۔ چنانچہ میں چلتا رہا۔ وہی صحرا' وہی راستے' وہی سب کچھ' میں سفر کرتا رہا اور بہت دور نکل آیا۔

کھیتوں اور باغوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا۔ اب صرف جنگل تھے۔ ویسے ایک سڑک مجھے نظر آئی تھی جو کہیں اور سے نظر آتی تھی اور اس آبادی سے کافی فاصلے سے گزرتی تھی۔ کوئی ایک کلومیٹر چلنے کے بعد اس سڑک تک پہنچا جا سکتا تھا۔ میں نے دور سے گاڑیاں گزرتے دیکھ کر اس سڑک کے بارے میں اندازہ لگایا تھا۔ بہرحال میں یہ فاصلہ طے کرنے لگا۔ ہو سکتا ہے سڑک پر کسی گاڑی میں لفٹ مل جائے۔ یہ سوچ کر میں سڑک کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا لیکن ابھی میں تھوڑا سا فاصلہ طے کرسکا تھا کہ مجھے ایک جگہ نظر آئی۔ ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کا ایک مینار سا بنا ہوا تھا۔ اس میں ایک چوڑا دروازہ تھا اور اس چوڑے دروازے کے دوسری جانب ایک اندھیری سی جگہ نظر آرہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے سوچا کچھ دیر یہاں بیٹھ کر دم لے لیا جائے۔ اس کے بعد سڑک پر جاکر کوشش کی جائے گی کہ کسی گاڑی میں لفٹ مل جائے۔ اب کہیں بھی جا سکتا تھا۔ کوئی ایسی جگہ تو ذہن میں نہیں تھی جسے اپنا مستقل ٹھکانہ کہا جاسکے یا جہاں جانے کا تصور ذہن میں ہو۔ صبح کی روشنی پھوٹ چکی تھی۔ میں اس کھنڈر نما جگہ کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خوف پیدا

ہو گیا۔

وہ ایک آدمی ہی تھا جو اس کھنڈر میں پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا اور اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ کوئی درویش یا سادھو معلوم ہوتا تھا۔ جو یہاں چلہ کشی کر رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے اس کے کام میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے لیکن اس نے شاید خود ہی میرے قدموں کی آہٹ محسوس کر لی اور پلٹ کر مجھے دیکھا۔ اب اتنی روشنی ضرور تھی کہ میں اس کے چہرے کے نقوش دیکھ سکتا۔ میں نے اسے دیکھا اور میرا ذہن بھک سے اڑ گیا۔ یہ نگاہوں کا دھوکا نہیں تھا ایک حقیقت تھی۔ ایک ٹھوس حقیقت اور میں ششدر رہ گیا تھا۔ یہ سوفیصدی' سوفیصدی منگلہ سن تھا اس نے بھی شاید مجھے پہچان لیا تھا اور اس کی آنکھوں کا رنگ بدلنے لگا تھا پھر وہ جھکا جھکا اس دروازے سے باہر نکل آیا اور اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"کتے کے بچے! نہ خود جی رہا ہے نہ مجھے جینے دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر تو چاہتا کیا ہے؟ کیوں میرا پیچھا کر رہا ہے۔ کیوں مرا ہے یہاں آکر؟ تو نے میرا سارا کام خراب کر دیا۔ تجھ پر لعنت ہو آج میں تیرا فیصلہ کر کے ہی رہوں گا۔ پہلے تو میں نے یہ سوچا تھا کہ چلو مجھے تجھ سے براہ راست بھڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وقت تجھے خود بخود مار ڈالے گا لیکن شاید تیری تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ تو میرے ہاتھوں مرے۔"

"اب میں تجھ سے کیا کہوں منگلہ سن! میں نے تو کبھی تیری صورت پر تھوکنا بھی پسند نہیں کیا۔ تو بلاوجہ اپنے آپ کو اتنی اہمیت دے رہا ہے۔ مجھے نہ تیری زندگی سے کوئی دلچسپی ہے نہ موت سے۔"

"مگر مجھے تیری موت سے بہت زیادہ دلچسپی ہے کیونکہ تو نے میری پرسکون زندگی میں جو ہلچل پیدا کی ہے وہ کبھی کسی نے نہ کی ہوگی۔ برباد کر کے رکھ دیا تو نے مجھے۔"

"منگلہ سن جا اپنا کام کر۔ میں تو یہاں سے گزر رہا تھا کہ مجھے یہ جگہ نظر آگئی۔"

"بکواس کرتا ہے کمینے! بکواس کرتا ہے۔" اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور تھوڑے فاصلے پر پڑی ہوئی لکڑی جو کسی درخت سے ٹوٹ کر گری تھی اٹھالی۔ لکڑی دونوں ہاتھوں میں تول کر وہ پینترے بدلنے لگا میں نے حیرت سے کہا۔

"منگلہ سن! پاگل ہو گیا ہے۔ کیا تو کر کیا رہا تھا یہاں؟"

"میں جو کچھ کر رہا تھا اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوتا تو نہیں جانتا۔"

"منگلہ سن! وہاں مزار پر جو تو نے مجھ پر قاتلانہ حملے کرائے تھے۔"

"اور تو بچ گیا کتے! لیکن آج بچ کر دکھا مجھے۔" اس نے کہا اور لکڑی سے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"او بے وقوف! ہوش میں آ۔ میرے اور تیرے درمیان کوئی مفاہمت بھی ہو سکتی ہے۔"

"جب تک تو زندہ ہے نیل کنول مجھے نہیں مل سکتی۔ تیری موت کے بعد ہی وہ مجھے مل سکتی ہے کیونکہ وہ تجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔"

"نیل کنول۔"

"بکواس بند۔" اس نے کہا اور اس بار بڑی قوت سے اس نے مجھ پر وار کیا تھا۔ تقدیر ہی مہربان تھی جو بچ گیا تھا ورنہ سر کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ اب مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ منگلہ سن سے دو دو ہاتھ کئے بغیر گزارہ کرنا مشکل ہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اس وقت مجھ پر اپنے جادو کے وار نہیں کر رہا تھا بلکہ رقیبوں کی طرح ڈنڈا لے کر مجھ پر پل پڑا تھا۔ میں اس کے وار سے بچتا رہا اور وہ تھک کر ہانپنے لگا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"منگلہ سن! اصل میں تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہاری ساری دماغی قوتیں جواب دے چکی ہیں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر غور کر لو۔ میں نے اگر جوابی کاروائی کی تو تم بچ نہیں سکو گے۔"

"تیری جوابی کاروائی کی.........." اس نے مجھے ایک موٹی سی گالی دی اور بس یہی غلطی کر گیا۔ اس گالی کو میں برداشت نہ کر سکا۔ اس بار جب اس نے وہ لکڑی مجھے ماری اور وہ زمین پر پڑی تو میں نے پھرتی سے اس پر پاؤں رکھ دیا۔ منگلہ سن کو اس بات کی امید نہیں تھی کہ اس طرح لکڑی پر میرے پاؤں کا وزن آپڑے گا۔ لکڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں نے پاؤں سے ہی اسے پیچھے کر دیا۔ دوسرے لمحے میں نے لکڑی اٹھالی اور کہا۔

"گالی دی تھی نا تو نے مجھے ماں کی گالی دی تھی۔ جانتا ہے کہ میری ماں کون تھی۔ جانتا ہے۔"

جواب میں پھر اس نے مجھے ایک موٹی سی گالی دی اور میں نے پوری قوت سے لکڑی گھما دی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ میری اپنی قوت نہ ہو بلکہ وہ لوگ جو میری ماں کو اچھی آپا کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ میرے ارد گرد آگئے ہوں اور اب جنگ میرے اور منگلہ سن کے درمیان نہیں بلکہ ان کے اور منگلہ سن کے درمیان تھی وہ لکڑی منگلہ

سن کی ٹانگ پر پڑی تھی اور ٹانگ کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز صاف سنائی دی تھی۔ منگلہ سن کی ٹانگ ایک دم جھکی اور وہ زمین پر گر پڑا تو دوسری لکڑی اس کی دوسری ٹانگ پر پڑی اور منگلہ سن کے حلق سے ایسی ہی آواز نکلی جیسی بکرے کو ذبح کرتے ہوئے اس کے حلق سے نکلتی ہے۔ میں پوری دعوے اور پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت لکڑی صرف میرے ہاتھ میں تھی۔ اس کا جو ایکشن تھا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ بس اٹھ رہی تھی اور منگلہ سن پر گر رہی تھی۔ غالباً اس نے میری ماں کو جو گالی دی تھی وہ اس کے لئے عذاب جان بن گئی تھی۔ کیونکہ میری ماں سے محبت کرنے والے دوسرے تھے۔ وہ جو انہیں اچھی آپا کہتے تھے۔

پھر میں نے منگلہ سن کے پورے جسم کا قیمہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ شامت ہی آئی تھی کم بخت کی جو اس نے یہ گالی دے ڈالی تھی ورنہ شاید اتنی آسانی سے موت اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کی ٹوٹی ہڈیاں۔ پھٹا ہوا سر' پھوٹی ہوئی آنکھیں۔ ٹوٹے ہوئے دانت زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح زمین سے چپک گیا تھا جیسے اس کے اوپر کوئی بلڈوزر چل گیا ہو۔ میں خون میں ڈوبی ہوئی لکڑی کو ہاتھ میں لئے اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا اب بھی منگلہ سن اٹھ کر کھڑا ہو سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں دیر تک اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر میں نے لکڑی پھینک دی۔ مجھے ایک وحشت کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے ایک نگاہ اس کالے رنگ کے مٹھ پر ڈالی جہاں منگلہ سن جادو کر رہا تھا اور اس کے بعد میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ ایک عجیب سا خوف میرے دل میں جاگزیں تھا۔

پھر بقیہ کا فاصلہ بھی طے ہو گیا اور میں گہرائیوں سے سڑک پر پہنچ گیا۔ بڑی خوبصورت سڑک بنی ہوئی تھی۔ اب اس میں کونسا راستہ کس سمت جاتا تھا اس کا مجھے علم نہیں تھا لیکن میں نے بائیں سمت کا ہی رخ کیا اور سڑک پر چل پڑا۔ اکا دکا گاڑیاں گزر جاتی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ مکمل طور سے اپنے حواس پر قابو پا لوں تو آگے بڑھ کر سڑک پر کسی گاڑی سے لفٹ مانگوں۔ یہ اندازہ بھی لگانا تھا مجھے کہ میرے جسم پر منگلہ سن کے خون کے چھینٹوں کے نشان تو نہیں ہیں۔ ایک چھوٹا سا پل نظر آیا اور میں اس کے کنارے بیٹھ کر اپنا جائزہ لینے لگا۔ خدا کا شکر تھا کہ لباس پر خون کا کوئی چھینٹا نہیں پڑا تھا۔ یہاں سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے گہری سانس لی۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا منگلہ سن کی موت کے بعد حالات میں کوئی تبدیلی رونما ہو گی۔ اب تک تو بڑی معرکہ آرائی

رہی تھی اس سے۔ ایک گاڑی گزری تو میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے لوگ مجھے جھانکتے ہوئے گزر گئے تھے۔ دوسری تیسری اور چوتھی گاڑی گزری اور اس کے بعد میں سڑک کے کنارے آ کھڑا ہوا۔ پانچویں گاڑی بھی گزری تھی۔ یہ کار تھی آگے ڈرائیور موجود تھا۔ پیچھے کچھ خواتین بیٹھی ہوئی تھیں لیکن جیسے ہی میری نگاہ پیچھے بیٹھی ہوئی عورتوں پر پڑی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

آہ۔ یہ نیل کنول تھی۔ تین عورتیں تھیں ان میں سے ایک نیل کنول تھی۔ سو فیصد نیل کنول۔ پتہ نہیں اس نے مجھے دیکھا تھا یا نہیں۔ لیکن یہ وہی تھی گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی اور میں بے اختیار میں اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔ لیکن کچھ لمحوں کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اتنے عرصے کے بعد نیل کنول کو دیکھا تھا میرا سارا وجود لرز گیا تھا۔ منگلہ سن مر چکا ہے۔ نیل کنول کا میرے سامنے اس طرح آنا کیا کسی اہم نوعیت کا حامل ہے۔ بہر حال اسے دیکھنے کے بعد دل کی جو حالت ہوئی تھی وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ نہ جانے دل غم کا شکار تھا یا خوشی کا' میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ پیچھے سے ایک گاڑی میرے پاس آ کر رکی۔

"کہاں جا رہے ہو بھائی! یہاں کیسے نظر آ رہے ہو۔ آؤ بیٹھو تمہیں آبادی تک چھوڑ دوں اس کے بعد جہاں دل چاہے چلے جانا۔" ایک عمر رسیدہ اور مشفق سا آدمی تھا۔ ڈرائیور کی برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر پچھلی سیٹ پر آ بیٹھا۔

"جا کہاں رہے تھے؟"

"کسی بھی آبادی تک۔"

"یہاں کیسے آ کھڑے ہوئے؟"

"ایک بستی سے پیدل چل کر یہاں تک آیا ہوں۔"

"خیریت۔ کوئی پریشانی ہے؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے یہ سوالات ایسے ہی کر ڈالے ہیں۔ یہ مت سمجھنا کہ ذرا سی لفٹ دے کر تم سے تمہارا شجرہ نسب معلوم کر رہا ہوں۔"

"نہیں سر۔ کوئی بات نہیں ہے۔" میں مدھم لہجے میں بولا اور پھر خاموش ہو گیا۔ اس شخص نے بھی اس کے بعد کوئی خاص بات نہیں کی تھی۔ میرے ذہن میں عجیب سے

خیالات آ رہے تھے۔ نیل کنول بدستور میرے ذہن سے چپکی ہوئی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اڑ کر اس تک پہنچ جاؤں۔ آہ کیا بدنصیبی ہے کہ اس کی شکل تو دیکھ لی لیکن کار کا نمبر نہیں دیکھ سکا۔ اصل میں اس وقت حواس ہی قائم نہیں رہ سکے تھے ورنہ اگر کار کا نمبر دیکھ لیتا تو شاید کچھ معلومات حاصل ہو سکتیں۔ نہ جانے وہ دو لڑکیاں اس کے پاس کون بیٹھی ہوئی تھیں۔ کہاں جا رہی تھیں وہ مایاوتی اب بھی اسے اپنے قبضے میں کئے ہوئے ہے یا پھر وہ مایاوتی کے چنگل سے نکل چکی ہے؟ پھر کوئی سوا گھنٹے کے سفر کے بعد آبادی نظر آنے لگی تو سامنے بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

"میں اس سڑک پر آگے جاؤں گا۔ اگر آپ اس آبادی میں اترنا چاہیں تو اتر جائیں۔ یہاں سے آپ کو کوئی دوسرا انتظام کرنا ہو گا۔"

"آپ کا بے حد شکریہ جناب! آپ نے بہت احسان کیا ہے مجھ پر۔"

"میں آپ کو آپ کی مطلوبہ جگہ بھی چھوڑ دیتا لیکن آپ یقین کیجئے مجھے بھی مقررہ وقت پر اپنے اس کام پر پہنچنا ہے جس کے لئے میں گھر سے نکلا ہوں۔"

"آپ کا بے حد شکریہ۔ آپ یقین کیجئے کہ میں کوئی اور بات نہیں کر رہا۔ نہ جانے کب تک یہاں پہنچتا۔ ویسے اس آبادی کا نام کیا ہے؟"

"سہارن پور۔" ان صاحب نے جواب دیا اور میں ان کا شکریہ ادا کر کے نیچے اتر گیا۔ لیکن نیچے قدم رکھتے ہی میرے ذہن میں ایک چھناکا ہوا تھا سہارن پور۔ سہارن پور' سہارن پور۔ یہ تو مرزا قدس بیگ کا شہر تھا۔ وہی مرزا قدس جو مجھے پھول نگر میں پھول بابا کے مزار پر ملے تھے اور جنہوں نے میرے ساتھ بہت ہی اچھا برتاؤ کیا تھا۔ سہیل۔ سائرہ اور وہ پُراسرار وجود حرا۔ مرزا قدس بیگ۔ رفیق بیگ' حاجیانی' کلثوم آپا۔ سارے نام میرے ذہن میں آ گئے تھے اور میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ سہارن پور آیا ہوں تو مرزا قدس بیگ کا گھر تلاش کروں۔ ان کے پاس جاؤں لیکن پھر دل میں ایک عجیب سا احساس ابھرا۔ میری وجہ سے ان لوگوں کو شدید نقصانات پہنچے تھے اور وہ مجبوراً پھول نگر سے واپسی کے لئے آمادہ ہوئے تھے۔ اب پھر میں ان کے گھر پہنچ جاؤں۔ یہ تو ذرا غیر مناسب بات ہے۔ نہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ یہاں رکنا بھی مناسب نہیں ہے۔ اب پتہ نہیں اس آبادی کی کیا کیفیت ہے۔ میں آگے بڑھ گیا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے کہا۔

"بھائی! ریلوے اسٹیشن کا راستہ کس طرف جاتا ہے؟"

"اِدھر ریلوے اسٹیشن کہاں جی۔ آپ ایسا کرو جدھر سے آ رہے ہو اُدھر ہی واپس جاؤ۔ آگے جانے کے بعد سیدھے ہاتھ پر چلے جانا وہاں آپ کو تانگوں کا اڈا نظر آئے گا۔ کسی تانگے والے سے کہیں گے تو ریلوے اسٹیشن پہنچا دے گا۔ اِدھر سے کوئی راستہ ریلوے اسٹیشن نہیں جاتا۔"

میں اُدھر سے واپس چل پڑا۔ ریلوے اسٹیشن بہرحال ایک بہتر جگہ ہوتی ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد میں تعین کروں گا کہ مجھے کہاں جانا چاہئے۔ بہرحال جس شخص سے پتہ پوچھا تھا اس کی ہدایت کے مطابق میں تانگوں کے اڈے پر پہنچا۔ اور پھر وہاں سے ریلوے اسٹیشن۔ اسٹیشن اچھا خاصا بڑا تھا۔ اور وہاں خوب رونق تھی۔ میں معلومات حاصل کرنے لگا اور میں نے سوچا کہ مجھے ٹکٹ خرید لینا چاہئے۔ منزل تو کوئی بھی نہیں۔ بس جدھر منہ اٹھے گا چلا جاؤں گا۔ ابھی میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک ہی مجھے اپنے کان کے پاس ایک گرج سنائی دی۔

"ارے واہ۔ یہ ہوئی نا بات۔ یعنی یہاں پہنچ گئے اور ہمیں اطلاع تک نہیں ہے۔" جانی پہچانی آواز تھی اور کان کے پاس سنائی دی تھی۔ چونک کر دیکھا تو مرزا قدس بیگ تھے نہ جانے کیوں دل بے اختیار ہو گیا۔ انہوں نے ہاتھ پھیلائے تو میں بھی ان سے لپٹ گیا۔

"یہ بتاؤ کہاں سے آ رہے ہو؟"

"آ نہیں رہا مرزا صاحب۔ جا رہا ہوں۔"

"کیا۔ کہاں؟"

"بس یہی سوچ رہا تھا کہ ٹکٹ خرید لوں۔"

"آیئے شرافت کے ساتھ یعنی آپ سہارن پور آئے ہیں اور ہم سے ملے بغیر جا رہے ہیں۔ میاں! ایسی بھی کیا بے وفائی۔ انسانوں سے اس طرح تو سلوک نہیں کیا جاتا۔"

"وہ مرزا صاحب دراصل۔"

"دراصل کی ایسی کی تیسی۔ آیئے۔" پھر مرزا صاحب ریلوے اسٹیشن سے باہر نکل آئے۔ شاید کہیں سے آئے تھے اور ریل سے اترے تھے۔ سہیل وغیرہ باہر گاڑی میں موجود تھے اور مرزا صاحب میرا ہاتھ پکڑے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھ گئے لیکن اچانک ہی میرے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ گاڑی۔ یہ گاڑی تو جانی پہچانی ہے۔ کہاں دیکھا ہے اس گاڑی کو۔ بہت قریب سے دیکھا ہے۔ بہرحال یاد نہیں آ سکا لیکن جب ایک خوبصورت کوٹھی میں اترے اور ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف لگا دی تو ایک دم یاد آ گیا

لیکن جو یاد آیا اس سے ذہن میں ایک چھناکہ سا ہوا تھا۔ یہ گاڑی تو سڑک پر سے گزرتے ہوئے دیکھی تھی۔ اس وقت جب منگلہ سن کو مار کر سڑک پر آیا تھا اور اس گاڑی میں نیل کنول بیٹھی ہوئی تھی۔ کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں نے دل میں سوچا۔ مرزا صاحب مجھے کوٹھی کے اندر لے گئے۔ سائرہ' سہیل' حاجیانی صاحبہ سب ہی مجھ سے مل کر بے پناہ خوش ہوئے تھے اور مجھے گھر کے ایک فرد کی حیثیت دی گئی تھی۔ میں نے مرزا صاحب سے کہا۔

"میری وجہ سے آپ کو وہاں پھول بابا کے مزار پر بڑی پریشانی ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے مجھے آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دینی چاہئے۔"

"دیکھو بیٹے! کسی کو ذلیل نہیں کرنا چاہئے۔ تم سارن پور آئے اور ہم سے ملے بغیر جا رہے تھے۔ یہ ہماری کافی بے عزتی تھی اور اب یہ الفاظ کہہ کر تم ہمیں مزید ذلیل کر رہے ہو' کوئی ناراضگی ہے ہم سے؟"

"بخدا نہیں مرزا صاحب وہ.......... وہ.......... وہ۔"

"میاں مسلمان ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اب ایسا بھی کیا وہ ایک حادثہ پیش آگیا۔ ایک واقعہ ہو گیا تو تم نے اسے اپنی نحوست قرار دے دیا۔ چھوڑو کن چکروں میں پڑے ہوئے ہو۔"

مرزا صاحب ہی نہیں گھر کے تمام افراد بے حد نفیس تھے۔ میرے ذہن میں یہ کرید لگی ہوئی تھی کہ نیل کنول مجھے اس گاڑی میں کیسے نظر آئی تھی اور رات کو کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ اس دوران میں نے سبھی کو دیکھا تھا لیکن وہ پراسرار لڑکی حرا مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ میرے لئے جو کمرہ مخصوص کیا گیا تھا وہ ذرا عام کمروں سے ذرا فاصلے پر تھا۔ میں تمام معمولات سے فراغت حاصل کر کے آرام کرنے کے لئے بیٹھا تھا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں جلدی سے سنبھل گیا۔

"کون ہے آؤ۔" اور حرا اندر داخل ہو گئی چہرہ اس طرح چھپا ہوا تھا۔ میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ پھر میں نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آیئے حرا! سب سے ملاقات ہوئی سوائے آپ کے۔ میں یاد کر رہا تھا آپ کو لیکن ذرا پوچھتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی۔" حرا نے کوئی جواب نہیں دیا خاموش کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔

"آیئے۔ جب آپ مجھ سے ملنے آئی ہیں تو بیٹھئے تھوڑی دیر۔" لیکن وہ بیٹھی

نہیں۔

"حرا۔" میں نے اسے آواز دی اور اس نے اچانک اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ میں نے اسے دیکھا اور در حقیقت تھوڑی دیر کے لئے میرا دماغ بالکل معطل ہو گیا۔ وہ نیل کنول تھی۔ میں پاگلوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔ پھر جب میرے حواس واپس آئے تو میرے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"نیل کنول۔" وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور اس نے کہا۔

"نہیں میرا نام حرا ہی ہے۔"

"لل.......... لیکن نیل کنول۔ میں نے' میں نے تمہیں سڑک پر کار میں آتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"کب..........؟" میں نے اسے وقت بتایا تو اس نے کہا۔

"ہاں میں گئی ہوئی تھی۔ ایک دوسری بستی گئی ہوئی تھی۔ مجھے مرزا صاحب نے کسی کام سے بھیجا تھا۔ دوسرے لوگ بھی میرے ساتھ تھے۔"

"لیکن نیل کنول تم حرا.......... حرا کیا اس وقت پھول نگر میں بھی تم ہی؟"

"ہاں میں ہی۔"

"اور تم اس وقت میرے سامنے نہیں آئیں۔"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"مناسب نہیں تھا۔ میں اپنی اور تمہاری زندگی میں کوئی ہلچل لانا چاہتی تھی اور پھر وہاں مجھے منگلہ سن بھی نظر آگیا تھا۔ وہ وہیں تھا۔"

"نیل کنول میں نے منگلہ سن کو ختم کر دیا۔"

"مجھے علم ہے۔"

"پتہ ہے تمہیں؟"

"ہاں۔"

"کیسے؟"

"بس کچھ چیزیں میرے علم میں آ جاتی ہیں۔"

"مگر حرا تم یہاں۔ میرا مطلب ہے۔ اف! میرے خدایا مایاوتی کا کیا ہوا؟"

"مایاوتی مر گئی۔ میں تمہیں تمام ہی تفصیل بتانے کے لئے یہاں آئی تھی۔"

"نیل کنول خدا کے لئے مجھے سب کچھ بتا دو۔"

"آپ ایک بات مان لیں گے میری؟"

"ہاں بولو۔"

"آپ مجھے حرا کہیں۔ یہی میرا اصل نام ہے۔ میرے باپ نے میرا یہی نام رکھا تھا۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں حرا کہوں گا۔ مگر تم مجھے اپنے بارے میں تفصیل تو بتاؤ سہی۔"

"بچپن ہی سے مصیبتوں میں گھری رہی ہوں۔ ماں باپ بہت اچھے تھے۔ ابو ذرا سخت مزاج تھے۔ ماں کے ساتھ بھی سخت سلوک کیا کرتے تھے۔ ماں کا انتقال ہو گیا۔ ابو نے دوسری شادی کر لی اور میں ایک طرح سے لاوارث ہو گئی۔ پھر ایک دن میں یونہی حویلی کے ایک کونے میں کھڑی ہوئی تھی کہ یہ منحوس شخص مجھے وہاں نظر آیا۔ جس کا نام منگل سن تھا۔ نہ جانے اس نے کیا کیا مجھے وہاں سے لے آیا اور پھر میں نہ جانے کہاں دربدر بھٹکتی رہی۔ اس نے مجھے اپنے راستے پر لگانا چاہا لیکن میں نے تسلیم نہیں کیا تو اس نے مجھے مایاوتی کے حوالے کر دیا اور کہا کہ مایاوتی مجھے اس کی طرف راغب ہونے کے لئے تیار کرے۔ ایسا نہیں ہو سکا پھر آپ مل گئے۔ نہ جانے کیا کیا ہنگامے ہوئے۔ مایاوتی مر گئی۔ یہ بھی میرے پاس نہیں آیا۔ میں لاوارث رہ گئی۔ بیمار ہو گئی تھی۔ ہسپتال پہنچی وہاں ڈاکٹر سائرہ مجھے ملیں۔ اپنے گھر لے آئیں۔ بس یہ تھی میری کہانی۔ اس کے بعد کے واقعات آپ کو معلوم ہیں لیکن نہ جانے کیوں میرے دل میں وہ بات پہلے سے آ جاتی ہے جو ہونے والی ہوتی ہے۔ میں خواب میں دیکھتی ہوں۔ منگل سن کی موت بھی میں نے خواب میں ہی دیکھی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ آپ کی آمد کو بھی میں نے خواب میں ہی دیکھا تھا۔ یہ ہے ساری کہانی۔"

"حرا۔ میں بھی ایک مظلوم انسان ہوں۔ میرے بھی ماں باپ مر چکے تھے۔ ایک ماں تھی اور میں تھا۔ ہم دونوں ماں بیٹے بڑی خوش زندگی گزار رہے تھے۔ میں تعلیم مکمل کر رہا تھا میری والدہ ملازمت کرتی تھیں۔ ایک دن ایک کار نے انہیں کچل کر ہلاک کر دیا اور میں تنہا رہ گیا میں نے کار والے کے خلاف پولیس میں رابطے کئے لیکن مجھے الٹا جیل میں بند کر دیا گیا۔ بس وہاں سے میرے بھٹکنے کا سامان پیدا ہو گیا اور اس کے بعد نہ جانے کیسے کیسے مشکل مرحلوں سے گزرتا رہا لیکن حرا یقین کرو۔ میں نے جب سے تمہیں دیکھا

نیل کنول کی حیثیت سے میرے دل میں تمہارے لئے ایک عجیب مقام پیدا ہو گیا تھا۔ حرا میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔ میری زندگی اتنی ٹوٹ چکی ہے کہ اب میں اپنے آپ کو زندہ انسانوں میں تصور نہیں کرتا۔ حرا میں تم سے محبت کرتا ہوں کیا تم مجھے اپنی زندگی کا ساتھ دے دو گی؟ حرا ہم دونوں ٹوٹے ہوئے ہیں اتنی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے ہمارے اندر کہ اب ہم زندگی سے نہیں لڑ سکتے۔ اگر ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ حاصل ہو جائے تو............ تو............" میری آواز بند ہو گئی۔ حرا مجھے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اگر حالات ہموار ہو جائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" حرا دو تین گھنٹے میرے پاس بیٹھی رہی میں نے اس سے کہا کہ میں مرزا صاحب سے بات کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ تقدیر مجھے یہاں تک اسی لئے لائی ہو۔ لیکن دوسرے دن ناشتے کے بعد مرزا قدس بیگ نے مجھ سے کہا۔

"بابر بیٹے کہیں جانا تو نہیں ہے کوئی مصروفیت تو نہیں ہے۔ میں تم سے تھوڑی دیر کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی مرزا صاحب! کیوں نہیں!" مرزا صاحب مجھے ایک کمرے میں لے گئے۔ بڑے سنجیدہ تھے اور چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ مجھے بٹھایا اتنی دیر میں سائرہ کچھ لئے ہوئے اندر آ گئی۔ یہ ایک البم تھا۔ مرزا صاحب نے البم اپنے ہاتھوں میں لے لیا سائرہ نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ مرزا صاحب کہنے لگے۔

"بیٹے! کل حرا تمہارے کمرے میں گئی تھی۔" میں نے چونک کر مرزا صاحب کو دیکھا۔ مرزا صاحب کہنے لگے۔

"اصل میں سائرہ بھی تمہارے پاس آ رہی تھی۔ جب یہ تمہارے کمرے کے دروازے پر پہنچی تو اندر سے حرا کے اور تمہارے گفتگو کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ وہ وقت تھا جب حرا اپنی کہانی کا آغاز کر رہی تھی۔ اس نے تمہیں اپنی کہانی سنائی۔ پتہ چلا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے پہلے واقف ہو اور بعد میں یہ بھی پتہ چلا کہ تم دونوں ایک دوسرے کے زندگی کے ساتھی بننا چاہتے ہو۔ بیٹے! پہلی بات میں تم سے کہوں کہ میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی اور کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہیں ہر طرح کی سہولت فراہم کروں گا۔ حرا میری بیٹی نہیں ہے لیکن میں اسے ایک بیٹی ہی کا درجہ دوں گا اور اسے تمہارے نکاح میں دے دوں گا لیکن اس سے پہلے بیٹا میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں تم سے۔"

"جی مرزا صاحب۔" تب مرزا صاحب نے البم کھول کر دو تصویریں میرے سامنے کر دیں جو ایک مرد کی تھی اور دوسری عورت کی۔ میں ان تصویروں کو دیکھنے لگا شکل جانی پہچانی تھی اور مجھے بہت کچھ یاد آ گیا۔ مرد وہ تھا جس کی گاڑی کے نیچے میری والدہ آ کر ہلاک ہوئی تھیں۔ عورت کو میں نہیں پہچانتا تھا۔ میں حیران نگاہوں سے مرزا صاحب کو دیکھنے لگا تو مرزا صاحب نے کہا۔

"یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور یہ بھاوج! رات کو تم جب اپنے بارے میں حرا کو بتا رہے تھے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ تمہاری والدہ میرے چھوٹے بھائی کی گاڑی کے نیچے آ کر ہلاک ہو گئی تھیں۔ وہ بہت مغرور تھا۔ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بڑے تعلقات تھے اس کے۔ تھانہ انچارج کو اس نے سمجھا دیا تھا کہ اس پر مقدمہ نہیں قائم ہونا چاہئے۔ تم جیل چلے گئے لیکن وہیں اس کے ضمیر نے اسے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ وہ سخت پریشان رہنے لگا۔ پھر ایک دن وہ اپنی بیوی کے ساتھ کار میں آ رہا تھا کہ اس کی کار کا حادثہ ہوا اور دونوں وہیں مر گئے۔ میرے علم میں ان خاتون کی ہلاکت کی کہانی آ گئی تھی۔ میں اسے سمجھاتا تھا کہ تمہیں جیل سے نکال کر معذرت کرے اور شرمندگی کا اظہار کرے لیکن وہ اپنی انا کا شکار تھا اور یہی انا اسے موت کے دروازے پر لے گئی۔ بیٹے! وہ مر چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس نے جو جرم کیا ہے اسے اس کی سزا مل گئی۔ اگر تم اسے معاف کر دو تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ میں تم سے اپنی ساری محبتوں کا یہی صلہ مانگتا ہوں۔"

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ ماں نے جو مجھے ہدایت کی تھی کہ مسئلے کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے اس کی بنیادی وجہ یہی تھی۔ میں نے مرزا صاحب سے گردن جھکا کر کہا۔ "میں نے انہیں معاف کر دیا ہے۔"

میں بعد میں ان کی قبر پر بھی گیا۔ پھر اس کے بعد مرزا صاحب نے میرا نکاح حرا سے کر دیا اور اب ہم اللہ کے فضل سے انتہائی پُرآسائش اور پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ میرے اوپر سے سورج گرہن ختم ہو گیا ہے اور میں اللہ کا احسان مند ہوں۔

☆======ختم شد======☆

- بچھو۔ ایک ایسے خبیث کی داستان جو معصوم انسانوں کو خدا کی راہ سے بھٹکانا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا تھا۔
- ایک ایسے قبیلے کی داستان جو انسانی خون اور گوشت کا نذرانہ لئے بغیر اپنے ساتھیوں کی بھی مدد کرنا حرام سمجھتا تھا۔
- تیرہ افراد پر مشتمل شیطانی گروہ جس میں چودھویں کی شمولیت ان کی موت کے مترادف تھی۔
- غمِ عشق اور اپنوں کی جدائیوں میں گرفتار ایک انسان کا فسانہ جو گناہ کی دلدل میں دھنس گیا۔
- ناگو، پورن وتی، منگلا سن اور نیل کنول جیسے زندہ کرداروں سے مزین زندہ داستان۔
- خون پی کر کالی شکتی حاصل کرنے والا شخص کون تھا؟
- بچھو کے دھڑ پر انسانی چہرہ کس کا تھا؟
- ایک ایسے عفریت کا ماجرا جو اس دنیا سے حسن اور خوبصورتی کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا۔

Rs. 300/-

ISBN 969-517-144-3